بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے
تو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا؟

معالم العرفان
فی
دروس القرآن

افادات
حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی ؒ
خطیب جامع مسجد نور
بانی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مرتب
الحاج لعل دین ایم اے [علوم اسلامیہ]

ناشر
مکتبہ دروس القرآن
فاروق گنج ○ گوجرانوالہ

تفسیر

(جلد ۱۵)

سورۃ لقمان ــــــ (مکمّل)

سورۃ السّجدۃ ــــــ (مکمّل)

سورۃ الاحزاب ــــــ (مکمّل)

سورۃ سبا ــــــ (مکمّل)

سورۃ فاطر ــــــ (مکمّل)

سورۃ یٰسٓ ــــــ (مکمّل)

سورۃ الصّٰفّٰت ــــــ (مکمّل)

ــــــ افادات ــــــ

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دام مجدھم

خطیب جامع مسجد نور، گوجرانوالہ، پاکستان

اٹھارواں ایڈیشن

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب .... معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ لقمان تا سورۃ الصّٰفّٰت) جلد ۱۵

افادات .... حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب .... الحاج لعل دین رحمۃ اللہ علیہ ۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار ٹاؤن لاہور

تعداد طباعت .... پانچ سو (۵۰۰)

سرورق .... سید الخطاطین حضرت شاہ نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

کتابت .... محمد امان اللہ قادری، گوجرانوالہ

ناشر .... مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت .... ۳۲۵/- (تین سو پچیس روپے)

تاریخ طبع اٹھارواں ایڈیشن ...... رجب المرجب ۱۴۳۴ھ بمطابق مئی ۲۰۱۳ء

ملنے کے پتے

(۱) کتب خانہ صفدریہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

(۲) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ (۳) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی

(۴) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

(۶) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور (۷) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی

(۸) مکتبہ سید احمد شہیدؒ، اردو بازار، لاہور (۹) اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی، ایبٹ آباد

(۱۰) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ (۱۱) مکتبہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین معالم العرفان فی دروس القرآن جلد ۱۵

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ اَمَّا بَعْدُ

ہم اللہ تعالیٰ کی کریم فرمائی پر جس قدر بھی شکریہ ادا کریں کم ہے کہ وہ اپنے ناچیز بندوں سے قرآن پاک کی خدمت جیسا عظیم کام لے رہا ہے۔ سلسلہ دروس القرآن کی اشاعت کا کام جاری ہے اور اس وقت اس کی پندرہویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ جلد سات سورتوں لقمان، الٓمٓ سجدہ، الاحزاب، سبا، فاطر، یٰسٓ اور الصّٰفّٰت پر مشتمل ہے۔ ان سورتوں میں صرف سورۃ الاحزاب مدنی سورۃ ہے جو ۵ ھ میں غزوہ احزاب کے بعد نازل ہوئی۔ باقی چھ سورتیں مکی ہیں اور ان کا زمانہ نزول عام طور پر مکی زندگی کا وسطی دور ہے۔ جہاں تک ان سورتوں کے مضامین کا تعلق ہے۔ تو تمام مکی سورتوں میں چار بنیادی عقاید توحید، رسالت، قرآن پاک کی حقانیت اور وقوع قیامت کے تذکرے کے علاوہ بعض ضمنی مسائل بھی آ گئے ہیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سورۃ لقمان میں مذکورہ بنیادی عقائد کے علاوہ حضرت لقمانؒ کی اپنے بیٹے کو بعض نصائح کا ذکر ہے جن میں سرفہرست شرک کی تردید اور والدین کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، صبر کی عظمت غرور کی مذمت اور اپنی چال اور آواز کو میانہ رکھنے کا حکم ہے۔ اس سورۃ میں اللہ نے اپنی بعض صفات کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر سارے سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام درخت قلمیں بن جائیں اور ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کے کلمات لکھنا شروع کر دے تو سارے سمندروں کی سیاہی ختم ہو جائیگی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی صفات ختم نہ ہوں گی۔ اللہ نے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کی تردید فرمائی ہے۔ اور شرک کے رد میں کشتی کی مثال بیان فرمائی ہے کہ جب مشرک لوگ

سمندر میں پھنس جاتے ہیں تو خالص اللہ کو پکارتے ہیں۔ مگر جب خشکی پر پہنچ جاتے ہیں تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔ سورۃ کے آخر میں اللہ نے ان پانچ چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کا علم اللہ نے مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔

اگلی سورۃ الٓمٓ سجدہ ہے۔ اس میں اہلِ عرب کو اُن کے بُرے اعمال سے ڈرایا گیا۔ پھر تخلیقِ کائنات اور تخلیق انسان کو اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر پیش کر کے اللہ کی وحدانیت پر بطور دلیل پیش کیا ہے۔ بعث بعد الموت کا خصوصی تذکرہ ہے اور حساب کتاب کی منزل کا بھی۔ مجرم لوگ عذابِ الٰہی کو دیکھ کر دنیا میں دوبارہ آنے کی خواہش کا اظہار کریں گے مگر اُن کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکے گی۔ اللہ نے تہجد گزار بندوں کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ خوف و اُمید کے ساتھ راتوں کو اُٹھ کر اللہ کی بارگاہ میں مناجات پیش کرتے ہیں۔ کفار کی طرف قیامت کے روز خدا پر ایمان لانے کے متعلق فرمایا کہ اس دن ایمان لانا کچھ مفید نہیں ہوگا۔ اس دنیا میں ہی انسان ایمان سے مشرف ہو کر کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے بعد مدنی سورۃ الاحزاب آتی ہے جس میں ۵ ھ میں پیش آنے والے غزوہ احزاب کا ذکر ہے۔ مشرکین، یہود اور منافقین نے مل بھگت کر کے مدینہ طیبہ پر زبردست حملہ کیا تھا، جس کے جواب میں مسلمانوں نے مدینہ کے اردگرد خندق کھود کر اپنا دفاع کیا تھا اور اس طرح مخالفین کا یہ گٹھ جوڑ ناکام ہو گیا تھا۔ البتہ اس غزوہ کے بعد اہلِ اسلام نے یہودیوں کے گڑھ بنی قریظہ پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا، تمام بالغ مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا گیا۔ اس زمانہ کے عرب متبنّیٰ کو حقیقی بیٹے والے حقوق دیتے تھے جس کی تردید کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت زینبؓ کے حضرت زیدؓ سے نکاح اور طلاق اور پھر حضور علیہ السلام سے نکاح کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں نبی علیہ السلام کے بعض خانگی معاملات کا ذکر بھی ہے۔ ازواجِ مطہراتؓ نے خرچہ بڑھانے کا مطالبہ کیا تو اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کا مال چاہتی ہو

تو میں تمہیں فارغ کیے دیتا ہوں اور اگر اللہ اور اس کے رسول کو چاہتی ہو تو پھر موجودہ وسائل پر قناعت کرو۔ اس سورۃ میں پردے کے احکام بھی ہیں، میثاقِ انبیاءؑ کا ذکر ہے، اہل بیت کی تطہیر اور ختم نبوت کا مسئلہ بھی آگیا ہے۔ نبی کی ازواج کو مومنوں کی مائیں قرار دے کر اُن کے ساتھ نکاح کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیا ہے حضور علیہ السلام کی تعظیم و توقیر اور صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا حکم ہے۔ آپ کے لیے بیک وقت چار سے زیادہ بیویوں کی خصوصی اجازت ہے۔ اس کے علاوہ نبی علیہ السلام کو اذیت پہنچانے پر سخت سزا کی وعید بھی آئی ہے۔

سورۃ سبا ایک شخص، قبیلہ، بستی اور ملک کے نام سے موسوم ہے۔ اللہ نے قوم سبا کی خوشحالی، سدِّمارب، سرسبزی و شادابی اور باغات کا ذکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ اس قوم کے غرور و تکبر اور خدا سے دوری کا ذکر بھی ہے جب اللہ کا غضب آیا تو ان کا بنایا ہوا سرسبزی اور شادابی کا ضامن بند ٹوٹ گیا اور تمام باغات اور کھیتیاں تباہ ہوگئیں اور لوگ دوسرے علاقوں کی طرف چلے گئے۔

بنیادی عقاید کے علاوہ اس سورۃ میں اصلاحِ اخلاق اور تہذیب انسانی پر زور دیا گیا ہے اللہ کے جلیل القدر انبیاء داؤد اور سلیمان علیہما السلام اور اُن کو ملنے والے انعامات کا ذکر ہے۔ داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پہ لوہے کو نرم کرنے اور آپ کو خوش الحانی عطا کرنے کا بطورِ خاص تذکرہ ہے۔ سلیمان علیہ السلام کو اُن کی دُعا کے نتیجہ میں اللہ نے بے مثال حکومت عطا کی اور جنات، ہوا اور تانبہ کو آپ کے لیے مسخر کر دیا۔ اس سورۃ مبارکہ میں سلیمان علیہ السلام کی وفات کا واقعہ بھی مذکور ہے کہ آپ لاٹھی کے سہارے کھڑے کھڑے خالقِ کائنات سے جا ملے مگر کام پر مامور جنات کو اس کا علم نہ ہو سکا۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح سورۃ فاطر میں بھی چار بنیادی عقائد کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ کا خصوصی ذکر ہے کہ اگر وہ کسی کو کوئی چیز دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر روک دے تو اس کے سوا کوئی دے نہیں سکتا قوت

اور عزت کا سرچشمہ صرف ذاتِ خداوندی ہے شیطان کے مکروفریب سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اللہ نے کفر اور ایمان کا تقابل بھی پیش کیا ہے۔ ہر قوم میں منذر بھیجنے کا ذکر ہے اور نافرمانوں کو دائمی عذاب کی وعید سنائی ہے۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اگر کوئی منذر آگیا تو ہم زیادہ ہدایت پہ ہوں گے۔ مگر جب اللہ کا آخری نبی آگیا تو یہی لوگ آپ کے دشمن بن گئے۔ اللہ نے یاد دلایا کہ تم سے پہلے لوگ تم سے زیادہ طاقتور تھے جن کا نام ونشان تک مٹا دیا گیا۔ مگر تم انہی کے نقشِ قدم پر چل کر بہتری کی توقع کیسے کر سکتے ہو؟ یہ تو اللہ کی مہربانی ہے کہ وہ فوراً گرفت نہیں کرتا۔ ورنہ زمین پر کوئی بھی چلنے پھرنے والا جاندار باقی نہ بچتا۔

سورۃ یٰسٓ ایک اہم سورۃ ہے جس کو قرآنِ پاک کے دِل سے تعبیر کیا گیا ہے اس سورۃ کو رات کے وقت تلاوت کرنے سے اللہ کی طرف سے مغفرت کا اعلان ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ کی رضا اور آخرت کا گھر مطلوب ہے وہ اس سورۃ کی تلاوت کیا کرے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ سورۃ میری امت کے ہر فرد کے سینے میں محفوظ ہونی چاہیئے۔ مرض الموت میں مریض کے سرہانے یہ سورۃ پڑھنے سے اُس کی روح آسانی سے نکلتی ہے اور اُس کو ایمان نصیب ہوتا ہے۔ ویسے بھی زندگی کے اہم مواقع پر اس کی تلاوت اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ اس سورۃ میں توحید، وقوعِ قیامت اور محاسبۂ اعمال کا ذکر مؤثر پیرائے میں کیا گیا ہے۔ منکرین کی بدبختی اور اُن کی سزا کا ذکر ہے جب کہ اہلِ ایمان کے لیے انعامات کی خوشخبری دی گئی ہے

اس سورۃ مبارکہ میں ایک بستی کا ذکر بھی ہے جس میں رسول یا مبلغین آئے مگر انہوں نے تکذیب کی۔ شہر کے دور کنارے سے آکر ایک شخص نے بستی والوں کو سمجھانے کی کوشش کی مگر انہوں نے اس کو بھی قتل کر دیا اور مرسلین کو بھی نہ چھوڑا پھر ایک چیخ آئی اور سارے بستی والے نابود ہو گئے۔ وقوعِ قیامت کے سلسلہ میں صورِ ثانی، مردوں کے زندہ ہونے اپنے رب کی طرف تیزی سے جانے اور دوبارہ بعث پر لوگوں کی حیرت کا ذکر ہے۔ پھر اہلِ جنت کے انعامات کا ذکر ہے۔ مجرموں کو علیحدہ

ہو جانے کا حکم ہے، اللہ نے تمام بنی نوع انسان کو یاد دلایا ہے کہ میں نے تمھیں شیطان کی اتباع سے منع کیا تھا مگر تم میں سے اکثر اسی کے پیچھے چلتے ہوئے جہنم تک پہنچ گئے۔

سورۃ الصّٰفّٰت میں بنیادی عقائد کے علاوہ حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ، ہارون، الیاس اور یونس علیہم السلام کا خصوصی ذکر ہے۔ اللہ نے مشرکوں کے اس عقیدہ کی تردید کی ہے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں اور مادہ جن خدا کی بیویاں ہیں۔ اس طرح جنات کو خدا تعالیٰ کے سسرال ماننے کو شرکیہ عقائد میں داخل کر کے اس کی تردید کی گئی ہے۔ اللہ نے فرشتوں کو معبود ماننے کی بھی نفی فرمائی ہے۔ بلکہ فرشتے تو اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کے حکم سے سر مو انحراف نہیں کرتے۔ اس سورۃ میں خدا کے مخلص بندوں کے لیے انعامات کا ذکر ہے جنتیوں کا دوزخیوں کو جہنم میں تلاش کر کے اُن سے سوال وجواب کا بیان اور دوزخیوں کو ملنے والی سزا کی جھلکیاں بھی اس سورۃ میں موجود ہیں۔

الحمد للہ دروس القرآن کی طباعت واشاعت کا کام حسبِ توقع جاری ہے اور اب صرف ساڑھے سات پارے کی طباعت[1] باقی ہے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت سے توقع ہے کہ یہ کام بھی چند مزید جلدوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا اور اس طرح قرآن پاک کی تفسیر و تشریح کا ایک بڑا ذریعہ مکمل ہو جائے گا۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ حضرت مولانا صوفی صاحب کی صحت اور درازیِ عمر اور اس کام میں حصہ لینے والے تمام کارکنان کے لیے خیر و برکت کی دعا کریں۔

احقر العباد

(الحاج) لعل دین (ایم۔ اے)

شالامار ٹاؤن، لاہور

---

[1] اب تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن مکمل بیس جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔ (فیاض)

سخنہائے گفتنی

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم
الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ امّا بعد
فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ ؀

قرآن کریم کو سمجھنا، اس کے معانی و مطالب میں تدبر اور غور و فکر کرنا ہر مسلمان کے لیے نہایت ضروری ہے کیونکہ یہ اللہ رب العزت کا برگزیدہ اور آخری کلام ہے۔ اس میں مومنین کے لیے رشد و ہدایت کے بیش بہا خزانے اور فوز و فلاح کے گراں قدر انعامات ہیں۔ یہ بنی نوع انسان کے لیے جہاں ایک مکمل قانون و دستور ہے وہاں اقوام عالم کے لیے غور و خوض کے تمام طور طریقے اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے آئین اور پروگرام ہے۔ اس پر عمل پیرا ہو کر ہی اُخروی نجات کی راہ ہموار ہو سکتی ہے بلکہ دنیوی عروج و زوال بھی اس صحیفۂ مقدسہ پر عمل کرنے اور نہ کرنے سے وابستہ ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔

ان اللہ یرفع بھٰذا الکتاب اقواماً ویضع بہٖ اٰخرین (مسلم ص ۲۷۲ ج ۱) اللہ تعالیٰ اس کتاب کی بدولت بہت سی قوموں کو بلندی عطا کرتا ہے اور دوسروں کو گرا دیتا ہے

لیکن آج مسلمان نے قرآن کریم پر چلنے کی بجائے کفار و مشرکین کے نظام کو اپنا رکھا ہے خداوند کریم کے اس آخری کلام کو فراموش کر دیا ہے اور اسے پس پشت ڈال کر اغیار کی تقلید میں فخر محسوس کر رہا ہے حالانکہ قرآن پاک میں ہر وہ چیز موجود ہے جو تمام دنیا کے نظاموں سے بے نیاز کر دیتی ہے لیکن اس پر عمل پیرا ہونا شرط اوّل ہے اور وہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ پہلے اسے سمجھا جائے تو اسی سلسلہ میں تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن

کا مفید اور مقبولِ عام پروگرام کتابی شکل میں عوام کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگ قرآن مجید کے صحیح ترجمہ اور تفسیر سے باخبر ہو سکیں۔ معالم العرفان کی پندرھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے جو کہ سات سورتوں پر مشتمل ہے۔ سورۃ لقمان، سورۃ السّجدہ، سورۃ الاحزاب، سورۃ سبا، سورۃ فاطر، سورۃ یٰسٓ اور سورۃ الصّٰفّٰت کی مکمل تشریح اس کے اندر درج ہے۔ سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی انتہائی سادہ، رواں دواں، ہلکے پھلکے اور دلنشیں انداز میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور احادیث صحیحہ، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے تعامل، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار، ائمہ متبوعین رحمہم اللہ کے اقوال، سلفِ صالحین رحمہم اللہ کے ارشادات، بالخصوص امام ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے حکمت و فلسفہ اور اکابر علماء دیوبند کے مسلک و مشرب کے مطابق تفسیری نکات کے خزانوں کو عوام النّاس کے سامنے کھولا گیا ہے۔ ہر طبقے کا آدمی اس کو سمجھ سکتا ہے خواہ وہ معمولی اُردو خوان ہو یا متوسط پڑھا لکھا یا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو قرآن کریم کو سمجھنے میں مکمل تعاون حاصل کر سکتا ہے چونکہ اس جلد میں سورتوں کی مناسبت سے مختلف موضوعات ہیں جس کے مطالعہ سے ذہن میں کسی قسم کا کوئی خلیجان یا پیچیدگی باقی نہیں رہتی۔ اس جلد میں جملہ نظامہائے زندگی پر بحث کی گئی ہے۔ خواہ وہ معاشیات سے متعلق ہوں یا اقتصادیات و سیاسیات سے جمہوری نظام ہو یا ملوکیت، ڈکٹیٹر شپ ہو یا مارشل لاء، سرمایہ داری ہو یا جاگیرداری تمام نظاموں کی خرابیوں کو طشت ازبام کیا گیا ہے اور قرآنِ کریم کو بطور نظامِ زندگی پیش کیا گیا ہے اور اس کے مقابلے میں جملہ باطل نظاموں کا ردّ کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کے انقلابی پروگرام سے روگردانی اور اس کے بھیانک نتائج کا ذکر ہے اور مسلمانوں میں پائے جانے والے جملہ روگ از قسم لہو و لعب، اسراف و تبذیر، تعیش و آرام طلبی، شراب نوشی و حرام کاری، نشہ خوری و بدکاری، رشوت ستانی و زناکاری، بلڈنگ بازی، سینما بینی اور جملہ رسوماتِ باطلہ جیسے بیہودہ کاموں پر بے لاگ تبصرہ کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے تنزل کے جملہ اسباب اور ان کا اغیار کے ہاتھوں کٹھ پتلی بننا اور ان کے ہر جائز و ناجائز کام میں سرِ تسلیم خم کرنا امریکہ و روس، چین و برطانیہ، فرانس، جرمن اور دیگر سپر پاورز سے بوجہ ضعف ایمان مرعوب و مغلوب ہونا، خدا کے

وحدہٗ لاشریک کی ذات پر بھروسہ کرنے کی بجائے اغیار کا دستِ نگر بننا یہ سب امور قرآنِ کریم کو پسِ پشت ڈالنے کے اسباب و محرکات ہیں جن کا تذکرہ بڑے احسن پیرائے میں اس جلد کے اندر کیا گیا ہے۔ اس جلد کے بعد امید ہے کہ پانچ جلدوں میں یہ تفسیر پایۂ تکمیل کو پہنچے گی۔ اس جلد میں احقر نے اکثر و بیشتر مقامات پہ حاشیہ میں تفاسیر، کُتبِ احادیث اور بعض دیگر کتابوں کے حوالجات بقیدِ صفحہ درج کر دیئے ہیں۔ اگر کسی صاحب کو اس جلد میں یا اس سے قبل کی جملہ جلدوں میں کوئی قابلِ اصلاح بات نظر آئے یا کتابت وغیرہ کی کوئی غلطی نظر آئے، وہ ضرور مطلع کرے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔

دروس الحدیث جلد ۲۔ دروس الحدیث جلد اوّل کے بعد دوسری جلد کی کتابت بھی مکمل ہو چکی ہے اس جلد میں بھی امام احمد بن حنبلؒ کی مسند احمد کی منتخب احادیث کی تشریح معالم العرفان فی دروس القرآن کی طرز پر عنقریب شائع ہو کر منظرِ عام پر آرہی ہے[۱]۔ محترم دوست جناب بلال احمد ناگی صاحب نے معالم العرفان فی دروس القرآن اور دروس الحدیث کو بڑی جدوجہد اور جانفشانی سے کیسٹ میں محفوظ کیا ہے جسے الحاج لعل دین صاحب نے مناسب عنوانات کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا ہے اللہ تعالیٰ اِن حضرات کی کوششوں کو کامیاب فرمائے اور ان کے لیے آخرت کا ذخیرہ بنائے، دروس الحدیث جلد دوم میں بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو سمجھنے کے لیے نہایت عام فہم انداز اختیار کیا گیا ہے جس سے ایک عام اُردو خوان بھی بڑی آسانی کے ساتھ حدیث کا مفہوم اور تشریح سمجھ سکتا ہے، دقیق علمی ابحاث اس کتاب میں نہیں کی گئیں، ہر حدیث پر علیحدہ عنوان اور مسند احمد طبع بیروت کا بقیدِ صفحہ حوالہ بھی درج کر دیا گیا ہے تاکہ اگر کوئی اصل کتاب سے حدیث تلاش کرنا چاہے تو اُسے کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ ہو۔ قارئین کرام دروس الحدیث کی مزید جلدوں کی اشاعت کے لیے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جملہ مشکلات آسان فرمائے، اور

---

[۱] اب تک دروس الحدیث کی چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ (فیاض)

اپنے غیب کے خزانے سے ان کی اشاعت کے لیے سامان پیدا فرمائے۔ آمین

خطباتِ سواتی :- قارئین کرام کے لیے ایک مژدہ جان فزا یہ بھی ہے کہ دروس القرآن اور دروس الحدیث کی اشاعت کے ساتھ ساتھ حضرت صوفی صاحب مدظلہ کے جمعہ کے خطبات کو بھی کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرنے کا ایک اہم کام شروع ہو چکا ہے۔ یہ خطبات بڑے بڑے علمی و تحقیقی موضوعات پر مشتمل و محتوی ہیں۔ محترم دوست جناب انجم لطیف صاحب نے عرصہ پندرہ سال قبل سے بڑی محنت لگن اور شوق و ذوق سے تسلسل کے ساتھ تمام خطبات کو کیسٹوں میں محفوظ کر رکھا ہے۔ یہ ان کا بڑا قابلِ داد کارنامہ ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر عنایت فرمائے۔ ان خطبات کے شائع ہونے کے بعد جو لوگ ان سے استفادہ کریں گے انہیں ان خطبات سے بے حد بیشمار دینی، علمی، تحقیقی اور سیاسی معلومات حاصل ہوں گی ۱۹۸۲ء کے سال کو منتخب کر کے اس کے خطبات کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرنے کا کام محترم بزرگ الحاج لعل دین صاحب نے شروع کر دیا ہے[۱]۔ قارئین سے التماس ہے کہ اس کارِ خیر کی تکمیل کے لیے اللہ رب العزت کے حضور دعا فرمائیں کہ وہ اس کام کی اشاعت کے لیے آسانی پیدا فرمائے اور صاحب دروس حضرت صوفی صاحب مدظلہ اور جملہ اراکین انجمن اور جو جو حضرات اس مشن میں دامے، درمے، قدمے، سخنے حصہ لے رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو استقامت علی الخیر نصیب فرمائے اور آخرت کے لیے ذخیرہ بنائے۔ احقر کے ساتھ اس جلد کی پروف ریڈنگ میں حافظ محمد اشرف یاسین گجراتی نے حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اس کارِ خیر میں تعاون پر اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمدٍ وّ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

احقر
محمد فیاض خان سواتی
مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
۱۱ر محرم ۱۴۱۵ھ - ۲۷ر جون ۱۹۹۴ء

---

۱ خطباتِ سواتی کی اب تک چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ (فیاض)

سُورَة

لُقمَان

مکمّل

سُوْرَۃُ لُقْمٰنَ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰیَۃً وَّاَرْبَعُ رُکُوْعَاتٍ

سورۃ لقمان مکی ہے ۔ یہ چونتیس آیات اور چار رکوع پر مشتمل ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے

الٓمّٓ ① تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ② ھُدًی وَّ
رَحْمَۃً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ③ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ
وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ④
اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ
ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤

ترجمہ:۔ الٓمّٓ ① یہ آیات ہیں حکمت والی کتاب کی ② یہ ہدایت اور رحمت ہے نیکی کرنے والوں کے لیے ③ جو قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ کو اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ④ یہی لوگ ہیں ہدایت پہ اپنے رب کی طرف سے اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ⑤

نام اور کوائف اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ لقمان ہے ۔ یہ نام اس سورۃ کے دوسرے رکوع میں آمدہ لفظ لقمان سے اخذ کیا گیا ہے۔ حضرت لقمانؑ ایک نیک، صالح اور دانا انسان تھے ۔ پرانی قوموں کے حال میں ان کے حال اور ان کی نصیحت آموز

تقریر کا ذکر ملتا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی، اور وہ نصیحت اِس سورۃ مبارکہ میں بھی مذکور ہے۔

یہ سورۃ مبارکہ مکی دور کے وسطی زمانہ میں نازل ہوئی۔ جب کہ حضور علیہ السلام کی نبوت کے چھ یا سات سال گذر چکے تھے۔ بعض مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ سورۃ الصّٰفّٰت[۱] کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورۃ مبارکہ کی چونتیس ۳۴ آیات اور چار رکوع ہیں، اور یہ ۵۴۸ الفاظ اور ۲۱۱۰ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

اِس سورۃ کے مضامین بھی دیگر مکی سُورتوں کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ اِس میں اسلام کے بنیادی عقائد کے علاوہ بعض ضمنی احکام بھی آ گئے ہیں۔ اللہ نے حکمت و دانائی کے اصول کو سامنے رکھ کر کفر و شرک کی مذمت بیان فرمائی ہے اور ساتھ ساتھ توحید کا مسئلہ سمجھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال اور اُسکی قدرتِ تامہ کے دلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں تاکہ توحید کا مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ وقوعِ قیامت اور محاسبہ اعمال کا ذکر بھی ہے۔ رسالت کا مسئلہ بھی بیان ہوا ہے اور ساتھ منکرین رسالت کا ردّ بھی آگیا ہے قرآن پاک کی حقانیت وصداقت اور اس کے وحی الٰہی ہونے کا تذکرہ ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں اخلاقی تعلیمات اور نصیحت کی گراں بہا باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اللہ کی کتاب سے مستفید ہونے والے اور اس سے اعراض کرنے والوں کا حال اور اُن کا انجام بیان ہوا ہے۔ بعض مفسرینؒ[۲] فرماتے ہیں کہ گذشتہ سورۃ الرّوم میں زیادہ تر اعراض کرنے والوں کا ذکر تھا۔ جب کہ اس سورۃ میں خدا تعالیٰ کی توحید، اُس کی کتاب اور نصیحت کو ماننے والوں کا ذکر ہے۔ گذشتہ سورۃ میں اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن میں طرح طرح کی مثالیں بیان کر کے حقائق کو سمجھایا ہے۔ اسی طرح اس سورۃ میں بھی حکیمانہ مثالوں کے ذریعے مسئلہ توحید کی وضاحت کی گئی ہے۔ اور شرک کی قباحت بیان کر کے اس کی مذمت کی گئی ہے۔

---

[۱] کشاف ج۳ ص۴۸۹ و تفسیر المراغی ج۲۱ ص۱۷ [۲] معارف القرآن ج۵ ص۴۲۰ (فیاض)

حروفِ مقطعات

گذشتہ سورۃ کی طرح اس سورۃ کا آغاز بھی حروف مقطعات الٓـمّٓ سے ہوا ہے۔ قرآن پاک کی کل انتیس ۲۹ سورتوں کا آغاز مختلف حروف مقطعات سے ہوا ہے۔ اس سورۃ کے علاوہ، سورۃ بقرہ، سورۃ عنکبوت، سورۃ روم، سورۃ سجدہ اور سورۃ آلِ عمران کا آغاز بھی انہی حروف سے ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول[1] ہے کہ اَ سے اللہ لَ سے جبرائیل علیہ السلام اور مَ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور مفہوم یہ ہے کہ یہ قرآنِ پاک اللہ تعالیٰ کی جانب سے جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ نازل ہوا ہے۔ بعض فرماتے ہیں[2] کہ اس مقام پہ اَ سے مراد آلاء یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق خاص طور پہ انسان پہ بے شمار نعمتیں نازل کی ہیں۔ اس لیے فرمایا فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ (اعراف - ۶۹) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور ان کا شکریہ ادا کرو، مگر وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سبا-۱۳) اللہ کے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔ بعض فرماتے[3] ہیں کہ لَ سے لَی اور مَ سے مجد اور ملک مراد ہے۔ اور اس طرح مکمل مفہوم یہ بنتا ہے کہ تمام نعمتیں خدا تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور ساری بزرگی اور عظمت اُسی کے لیے ہے۔

نعمتیں دو قسم کی ہیں یعنی مادی اور روحانی۔ مادی نعمتیں تو ہر مومن، کافر، گورے، کالے، چرند، پرند اور جانوروں کو بھی حاصل ہیں، البتہ روحانی نعمتوں سے خاص لوگ ہی مستفید ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم روحانی نعمتوں میں سے سب سے اعلیٰ نعمت ہے۔ اسی لیے آگے اسی کا ذکر آرہا ہے۔ اس کے بعد دوسری بڑی نعمت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ ہے۔

بعض فرماتے[4] ہیں کہ اَ سے انوار، لَ سے لامع یعنی چمکدار اور مَ سے متوالی مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ مسلسل چمکنے والے انوار کا نظارہ کرنا ہے تو اس سورۃ کو پڑھ

---

[1] تفسیر کبیر ص ۶ ج ۲ و تنویر المقباس ص ۳ [2] تنویر المقباس ص ۳ [3] ابن کثیر ص ۳۶ ج ۱ [4] والاتقان اردو ص ۲۷ ج ۲ (فیاض)

لو کیونکہ اس میں حکمت کی بلند ترین چیزیں مذکور ہیں ۔ امام شاہ ولی اللہ[1] اپنے ذوق اور کشف کے مطابق اِن حروف کے متعلق بتلاتے ہیں کہ عالمِ غیب سے جو حقائق اِس مادی جہان میں متعین ہوتے ہیں ، وہ لوگوں کے بُرے عقائد اور اعمال و اِخلاق سے مسلسل ٹکراتے رہتے ہیں تو اُن کی حقیقت واضح ہوتی ہے ۔ مطلب یہ کہ اس سورۃ مبارکہ میں عالمِ غیب سے آنے والے حقائق کی طرف اشارہ ہے ۔

امام جلال الدین سیوطیؒ[2] اور بعض دیگر مفسرین[3] فرماتے ہیں کہ حروفِ مقطعات سے متعلق بیقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا ۔ حضور علیہ السلام نے نہ تو اِن حروف کی از خود تشریح کی ہے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ نے اِن کے متعلق دریافت کیا ، بلکہ اسی طرح تلاوت کرتے رہے ۔ حضرت علیؓ کے زمانہ میں اِن حروف کے متعلق کچھ سوالات اٹھے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے تقریبِ فہم کے لیے کچھ معانی بتائے ۔ تاہم سلامتی والا راستہ یہی ہے کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ اِن حروف کی حقیقی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ۔ لہٰذا عوام کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اِن حروف سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہے ہمارا اس پر ایمان ہے ہمیں اُس کی تہ میں جانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے ۔

کتابِ حکیم کی آیتیں

ارشاد ہوتا ہے تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں ۔ حکیم سے حکمت والی بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور مستحکم بھی ۔ مطلب یہ کہ یہ مضبوط کتاب کی آیتیں ہیں ۔ جہاں تک حکمت کا تعلق ہے اس کا ذکر آگے لقمانؒ کے واقعہ میں آرہا ہے ۔ قرآن کریم بلاشبہ حکمت پر مشتمل ہے ، جیسے اللہ کا فرمان ہے يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرہ ۔ ۲۶۹) اللہ تعالیٰ جسے چاہے

---

[1] الفوز الکبیر صـ۸۳ [2] جلالین صـ۴

[3] حجۃ اللہ البالغہ صـ۷۳ و ۷۴ ج۱ و طبری صـ۸۸ ج۱ (فیاض)

حکمت اور دانائی عطا کر دے۔ اور جسے اس نے حکمت عطا کر دی، اس کو خیر کثیر عطا کر دیا گیا۔ حکمت کو خیر کثیر سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا مکمل نصاب قرآن کریم میں موجود ہے اس کے علاوہ پیغمبر کی زبان سے جو شرح بیان ہوتی ہے وہ سنت کہلاتی ہے اور وہ بھی حکمت میں داخل ہے۔

ہدایت اور رحمت

فرمایا، یہ ایسی کتاب حکیم کی آیتیں ہیں جو هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ نیکی کرنیوالوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ قرآن کریم میں بینات اور ہدیٰ دو الفاظ آتے ہیں جیسے فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى (البقرہ۔ ۱۵۹) بیشک وہ لوگ جو ہماری نازل کردہ بینات اور ہدیٰ کو چھپاتے ہیں۔ محققین فرماتے ہیں کہ بینات سے مراد وہ واضح واضح باتیں ہیں جو ہر عام و خاص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ ان میں خدا تعالیٰ کی توحید، ذکر، شکر، صبر وغیرہ چیزیں شامل ہیں اور ہدایت میں وہ چیزیں شامل ہیں جو استاد سے سیکھے بغیر سمجھ نہیں آتیں۔ اسی لیے امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ[1] یعنی علم سیکھنے سے آتا ہے۔ کوئی شخص کتابیں پڑھ کر خود بخود عالم نہیں بن سکتا۔ اس قسم کی باریک باتوں کو ہدایت سے تعبیر کیا گیا ہے تو فرمایا، قرآن کریم ایک تو ہدایت ہے اور دوسری چیز رحمت ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت پر چلنے لگتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (الاعراف۔ ۵۶) بیشک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہو جاتی ہے ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ رحمت کی صورت میں نکلتا ہے۔ جس شخص کا عقیدہ درست ہوگا، ایمان صحیح ہوگا۔ توحید پر استقامت ہو گی۔ اعمال و اخلاق ٹھیک ہوں گے۔ وہی شخص نیکی والا ہو گا۔ اور اللہ کی رحمت اس کے قریب ہو گی۔ بہرحال رحمت

---

[1] بخاری صہ ۱۶/۱ (فیاض)

کی بنیاد ہدایت ہے جو سب کے لیے ہے مگر اس سے فائدہ نیکی والے ہی اٹھاتے ہیں۔ اسی لیے سورۃ البقرہ کی ابتداء میں قرآن کو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (آیت ۲) کہا گیا ہے یعنی یہ ہدایت متقیوں کے لیے مفید ہوتی ہے۔

نماز پر استقامت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے محسنین یعنی نیکی کرنے والوں کے بعض اوصاف بیان کیے ہیں جن میں سے پہلا وصف یہ ہے اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کہ وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں۔ نماز تعلق باللہ کی درستگی کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے۔ یہ اعمالِ بشریہ میں سے پہلے نمبر پر ہے۔ یہ جامع العبادات ہے کیونکہ اس میں قولی، فعلی اور قلبی ساری عبادات شامل ہیں۔ نماز کے دوران انسان کی زبان پر خدا تعالےٰ کی حمد و ثنا اور مناجات ہوتی ہے، آدمی کے اعضاء و جوارح اطاعتِ الٰہی میں ہمہ تن مصروف ہوتے ہیں اور قلب میں خشوع و خضوع ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو اللہ کا قرب دلانے والی اولین عبادت قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ العلق کے آخر میں ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ یعنی نماز کے ذریعے سجدہ ریز ہو کر خدا تعالےٰ کا قرب حاصل کر لو۔

مؤطا امام مالکؒ[1] میں حضرت عمر فاروقؓ کا وہ سرکلر موجود ہے جو آپ نے خلافت اسلامیہ کے تمام گورنروں کو لکھا تھا اِنَّ مِنْ اَهَمِّ اُمُوْرِكُمْ عِنْدِيَ الصَّلٰوةُ تمہارے کاموں میں سے میرے نزدیک اہم ترین کام نماز ہے۔ جس نے نماز کو قائم کیا۔ اس نے سارے دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ باقی چیزوں کو بھی بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ عروجِ اسلام کے زمانے میں علاقے کے گورنر یا دوسرے اعلیٰ افسر لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے وہ صلاحیت والے لوگ تھے اور کتاب اللہ کو جانتے تھے۔ ہمارے زمانے میں حاکموں کی اکثریت فساق و فجار پر مشتمل ہے۔ نہ شکل و صورت اسلامی اور نہ اخلاق و

---

[1] مؤطا امام مالک ص ۵ (فیاض)

اعمال۔ عالمگیرؒ، صلاح الدین ایوبیؒ، ناصر الدین التمشؒ اور محمود غزنویؒ جیسے حکمران اسلامی تاریخ میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ اسلامی تعلیمات سے واقف تھے۔ اور اُن کا عمل بھی صحیح تھا۔ آج کے احکام تو نماز کا تمسخر اڑاتے ہیں اور نمازیوں کی تحقیر کرتے ہیں بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ یہ دو رکعت کے امام کیا جانیں افسوس کہ انہوں نے نماز کی حقیقت کو نہیں سمجھا، ورنہ نماز کا یوں مذاق نہ اڑاتے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی

فرمایا نیکی والے لوگوں کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں اور دوسری یہ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کا ذکر اس مکی سورۃ میں آیا ہے حالانکہ زکوٰۃ ہجرت کے بعد ۲ھ میں فرض ہوئی تھی امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں[1] کہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ بھی ابتدا میں ہی فرض ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس کا تذکرہ سورۃ مزمل میں بھی ہے حالانکہ یہ سورۃ نبوت کے بعد پہلے سال ہی نازل ہو گئی تھی، البتہ زکوٰۃ کا نصاب ۲ھ میں مقرر ہوا، جو کہ صاحبِ نصاب آدمی کے لیے چالیسواں حصہ ہے۔ نقد مال میں سے اڑھائی فیصد سالانہ، پانچ اونٹوں میں ایک بکری تیس گائے بھینسوں میں ایک بچھڑا، چالیس بکریوں میں ایک بکری، زمین کی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ، اور معدنی پیداوار کا پانچواں حصہ ادا کرنا لازمی قرار پایا۔ الغرض مکی زندگی میں زکوٰۃ کے طور پر کچھ نہ کچھ حصہ ادا کرنا ضروری تھا۔ پھر جب مدنی زندگی میں اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو مال کا نصاب اور شرح ادائیگی بھی مقرر ہو گئی۔

ایمان بالآخرۃ

فرمایا نیکی والوں کی تیسری علامت یہ ہے وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ وقوعِ قیامت، محاسبۂ اعمال اور جزا سزا پر ایمان لانا بھی مسلمان کے بنیادی عقائد میں شامل ہے، جو شخص نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے مگر آخرت پر یقین نہیں رکھتا اس کی نماز و زکوٰۃ کا کچھ فائدہ نہیں۔ نیکی والے لوگوں کو یقین ہے کہ قیامت کا دن آنے والا ہے۔ اُس دن

---

[1] ابن کثیر ص۳۴۱ ج۳ (فیاض)

اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر اعمال کا حساب کتاب دینا ہے، فرمایا جن لوگوں میں یہ تین اوصاف پائے جائیں گے اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ اپنے رب کی طرف سے وہی لوگ ہدایت پر ہوں گے وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور فلاح بھی انہی کے حصے میں آئے گی۔ یہی لوگ آخرت میں کامیاب و کامران ہوں گے، یہ لوگ خدا کے عذاب سے بچ کر راحت کے مقام تک پہنچ جائیں گے۔ سورۃ آل عمران میں ہے فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (آیت-۱۸۵) جو شخص دوزخ سے بچ گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ تو فرمایا یہ نیکی والے لوگ کامیاب ہو جائیں گے

اتل ما اوحی ۲۱ — لقمٰن ۳۱
درس دوم ۲ — آیت ۶ تا ۷

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ
لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۶ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا
وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ
وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۷

ترجمہ :- اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو خریدتے ہیں کھیل کی باتوں کو تاکہ گمراہ کریں اللہ کے راستے سے بغیر علم کے ۔ اور بناتے ہیں اُن چیزوں کو ہنسی ۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلت ناک عذاب ہے (۶) اور جب پڑھی جاتی ہیں اُس پر ہماری آیتیں تو پشت پھیرتا ہے تکبر کرتے ہوئے گویا اُس نے ان کو سُنا ہی نہیں ۔ گویا کہ اُس کے کانوں میں بوجھ ہے ۔ پس ایسے شخص کو خوشخبری دے دیں دردناک عذاب کی (۷)

آیات

سورۃ کی ابتدائی آیات میں حکمت والی کتاب قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بیان فرمایا ۔ نیز فرمایا کہ قرآنِ حکیم سراسر ہدایت ہے جس کو اختیار کرنے والے نیکوکاروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی حاصل ہوتی ہے ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نیکی والے لوگوں کے اوصاف بھی بیان کیے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں ، زکوٰۃ دیتے ہیں ، اور آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں ۔ فرمایا ایسے ہی لوگ ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں ۔

لہوالحدیث

مفلحین کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے اُن بدبخت لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اپنی جہالت، ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر قرآن پاک کی طرف توجہ نہیں کرتے بلکہ کھیل تماشا، گانا بجانا اور دیگر واہیات و خرافات میں رغبت رکھتے ہیں ایسی ہی چیزوں میں پڑ کر لوگ دین کی طرف سے لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو خریدتے ہیں کھیل کی باتوں کو لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ تاکہ وہ اللہ کے راستے سے گمراہ کریں نادانی اور بے سمجھی کے ساتھ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اور بناتے ہیں ان چیزوں کو ہنسی مذاق کا ذریعہ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلت ناک عذاب ہوگا۔

مفسرین[1] کرام فرماتے ہیں کہ لہو الحدیث سے ہر وہ چیز مراد ہے جو اللہ تعالےٰ کے ذکر اور اُسکی عبادت کے راستے میں رکاوٹ بنے۔ جب قرآنِ پاک کا نزول ہونے لگا اور لوگ اس سے متاثر ہونا شروع ہوئے تو مشرکین مکہ کو سخت تشویش ہوئی اور انہوں نے اس پروگرام میں ہر طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی۔ مشرکین میں سے ایک[2] شخص نضر ابن حارث ابن علقمہ ابن کلدہ رئیس آدمی تھا، تجارت کے لیے اکثر ایران کی طرف جایا کرتا تھا۔ لوگوں کو قرآن کی طرف متوجہ ہوتا دیکھ کر اُس شخص نے کہنا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں قوم عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہیں، آؤ میں تمہیں بہمن، اسفندیار اور ایران کے پرانے بادشاہوں کے قصے سناؤں جو عاد اور ثمود کی کہانیوں سے کہیں زیادہ دلچسپ ہیں۔ پھر کہتا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں نماز جیسا مشکل کام بتاتے ہیں جس کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا آؤ میں تمہیں

---

[1] روح المعانی ص۶۷ ج۲۱ و ابن کثیر ص۴۴۲ ج۳ و تفسیر المراغی ص۷۴ ج۲۱ و صفوۃ التفاسیر ص۴۸۷ ج۲

[2] روح المعانی ص۶۷ ج۲۱ و مظہری ص۲۵۹ ج۷ و معالم التنزیل ص۱۵۳ ج۳ و مدارک ص۲۷۸ ج۳ و زاد المسیر ص۳۱۶ ج۶ و تفسیر ثعالبی ص۲۰۶ ج۳ و غریب القرآن ص۲۴۴ و تفسیر المراغی ص۷۳ ج۲۱ (فیاض)

خوش طبعی والی چیزیں بتلاؤں۔ جن سے کم از کم تمہیں تفریح تو حاصل ہو۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ لغویات میں مصروف رہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیں چنانچہ بعض کمزور ذہن کے لوگ اُس شخص کی باتوں میں آکر اسلام کی دعوت سے منہ پھیر لیتے

اسی لیے مفسرین کرام[1] فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو دین اسلام سے ہٹانے والی، احکام شرعیہ سے باز رکھنے والی یا کسی گناہ کا سبب بنتی ہو لھو الحدیث میں شامل ہے جو چیزیں فرائض سے روکتی ہوں وہ ناجائز اور حرام ہیں بعض چیزیں مکروہ تحریمی کے درجے میں آتی ہیں۔ اسی لیے حدیث[2] شریف میں آتا ہے کہ شکار میں اس قدر انہماک نہیں رکھنا چاہیئے کہ اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے نماز ہی ضائع ہو جائے۔ ایسی صورت میں شکار حرام کے درجے میں آجائیگا۔ البتہ بعض کھیل جائز بھی ہیں جن سے کوئی دینی یا دنیاوی مقصد حاصل ہو۔ یا تفریح طبع ہی حاصل ہوتی ہو، اگرچہ ایسی چیزوں کو پسند نہیں کیا گیا مگر ان سے منع بھی نہیں کیا گیا لہذا یہ مباح کے درجے میں آتی ہیں۔ حدیث شریف[3] میں آتا ہے کہ ہر کھیل کی چیز باطل ہے سوائے تین چیزوں کے یعنی گھوڑ دوڑ، تیر اندازی اور بیوی کے ساتھ دل لگی۔ مفسرین کرام[4] فرماتے ہیں کہ مسابقت یعنی دوڑ میں مقابلہ کرنا بھی مباح ہے، یہ دوڑ خواہ پیدل ہو گھوڑے، سائیکل یا گاڑی وغیرہ پر ہو مگر ایسی دوڑ شرط سے خالی ہونی چاہیئے۔ اگر ساتھ شرط بھی ہوگی تو پھر یہ جوئے میں شمار ہو کر حرام ہو جائے گی۔ اس قسم کے کھیل تفریح کے لیے ہوں یا صحت کے قیام کے لیے یا کہ طرفہ العام کی خاطر ہوں تو پھر بھی جائز ہے، ان میں ہاکی، فٹ بال، تیر اندازی، نشانہ بازی، کشتی اور تیراکی وغیرہ بھی شامل کیے جاسکتے ہیں آلاتِ ضرب وحرب کے استعمال میں مہارت پیدا کرنا بھی مباحات میں شامل ہے۔

---

[1] ابن کثیر ص۴۴۱ ج۳ و روح المعانی ص۶۷ ج۲۱ و مظہری ص۲۵۸ ج۷
[2] — [3] — [4] — (قیاس)

البتہ جو کھیل کود انسان کے فرائض میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ ان کی اجازت نہیں ہے۔ شطرنج، چوسر، تاش، کبوتر بازی، بٹیر بازی، کتوں اور دیگر جانوروں کی لڑائی، پتنگ بازی، گولیاں کھیلنا، آتش بازی وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو مکروہ تحریمی اور حرام کے درجے میں آتی ہیں۔ یہ مشغلے قدیم زمانے سے چلے آرہے ہیں اور آج بھی مختلف طبقات میں پائے جاتے ہیں۔ البتہ اس زمانے میں ان میں بہت سی چیزوں کا اضافہ بھی ہوا ہے اس وقت کرکٹ کا کھیل ساری دنیا میں رائج ہے مگر یہ توضیع اوقات کے سوا کچھ نہیں فلم بینی جنون کی حد تک لوگوں کے سروں پر سوار ہو چکی ہے۔ پہلے سینما گھروں میں جا کر دل بہلایا جاتا تھا، اب ہر گھر سینما گھر بن چکا ہے جہاں ٹیلیویژن اور ریڈیو چوبیس میں سے سولہ گھنٹے لوگوں کو خرافات میں مصروف رکھتے ہیں۔ وی سی آر کی کوئی تحدید نہیں چاہیے چوبیس گھنٹے اس کے سامنے بیٹھے رہو۔ اب تو بچوں کی بازار میں ویڈیو گیمز کی وبا پھیل چکی ہے جس میں توضیع اوقات کے علاوہ توضیع مال بھی ہوتا ہے ایسی چیزوں میں پھنس کر نہ دنیاوی نقصان کی فکر ہوتی ہے اور نہ اخروی نقصان کا ڈر۔ فضول قسم کے ڈرامے، ساری ساری رات کلبوں میں توضیع اوقات، آرٹ گیلریوں میں فنون لطیفہ کی پیش کش، تصاویر وغیرہ کی نمائش، ہنسی مذاق کی مجلیں، یہ سب چیزیں ہمارے تمدن کا حصہ بن چکی ہیں مگر بالکل ناجائز ہیں۔ اسلام ان کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

اب تو ناچ گانا بھی فنون لطیفہ میں داخل ہو چکا ہے جسے کلچر کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ مختلف ممالک میں ثقافتی وفود کا تبادلہ کرتے ہیں اور اس طرح ایک ملک کی عریانی اور فحاشی دوسرے ملک میں پہنچ جاتی ہے۔ ناچ گانا یہودیوں، عیسائیوں، ہندوؤں اور دہریوں کی تہذیب ہے جو مسلمانوں میں بھی عود کر آئی ہے۔ حالانکہ یہ شیطانی کام ہے اور انسانی ذہن کو غلط راستے پر ڈالنے کا ذریعہ ہے۔ گانے کے متعلق بعض روایات[1] میں آتا ہے کہ یہ انسان کے دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔

---

[1] معالم التنزیل صفحہ ۱۵۳ج ۳ و قرطبی صفحہ ۵۲ج ۱۴ (فیاض)

حضرت[1] عبداللہ ابن مسعودؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، امام حسن بصریؒ وغیرہم لہو الحدیث سے گانا بجانا مراد لیتے ہیں۔

قدیم زمانے میں رقص و سرود کے لیے لونڈیوں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں اور آزاد عورتیں یہ پیشہ اختیار نہیں کرتی تھیں۔ اس مقصد کے لیے لونڈیوں کو خاص طور پر ٹریننگ دی جاتی تھی اور وہ محفلوں میں تفریح کا سامان پیدا کرتی تھیں۔ مگر اس زمانہ میں نہ صرف آزاد بلکہ تعلیم یافتہ لڑکیوں نے ناچ گانے کو آرٹ کے طور پر اپنا لیا ہے۔ اس کے لیے تربیت گاہیں قائم ہو چکی ہیں جہاں سے اس نام نہاد فن کی ڈگریاں ملتی ہیں۔ حضور کا فرمان تو یہ ہے کہ گانے بجانے والی لونڈیوں کی خرید و فروخت بھی ناجائز ہے کیونکہ یہ فحاشی پھیلانے اور لوگوں کو غلط راستے پر ڈالنے کا سبب بنتی ہیں۔ حضور علیہ السلام[2] نے ایسی لونڈیوں کی کمائی کو بھی حرام قرار دیا ہے مگر دیکھ لیں آج ہمارے ہاں کیا ہو رہا ہے؟ موجودہ دور کی ایکٹریسیں امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایک ایک فلم سے لاکھوں روپے کماتی ہیں اور ایک ایک گانے کی ریکارڈنگ کے لیے ہزاروں روپے وصول کرتی ہیں۔ لوگ ان کو بڑا مقام دیتے ہیں اور ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ٹوٹے پڑتے ہیں۔ یہ سب لہو الحدیث کا حصہ ہیں۔

گانے کے لیے استعمال ہونے والے آلاتِ موسیقی بھی حرام ہیں۔ اسی لیے قوالی بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعریف غزل یا نعت کی صورت میں کی جائے تو جائز ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ آلاتِ موسیقی استعمال نہ ہوں۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات[3] میں ہے کہ ان سے قوالی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ قوالی جائز ہے۔ مگر اس کی بعض شرائط بھی ہیں کہ اس میں آلاتِ موسیقی کا استعمال نہ ہو، گانے والی

---

[1] مظہری ص ۲۵۹ ج ۷ و قرطبی ص ۵۱ ج ۱۴ [2] طبری ص ۶۱ ج ۲۱ [3] (فیاض)

عورت یا بے ریش بچہ نہ ہو بلکہ گانے والا آدمی متشرع ہو۔ حمد و نعت کی محفل کا مقصد تقرب الٰہی ہو نہ کہ کھیل تماشا۔ دیکھ لیں ہماری قوالیاں کس طرح ان شرائط پہ پوری اترتی ہیں۔ چوہدری افضل حق مرحوم نے کہا تھا کہ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ساری رات قوالی ہوتی رہتی ہے، جب فجر کی نماز کا وقت ہوتا ہے تو سننے سنانے والے سو جاتے ہیں، الا ماشاء اللہ۔ ایسی محفل سے کیا فائدہ ہوگا جس کی وجہ سے نماز ہی ضائع ہو گئی، آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ایسی مجلسوں سے اللہ اور اس کا رسول خوش ہوں گے یا ناراض۔ جو چیز نماز سے غافل کرتی ہے وہ تو بری لعنت ہے۔ جو قوالی مذکورہ شرائط کے بغیر ہوگی وہ حرام یا مکروہ تحریمی کے زمرے میں آئے گی۔

قرآن سے روگردانی

فرمایا لغویات میں منہمک لوگوں کی حالت یہ ہے وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا کہ جب ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ پشت پھیر کر تکبر کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اللہ کے کلام کی کچھ پروا نہیں کرتے كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا گویا کہ انہوں نے اس کو سنا ہی نہیں كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا گویا کہ ان کے کانوں میں ڈاٹ لگے ہوئے ہیں اور وہ سماعت سے یکسر محروم ہیں۔ تمام غافل لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ آیاتِ الٰہی سنتے وقت اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں۔ ان کا فائدہ تو اسی میں ہے کہ وہ کلامِ الٰہی کو سنیں، اس میں غور و فکر کریں اور اس کے مطابق عقیدہ اور عمل بنائیں نہ کہ اس کو سُنی ان سُنی کر دیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔ یہاں پر خوشخبری کا لفظ تحکم کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ان کو مطلع کر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے جس میں انہیں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا اور ان کی رہائی کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

درس سوئم ۳ — آیت ۸ تا ۱۱

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ جَنّٰتُ
النَّعِیۡمِ ﴿۸﴾ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ
وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ﴿۹﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا وَاَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ
رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِكُمۡ وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ
كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنۡۢبَتۡنَا
فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ كَرِیۡمٍ ﴿۱۰﴾ هٰذَا خَلۡقُ
اللّٰهِ فَاَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ ؕ بَلِ
ع الظّٰلِمُوۡنَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۱﴾

ترجمہ :- بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے
اچھے کام کیے، اُن کے لیے باغات ہیں نعمتوں کے (۸)
ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں۔ وعدہ ہو چکا ہے
اللہ تعالیٰ کا سچا۔ اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے (۹)
پیدا کیا ہے اُس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے جن کو
تم دیکھتے ہو۔ اور ڈال دیے ہیں اُس نے زمین میں بوجھل
پہاڑ تاکہ وہ حرکت نہ کرے تمہارے ساتھ۔ اور پھیلا
دیے ہیں اس نے زمین میں طرح طرح کے جانور۔ اور

اُتارا ہے ہم نے آسمان کی جانب سے پانی۔ پس اُگائے ہیں ہم نے زمین میں ہر قسم کے عمدہ جوڑے (۱۰) یہ ہے اللہ کی پیدا کردہ چیز۔ پس بتلاؤ مجھے کیا پیدا کیا ہے انہوں نے جو اُس کے سوا ہیں، بلکہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں (۱۱)

ربط آیات

سورۃ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کی حقانیت اور صداقت بیان کی اور پھر محسنین کے اوصاف بیان کر کے اُن کی فلاح کا ذکر کیا۔ اس کے بعد اشقیا کی کارگزاری اور اُن کے انجام کو بیان کیا۔ کہ وہ دنیا میں کھیل تماشے کو رائج کر کے لوگوں کو اللہ کے راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں اب آج کی پہلی دو آیات میں اہلِ ایمان کا ذکر کر کے انہیں جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔

پھر اللہ کی قدرت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ اور انہیں توحید کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ شرک کی تردید بھی ہو گئی ہے۔

اجزائے ایمان

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں کفر، شرک، نفاق، بدعت وغیرہ کی طرح ایمان بھی قرآنِ پاک کی ایک اصطلاح ہے۔ ان میں سے ہر اصطلاح کا ایک خاص معنیٰ ہے جس کو ماننا ضروری ہے۔ ایمان کی تعریف قرآن پاک کی مختلف آیات میں کی گئی ہے اس کے علاوہ حضور علیہ السلام کی ایک بڑی واضح حدیث بھی ہے جس سے ایمان کا مفہوم مکمل کھُل کر سامنے آجاتا ہے حدیثِ جبریلؑ میں ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا فَاَخۡبِرۡنِیۡ عَنِ الۡاِیۡمَانِ مجھے بتایئے کہ ایمان کیا چیز ہے، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اَنۡ تُؤۡمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَتُؤۡمِنَ بِالۡقَدۡرِ خَیۡرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالۡبَعۡثِ بَعۡدَ الۡمَوۡتِ[1] ایمان اس چیز کا نام ہے کہ تم اپنے اختیار اور

---

[1] بخاری ص۱۲ (فیاض)

ارادے سے اس بات کی تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے ، وہ واجب الوجود، خالقِ کل، مدبر، معبودِ برحق اور غیر مرئی ہے۔ غرضیکہ اس کی ذات اور تمام صفات پہ ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر کسی چیز کے بارے میں دل میں خلل پیدا ہو تو ایمان ضائع ہو جائے گا۔ بعض اوقات ایمان کا معنیٰ یقین بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ مگر یہ درست نہیں کیونکہ یقین تو کبھی اضطراری حالت میں بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی حادثہ پیش آگیا تو کسی چیز کا یقین آگیا۔ یہ مستقل یقین نہیں ہوتا حقیقت میں ایمان تصدیق کا نام ہے اپنے دل سے اپنے اختیار اور ارادے سے تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ واقعی وحدہٗ لاشریک ہے۔

ایمان کا ایک جزو تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق ہو گیا اور دوسرا یہ کہ انسان فرشتوں پر بھی یقین رکھے کہ وہ اللہ کی مقدس اور نورانی مخلوق ہے جسے اللہ نے بنی نوع انسان کی مصلحت کے لیے انسانوں کی پیدائش سے اربوں کھربوں سال پہلے تخلیق کیا۔ فرشتے بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (الانبیاء۔ ۲۶) وہ خدا کے معزز بندے ہیں اور ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے ہیں وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ (الانبیاء۔ ۲۷) وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں فرشتے ہماری طرح جسم اور اس میں روح رکھتے ہیں۔ اس سے علامہ مشرقی والا ایمان مراد نہیں جو کہتے ہیں کہ فرشتے کوئی مخلوق نہیں بلکہ انسان کی ایک اچھی قوت کا نام ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ[1] میں وضاحت کی ہے کہ فرشتے وجود رکھتے ہیں اور ان کے جسم میں بھی روح ہے البتہ ان کے اجسام بہت لطیف ہیں۔ ملاء اعلیٰ سے لیکر ملاء سافل تک فرشتوں کے سات طبقات ہیں اور ان میں سے ہر ایک طبقے کا مادہ تخلیق الگ الگ ہے۔ فرشتوں کے علاوہ اللہ کی مخلوق جنات بھی وجود رکھتے ہیں۔ البتہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۱۴ ج۱ و الخیر الکثیر ص۲۶ و ۴۷ ۔ (فیاض)

شر پسند شیاطین کی روحیں گندی ہوتی ہیں جو شر پھیلاتی ہیں۔ غرضیکہ فرشتے، جنات اور شیاطین سب جسم اور روح رکھتے ہیں۔ اس مادی جہان میں ہمیں نظر نہیں آتے جب یہ جہان تبدیل ہو جائیگا اور اگلا جہان آئے گا تو سب کچھ نظر آنے لگے گا۔

ایمان کا ایک جزو اللہ کی تمام کتابوں پہ بالاجمال اور قرآن حکیم پہ بالتفصیل یقین رکھنا ہے۔ قرآن پاک کی ہر بات کو برحق سمجھنا اور اُس پہ عمل کرنا ضروری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء پہ یقین رکھنا بھی جزوِ ایمان ہے۔ اللہ نے بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے اپنے اِن انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ اُن کو شریعتیں، کتابیں اور صحیفے عطا کئے۔ ہم دل سے سب انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں۔ کسی ایک نبی کا انکار کرنے والا بھی کافر ہو جائے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی تقدیر پہ ایمان لانا بھی ضروری ہے آج تک جو کچھ کائنات میں ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے، سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم، مشیت اور ارادے کے مطابق ہو رہا ہے خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ (عبس۔ ۱۹) اللہ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور اس کی تقدیر بنائی۔ لہٰذا تقدیرِ الٰہی سے انکار کرنے والا بھی ایمان سے خالی تصور ہوگا، اور اُس کی کوئی نیکی قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ اسی طرح بعث بعد الموت پہ یقین رکھنا بھی جزو ایمان ہے۔ مرنے کے بعد ہر انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، قیامت قائم ہوگی، حساب کتاب کی منزل آئے گی اور جزا و سزا کا فیصلہ ہو گا۔ اِن سب اجزائے ایمان کی تصدیق کرنا ضروری ہے اللہ کا فرمان ہے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا (النسآء۔ ۱۳۶) جس نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اسکی کسی صفت کا انکار کیا، یا اُس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کیا تو وہ گمراہ ہو کر دور جا پڑا۔ ایسے شخص کو نجات نہیں مل سکے گی۔ گویا ایمان ایک ایسی بنیاد ہے جس پہ عمل کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ سورۃ الانبیاء میں ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ (الانبیاء۔ ۹۴)

جو شخص نیک اعمال انجام دے گا بشرطیکہ اس میں ایمان موجود ہو تو اس کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی ، اگر ایمان کی بجائے کفر اور شرک بھرا ہوا ہے تو اس کے پہاڑوں جتنے بڑے بڑے عمل بھی ضائع ہو جائیں گے اور انسان مجرم بن کر دائمی جہنم کا مستحق ٹھہرے گا۔ ایمان ہر نیکی کی جڑ اور بنیاد ہے اسی لیے تمام انبیاء اور اُن کے متبعین اولیاء اور بزرگانِ دین سب سے پہلے ایمان کی درستگی کی تعلیم دیتے ہیں۔ آپ کسی بزرگ کی کوئی کتاب یا ملفوظ اٹھا کر دیکھ لیں ، انہوں نے پہلا سبق ایمان کی درستگی کا ہی دیا۔ ہر نبی نے بھی یہی تعلیم دی قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (ھود - ۸۴) اے میری قوم کے لوگو ! صرف اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ۔ بہر حال یہ سارے اجزائے ایمان ہیں جن کی تصدیق کرنا ضروری ہے ورنہ ایمان مکمل نہیں ہوگا۔

اعمال صالحہ اور انعام

فرمایا ، وہ لوگ جو ایمان لائے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیے ۔ نیک اعمال تو بے شمار ہیں تاہم بنیادی طور پر ان سے فرائض مراد ہیں ۔ حضرت مجدد الفِ ثانیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان اور توحید کی درستگی کے بعد فرائض اربعہ یعنی نماز ، روزہ ، زکوٰۃ اور حج نیک اعمال ہیں۔ دیگر نیک اعمال میں جہاد ، قربانی ، صلہ رحمی ، صدقہ ، خیرات ، حسنِ اخلاق وغیرہ شامل ہیں۔

تو فرمایا ایمان لانے کے بعد جن لوگوں نے اچھے اعمال انجام دیے ۔ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ اُن کے لیے نعمتوں کے باغات ہیں خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وہ اِن باغات میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے عام طور پر جنت کے ذکر کے ساتھ اللہ نے جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (البیّنۃ - ۸) کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ بیلے رہائشی باغات ہوں گے جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی ۔ فرمایا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا یہ اللہ کا وعدہ ہو چکا ہے ۔ جو سچا ہے ۔

لہ

اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ خدا تعالیٰ کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ہے۔ اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے۔ انسان کی تخلیق اور بھر جزائے عمل کا سارا نظام اُس کے حکیم ہونے کی واضح دلیل ہے۔

آسمانوں اور پہاڑوں کی تخلیق

فرمایا، اللہ تعالیٰ ایسا کمالِ قدرت کا مالک ہے اور ایسا حکیم ہے جس نے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا بغیر ستونوں کے آسمان پیدا کیے جنہیں تم دیکھتے ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آسمان کے ستون تو ہیں، مگر تمہیں نظر نہیں آتے۔ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اور زمین میں بوجھل پہاڑ رکھ دیے اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ تاکہ وہ کسی طرف جھک نہ جائے یعنی ڈولنے نہ لگے ایک عام مثال ہے کہ اگر کشتی میں ایک طرف بوجھ زیادہ ہو تو وہ چلتے وقت اس طرف کو ڈھلک جائیگی لہٰذا اُس کو متوازن بنانے کے لیے دوسری طرف بھی بوجھ رکھنا پڑتا ہے۔ زمین بھی ایک کرہ ہے جو فضا میں معلق ہے قدیم فلاسفر کہتے تھے کہ زمین ساکن ہے مگر جدید سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ متحرک ہے اور چوبیس گھنٹے میں اپنے محور کے گرد گھومتی ہے۔ جب کہ سال بھر میں سورج کے گرد ایک چکر مکمل کرتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ حرکت کرتی ہے تو اس پر موجود ہر چیز بھی حرکت کرتی ہے لہٰذا اس کے ڈولنے کا کیا مطلب؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مجموعی طور پر زمین کے ساتھ تمام چیزیں بھی حرکت کرتی ہیں مگر بعض مقامی عوامل بھی ہوتے ہیں جن کی وجہ سے زمین کے توازن میں خلل واقع ہو سکتا تھا۔ مثال کے طور پر زمین کے بعض خطے میدانی اور ہموار ہیں، بعض سطح مرتفع اور بعض جگہ گہرے کھڈ ہیں۔ اس نشیب و فراز کی وجہ سے زمین کے توازن میں خرابی پیدا ہو کر وہ ڈول سکتی تھی یا ایک طرف کو جھک سکتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس توازن کو برقرار رکھنے کے لیے مناسب خطوں میں بڑے بڑے پہاڑ کھڑے کر دیے ہیں۔ جن کی وجہ سے اس کی رفتار متوازن ہو گئی ہے اور یہ کسی ایک طرف کو ڈھلک نہیں جاتی۔

۱؎ تفسیر تنویر المقباس ص۳۲۳ و ابن کثیر ص۴۴۲ ج۳ ۲؎ روح المعانی ص۸۱ ج۲۱ (فیاض)

پرانی تحقیق کے مطابق دنیا کے بلند ترین پہاڑوں کی بلندی تین میل کے قریب ہے۔ زمین کی وسعت کے اعتبار سے اتنے بڑے پہاڑ کی مثال ایسی ہے۔ جیسے گز کے اوپر ایک جو کا ستر ہواں حصہ رکھ دیا گیا ہو۔ پہاڑوں کی بلندی کے مقابلے میں سمندروں کی گہرائی کہیں زیادہ ہے، کرہ ارض کے اردگرد چودہ کروڑ مربع میل پر سمندر پھیلے ہوئے ہیں اور انسانوں اور جانوروں کی رہائش کے لیے خشکی کا حصہ صرف ایک چوتھائی کے قریب ہے، لہٰذا پورے کرۂ ارض میں توازن برقرار رکھنے کے لیے اللہ نے بوجھل پہاڑوں کو تخلیق فرمایا ہے

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ[1] اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں جگہ جگہ پہاڑ نصب کر کے میدانی لوگوں کو اضطراب سے محفوظ کر دیا ہے۔ پہاڑوں میں بیشمار پتھر، درخت، جڑی بوٹیاں اور طرح طرح کی معدنیات ہوتی ہیں جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اگر پہاڑ نہ ہوتے تو میدانی علاقوں کے رہنے والے لوگ بہت سی چیزوں سے محروم رہ جاتے جو ان کے لیے وجہ اضطراب بنتی۔ تو شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ زمین کے ڈولنے کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں کے بغیر زمین کے رہنے والے مضطرب ہو جاتے۔ اللہ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین کے اضطراب کو نہیں بلکہ لوگوں کے اضطراب کو دور کر دیا۔

جانور اور پانی

آگے ارشاد ہوتا ہے وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ اور اللہ نے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے ہیں۔ مویشیوں کو تو اللہ نے خاص طور پر انسانوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے اور ان کے علاوہ بھی اللہ نے بہت سے جانور اور کیڑے مکوڑے پیدا کیے ہیں۔ جو انسانوں کی خدمت پر مامور ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

پھر فرمایا وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً اور ہم نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا ہے۔ یہ بھی انسانوں اور جانوروں کی حیات کے لیے ضروری ہے۔ پانی نہ صرف جانداروں

---

[1] تفہیمات الٰہیہ صہ۱۱

(فیاض)

کی پینے کی ضروریات پوری کرتا ہے بلکہ بالواسطہ ان کی خوراک کا انحصار بھی پانی پر ہی ہے فرمایا اسی پانی کے ذریعے فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ہم نے زمین میں عمدہ جوڑے پیدا کیے ہیں۔ اللہ نے آسمان کی طرف سے بارش برسا کر پُر رونق، خوش منظر اور کارآمد درخت پیدا کیے ہیں۔ طرح طرح کے پھول پھل اناج اور سبزیاں پیدا کی ہیں جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتی ہیں۔ سورۃ الرعد میں اللہ نے پانی کا یہ کمال بھی بیان کیا ہے کہ دیکھو! زمین پر طرح طرح کے درخت، پودے اور بیلیں ہیں جو مختلف رنگوں اور مختلف ذائقوں کے پھل پیدا کرتے ہیں حالانکہ يُسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ (آیت ۴) وہ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ کوئی چھوٹا پھل ہے۔ کوئی بڑا، کوئی سبز ہے کوئی سرخ اور کوئی زرد، کسی کا ذائقہ میٹھا ہے، کسی کا پھیکا اور کسی کا کڑوا مگر پانی سب نے ایک ہی گھاٹ سے پیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بہت بڑا شاہکار ہے ایسے عجیب و غریب امور وہی انجام دیتا ہے جو تمام قدرتوں کا مالک اور ہر چیز کا خالق اور مدبر ہے

توحید پر دلیل

آگے ارشاد ہوتا ہے هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ یہ سب کچھ اللہ کا پیدا کردہ ہے۔ آسمان سے لے کر زمین تک اور زمین اور سمندروں کے اندر کی ہر چیز اللہ ہی نے پیدا کی ہے۔ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اب بتلاؤ کہ مشرکوں نے اللہ کے سوا جن کو اپنا معبود، حاجت روا اور مشکل کشا بنا رکھا ہے انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ جب کسی دوسرے نے پیدا کچھ نہیں کیا، تو پھر وہ معبودیت کا کیا حق رکھتا ہے؟ یہ ایسی دلیل ہے جسے عالم اور جاہل یکساں طور پر سمجھ سکتا ہے۔

مفسر حقانی[1] نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ کسی راستے پر ایک عیسائی پادری لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے کہہ رہا تھا یسوع مسیح خدا ہے، خدا کا بیٹا ہے، وہ خدا کا پیارا اور با اختیار ہے۔ اتنے میں ایک اَن پڑھ دیہاتی آدمی اُدھر سے گزرا اور کہنے لگا کہ پادری صاحب! تم مسیح علیہ السلام کو خدا کا سپوت یعنی لائق بیٹا کہتے ہو، بھلا یہ تو بتلاؤ کہ کائنات کی تمام چیزوں کا خالق کون ہے؟ پادری کہنے لگا کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ پھر دیہاتی کہنے

[1] تفسیر حقانی ص ۴۶

لگا کہ اگر ہر چیز اللہ کی پیدا کردہ ہے تو بتلاؤ عیسٰی علیہ السلام نے بھی کچھ پیدا کیا ہے ؟ پادری لاجواب ہوگیا کہ جو کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر نہیں وہ خدا یا خدا کا بیٹا کیسے ہوگیا اس آیت کریمہ کا بھی یہی مفہوم ہے کہ اگر تمہارے خود ساختہ معبودوں نے کچھ پیدا کیا ہے تو دکھاؤ کون سی چیز پیدا کی ہے اور اگر کوئی چیز پیدا نہیں کی تو پھر وہ حاجت روا اور مشکل کشا کیسے ہو سکتے ہیں ؟۔ پھر اُن کو مصیبت کے وقت کیوں پکارتے ہو اور ان کے سامنے نذرونیاز کیوں پیش کرتے ہو ؟ وہ تو خود لاچار اور درماندہ ہیں۔ وہ خود ہر چیز اللہ سے طلب کرتے ہیں، بھلا تم ان سے کیا توقع رکھتے ہو ؟

فرمایا حقیقت یہ ہے بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ؁ کہ ظالم یعنی مشرک لوگ ہی کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ اتنی واضح دلیل ہے کہ جو شخص خود محتاج ہے وہ دوسرے کو کیا دے سکتا ہے اور معبود کیسے بن سکتا ہے ؟ اللہ کا فرمان تو یہ ہے یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرحمٰن - ۲۹) آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ ہی کے سامنے دستِ سوال دراز کرتی ہے مگر تم کہتے ہو کہ فلاں بھی رزق، اولاد، کاروبار وغیرہ دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دلیل کے ذریعے شرک کا رد بھی فرما دیا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑫

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق دی ہم نے لقمان کو حکمت ، یہ کہ شکر ادا کرو اللہ تعالیٰ کے لیے ۔ اور جو شخص شکر ادا کرتا ہے ، پس بے شک وہ شکر ادا کرتا ہے اپنے نفس کے (بھلے) کے لیے ، اور جو شخص ناشکری کرتا ہے پس بے شک اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور تعریفوں والا ہے ⑫

ربطِ آیات

سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کی صداقت وحقانیت اور توحید کے عقلی ونقلی دلائل پیش کیے ۔ اب اس رکوع میں حضرت لقمانؑ کی کچھ نصیحتیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے اہم ترین نصیحت اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننا اور شرک سے نفرت کرنا ہے ۔ شرک اور کفر کی قباحت اس کے بعد کی آیات میں بھی آرہی ہے توحید کا اثبات اور شرک کی تردید ہی گزشتہ اور آمدہ آیات میں ذریعہ ربط ہے ۔

حضرت لقمانؑ کی شخصیت

نزولِ قرآن کے زمانہ میں اگرچہ لقمانؑ کی حکیمانہ باتیں اسرائیلیوں اور عربوں میں زبانِ زدِ عام تھیں مگر آپ کی شخصیت کے بارے میں مفسرین کرام میں بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے ۔ حضرت لقمانؑ کس زمانے میں اور کس مقام پر ہوئے ہیں ، نیز آپ غلام تھے یا آزاد ، مفسرین کی مختلف رائیں ہیں ۔ بعض کہتے ہیں[۱] کہ آپ سوڈان کے شمالی علاقہ نوبہ کے کسی سیاہ فام حبشی آدمی کے غلام تھے ، جب کہ دوسرے حضرات کہتے ہیں[۲] کہ

---

[۱] قرطبی ص ۵۹ ج ۱۴ و درمنثور ص ۱۶۰ ج ۵ وطبری ص ۶۷ ج ۲۱ (فیاض)

آپ یمن کے رہنے والے آزاد آدمی تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت لقمانؑ عاد ثانیہ میں سے تھے۔ جب قوم عاد ہلاک ہوگئی تو حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لانے والے لوگوں سے چلنے والی نسل عاد ثانیہ کہلائی، آپ انہی لوگوں میں سے تھے۔ بعض[1] کہتے ہیں کہ یہ حمیر قبیلے کے بادشاہوں میں سے ہوئے ہیں انہی بادشاہوں میں تبعؔ نامی مشہور بادشاہ بھی گذرا ہے بعض[2] کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت لقمانؑ شداد کے بھائی تھے۔ شداد تو بڑا جابر اور مستبد شخص تھا، تاہم اس کی ہلاکت کے بعد اقتدار لقمانؑ کی طرف منتقل ہوگیا ذوالقرنین کی طرح آپ نہایت ہی صالح آدمی اور عادل بادشاہ تھے۔

حضرت لقمانؑ کے زمانے کے متعلق بھی قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر آپ کو عاد ثانیہ سے تسلیم کیا جائے تو آپ کا زمانہ مسیح علیہ السلام سے تین ہزار سال قبل کا ہے، اور آپ کو بنی اسرائیل کا فرد تصور کیا جائے تو آپ کا زمانہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ اس دور میں حضرت[3] داؤدؑ، اور حضرت لقمانؑ کی رفاقت کا ذکر بھی ملتا ہے بلکہ بعض کہتے ہیں کہ آپ اس زمانے میں قاضی تھے۔ بہر حال یہ زمانہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام سے کم و بیش ایک ہزار سال قبل کا ہے۔ حضرت لقمانؑ بنی اسرائیل اور عربوں میں یکساں طور پر مشہور تھے، بلکہ بنی اسرائیل کے پاس آپ کا ایک صحیفہ بھی تھا جس میں مندرج نصائح امثال لقمانؑ کے نام سے مشہور ہیں۔ اس صحیفہ کی نقول یورپ کے بعض کتب خانوں میں اب بھی ملتی ہیں۔

جمہور مفسرین[4] فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان مومن، نیک آدمی اور اللہ کے ولی تھے، محمد بن اسحاقؒ، امام شافعیؒ اور بعض دوسرے حضرات[5] آپ کو نبی بھی تسلیم کرتے ہیں مگر یہ بات درست نہیں بلکہ اکثر و بیشتر مفسرین آپ کو صالح آدمی ہی مانتے ہیں۔ البتہ آپ بہت بڑے حکیم، دانشور اور معاملہ فہم آدمی تھے اور اسی بنا پر آپ مہذب دنیا

---

[1] حقانی صفحہ ۴۶/۶ [2] حقانی صفحہ ۴۸/۶ [3] روح المعانی صفحہ ۸۲/۲۱ و مظہری صفحہ ۲۶۵/۵
[4] روح المعانی صفحہ ۸۳/۲۱ و تفسیر الثعالبی صفحہ ۲۰۷/۳ [5] معالم التنزیل صفحہ ۱۵۴/۳ (فیاض)

ہیں مشہور تھے

حکمت کا مفہوم

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اور البتہ تحقیق ہم نے حضرت لقمانؑ کو حکمت عطا فرمائی۔ حکمت کا لفظ قرآن و حدیث دونوں جگہ مذکور ہے سورۃ البقرہ، سورۃ صف اور بعض دیگر سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ السلام کے فرائض منصبی میں سے ایک یہ فرض بھی بیان کیا ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ یعنی آپ لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اسی طرح سورۃ بقرہ میں ہے يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (آیت۔ ۲۶۹) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے۔ حکمت عطا کرتا ہے، اور جسے حکمت عطا کی گئی اُسے خیر کثیر سے نوازا گیا۔ اسی طرح ترمذی شریف کی روایت[1] میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا یعنی حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے۔ جہاں بھی اسے پاتا ہے حاصل کر لیتا ہے

ابن دُرید اور بعض[2] دیگر حضرات حکمت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ ہر وہ بات جو تمہارے لیے نصیحت کا باعث ہو، برائی اور قباحت سے روکے اور بندگی پر آمادہ کرے، وہ حکمت ہے۔ بعض مفسرین، جن میں صاحب تفسیر مظہری[2] بھی شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ حکمت کا مفہوم یہ ہے مَعْرِفَةُ اَفْضَلِ الْاَشْيَاءِ بِاَفْضَلِ الْعُلُوْمِ یعنی افضل چیز کو افضل علم کے ساتھ جاننا حکمت کہلاتا ہے ظاہر ہے کہ افضل ترین چیز تو ذاتِ خداوندی اور اس کی صفات ہیں۔ اور افضل علم علمِ حضوری ہے جو انسان کے قلب میں موجود ہو۔ تو گویا علمِ حضوری کے ساتھ ذات وصفاتِ خداوندی کو پہچاننا حکمت ہے۔

---

[1] ترمذی ص ۲

[2] مظہری ص ۲۶۶/ج ۷ (فیاض)

بیہقی شریف[1] میں حضور علیہ السلام کا ارشاد موجود ہے رَأْسُ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہِ یعنی حکمت کی جڑ اور بنیاد اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ بہر حال عام فہم الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ دانائی، عقل، فہم، فراست اور فرزانگی کا نام حکمت ہے، حکم اور حکمت میں یہ فرق ہے کہ حکمت ہمیشہ درست بات کی طرف منسوب کی جاتی ہے جب کہ حکم میں غلطی کا امکان بھی ہوتا ہے جیسے مَالَکُمْ کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ تمھیں کیا ہو گیا ہے کیسے غلط ملط فیصلے کرتے ہو۔ تاہم حکمت ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی بلکہ جس پر اللہ مہربانی کر دے، اُس کو عطا فرماتا ہے۔

حکمت کی ایک عام تعریف[2] اس طرح بھی کی جاتی ہے مَنْ اَتْقَنَ الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ بِقَدْرِ طَاقَتِہٖ یعنی حکیم وہ شخص ہے جس نے اپنے علم اور عمل دونوں کو پختہ کر لیا۔ دانشور وہی آدمی ہوگا جس کے علم کے ساتھ عمل بھی ہو، ورنہ بے عمل آدمی حکیم نہیں ہو سکتا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت یعنی فہم و فراست، دانائی اور عقلمندی حضرت لقمانؑ کو وافر مقدار میں عطا فرمائی تھی، جن کا ذکر تمام مفسرین، مؤرخین اور دانشور کرتے ہیں۔ ان کی عجیب و غریب مثالیں اور حکمت کی باتیں اُن کے صحیفہ میں بھی موجود ہیں

حضرت لقمانؑ کی حکیمانہ باتیں

امام بیضاوی[3] اور بعض دوسرے مفسرین[4] نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ کہ ایک موقع پر حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت لقمانؑ سے کہا کہ بکری ذبح کر کے اُس کے گوشت کا بہترین حصہ میرے پاس لاؤ۔ آپ نے تعمیلِ حکم کی، بکری ذبح کی اور اس کا دل اور زبان حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا، کچھ وقفہ کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے پھر حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کرو اور اس کے گوشت کا بدترین حصہ میرے پاس لاؤ، حضرت لقمانؑ نے بکری ذبح کی اور دوسری دفعہ بھی دل اور زبان کا گوشت ہی پیش کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے

---

[1] بیہقی ص ــــ [2] میبذی ص ۳ و روح المعانی ص ۸۳/ج ۲۱

[3] بیضاوی ص ۲۲۱/ج ۳ [4] مظہری ص ۲۶۷/ج ۷ و معالم التنزیل ص ۱۵۵/ج ۳ (فیاض)

بہترین اور بدترین چیزوں میں دل اور زبان کو ہی کیسے تسلیم کیا، کہنے لگے، حضرت! اگر انسان کا دل اور زبان درست ہے تو اس سے پاکیزہ چیز انسانی جسم میں اور کوئی نہیں۔ اور اگر یہ دونوں خراب ہو جائیں تو پھر ان سے بُری چیز بھی کوئی نہیں، ظاہر ہے کہ اگر قلب میں نورِ ایمان ہے۔ توحید اور نیکی کی باتیں ہیں اور زبان سے بھی اچھی باتیں ادا ہو رہی ہیں تو پھر ان دونوں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں، اور اگر دل میں کفر، شرک کینہ، بغض، عناد اور نفاق ہے، اور زبان سے فحش کلامی ہوتی ہے تو ان سے بڑھ کر بُری چیز بھی کوئی نہیں، غرضیکہ لقمانؑ نے یہ نہایت ہی حکیمانہ بات کی۔

مشہور[1] ہے کہ حضرت لقمانؑ کسی لمبے سفر پر گئے۔ جب کچھ عرصہ بعد واپس لوٹے تو راستے میں اپنا خادم مل گیا۔ پوچھا میرے والد کا کیا حال ہے؟ خادم نے کہا کہ وہ تو فوت ہو چکے ہیں۔ لقمانؑ نے فرمایا مَلَكْتُ اَمْرِیْ اب میں اپنے معاملہ کا خود مالک بن گیا ہوں۔ والد کی موجودگی میں ہر چیز کے وہی ذمہ دار تھے مگر اب یہ ذمہ داری مجھ پر آپڑی ہے۔ پھر آپ نے بیوی کا حال پوچھا تو خادم نے بتایا کہ وہ بھی فوت ہو چکی ہے۔ کہنے لگے افسوس! اب مجھے بستر تبدیل کرنا پڑیگا اس کے بعد بہن کے متعلق پوچھا تو وہی جواب ملا کہ وہ بھی فوت ہو گئی ہے۔ حضرت لقمانؑ نے کہا سُتِرَتْ عَوْرَتِیْ اب میری پردہ پوشی ہو گئی۔ بہن کی وجہ سے بہت سی ذمہ داریاں تھیں، اس کی وجہ سے میرا پردہ رہ گیا۔ پھر آپ نے بھائی کا حال پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ بھی فوت ہو گئے ہیں۔ حضرت لقمانؑ کہنے لگے اِنْقَطَعَ ظَهْرِیْ اب میری پشت ٹوٹ گئی ہے۔ بھائی بھائی کا سہارا ہوتا ہے۔ ہر موقع پر اَلْمَرْءُ بِاَخِیْهِ آدمی اپنے بھائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ مشہور مقولہ ہے۔

ہر کہ برادر ندارد
قوت بازو ندارد

---

[1] درمنثور ص۱۶۵/ج۵ (فیاض)

جس کا بھائی نہیں، اس میں قوتِ بازو نہیں۔ جس طرح ماں کے بغیر شفقت اور باپ کے بغیر سرپرستی نہیں ہوتی، اسی طرح بھائی کے بغیر قوتِ بازو نہیں ہوتی۔

مولانا رومیؒ نے یہ حکایت اپنی مثنوی[۱] میں بیان کی ہے کہ حضرت لقمانؑ غلام تھے آپ کے آقا نے بعض دوسرے غلاموں کے ہمراہ آپ کو اپنے باغ کی حفاظت پر مامور کیا۔ اِس دوران باقی غلام تو باغ سے پھل توڑ توڑ کر کھاتے رہے مگر حضرت لقمانؒ نے بالکل کچھ نہ کھایا کیونکہ وہ اسے امانت میں خیانت سمجھتے تھے۔ ایک موقع پہ آقا باغ میں آیا تو اُسے پھل کا کچھ گرا پڑا حصہ ملا۔ دریافت کرنے پہ باقی غلاموں نے کہا کہ یہ پھل لقمانؒ نے توڑ کر کھایا ہے۔ جب آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا، اے آقا! آپ ہم سب خادموں کو گرم پانی پلا کر دوڑنے کا حکم دیں تو آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ سب نے قے کی جس سے کھائے ہوئے پھل کی نشاندہی ہو گئی۔ صرف لقمانؒ کی قے ایسی تھی جس میں سے پانی کے سوا کچھ برآمد نہ ہُوا، اور مالک کو پتہ چل گیا کہ سارے غلاموں میں سے صرف آپ ہی امانتدار ہیں

مشہور ہے کہ لقمان نے کہا کہ میں نے بہت سے نبیوں کی زیارت کی ہے بنی اسرائیل کے دَور میں انبیاء کثرت سے آتے تھے اور خود لقمانؒ کی عمر بھی ایک ہزار سال تھی لہٰذا اُن کی بہت سے انبیاء سے ملاقات بعید از قیاس نہیں۔ فرماتے ہیں کہ اِن انبیاء کے اقوال میں سے میں نے آٹھ باتوں کو خوب یاد کیا ہے، اور وہ یہ ہیں:۔

(۱) اگر تم نماز کی حالت میں ہو تو دِل کی حفاظت کرو۔

(۲) اگر کھانے پہ بیٹھے ہو تو حلق کی حفاظت کرو اور ضرورت سے زیادہ نہ کھاؤ۔

(۳) اگر کسی غیر کے گھر میں جانا ہو تو آنکھوں کی حفاظت کرو۔

(۴) اگر لوگوں کے درمیان بیٹھے ہو تو زبان کی حفاظت کرو۔

(۵) ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو۔

---

[۱] مثنوی ص ـــــ (فیاض)

(۶) ہر وقت موت کو یاد رکھو

(۷) کسی اپنے یا غیر کے ساتھ احسان کرو تو بھول جاؤ۔

(۸) جو تیرے ساتھ برائی کا سلوک کرے، اس کو بھی بھول جاؤ اور کسی کے سامنے تذکرہ نہ کرو۔

کسی نے حضرت لقمان رح سے پوچھا حضرت! آپ اس مرتبہ تک کیسے پہنچے کہ اللہ نے آپ کو بڑی فہم و فراست عطا کی ہے۔ فرمایا۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے

(۲) امانت کی ادائیگی کی وجہ سے

(۳) سچ بولنے سے

(۴) لایعنی باتوں کے ترک سے

پھر کسی نے پوچھا، لقمان ؒ! تم فلاں خاندان کے غلام تھے، تم میں فہم و فراست، عقلمندی، دانشوری اور فرزانگی کیسے آگئی؟ اس کو امام ابن کثیر رحؒ نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ حضرت لقمانؒ نے فرمایا کہ مجھے یہ چیزیں اس وجہ سے حاصل ہوئی ہیں. کہ میں نے ا۔

(۱) نگاہ کو ہمیشہ نیچا رکھا ہے۔

(۲) زبان کو فضول باتوں سے روکا ہے

(۳) خوراک کو صحیح بنایا ہے۔

(۴) اپنے ناموس کی حفاظت کی ہے

(۵) سچ بولا ہے۔

(۶) عہد کو پورا کیا ہے

(۷) مہمان کی عزت کی ہے

ا؎ ابن کثیر ص ۴۴۴ ج ۳

(۸) پڑوسی کی حفاظت کی ہے
(۹) لایعنی چیزوں کو ترک کیا ہے۔

حضرت لقمانؒ کا یہ قول بھی مشہور ہے ضَرْبُ الْوَالِدِ كَالسَّمَادِ یعنی والد کا بچے کو تنبیہ کے لیے مارنا بچے کے لیے بمنزلہ کھاد کے ہے بچے کو سرزنش کرنا بری بات نہیں بلکہ اس کے حق میں اچھی ہوتی ہے۔ سعدیؒ صاحب کا قول بھی ہے "مہر پدر سے ضرب استاد بہتر ہے"

استاد کی مار والدین کی شفقت سے زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ آپ کا یہ قول[1] بھی ہے اِيَّاكَ وَالدَّيْنَ فَاِنَّهٗ ذُلُّ النَّهَارِ وَهَمُّ اللَّيْلِ یعنی قرض سے بچو کیونکہ یہ دن کی ذلت اور رات کی فکرمندی ہے۔

ایک دفعہ[2] حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت لقمانؒ سے پوچھا كَيْفَ اَصْبَحْتَ یعنی آپ کا کیا حال ہے تو کہنے لگے اَصْبَحْتُ فِيْ يَدِ غَيْرِيْ میں اپنے آپ کو غیر کے ہاتھوں میں پاتا ہوں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ غیر کے ہاتھ سے مراد دست قدرت اور عدل ہے۔ حفیظ جالندھریؒ نے بھی کہا ہے۔

دیکھو او گیانی دنیا ہے فانی
آگ لگی ہے جس میں
دل ہے پرائے بس میں

اسی طرح اگر کوئی امام مالکؒ سے پوچھتا كَيْفَ اَصْبَحْتَ یعنی آپ کا کیا حال ہے، تو جواب دیتے عُمُرٌ يَنْقُصُ وَذُنُوْبٌ تَزِيْدُ یعنی عمر گھٹ رہی ہے، اور گناہ بڑھ رہے ہیں۔

حضرت لقمانؒ سے بھی منقول[3] ہے کہ میں نے بہت سی کڑوی چیزوں کو چکھا ہے۔ مگر فقر سے زیادہ کڑوی چیز کوئی نہیں پائی۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی

---

[1] درمنثور صفحہ ۱۶۵ ج ۵ [2] البحر المحیط صفحہ ۱۸۶ ج ۷ و تفسیر حسینی صفحہ ۲۴۱ ج ۲ [3] درمنثور صفحہ ۱۶۵ ج ۵ (فیاض)

فقر سے پناہ مانگی ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنَ الْفَقْرِ الْمُدْقِعِ[1] اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ مٹی میں ملا دینے والے فقر سے پناہ مانگتا ہوں۔

آپ کا یہ قول بھی ہے کہ دنیا میں اُترے ہو تو اس کی طرف پشت اور آخرت کی طرف رُخ کر لو۔ جس دنیا کو تم قریب سمجھ رہے ہو وہ بہت بعید ہے اور جس آخرت کی طرف جا رہے ہو وہ حقیقت میں بہت قریب ہے آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ کھانا کھلانے کے لیے پرہیز گاروں کو تلاش کرو اور مشورے کے لیے علماء کو تلاش کرو۔ ترمذی[1] شریف میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے، کہ محبت اور دعوت کا کھانا متقی آدمی کو کھلاؤ، کیونکہ وہ کھانا کھا کر خدا کا شکر ادا کرے گا عبادت کرے گا اور اس کا تمہیں بھی فائدہ ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر فاسق فاجر کو کھلاؤ گے تو وہ ناشکری کرے گا، گناہ کا مرتکب ہوگا اور اس میں تمہارا بھی حصہ ہو گا لقمانؑ فرماتے ہیں کہ جنازے میں شریک ہو کہ اس سے آخرت یاد آئیگی۔ نیز شادی میں جانے سے گریز کرو کہ اس سے دنیا یاد آتی ہے، آپ نے یہ بھی فرمایا[2] لوگو! اپنی زبان سے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیۡ کہا کرو یعنی خدا تعالیٰ سے اپنی غلطیوں کی معافی طلب کیا کرو۔ حدیث میں آتا ہے کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ایک مجلس میں ستر ستر مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔

بیٹے کو نصیحتیں

حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو بہت سی نصیحتیں کیں جن میں سے بعض کا ذکر اگلی آیات میں آرہا ہے۔ ان کے علاوہ بھی مفسّرین اور مورخین بہت سے پند و نصائح کا ذکر کرتے ہیں، مثلاً آپ نے اپنے بیٹے سے کہا[3] یَا بُنَیَّ اِنَّ الدُّنْیَا بَحْرٌ عَمِیۡقٌ ھَلَکَ فِیۡھَا خَلْقٌ کَثِیۡرٌ اے بیٹے دنیا ایک گہرا سمندر ہے جس میں بہت سی مخلوق ہلاک ہو چکی ہے۔ یاد رکھو! اس سمندر کو بحفاظت

---

[1] ترمذی ص — [2] درمنثور ص ۱۶۵ ج ۵

[3] درمنثور ص ۱۶۴ ج ۵

(فیاض)

پار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا تمہارے لیے بمنزلہ کشتی کے ہے، خدا کی ذات پر بھروسہ تمہارا بادبان ہے اور اس سفر میں تمہارا توشہ تقویٰ ہے۔ پھر اگر تم اس سمندر کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے، تو سمجھ لینا کہ اللہ کی رحمت سے بچ گئے اور اگر ہلاک ہو جاؤ تو اسے اپنے گناہوں کی شامت سمجھنا۔

حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا[1] کہ علما اور حکمار کی مجلس میں ضرور بیٹھا کرو کیونکہ علم وحکمت کے ذریعے اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے۔ آپ کا یہ قول بھی مشہور[2] ہے کہ اے بیٹے! میں نے بڑے بڑے پتھروں اور وزنی لوہے کو اٹھایا ہے فَلَمْ اَحْمِلْ شَيْئًا اَثْقَلَ مِنْ جَارِ سُوْءٍ مگر میں نے برے پڑوسی سے بوجھل کسی چیز کو نہیں اٹھایا۔

شکر کا اصول

ارشاد خداوندی ہے کہ ہم نے حضرت لقمانؑ کو حکمت عطا کی اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فہم و فراست اور عقل و دانش جیسی بلند چیز عطا کی ہے، اس انعام پر اس کا شکریہ ادا کرو اور یاد رکھو۔ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ جو کوئی شکر ادا کرتا ہے۔ تو وہ اپنی ہی بھلائی کے لیے کرتا ہے۔ خدا کی ذات وصفات میں شکر کرنے سے کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (ابراہیم۔۷) اگر انعام پا کر میرا شکر ادا کرو گے تو میں مزید نعمتیں عطا کروں گا اور اگر تم نے ناشکری کا اظہار کیا تو پھر یاد رکھو میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔ مطلب یہ کہ شکر گزاری میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ دنیا میں اس کے انعام واکرام میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا اخلاق درست ہوتا ہے اور آخرت میں درجات بلند ہوتے ہیں۔

---

[1] درمنثور ص ۱۶۴ ج ۵

[2] درمنثور ص ۱۶۴ ج ۵

(فیاض)

فرمایا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ اور جس شخص نے ناشکری کی، تو اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔ کسی کی ناشکری سے خدا تعالیٰ کا تو کچھ نہیں بگڑ جائے گا، البتہ وہ خود ہی معتوب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، اُسے کسی کے شکر یا ناشکری کی کچھ پرواہ نہیں۔ وہ ہر حالت میں تعریفوں والا ہے۔ کوئی اس کی تعریف کرے یا نہ کرے، وہ کمال صفات کا مالک ہے اور اس کی ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا
تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۣؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿١٣﴾
وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ
وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ
اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿١٤﴾ وَاِنْ
جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ
عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫
وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ
مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥﴾

ترجمہ:- اور (اس بات کو یاد کرو) جب کہا حضرت لقمانؒ نے اپنے بیٹے سے اور وہ اس کو نصیحت کر رہے تھے، اے بیٹے! نہ شرک کرنا اللہ کے ساتھ۔ بیشک شرک البتہ بہت بڑا ظلم ہے ﴿١٣﴾ اور ہم نے تاکیدی حکم دیا ہے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں۔ اٹھایا ہے اس کو اس کی ماں نے ضعف پر ضعف برداشت کرتے ہوئے اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہوتا ہے (ہم نے اس کو حکم دیا) کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا

میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے (۱۴) اور اگر وہ تمھیں مجبور کریں اس بات پر کہ تم میرے ساتھ شریک کرو اس چیز کو جس کا تمھیں علم نہیں، پس اُن کی بات نہ مانو۔ اور رفاقت اختیار کرو اُن کے ساتھ دنیا میں دستور کے مطابق۔ اور پیروی کرو اُس کے راستے کی جو رجوع رکھتا ہے میری طرف۔ میری ہی طرف تم سب کا لوٹ کر آنا ہے۔ پھر بتا دوں گا تم کو وہ کام جو تم کیا کرتے تھے (۱۵)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں حضرت لقمانؑ کی حکمت کا ذکر ہوا، اور اس ضمن میں اُن کا اجمالی تعارف بھی عرض کر دیا تھا۔ حضرت لقمانؑ اللہ کے نیک بندے اور دانشور تھے۔ اللہ نے اُن کو حکمت سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا آج کی آیات میں لقمانؑ کی وہ حکیمانہ باتیں بیان کی گئی ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو بطور نصیحت کی تھیں۔ اِن نصائح میں اولین نصیحت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور یہی اُن کے حکیم ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ انہوں نے شرک جیسے ظلمِ عظیم سے بیٹے کو منع فرما دیا۔

شرک کی ممانعت

ارشاد ہوتا ہے اس بات کو یاد کرو وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ جب کہ کہا لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے۔ وَهُوَ يَعِظُهٗ اس حال میں کہ آپ اس کو نصیحت کر رہے تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ وعظ کا مطلب یہ بتلاتے ہیں قهر المدارك الظلمانية بانوار المعارف القدسانية[1] یعنی ذہنی تاریکی کو معرفت کے نور سے دور کرنا۔ یہ مقصد ترغیب اور ترہیب کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ کبھی اچھی چیزوں کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے

---

[1] الخیر الکثیر ص۷۶ (فیاض)

اور کبھی بُرے عقائد و اعمال کے انجام سے ڈرایا جاتا ہے۔ بہر حال حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو اس طرح نصیحت فرمائی یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ مفسرین[1] کرام اس نصیحت کی بنیاد دو چیزوں کو قرار دیتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اُن کا بیٹا واقعی شرک میں مبتلا ہو اور آپ اُس سے ہٹانا چاہتے ہوں۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بیٹا فی الوقت شرک میں ملوث نہ ہو مگر اس کی قباحت کے پیش نظر باپ اپنے بیٹے کے ساتھ نہایت ہی خیر خواہی کا برتاؤ کرتے ہوئے اُسے آئندہ کے لیے بھی اس کے قریب جانے سے منع کر رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ باپ کو اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت ہوتی ہے اور اس محبت کا تقاضا ہے کہ اُسے ہر اس چیز سے دور رکھنے کی کوشش کرے جو اُس کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہو۔ بہر حال آپ نے دوسرے لفظوں میں یہ نصیحت کی کہ بیٹا! توحید پر قائم رہنا، ایسا نہ ہو کہ تمھارا پاؤں پھسل کر شرک کی دلدل میں پھنس جائے اور یاد رکھو اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ بیشک شرک بہت بڑی بے انصافی کی چیز ہے۔

ظلم کا لغوی معنی ہے[2] وضع الشیٔ فی غیر محله یعنی کسی چیز کو بے محل رکھ دینا۔ اس میں بڑے سے بڑے گناہ سے لیکر چھوٹے چھوٹے گناہوں اور لغزشوں تک آجاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کفر، شرک اور دیگر کبائر بھی ظلم کی تعریف میں آتے ہیں۔ قتل اور زنا جیسے بُرے افعال بھی اسی مد میں آتے ہیں۔ معمولی لغزشوں میں مثلاً یہ ہے کہ کوئی شخص جوتا پہن کر مسجد میں چلا جائے یا مسجد میں داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں پہلے اندر رکھ دے تو بظاہر یہ معمولی خطائیں ہیں مگر ظلم کی تعریف میں یہ بھی آتی ہیں۔ بہر حال جس طرح شرک جیسے کبیرہ گناہ کو ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس طرح کفر کے متعلق بھی

---

۱ البحر المحیط ص ۱۸۶ ج ۷

۲ تفسیر المراغی ص ۸۱ ج ۲۱ و صفوة التفاسیر ص ۴۹۱ ج ۲ (فیاض)

فرمایا ہے وَالْکٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (البقرہ - ۲۵۴) کافر ظالم لوگ ہیں۔ غرضیکہ لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو شرک سے منع فرمایا کہ یہ بہت بڑا ظلم ہے

شرک کی تعریف

کفر اور شرک میں فرق ہے۔ کفر یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کی توحید، رسالت، اس کے فرشتوں، کتابوں یا قیامت کا سرے سے انکار ہی کر دے اور نفاق یہ ہے کہ انسان بظاہر تو اقرار کرتا ہو مگر دل میں انکار ہو۔ اور شرک یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کی ذات کا انکار تو نہیں کرتا مگر اس کی ذات، صفات یا عبادت میں کسی غیر کو شریک بنا لیتا ہے۔ مثلاً مجوسی دو خداؤں کو مانتے ہیں۔ ایک یزدان ہے اور دوسرا اہرمن، ایک خیر کا خدا ہے اور دوسرا شر کا۔ ایک خدا نور اور نیکی کو پیدا کرنے والا ہے اور دوسرا تاریکی اور برائی کو۔ ہندوؤں میں سناتن دھرمی فرقے کا عقیدہ ہے کہ خدا تین ہیں ایک پیدا کرنے والا، دوسرا قائم رکھنے والا اور تیسرا فنا کرنے والا۔ یہ بھی عیسائیوں کی طرح تثلیث کے قائل ہیں۔ جو باپ، بیٹا اور روح القدس تینوں کو الٰہ مانتے ہیں۔ مجوسیوں کے دو خداؤں کی تردید اللہ نے سورۃ انعام کی ابتدائی آیت میں کر دی ہے کہ سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (آیت - ۱) اور جس نے تاریکی اور روشنی دونوں چیزوں کو پیدا کیا۔ گویا ظلمت اور نور کا خالق ایک ہی خدا ہے، دو علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں۔ وہی اَلْقَيُّوْمُ ہے جو ہر چیز کو تھامتا ہے، اور وہی اَلْمُمِيْتُ ہے جو ہر چیز کو فنا کرتا ہے۔ لہذا ہنود اور نصاریٰ کا تثلیث والا عقیدہ بھی باطل ہے۔ یہ اللہ کی ذات میں شراکت کی نفی ہو گئی۔

دوسری قسم کا شرک یہ ہے کہ کوئی شخص مخلوق میں سے کسی کو خدا تعالیٰ کی صفات مختصہ میں شریک ٹھہرائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الحجرات - ۱۶) ہر چیز کو جاننے والا صرف خدا تعالیٰ ہے۔ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ (حٰم سجدہ - ۵۴) اور ہر چیز کا احاطہ کرنے والا بھی وہی ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ کے علاوہ

مخلوق میں سے بھی کوئی نبی، ولی، فرشتہ یا جن ہر چیز کو جانتا ہے۔ یا اُس نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے تو ایسے شخص نے اللہ کی صفت میں غیر کو شریک کیا اور اس طرح شرک کا مرتکب بن گیا۔ اسی طرح صفت خلق بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے جیسے فرمایا اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر - ۶۲) ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ اب اگر کوئی شخص مخلوق میں سے کسی کے متعلق عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ بھی پیدا کر سکتا ہے تو ایسا شخص مشرک ہو جائے گا۔ کیونکہ اُس نے صفتِ خلق میں اللہ کا شریک ٹھہرایا۔ انتہائی درجے کی تعظیم قولی فعلی یا جسمانی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے کیونکہ معبود برحق اور نفع نقصان کا مالک صرف وہی ہے۔ اب اگر اسی نظریہ کے ساتھ کسی غیر کی تعظیم کی جائے کہ وہ بھی نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے تو یہ بھی شرک ہے، نذر و نیاز صرف مالک اور خالق حقیقی کے لیے مخصوص ہے۔ اگر غیر اللہ کے سامنے پیش کی تو شرک کا ارتکاب کیا۔ (غیر کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جو نذر و نیاز دی جاتی ہے)۔

تدبیر بھی اللہ کی صفتِ خاصہ ہے يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (الٓمٓ سجدۃ - ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ مدبّر کا لفظ سورۃ النّٰزعٰت میں فرشتوں کے لیے بھی استعمال ہوا۔ جیسے فرمایا فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (آیت - ۵)۔ یعنی وہ امورِ دنیا کی تدبیر کرتے ہیں، مگر وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ اللہ نے دنیا کی جس ڈیوٹی پر لگا دیا ہے، وہ اس کو انجام دیتے ہیں اور از خود کوئی کام نہیں کرتے، لہٰذا اُن کی تدبیر بھی اللہ ہی کی تدبیر کے تابع ہے۔ غرضیکہ اللہ کے سوا کسی چیز کی تدبیر بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی ایسا اعتقاد رکھے گا۔ تو وہ مشرکوں کی صف میں کھڑا ہو جائے گا۔

شرک کی بہت سی قسمیں ہیں اور اکثر و بیشتر لوگ کسی نہ کسی قسم میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ آج کل کے تعویز گنڈے بھی اسی قبیل سے ہیں۔ ایسے تعویزوں میں بسا اوقات

غیر اللہ سے مدد طلب کی جاتی ہے کہیں یا جبرائیل اور یا میکائیل لکھا جاتا ہے تو کہیں خواجہ خضر کو پکارا جاتا ہے، کہیں جنات سے مدد طلب کی جاتی ہے اور کہیں شیطان کا نام لکھ دیا جاتا ہے۔ یہ شرکیہ باتیں ہیں۔ بعض اوقات اگر مکان بنانا ہے تو اس کی بنیادوں میں جانور ذبح کیا جاتا ہے تاکہ جنات خوش ہو جائیں، اور کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ کلمہ گو مسلمان یا علی یا غوث یا پیر مدد وغیرہ تو گاڑیوں پر لکھ دیتے ہیں۔ تاکہ گاڑی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ پھر عیسائیوں کی طرح صلیب لٹکانا، یا ہندوؤں کی طرح زنار پہننا، ماتھے پہ تلک لگانا، عادت میں شرک ہوتا ہے غرضیکہ ہر وہ صفت جو اللہ کے ساتھ مخصوص ہے، اگر اس میں غیروں کو شریک کر لیا تو شرک ہو گیا اور شرک کے متعلق یہاں فرمایا کہ وہ ظلم عظیم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مخلوق میں سے مافوق الاسباب کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا، ساری مخلوق عاجز ہے اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ (النحل۔ ١٧) کیا پیدا کرنے والا یعنی خالق اور نہ پیدا کرنے والا یعنی مخلوق برابر ہو سکتے ہیں۔؟ ہرگز نہیں۔ ایسا خیال کرنا بڑی ہی بے انصافی کی بات ہے اور حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو یہی بات سمجھائی۔

والدین کے حقوق

یہاں تک تو حضرت لقمانؑ کا کلام نقل کیا گیا ہے جو آپ نے اپنے بیٹے سے کیا۔ اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کو خطاب کیا ہے۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں تاکیدی حکم دیا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں[1] کہ حضرت لقمانؑ کے معاً بعد اللہ تعالیٰ کے خطاب کی دو وجوہات ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس سے یہ بات سمجھانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق توحید کے بعد دنیا میں مخلوق کے حقوق کے ضمن میں والدین کا حق سب پر فائق ہے سورۃ بنی اسرائیل میں بھی گزر چکا ہے وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (آیت۔ ٢٣) تیرے پروردگار کا فیصلہ ہے، کہ

---

[1] البحر المحيط صـ ١٨٧ (فیاض)

صرف اُسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ دیکھ لیں، یہاں بھی توحید باری تعالیٰ اور والدین کے حقوق کو اکٹھا بیان کیا گیا ہے تو فرماتے ہیں کہ والدین سے نیک سلوک کا حکم حضرت لقمانؑ بھی اپنے بیٹے کو دے سکتے تھے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا کہ ایسا کہنے میں ذاتی غرض سامنے آتی تھی، لہذا والدین سے حسنِ سلوک کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا۔

شاہ عبدالقادرؒ دہلویؒ نے اس مقام پر بڑا قیمتی نوٹ لکھا ہے[1] کہ حضرت لقمانؑ نے بیٹے کو باپ کا حق نہ بتلایا تھا کہ اپنی غرض معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی نصیحت کے بعد اور دوسری نصیحتوں سے پہلے ماں باپ کا حق فرما دیا کہ اللہ کے حق کے بعد والدین کا حق ہے۔ باپ نے بیٹے کو اللہ کا حق بتایا تو اللہ نے اُس کو باپ کا حق بتلا دیا۔ باقی پیغمبر، مرشد یا ہادی کا حق بھی اللہ کے ذیل میں سمجھو کہ وہ بھی اُسی کے نائب ہوتے ہیں۔"

بہرحال باقی انسانوں میں سے ماں باپ کا حق سب پر مقدم ہے۔ اس کے بعد دوسرے انسانوں کے حقوق آتے ہیں۔ اسی لیے حدیث[2] میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ میں کس کے ساتھ نیکی کروں، تو آپ نے تین دفعہ ماں کا نام لیا اور چوتھی دفعہ باپ کا ذکر کیا۔ اس کے بعد باقی رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا۔ چنانچہ جیسا کہ آیت کے اگلے حصے میں اشارہ ملتا ہے ماں کے حق کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

ماں کا خصوصی حق

فرمایا ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا تاکیدی حکم دیا اور خاص طور پر ماں کے ساتھ کیونکہ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ اُس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے اس کو اٹھایا یعنی دورانِ حمل ماں نے سخت تکلیف برداشت کی، اور جب بچہ پیدا ہو گیا وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ اور اُس کا

---

[1] موضح القرآن صـ ۴۹۳ [2] روح المعانی صـ ۸۶ ج ۲۱ (فیاض)

دودھ چھڑانا دوسال میں ہوتا ہے۔ یعنی ماں نے دوسال تک بچے کی اپنے دودھ پہ پرورش کی جو کہ اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ اسی لیے تاکیدی حکم دیا اَنِ اشۡکُرۡ لِیۡ کہ میرا شکریہ ادا کرو۔ کہ میں تمھارا حقیقی خالق ہوں۔ وَلِوَالِدَیۡکَ اور اپنے والدین کا بھی شکریہ ادا کرو کہ وہ تمھارے اس دنیا میں آنے کا ظاہری سبب بنے اور انہوں نے بچپن میں تمھاری پرورش کی۔ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ اور تمہیں میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ میں تم سے پوچھ لوں گا کہ تم نے میرے حکم کے مطابق عمل کیا ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس تاکیدی حکم اور والدین سے حسن سلوک کا یہ تقاضا ہے کہ اُن کی قولاً اور فعلاً خدمت کی جائے اگر وہ محتاج ہیں تو اُن کی مالی خدمت کی جائے اور اگر غنی ہیں تو جسمانی طور پہ خدمت کی جائے اور انہیں کسی بھی صورت میں تکلیف نہ پہنچائی جائے خاص طور پہ جب وہ بوڑھے ہو جائیں تو اللہ کا فرمان ہے فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا (بنی اسرائیل۔۲۳) کہ انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ اُن کو جھڑکو، بلکہ اُن کے ساتھ حسنِ کلام سے پیش آؤ۔ والدین کو ذہنی، جسمانی کسی طرح بھی تکلیف پہنچانا حرام ہے۔

رضاعت کا مسئلہ

اِس آیت کریمہ میں رضاعت کا مسئلہ بھی بیان ہوا ہے کہ بچے کی دودھ چھڑانے کی مدت دوسال ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اُس کو اڑھائی سال بیان کرتے ہیں تاہم جمہور کے نزدیک دوسال ہی ہے۔ اس کا ذکر سورۃ بقرہ میں آیا ہے وَالۡوَالِدٰتُ يُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِ لِمَنۡ اَرَادَ اَنۡ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (آیت۔ ۲۳۳) اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دوسال تک دودھ پلائیں اگر بچے کا والد رضاعت کی مدت پوری کرنا چاہے۔ سورۃ الاحقاف میں ہے وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا (آیت۔ ۱۵) حمل اور دودھ چھڑانے کی کل مدت تیس ماہ ہے۔ اس سے فقہاء کرامؒ یہ مسئلہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ اگر کوئی بچہ دوسال کی عمر کے بعد کسی غیر ماں کا دودھ پیئے گا تو وہ اس کا رضاعی بیٹا نہیں بنے گا، کیونکہ دوسال کے بعد اُس کی رضاعت ختم ہو چکی ہے۔

شرک کا انکار

پہلی آیت میں حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو شرک کی قباحت بیان کر کے اس سے منع کیا تھا۔ پھر درمیان میں اللہ نے والدین سے متعلق حسنِ سلوک اور اُن کی اطاعت گزاری اور خدمت گزاری کا حکم دیا، مگر شرک کے متعلق فرمایا وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اگر تیرے والدین تجھے مجبور کریں کہ تم میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک بناؤ جس کا تمھیں علم نہیں فَلَا تُطِعْهُمَا تو اُن کی بات نہ مانو۔

اس مقام پہ اللہ نے صرف شرک کے معاملہ میں والدین کی اطاعت سے منع فرمایا ہے مگر صاحب تفسیر مظہری[1] اور بعض دوسرے مفسرین کرام[2] فرماتے ہیں کہ اگر والدین شریعت کے کسی بھی حکم کے خلاف مجبور کریں تو اُن کی بات نہیں مانی جائیگی۔ مثلاً والدین مجبور کریں کہ کسی فرض، سنت مؤکدہ یا واجب کو ترک کر دو تو اولاد کے لیے حکم ہے کہ وہ والدین کی بات نہ مانیں، ہاں اگر کسی مباح عمل سے منع کریں، مثلاً نفل پڑھنے کی بجائے اپنے پاس رہنے کا حکم دیں تو ایسی صورت میں نفل ترک کیے جا سکتے ہیں۔ اور اگر وہ کہیں نماز باجماعت کے لیے مسجد میں نہ جاؤ یا غیر اللہ کی نذر و نیاز دو تو اُن کا یہ حکم ماننے کی اجازت نہیں ہے۔

والدین سے حسنِ سلوک

فرمایا والدین کے غلط حکم کا انکار کر دو، البتہ وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا دنیا میں اُن کے ساتھ دستور کے مطابق رفاقت اختیار کرو۔ اگر والدین کافر بھی ہوں تو پھر بھی دنیاوی معاملات، لین دین اور خدمت گزاری کے سلسلے میں اُن سے اچھا سلوک کرو۔ ہمارے بزرگوں میں سے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اس حکم کی زندہ مثال ہیں۔ آپ کی والدہ آخری دم تک ہندو مت پر قائم رہی۔ اگرچہ آپ بڑی عمر کے ہو چکے تھے مگر والدہ آپ کو پیٹ بھی لیتی تھی مگر آپ اُف تک نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ ماں نے ایک گائے کی فرمائش کی تاکہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اُسے دان (خیرات) کر سکے۔ مولانا نے گائے خرید کر دی اور ماں کو راضی

---

[1] مظہری ص ۲۶۹ ج ۷ [2] قرطبی ص ۶۴ ج ۱۴ (فیاض)

کیا، اور غیر مذہب میں ہونے کے باوجود اُسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا۔ پھر جب آپ ہجرت کر کے افغانستان چلے گئے تو ماں یہیں رہ گئی۔ یہ اسلام اور قرآن کی برکت تھی کہ مولانا نے غیر مسلم ماں کا بھی پورا پورا حق ادا کیا۔

جب حضرت سعدؓ اسلام لائے تو اُن کی والدہ سخت ناراض ہو گئی حتیٰ کہ اُس نے قسم اٹھالی کہ جب تک سعدؓ اسلام کو نہیں چھوڑے گا، کھانا نہیں کھاؤں گی۔ آپ نے ماں کو زبردستی کھانا کھلانے کی کوشش بھی کی مگر پختہ ارادہ تھا کہ اگر وہ بھوک سے مر بھی جاتی ہے تو اسلام کو ترک نہیں کروں گا۔ بالآخر ماں مجبور ہو گئی اور اس نے حضرت سعدؓ کو دین سے بہکانے کی کوشش ترک کر دی۔

خدائی راستے کا اتباع

آگے اللہ نے فرمایا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ اور اُس کے راستے کی اتباع کرو جو میری طرف رجوع رکھتا ہے۔ نافرمانوں، کافروں، مشرکوں اور بدعتیوں کا اتباع نہ کرو، بلکہ ان لوگوں کے نقشِ قدم پر چلو جن کا عقیدہ، اخلاق اور عمل صحیح ہے اور جن میں اطاعت اور نیکی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ اِس آیت سے علمائے کرام ائمہ کرام کی تقلید بھی ثابت کرتے ہیں۔ امام ابُوحنیفہؒ امام شافعیؒ، امام مالکؒ یا امام احمدؒ کا فتویٰ ماننا ہی تقلید کہلاتا ہے۔ کیونکہ یہ نیکی اور اطاعت والے لوگ تھے۔ بعض لوگ اس تقلید کو حرام قرار دے کر اپنی طرف بلاتے ہیں مگر اِن لوگوں میں تقویٰ اور سوجھ بوجھ کہاں جو ائمہ کرام میں پائی جاتی تھی۔ ائمہ اربعہ کا اتباع دنیا بھر میں کیا جاتا ہے۔ یہ ہر لحاظ سے معیاری لوگ تھے۔ صحابہ کرامؓ کے بعد یہی لوگ درجۂ کمال پر فائز ہوئے ہیں۔ امام شافعیؒ کی تقلید اس لیے کی جاتی ہے کہ آپ نہایت ہی ذہین اور سمجھدار تھے، اور اسی طرح دوسرے ائمہ کرام بھی تھے۔ اِن کا اتباع اسی نقطۂ نظر کے تحت کیا جاتا ہے کہ یہ اصحاب امت کے دیگر لوگوں سے نیکی اور تقویٰ میں بڑھے ہوئے تھے اور اللہ نے انہیں غیر معمولی فہم و فراست سے نوازا تھا۔

فرمایا میری طرف رجوع رکھنے والے کا اتباع کرو ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ پھر تم سب نے میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ پھر میں تمہیں بتا دوں گا جو کچھ تم دنیا میں کام کرتے رہے۔ قیامت والے دن تمہاری ساری کارگزاری تمہارے سامنے آجائے گی۔

یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ
خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ
اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ
خَبِیْرٌ ﴿۱۶﴾ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ
وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ
ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ
لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ
كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ
مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ﴿۱۹﴾ ع ۲ ۸ ۱۱

ترجمہ: اے میرے بیٹے! بیشک اگر ہو ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی چیز، پس ہو وہ کسی پتھر میں یا آسمان (کے کسی کنارے) پر یا زمین (کے کسی گوشے) میں، لائے گا اُس کو اللہ تعالیٰ۔ بیشک اللہ تعالیٰ لطیف ہے اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے ﴿۱۶﴾ اے بیٹے! قائم رکھو نماز کو، اور حکم دو نیکی کا، اور منع کرو برائی سے، اور صبر کرو اس چیز پر جو تمھیں پہنچے۔ بیشک یہ بات پختہ امور میں سے ہے ﴿۱۷﴾ اور نہ پھیلاؤ اپنے گال لوگوں کے سامنے اور نہ چلو زمین میں اتراتے ہوئے۔ بیشک اللہ تعالےٰ

نہیں پسند کرتا ہر اترانے والے اور بڑائی کا اظہار کرنے والے شخص کو ⑱ اور میانہ روی اختیار کرو اپنی چال میں، اور پست رکھو اپنی آواز کو۔ بیشک سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے ⑲

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمانؑ کی بعض نصیحتوں کا ذکر کیا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کیں۔ اُن میں سب سے پہلے آپ نے شرک کی قباحت بیان کر کے اُس سے منع فرمایا۔ پھر اللہ نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا تاہم اگر والدین کفر، شرک یا کسی دیگر خلافِ شرع کام کا حکم دیں تو اُن کی حکم عدولی کی اجازت دی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ دنیا میں اُن کے ساتھ دستور کے مطابق اچھا سلوک کرتے رہو۔ اللہ نے اُن لوگوں کی پیروی کا حکم دیا جو اس کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور واضح کر دیا کہ بالآخر تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور وہ تمھارے سارے اعمال تمھارے سامنے رکھ دے گا۔

اعمال کی پیشی

گذشتہ درس میں پہلے حضرت لقمانؑ کی نصیحت تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے والدین سے حسنِ سلوک کا حکم دیا۔ اب آج کے درس میں حضرت لقمانؑ کی طرف سے بیٹے کے حق میں باقی نصیحتوں کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے یٰبُنَیَّ اِنَّھَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اے میرے بیٹے! اگر کوئی چیز (از قسم نیکی یا بدی) ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ہو۔ کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کی مثال دینی ہو تو ذرہ یا رائی کے دانے کے ساتھ دی جاتی ہے کیونکہ یہ دونوں بالکل چھوٹی چیزیں ہیں۔ تو فرمایا کہ اگر کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی ہو فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اور وہ ہو بھی کسی پتھر کے اندر اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ یا وہ آسمانوں کے کسی کنارے پر یا زمین کے کسی گوشے میں ہو یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا۔ مطلب یہ ہے قیامت کو جب محاسبۂ اعمال کی منزل آئے گی تو اللہ تعالیٰ ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کو جہاں کہیں بھی ہوگا اُسے حاضر کر دے گا۔ اور ایسا

کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ لَطِیۡفٌ خَبِیۡرٌ بیشک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

مسند احمد کی روایت[1] میں آتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی انسان کا عمل اگر کسی مضبوط چٹان کے قلب میں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے حاضر کر دیگا اور پھر جزائے عمل کے وقت اس کا شمار کیا جائے گا۔ اس امر کی تصدیق بعض دوسری آیات قرآنی سے بھی ہوتی ہے سورۃ الزلزال میں ہے فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ﴿۷﴾ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ﴿۸﴾ اگر کسی شخص کی ذرہ برابر بھی نیکی یا بدی ہوگی تو محاسبہ اعمال کے وقت سامنے آجائے گی۔ سورۃ الکہف میں بھی موجود ہے وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا ؕ وَلَا یَظۡلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا (آیت ۔ ۴۹) ہر شخص اپنا عمل اپنے سامنے حاضر پائے گا۔ ان کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جائے گا، اور کسی سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ بہرحال حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو خبردار کر دیا کہ تمھارا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے اور وہ اس کے مطابق بدلہ دیگا۔

اگر انسان کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ اُس کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور مخلوق کی کوئی نیکی یا بدی اس سے مخفی نہیں ہے تو پھر انسان بہت سی نیکیاں اکٹھی کرنے کی کوشش کرے گا اور بہت سی برائیوں سے بچ جائیگا قرآن میں موجود ہے یَوۡمَ تُبۡلَی السَّرَآئِرُ (الطارق ۔ ۹) اُس دن تمام راز کھول دیے جائیں گے اور کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہیگی۔ اُس وقت گنہگاروں کو بڑی ندامت اور پشیمانی ہوگی، لہٰذا اِس دنیا میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیئے۔

نماز کی تاکید

اِس کے بعد حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت بھی کی یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اے بیٹے نماز کو قائم رکھو۔ نماز ایک ایسی اعلیٰ ترین عبادت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر شریعت میں لازم رہی ہے۔ اور یہ اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ حشر[2] والے

[1] مسند احمد ص — [2] سنن دارمی ص ۲۵۲ ج ۱ و سنن نسائی ص ۸۱ ج ۱ (فیاض)

دن سب سے پہلے اسی کے متعلق سوال ہوگا۔ کہ دنیا میں نماز قائم کی تھی یا نہیں
فارسی شاعر[1] نے بھی کہا ہے ؎

روز محشر کہ جان گداز بود
اولیں پرسشِ نماز بود

نماز تقرب الی اللہ کا قوی ترین ذریعہ ہے۔ یہ ایسی جامع العبادات ہے جس میں روح، دماغ، زبان اور دیگر اعضا جوارح اللہ کی تعظیم میں مشغول ہوجاتے ہیں، گویا ظاہری اور باطنی ہر دو ذرائع سے عبادت کا ذریعہ نماز ہے، نماز میں جو مناجات اور دعائیں کی جاتی ہیں اُن میں تمام نیک لوگ شامل ہوتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ[2] مبارک ہے کہ جب کوئی نمازی نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ پڑھتا ہے تو اس کا اثر ارض و سما میں ہر نیک بندے تک پہنچتا ہے، نماز میں تمام اہلِ ایمان، فرشتوں اور نیک جنات کا حق ہوتا ہے۔ جو شخص نماز نہیں پڑھتا وہ تمام بندوں کا حق ضائع کرتا ہے۔

نماز انفرادی عبادت بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ یہ انفرادی عبادت اس لیے ہے کہ اس کے ذریعے ہر نمازی کی ذاتی اصلاح ہوتی ہے۔ اور اجتماعی فریضہ اس لحاظ سے ہے کہ نماز کا قیام ہر اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں لکھتے[3] ہیں کہ ہر مسلمان خلیفہ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مساجد تعمیر کرے، اُن میں امام مقرر کرے اور نماز باجماعت اور جمعہ کا اہتمام کرے۔ دینی تعلیم کا بندوبست کرے اور حصولِ انصاف کے لیے شرعی عدالتیں قائم کرے۔ حدود کو قائم کرنا، دین کی تبلیغ کا انتظام کرنا، ملکی سرحدوں کی حفاظت کرنا وغیرہ بھی فرائضِ خلافت میں شامل ہیں۔ آج کل تو نظریہ بدل چکا ہے اور امورِ سلطنت اور امورِ دین کو الگ الگ چیز سمجھا جاتا ہے مگر حقیقت میں یہ سب ایک ہی چیز کے مختلف شعبے ہیں۔ جس طرح دیگر امورِ سلطنت انجام دینا حکومتِ وقت کا فریضہ ہے اسی طرح نماز کا قیام بھی حکومت کے فرائض

---

[1] نام حق ص۲ [2] [3] ازالۃ الخفا، ص ــــ (فیاض)

میں داخل ہے۔

موطا امام مالکؒ[1] میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام گورنروں کو یہ حکم جاری کیا تھا اِنَّ مِنْ اَھَمِّ اُمُوْرِکُمْ عِنْدِیَ الصَّلٰوۃ بیشک میرے نزدیک تمھارے اہم ترین کاموں میں سے ایک کام نماز کا قیام ہے۔ تمھاری یہ ذمہ داری ہے کہ اس بات کا خیال رکھو کہ تمھاری عملداری میں کوئی مرد و زن بے نماز نہ ہو۔ قرآن پاک میں نماز کی بڑی تاکید آئی ہے۔ بتیس ۳۲ مرتبہ نماز اور زکوٰۃ کا اکٹھا حکم دیا گیا ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اسکے علاوہ تقریباً ایک سو نو ۱۰۹ مرتبہ صراحت کے ساتھ نماز کا ذکر آیا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

نماز کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت بھی کی وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ بیٹے! نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو۔ قرآنِ پاک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بار بار حکم دیا گیا ہے اور اس کے اولین مخاطبین حکام وقت ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ برائی کو بزور طاقت ختم کریں اور نیکی کو رائج کریں۔ اس کے بعد عام مسلین کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے گھر، برادری، خاندان یا اپنے حلقہ اثر میں نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ جو شخص کوئی برائی دیکھتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ اگر وہ طاقت رکھتا ہے تو اُسے ہاتھ سے روکے اور نیکی کو رائج کرے۔ اگر برائی کو طاقت سے نہیں روک سکتا تو زبان سے روکنے کی کوشش کرے۔ اگر ایسا بھی نہیں کر پاتا تو پھر تیسرا درجہ یہ ہے کہ کم از کم اس کو دل سے ہی بُرا جانے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا[2] کہ اس کے بعد انسان کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں رہتا۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ زبان کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا علماء کا کام ہے کہ وہ اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے

---

[1] موطا امام مالک ص ۵ [2] (فیاض)

یہ کام سرانجام دیں۔ اور عوام الناس کا فرض یہ ہے کہ وہ دل سے ہی نیکی کو اچھا اور برائی کو بُرا سمجھیں ۔

علمائے حق نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ہمیشہ ادا کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں بڑی بڑی تکالیف برداشت کی ہیں۔ دنیا میں ایسے حکمران بھی گذرے ہیں کہ اگر کسی عالم نے یہ فریضہ ادا کیا تو حکم دیا کہ اس کے دانت اکھاڑ کر اس کے سر میں ٹھونک دو۔ کتنے ہی اللہ والے گذرے ہیں جنہیں اس راستے میں جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔ منکرات ہماری سوسائٹی کا جزو بن چکے ہیں جس میں برائی کو برائی سمجھا ہی نہیں جاتا۔ آج فلم انڈسٹری کے خلاف آواز بلند کرو، کون سُنے گا ؟ عریانی، فحاشی، عیاشی قمار بازی وغیرہ اپنے عروج پر ہیں مگر ان کی روکنے کی ہمت کس میں ہے ؟ یہ تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان قبیح چیزوں کا قلع قمع کرے مگر وہاں بھی مصلحتیں آڑے آرہی ہیں۔ بہرحال حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نصیحت بھی کی ۔

صبر کی ترغیب

انہوں نے بیٹے سے یہ بھی کہا وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ بیٹا ! ہر پیش آمدہ تکلیف پر صبر کرنا ۔ راہ حق میں لوگ تمھیں طعنے دیں گے، ماریں پیٹیں گے ذہنی تکالیف دیں گے مگر تم صبر کا دامن نہ چھوڑنا۔ دیکھو! خود حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ نے دین کی راہ میں کس قدر تکالیف برداشت کیں مگر زبان پر حرفِ شکایت نہ آیا۔ یہ بڑی کٹھن منزل ہے جس پر ثابت قدم رہنا اور حوصلہ نہ ہارنا۔ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ یہ سب پختہ باتوں میں سے ہیں عزم الامور کا معنی یہ ہے کہ دین میں یہ مؤکد چیزیں ہیں جن پر سختی سے کاربند ہونا ضروری ہے ۔ اقامتِ صلوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور مصائب میں صبر کرنا تاکیدی احکام میں شامل ہیں۔ اس کا دوسرا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بیشک یہ چیزیں حوصلے کی باتوں میں سے ہیں۔ ہر آدمی ان امور پر حاوی نہیں ہوسکتا۔ ان کاموں میں وہی پورا اترتے ہیں ۔ جن کو اللہ توفیق دیتا ہے۔

تکبر کی ممانعت

اس کے بعد بیٹے سے فرمایا وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ اور لوگوں کے سامنے اپنے گالوں کو مت پھلاؤ، منہ پھلا پھلا کر باتیں کرنا غرور اور تکبر کی علامت سمجھا جاتا ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ دراصل صعر اونٹوں کی ایک بیماری کا نام ہے جس کے دوران اونٹ اپنی گردن کو اوپر کی طرف اٹھاتا ہے۔ اس لفظ کو مجازی طور پر تکبر کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ مغرور آدمی عام طور پر اپنی گردن اونچی کر کے چلتا ہے۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جس شخص نے اپنی گردن اونچی کی خدا اس کو ذلیل کرے گا، اور جس نے تواضع اختیار کی خدا اس کو عزت بخشے گا۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، دوسرے کو حقیر سمجھنا اور حق بات کو ٹھکرا دینا تکبر کی علامات ہیں۔ ایک صحابیؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں غسل کر کے صاف ستھرے کپڑے پہنتا ہوں اور کبھی کبھی وہ لباس مجھے اچھا لگتا ہے، دوسرے شخص نے کہا میں اچھی سواری استعمال کرتا ہوں، اچھا لباس پہنتا ہوں، تو کیا یہ چیزیں تکبر میں داخل ہیں؟ فرمایا نہیں، بلکہ یہ تو جمال ہے اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہے[۲] اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ وَلٰكِنِ الْكِبْرَ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ اللہ تعالیٰ خود خوبصورت ہے۔ اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ البتہ تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرا دے اور لوگوں کو حقیر جانے

چال میں میانہ روی

فرمایا متکبرانہ طریقے سے اپنے گالوں نہ پھیلاؤ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اور زمین پر اتراتے ہوئے نہ چلو۔ یہ بھی تکبر کی نشانی ہے اور یاد رکھو اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ بیشک اللہ تعالیٰ مغرور اور بڑائی اختیار کرنے والے آدمی کو پسند نہیں کرتا بلکہ اسے تو عاجزی اور انکساری پسند ہے

چنانچہ حضرت لقمانؑ نے بیٹے کو یہ نصیحت بھی کی وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو۔ مغرور آدمی زمین پر اکڑ کر چلتا ہے اور پاؤں زور زور

ـلـه ابن کثیر ص ۴۴۶ / ج۳ ـ ـه۲ (فیاض)

سے مارتا ہے مگر تم ایسا نہ کرنا کیونکہ یہ سخت ناپسندیدہ چیز ہے۔ خود[1] حضور علیہ السلام کی چال اگرچہ تیز ہوتی تھی مگر آپ آگے کی طرف جھکے ہوئے نظر آتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی ڈھلوان سے اُتر رہے ہیں۔ آپ قدم کو گھسیٹ کر نہیں بلکہ اٹھا کر رکھتے تھے یہ آپ کی تواضع کی علامت تھی۔ طبیعت کے خلاف نہ بہت تیز چال چلنا اچھا ہے اور نہ بہت سست بلکہ میانہ روی ہی بہتر ہے۔ خدا تعالیٰ کو عاجزی پسند ہے نہ کہ اکڑ۔

سلک السلوک والے بزرگ لکھتے[2] ہیں کہ حضرت علیؓ راستہ پر چلتے ہوئے قدرے جھک کر جا رہے تھے، کسی نے دریافت کیا، اے علیؓ! کیا تمھاری پشت پر کوئی بوجھ رکھا ہے جو اس قدر جھکے جا رہے ہو؟ فرمایا، مَیں جھک کر کیوں نہ چلوں کہ میری پشت پر اتنا بڑا بوجھ ہے جس کو اٹھانے سے زمین، آسمان اور پہاڑوں نے بھی انکار کر دیا۔ مگر حَمَلَهَا الْإِنسَانُ (الاحزاب -۲۷) اس بوجھ کو انسان نے اٹھا لیا۔ یہ انسان کے مکلف ہونے کا بوجھ تھا جو اُس نے اٹھا لیا۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں شریعت کے منشا اور حضور علیہ السلام کی سنت کے مطابق جھک کر چلتا ہوں۔

آواز کی پستی

حضرت لقمانؑ نے بیٹے کو چال میں میانہ روی اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ اپنی آواز کو پست رکھا کرو۔ آواز کو بلا ضرورت بلند کرنا سخت ناپسندیدہ فعل ہے۔ اللہ نے بطور تشبیہ فرمایا إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ بیشک آوازوں میں سے قبیح ترین آواز گدھے کی ہے۔ جو آدمیوں کے لیے سخت مکروہ ہوتی ہے۔ حدیث[3] میں آتا ہے کہ جب مرغ فرشتے کو دیکھتا ہے تو آواز نکالتا ہے۔ لہٰذا جب مرغ کی آواز سنو تو اللہ کا فضل مانگو۔ اور جب گدھا شیطان کو دیکھتا ہے تو سخت ناگوار آواز نکالتا ہے، لہٰذا ایسے وقت میں شیطان اور اس کے وساوس سے خدا کی ذات کے ساتھ پناہ پکڑا کرو۔ غرضیکہ انسان کو بلا وجہ

---

[1] روح المعانی ص۹۱ ج۲۱ [2] سلک السلوک ص
[3] تفسیر ابن کثیر ص۴۴۶ ج۳ و تفسیر ثعالبی ص۲۰۹ ج۳ (فیاض)

آواز بلند کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

یہ تمام دینی اور اخلاقی نصیحتیں ہیں جو حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو کیں مگر یہ تمام بنی نوع انسان کے لیے یکساں طور پر کار آمد ہیں۔ حضرت لقمانؑ بڑے حکیم یعنی دانشور آدمی تھے۔ اور دانا آدمی وہی ہوتا ہے جو توحید پر کاربند ہو۔ اور شرک سے متنفر ہو۔ ماں باپ کا خدمت گذار اور اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جانتا ہو دانا آدمی وہ ہے جو نماز پڑھتا ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتا ہے، مصائب پر صبر اور تکبر سے پرہیز کرتا ہے۔ ایسا شخص زمین پہ اترا کر نہیں چلتا اور اپنی آواز کو بھی پست رکھتا ہے یہ سب حکیمانہ باتیں ہیں جو سب کے لیے ضروری ہیں۔ ان نصائح پر عملدرآمد کامیابی کی ضمانت ہے۔

درس ہفتم ۷ آیت ۲۰ تا ۲۴

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً
وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا
بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ
الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾
وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى
اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ
كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا
عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾
نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى
عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

ترجمہ:۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے
مسخر کیا ہے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے

اور جو کچھ زمین میں ہے اور پوری کی ہیں اُس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں - اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ کے بارے میں بغیر ہدایت اور روشن کتاب کے ⑳ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس چیز کی جس کو اللہ نے اُتارا ہے، تو کہتے ہیں کہ ہم پیروی کریں گے اُس چیز کی جس پر پایا ہم نے اپنے آباؤاجداد کو اگرچہ شیطان اُن کو بلاتا ہے دوزخ کے عذاب کی طرف ㉑ اور جو شخص تابع کر دے گا اپنے چہرے کو اللہ کے، اور وہ نیکی کرنے والا ہو، پس بیشک اُس نے پکڑ لیا ہے مضبوط کڑا - اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے انجام سب کاموں کا ㉒ اور جس شخص نے کفر کیا، پس نہ غم میں ڈالے تجھکو اُس کا کفر - ہماری طرف ہی اُن کا لوٹ کر آنا ہے. پس ہم اُن کو بتلا دیں گے جو کچھ وہ عمل کرتے تھے. بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کو ㉓ ہم فائدہ پہنچائیں گے اُن کو تھوڑی مدت تک - پھر ہم اُن کو مجبور کریں گے سخت عذاب کی طرف ㉔

رابطِ آیات

گزشتہ رکوع میں حضرت لقمانؒ کی کچھ نصیحتیں بیان ہوئیں جن میں سے اولین نصیحت توحید باری تعالیٰ پر استقامت کے متعلق تھی - شرک کو ظلمِ عظیم قرار دیا گیا، اور اس سے بچنے کی تلقین کی گئی. پھر والدین کی فرمانبرداری کا حکم دیا اور ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر وہ شرک پر آمادہ کریں تو ان کی بات نہ مانو ایسی صورت میں والدین کی نسبت اللہ کا حق مقدم ہے کہ اُس کے ساتھ کسی

کو شریک نہ بنایا جائے۔ اس کے بعد محاسبۂ اعمال اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم و وسعت کا ذکر ہوا۔ پھر نماز کی تاکید ہوئی اور ساتھ ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی کہا مصائب پر صبر کرنا، غرور و تکبر سے بچنا اور زمین پر اتراتے ہوئے نہ چلنا۔ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرنا، اور آواز کو بھی پست رکھنا۔ یہ سب اخلاقی تعلیمات اور بیش قیمت نصیحتیں ہیں جو لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو کیں۔

تسخیر ارض و سما

جیسا کہ میں نے عرض کیا حضرت لقمانؑ کی نصائح میں سرفہرست توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے متعلق نصیحت تھی۔ اب اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعض عقلی دلائل پیش کیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَوْا اے مخاطبین! کیا تم نے نہیں دیکھا؟ رؤیت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک بصری اور دوسری قلبی۔ اس مقام پر رؤیت قلبی مراد ہے کہ کیا تم نے غور نہیں کیا، یعنی اس چیز کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی کہ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

تسخیر کا معنیٰ کسی چیز کو تابع کر دینا ہوتا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو کوئی چیز براہ راست کسی شخص کے قبضہ میں دے دی جاتی ہے کہ جس طرح چاہے اُسے استعمال کرے یا اُس سے کام لے۔ جب جانور یا زمین کسی آدمی کے تصرف میں ہوتی ہے تو وہ زمین میں کاشتکاری کرتا ہے اور اس سے پھل اور اناج حاصل کرتا ہے یا اس پر تعمیر کرتا ہے۔ اسی طرح جانوروں کو بار برداری یا کاشتکاری کے لیے استعمال کرتا ہے، اُن کا دودھ اور اُون حاصل کرتا ہے اور بعض کو ذبح کر کے اُن کا گوشت بھی استعمال کرتا ہے۔ تسخیر کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی چیز کو براہِ راست کسی فردِ واحد کے سپرد تو نہیں کیا جاتا بلکہ اُسے خاص ضابطے کے مطابق کام میں لگا دیا جاتا ہے جس سے انسان اور جانور مستفید ہوتے ہیں۔

سورج، چاند، ستارے وغیرہ اسی قبیل سے ہیں جو اپنے اپنے مقررہ کام میں لگے ہوئے ہیں اور لوگ ان سے گرمی، روشنی، ٹھنڈک اور تقویم وغیرہ کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تو گویا ایسی چیزوں سے لوگوں کا مستفید ہونا ہی ان کے لیے تسخیر ہے۔ اسی طرح انسان فضاؤں، ہواؤں اور بادلوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا ہی انسانوں اور دیگر جانداروں کی خدمت کے لیے کیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ہے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (آیت۔ ۲۹) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے زمین کی ہر چیز تمہارے فائدے کے لیے پیدا کی ہے۔ تو جب تک قدرت کا یہ نظامِ شمسی قائم ہے لوگ اس سے استفادہ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا انسانوں کا بھی فرض ہے کہ وہ اِن چیزوں کے خالق خداوند کریم کا شکریہ ادا کریں۔ اس کی وحدانیت کو تسلیم کرلیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔

تکمیلِ نعمت

فرمایا ایک تو تمہارے لیے آسمان و زمین کی چیزوں کو مسخر کر دیا، اور دوسرا احسان یہ کیا وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً کہ اُس نے تم پر تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل کر دیں۔ ظاہری نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں۔ جن کا ادراک انسان حواس سے کرتا ہے۔ جیسے دیکھنا، سننا، ٹٹولنا، سونگھنا اور چکھنا وغیرہ، یہ اللہ کے بہت بڑے انعام ہیں جن کی عام طور پہ قدر نہیں کی جاتی۔ اِن حواس کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے۔ جب ان میں سے کوئی چیز سلب کر لی جائے۔ غرضیکہ انسان کو اس دنیا میں میسر تمام مادی چیزیں اس کے لیے ظاہری نعمت ہیں۔ ان میں مال و دولت، مکان، دکان، کارخانہ، زمین، باغ، زن و فرزند، طرح طرح کے کھانے، رنگ برنگا لباس اور استعمال کی تمام چیزیں شامل ہیں۔

اُدھر باطنی نعمتیں وہ ہیں جن کا ادراک باطنی قویٰ یعنی دل و دماغ کے ذریعے غور و فکر سے کیا جاتا ہے۔ اِن میں ایمان، ہدایت، وحی الٰہی اور علم جیسی بیش قیمت

نعمتیں ہیں جن کے بغیر انسان جانوروں سے بھی بدترین جاتا ہے۔ اللہ نے ایسی ایسی کمال ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کی ہیں کہ انسان کسی ایک نعمت کا بھی شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ مگر یہ اس کی بدقسمتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا ناشکر گزار بنتا ہے اور اس کی ذات، صفات اور شان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی توحید کو مانتا ہے۔ بہر حال اللہ نے واضح کر دیا کہ میں نے تو انسان کو عطا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اب انسان ان چیزوں سے کس حد تک فائدہ اٹھاتا ہے، یہ اس کی اپنی مرضی پر موقوف ہے۔

دلائلِ توحید

ظاہری اور باطنی انعامات کا مقصد تو یہ تھا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو جائے مگر صورتِ حال یہ ہے وَمِنَ النَّاسِ اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم، بغیر ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔ اللہ نے اس مقام پر ان تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے کہ لوگ توحید خداوندی کا انکار کر کے شرک میں مبتلا ہوتے ہیں مگر علم، ہدایت اور روشن کتاب میں سے اپنے حق میں کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔ پہلی چیز علم ہے جس سے عقلی دلیل مراد ہے کہ کافر اور مشرک شرک کے حق میں کوئی عقلی دلیل پیش کریں جس کی بناء پر وہ دوسروں کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ پچھلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں بہت سے دلائل پیش کیے ہیں۔ ان میں ارض و سما کی تخلیق، پہاڑوں کو گاڑھ دینا، آسمان کو بغیر ستون کے کھڑا کرنا، جانوروں کو زمین میں بکھیر دینا، بارش اتار کر اس سے بارونق اور عمدہ قسم کے پھل، پھول اور اناج پیدا کرنا شامل ہے۔ یہ سب عقلی دلائل ہیں جن میں غور و فکر کر کے انسان توحید الٰہی کو سمجھ سکتا ہے مگر اس کے برخلاف شرک کے حق میں کوئی بھی عقلی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔

دوسری چیز کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ بغیر ہدایت کے اللہ کی ذات و صفات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔ ہدایت سے مراد نقلی دلیل ہے جو انبیاء کی وساطت

سے وحی الٰہی سے حاصل ہوتی ہے یا کاملے ربانیین اور نیکی والے لوگوں صاحب فہم وفراست اور عقلمند لوگوں سے حاصل ہوتی ہے۔ انسانیت کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ اللہ کے برگزیدہ نبیوں نے ہمیشہ توحید کی طرف دعوت دی اور شرک کی تردید کی۔ لقمانؑ جیسے دانشور اور عقلمند لوگ بھی توحید ہی کا سبق پڑھاتے رہے ہیں۔ ایسے لوگ ہر زمانے میں موجود رہے ہیں جو توحید کی دعوت دیتے رہے ہیں مگر آپ کو کوئی بھی دانشور، عقلمند، حکیم اور صاحبِ علم آدمی نہیں ملے گا جو شرک کی دعوت دیتا ہو۔ تو معلوم ہوا کہ شرک کے حق میں نقلی دلیل بھی کوئی نہیں ہے۔

تیسری چیز روشن کتاب ہے جس کے ذریعے کسی چیز کے حق میں یا اس کے خلاف دلیل پکڑی جا سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے چار مستقل کتابیں اور بہت سے صحیفے اپنے انبیاء پر نازل فرمائے ہیں۔ ان سب میں توحید کی دعوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور جگہ جگہ شرک کی قباحت بیان کر کے اس سے منع کیا گیا ہے۔ اس آخری کتاب قرآن پاک ہی کو لے لیں جس کا کوئی ورق، کوئی سورۃ اور کوئی پارہ ایسا نہیں جس میں درسِ توحید نہ دیا گیا ہو اور شرک کی تردید نہ کی گئی ہو۔ یہی حال دوسری کتب سماویہ اور صحائف کا ہے مگر پھر بھی لوگ شرک کی طرف مائل ہو جاتے ہیں حالانکہ ان کے پاس مذکورہ تین دلائل میں سے کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ اس کے برخلاف خدا تعالیٰ کی توحید پر لاکھوں اور کروڑوں عقلی اور نقلی دلائل موجود ہیں کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔

آباؤ اجداد کی اندھی تقلید

اللہ نے ایسے ہی ہٹ دھرم لوگوں کے متعلق فرمایا وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اُس چیز کا اتباع کرو جو اللہ نے نازل کی ہے یعنی اللہ نے کتاب، دین، ہدایت، شریعت اور عام احکام نازل فرمائے ہیں، ان پر عمل کرو قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس چیز کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ وحی الٰہی کو چھوڑ کر محض آباؤ اجداد کے طریقے پر چلنا ہی اندھی

تقلید کہلاتی ہے۔ ایسے لوگ نہ کسی نبی کو مانتے ہیں اور نہ کسی کتاب کو اور نہ کسی نیک شخص کے اتباع کی ضرورت محسوس کرتے ہیں بلکہ اپنے باپ دادا کے طریقے کو ہی اوّل و آخر سمجھ لیتے ہیں، اور اُس کے خلاف کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

آباؤ اجداد کی تقلید اس صورت میں تو جائز ہے کہ وہ اللہ کے نبی یا نیک صالح اور اللہ والے لوگ ہوں۔ جیسے یوسف علیہ السلام نے قید خانے کے دوران کہا تھا۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ (یوسف۔ ۳۸) میں تو اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا اتباع کرتا ہوں اور ہمارے لیے یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں وہ تو اللہ کے نبی اور ہادیٔ برحق تھے۔ ایسے لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنا تو باعث فخر ہے، یہ تو عین سعادت ہے۔ لیکن اگر آباؤ اجداد شرکیہ، کفریہ اور معصیت والے راستے پر ہوں تو اُن کا اتباع اندھی تقلید ہوگا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ تم کہتے ہو کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کا اتباع کریں گے۔ اَوَلَوْ كَانَ الشَّیْطٰنُ یَدْعُوْهُمْ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ اگرچہ شیطان اُن کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو، تو کیا پھر بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلو گے؟ یہ تو بڑی بدبختی کی بات ہے۔ سورۃ فاطر میں فرمایا کہ بیشک شیطان تمھارا دشمن ہے اور اُسے دشمن ہی سمجھو اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (آیت۔ ٦) وہ تو اپنے گروہ کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع کر کے جہنم کے عذاب کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ لہٰذا بغیر سوچے سمجھے آباؤ اجداد کی تقلید نہ کسی عقلی دلیل سے ثابت ہے، نہ نقلی دلیل سے اور نہ کسی کتاب سے سورۃ بقرہ میں فرمایا کیا تم پھر بھی آباؤ اجداد کی تقلید کرو گے اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ (آیت۔ ۱۷۰)

اگرچہ تمہارے باپ دادا کچھ عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی وہ ہدایت کے راستے پر ہوں۔ کافر، مشرک اور باطل پرست لوگ ہمیشہ اپنے آباؤ اجداد کی رسوم پر ہی چلتے رہتے ہیں۔ مشرکین مکہ بھی کہتے تھے کہ قصی ابن کلاب جیسے بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں، ہم اُن کا طریقہ کیوں چھوڑیں۔ یہ لوگ ہمارے سردار اور بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ ہم سب انہی کے متبع ہیں کیا وہ کوئی بیوقوف تھے تم بڑے مولوی آگئے ہو ہمیں ہمارے طریقے سے روکنے والے آج بھی مشرک اور بدعتی لوگ اپنے بڑوں کو بطور سند پیش کرتے ہیں کہ یہ کام فلاں بزرگ کا ایجاد کردہ ہے، کیا وہ کوئی کم عقل تھا، اور پھر اس کے ماننے والے ہزاروں لاکھوں ہیں، بھلا وہ کیسے غلط ہو سکتے ہیں؟ یہی باطل دلیل ہے، کوئی ملکی یا علاقائی رسم ورواج یا برادری اور خاندان کا طریقہ اسناد نہیں بن سکتا۔ لہذا شرک کے ارتکاب میں یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔

ایمان کا مضبوط کڑا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، یاد رکھو! وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ جس نے اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا۔ چہرے کا ذکر کر کے ذات مراد لی جاتی ہے کیونکہ چہرہ انسان کا معزز ترین عضو ہے، حواسِ ظاہرہ اور باطنہ اسی سر اور چہرے میں ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے سامنے عاجزی کے اظہار کے لیے اسی حصۂ جسم کو زمین پر رکھ کر سجدہ کیا جاتا ہے۔ اس میں موجود دماغ ہے، جو قوائے باطنہ کا مرکز ہے اور انسان کی شکل وصورت بھی اسی حصہ سے ممتاز ہوتی ہے تو فرمایا جس نے اپنے چہرے یا ذات کو خدا کے تابع کر دیا وَهُوَ مُحْسِنٌ اور وہ شخص ہو بھی نیکی کرنے والا، تو سمجھ لو فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى کہ اس نے مضبوط کڑے کو پکڑ لیا۔ یہ کڑا چھوٹ تو سکتا ہے مگر ٹوٹ نہیں سکتا۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ کسی اونچے ستون پر چڑھے ہیں اور کڑے کو ہاتھ میں تھام لیا ہے۔ جب انہوں نے یہ واقعہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے مضبوط کڑے کو پکڑ لیا ہے۔ تم اہلِ جنت میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ

کا فرمان بھی ہے۔ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرہ۔ ۲۵۶) جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اس نے گویا مضبوط کڑے کو پکڑ لیا جو ٹوٹے گا نہیں تو فرمایا کہ جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا، اور اس کام میں انبیاء ہمیشہ پیش پیش ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی آتا ہے اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ۔ ۱۳۱) جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے اطاعت کا مطالبہ کیا تو انہوں نے عرض کیا، مولا کریم! میں ہمہ تن مطیع اور فرمانبردار ہوں۔ تو جس کام کا حکم دے۔ میں بسر و چشم تعمیل کے لیے تیار ہوں۔ جب کوئی شخص اس حال میں اطاعت گزار بن جائے گا تو یقیناً کامیاب ہو گا۔ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے قیامت والے دن جب اللہ تعالیٰ کے حضور حساب کتاب کی منزل آئیگی، تو ہر چھوٹا بڑا اور نیک و بد عمل حاضر کر دیا جائیگا اور پھر انہی کے مطابق خدا تعالےٰ کی عدالت میں فیصلے ہوں گے۔

کفر کا انجام

فرمایا وَمَنْ كَفَرَ اور جس شخص نے کفر کیا یعنی توحید کا انکار کیا، رسالت اور کتب سماویہ کا انکار کیا اور روز جزا کو جھٹلا دیا، تو اے نبی علیہ السلام فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ایسے شخص کا کفر کرنا آپ کو زیادہ غم میں نہ ڈالے کیونکہ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ اُن سب کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا پس ہم اُن کو بتلا دیں گے جو کچھ وہ کام کرتے تھے، اُن کی ساری کارگزاری سے ہم واقف ہیں کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بیشک اللہ تعالےٰ سینوں کے راز بھی جانتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ زبان پر آنے سے پہلے دِل کی بات کو بھی جانتا ہے۔ وہ لوگوں کے انجام دیے ہوئے کاموں سے کیسے غافل ہو گا؟ وہ تمام مخفی چیزوں کو بھی جانتا ہے، لہٰذا ہر شخص کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہی جزا اور سزا کا فیصلہ کریگا۔

مفسرِ قرآن مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں[1] کہ دوسروں کو ہدایت پر لانے کے لیے ایک خاص حد تک کوشش کرنا ضروری ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی ایمان نہیں لاتا تو اس کے پیچھے زیادہ نہیں پڑنا چاہیے بلکہ اس کا معاملہ اللہ تعالےٰ پر چھوڑ دینا چاہیے، وہ خود ایسے شخص سے نپٹ لے گا۔ یہاں یہ بات فرمائی ہے کہ جو لوگ سمجھانے کے باوجود حق کی طرف نہیں آتے، آپ اُن کے بارے میں زیادہ فکرمند نہ ہوں کیونکہ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ہم انہیں تھوڑے عرصہ کے لیے فائدہ پہنچائیں گے۔ اس دُنیا کی زندگی کے دس بیس، پچاس، سو سال تک دنیا کی رنگینیوں سے مستفید ہولیں، مال و دولت سے دل بہلالیں ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ پھر ہم انہیں شدید عذاب کی طرف کشاں کشاں لے آئیں گے۔ وہ ایسا سخت عذاب ہوگا، جو ناقابلِ برداشت ہوگا، مگر برداشت کرنا پڑے گا۔ جس قسم کا جرم کیا ہوگا۔ اُسی مناسبت سے سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ یہ دنیا کا مفاد تو بہرحال ختم ہونے والا ہے جو کہ بالکل ہی قلیل ہے، مگر آخرت میں کفر کرنے والوں کو شدید عذاب کا لقمہ بننا ہوگا۔

---

[1] بیان القرآن صـــ (فیاض)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي
الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ
مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ
اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٧﴾ مَا خَلْقُكُمْ
وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ
بَصِيْرٌ ﴿٢٨﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي
النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؗ كُلٌّ يَّجْرِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ
مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٩﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ
الْكَبِيْرُ ﴿٣٠﴾ ع ٣ / ١٢

ترجمہ :- اور اگر آپ اِن لوگوں سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو تو البتہ ضرور کہیں گے یہ لوگ کہ اللہ نے ۔ آپ کہہ دیجئے سب تعریف اللہ کے لیے ہے ، بلکہ اکثر ان میں سے علم نہیں رکھتے ﴿۲۵﴾ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی غنی اور تعریفوں والا ہے ﴿۲۶﴾ اور اگر ہو جائیں جو زمین میں درخت ہیں قلمیں ، اور سمندر اُس کی سیاہی (بن جائیں) ۔ اس کے بعد سات مزید سمندر اُس کی مدد کریں ، تو نہیں ختم ہوں گے ، اللہ تعالیٰ کے کلمات ، بیشک اللہ تعالیٰ کمالِ قدرت کا مالک اور حکمتوں والا ہے ﴿۲۷﴾ نہیں ہے تمھارا پیدا کرنا اور نہ تمھارا دوبارہ اٹھانا مگر ایک نفس کی طرح بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے اور دیکھتا ہے ﴿۲۸﴾ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے رات کو دن میں ، اور داخل کرتا ہے دِن کو رات میں اور اُس نے مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو ۔ ہر ایک چلتا ہے ایک مقررہ وقت تک ۔ اور بیشک اللہ تعالےٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو اُس کی خبر رکھنے والا ہے ﴿۲۹﴾ یہ اس وجہ سے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے ۔ اور جس کو یہ لوگ پکارتے ہیں اُس کے سوا ، وہ باطل ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی سب سے بلند اور بڑائی والا ہے ﴿۳۰﴾

ربطِ آیات

اس سورۃ مبارکہ میں زیادہ تر اللہ تعالیٰ کی توحید اور بعث بعد الموت

کا مسئلہ ہی سمجھایا گیا ہے ۔ چنانچہ سورۃ کے آغاز میں قرآنِ حکیم کی حقانیت اور صداقت اور اس کے وحی الٰہی ہونے کا بیان تھا ۔ پھر حضرت لقمانؑ کی بعض نصیحتوں کا ذکر ہوا جن میں سرِفہرست شرک کی تردید ہے ، اس کے بعد توحید کے عقلی اور نقلی دلائل بیان کیے ، نیز یہ بھی کہ مشرکوں کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے ، نہ کسی نبی یا بزرگ کا قول اور نہ کوئی روشن کتاب ہے جس سے وہ کفریہ اور شرکیہ عقائد کو ثابت کر سکیں ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا ذکر ہوا ، اور یہ بھی کہ شیطان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے ۔ اکثر لوگ اپنے آباؤ اجداد کی رسومات پر چلتے رہتے ہیں ۔ البتہ جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر لیتا ہے اور نیکی کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ گویا دین کے مضبوط کڑے کو پکڑ لیتا ہے ۔ پھر اللہ نے تسلی دی کہ لوگوں کا کفر و شرک میں مبتلا ہونا آپ کو زیادہ غم میں نہ ڈالے ۔ سب نے ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اُن کے سینوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے ، ان کے تمام عقائد و اعمال اُس کے علم میں ہیں ۔ فرمایا ہم تھوڑی مدت کے لیے اِن کو دنیا میں فائدہ اٹھانے کی مہلت دیں گے ، اور پھر گھسیٹ کر دوزخ کے سخت عذاب کی طرف لے جائیں گے ۔

دلائلِ توحید

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عقیدہ توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں کچھ دلائل ذکر کیے ہیں ، اور اپنی بعض صفاتِ کمال کو بیان کیا ہے ارشاد ہوتا ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ تو یقیناً کہیں گے کہ اللہ ہی نے پیدا کیا ہے ۔ یہ دلیل قرآن پاک میں بکثرت بیان کی گئی ہے کہ آپ کسی بھی مشرک سے ارض و سماء کی تخلیق کے متعلق سوال کر کے دیکھ لیں وہ اسے اللہ کی طرف منسوب کیے بغیر نہیں رہ سکے گا ۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ خلق سے اپنی الوہیت کو ثابت کیا ہے کہ معبود بھی وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہے ۔ اور جو خالق نہیں وہ معبود نہیں ہو سکتا ۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں[1] کہ صرف دہریوں کی ایک قلیل سی تعداد ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کو خالق تسلیم نہیں کرتے بلکہ صرف مادیت پر یقین رکھتے ہیں، ورنہ ہر مذہب و ملت کے پیروکار خواہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق کا انکار نہیں کرتے بلکہ یہود، نصاریٰ، ہنود، مجوسی، صابی وغیرہ سب اللہ ہی کو خالق تسلیم کرتے ہیں۔ فرمایا اگر ایسی بات ہے قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ تو آپ کہہ دیں کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ مگر اُن میں سے اکثر لوگ بے علم اور بے سمجھ ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں مگر اس کے باوجود اُس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہیں۔

توحید کے چار درجے

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ[2] میں لکھتے ہیں کہ توحید کے چار درجے ہیں جن میں سے دو پر تو تمام مذاہب والے متفق ہیں اور باقی درجات میں اختلاف کر کے کافر اور مشرک بن جاتے ہیں۔ توحید کا پہلا درجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ واجب الوجود ہے یعنی وہ ایسی ذات ہے جس کا وجود خود بخود ہے نہ کہ کسی کا عطا کردہ۔ فرماتے ہیں واجب الوجود مستجمع لجمیع الصّفات الکمال مبرا من النّقص والزّوال وہ ایسی خود بخود ذات ہے، جو جملہ صفاتِ کمال کی حامل اور ہر نقص اور زوال سے پاک ہے۔ فارسی والے واجب الوجود کا ترجمہ خدا کرتے ہیں، یعنی ایسی ہستی جو خود بخود ہے توحید کے اس درجے پر تمام اہل مذاہب متفق ہیں۔ سوائے دہریوں کی ایک قلیل تعداد کے جو مادہ پرست ہیں۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ توحید کا دوسرا درجہ خدا تعالیٰ کی صفتِ خلق ہے یعنی ہر چیز کا پیدا کرنے والا بھی خدا تعالیٰ ہی ہے (کائنات کی ہر چیز خواہ جواہر ہوں یا اعراض ہر ایک کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے) اس درجے کو بھی ہر مسلک و مذہب

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۶۹/ج ۱

[2] حجۃ اللہ البالغہ ص ۵۹/ج ۱ (فیاض)

کے لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا خالق بھی کوئی نہیں۔ غرضیکہ اِن دو درجات میں سب کا اتفاق ہے۔

توحید کا تیسرا درجہ اللہ کی صفت تدبیر ہے یعنی کائنات کی تدبیر بھی اللہ تعالےٰ ہی کرتا ہے۔ اس درجہ میں اکثر لوگ اختلاف کر کے شرک کے مرتکب ہو جاتے ہیں مثلاً ستاروں کا علم جاننے والے نجومی ستاروں کو مؤثر مان کر اُن کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور پھر اُن کی عبادت بھی کرنے لگتے ہیں۔ عیسائی لوگ مسیح علیہ السلام کو خدا کی صفتِ تدبیر میں شریک کرتے ہیں۔ یہودی عزیر علیہ السلام کو اور بعض دوسرے لوگ کسی ولی، بزرگ، جن یا فرشتے کو اس صفت میں شریک کر کے مشرک بنتے ہیں۔ البتہ اہلِ ایمان کا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح خدا کے سوا واجب الوجود اور خالق کوئی نہیں۔ اسی طرح اُس کے سوا مدبر بھی کوئی نہیں۔ وہ ہر چیز کی تدبیر خود بلا واسطہ کرتا ہے اور اُس نے یہ اختیار کسی دوسری ہستی کو نہیں دیا۔ غرضیکہ بہت سے لوگ تدبیر میں آکر شرک کرنے لگتے ہیں، اللہ نے اس کا ذکر قرآن میں بکثرت کیا ہے۔

توحید کا چوتھا درجہ عبادت کا ہے۔ ایک مومن کا عقیدہ تو یہی ہوتا ہے کہ عبادت کے لائق صرف وہی ذات ہے جو واجب الوجود، خالق اور مدبر ہے۔ مگر بہت سے لوگ کسی نبی، ولی، بزرگ، فرشتے یا جن کو بھی عبادت میں شریک کرتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی عبادت براہِ راست درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی۔ جب تک درمیان میں مقربین الٰہی کی عبادت نہ کریں۔ ان کا یہ عقیدہ خود قرآن نے بیان کیا ہے مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر-۳) کہ ہم اُن کی عبادت تقرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے مقبول بندے ہیں، ہماری عبادت اِن کی عبادت کے ساتھ مل کر درجہ قبولیت کو پہنچتی ہے، یا یہ کہ اِن ہستیوں کو ہم اللہ کے ہاں سفارشی بناتے ہیں۔

اللہ نے اس عقیدے کی بھی قرآن میں جگہ جگہ تردید فرمائی ہے حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کی عبادت اللہ تعالیٰ براہ راست قبول کرتا ہے۔ بشرطیکہ وہ صحیح طریقے پر کی گئی ہو، درمیان میں کسی واسطہ کی ضرورت نہیں ہے عبادت کی قبولیت کے لیے واسطہ تلاش کرنا شرک ہے جو کہ ناقابلِ معافی جرم ہے، بہر حال اس چوتھے درجے میں قولی، فعلی، بدنی، مالی اور نذر و نیاز کی صورت میں مختلف طریقوں سے غیر اللہ کی عبادت ہوتی ہے۔

بعض اوقات نام رکھنے میں شرک کیا جاتا ہے یا پکارنے میں شرک ہوتا ہے یا قربانی میں یا تعویز گنڈے میں شرک پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ کھیت کی پیداوار میں غیر اللہ کی نذر مان کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں، بعض جانوروں کے معاملہ میں اور بعض جنات اور ملائکہ سے استمداد کر کے مشرک بن جاتے ہیں۔ شرک کی یہ تمام قسمیں سورۃ الانعام میں بیان کر دی گئی ہیں۔

اللہ کی صفات کمال

ارشاد ہوتا ہے، دیکھو! لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ہر چیز اسی کی پیدا کردہ ہے اسی کی ملکیت اور اسی کے تصرف میں ہے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ٥ بیشک اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے، کوئی شخص اس کی تعریف کرے یا نہ کرے وہ بہر حال تمام تعریفوں کا مالک ہے۔ اس کا کمال بالذات ہے۔ نہ کہ کسی دوسرے سے حاصل کردہ۔ وہ تمام عزتوں اور خوبیوں کا مالک ہے، وہ بے نیاز ہے کہ وہ کسی کی پرواہ نہیں رکھتا۔ جو کوئی اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بنائے گا وہ خود نقصان اٹھائے گا۔

آگے اللہ تعالیٰ کی صفتِ کمال کا ذکر ہے وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ اور اگر زمین کے تمام درخت قلمیں بن جائیں وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ اور سمندر اس کی سیاہی میں تبدیل ہو جائے۔ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ اس کے بعد مزید سات سمندر اس کی مدد کے لیے آجائیں، اور

انسان، جن، فرشتے، غرضیکہ ساری صاحب شعور مخلوق اِن قلموں اور سیاہی کے ساتھ لکھنا شروع کر دے، تو تمام قلمیں ٹوٹ جائیں گی، سیاہی ختم ہو جائیگی۔ مگر مَا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، سائنس دان کہتے ہیں کہ دنیا میں صرف پودوں کی دس لاکھ سے زیادہ قسمیں ہیں اور درختوں کا تو شمار ہی نہیں ہے۔ ذرا اندازہ لگائیں کہ تمام پودے اور درختوں کی قلمیں بنالی جائیں اور تمام سمندروں کے پانیوں کو سیاہی میں تبدیل کر دیا جائے اور خدا تعالےٰ کے کلمات لکھنا شروع کر دیں تو یہ تمام چیزیں ختم ہو سکتی ہیں مگر پھر بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ اتنے کمالات اور وسعت کا مالک ہے

مفسرین کرام[1] کلماتِ الٰہیہ کی تفسیر دو طرح سے کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالےٰ کی معلومات اِس قدر وسیع ہیں جو ختم نہیں ہو سکتیں۔ اور دوسری یہ کہ اللہ تعالےٰ کی تعریف کے کلمات اور اُس کی خوبیوں کو لکھنے لگیں تو سات سمندروں کی سیاہی لکھتے لکھتے ختم ہو جائے گی، مگر اللہ کی صفات ختم نہیں ہوں گی۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دُعا میں کہا کرتے تھے[2] اَللّٰهُمَّ لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَآ اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ اے اللہ! میں تو تیری تعریف کو شمار نہیں کر سکتا یعنی کما حقہٗ تیری تعریف کر ہی نہیں سکتا، تو ایسا ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی معلومات کی وسعت یا اُس کی خوبیوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ کمالِ قدرت کا مالک اور حکمت کا مالک ہے

بعث بعد الموت

توحید اور صفتِ کمال کے مسئلہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کا مسئلہ بھی سمجھا دیا ہے ارشاد ہوتا ہے، دیکھیو مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ نہیں ہے تمہاری اولین تخلیق

---

[1] روح المعانی ص۱۰۱ ج۱۶ و مدارک ص۲۸ ج۳ وصفوۃ التفاسیر ص۲۰۹ ج۲ [2] (فیاض)

اور نہ تمھارا دوبارہ جی اٹھنا مگر ایک نفس کی طرح۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کسی ایک ذات کو آسانی کے ساتھ پیدا کرتا ہے، پھر اس پر موت طاری کرتا ہے اور قیامت کو اُسے دوبارہ زندہ کر دے گا، اسی طرح پوری مخلوق کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنا اُس کے لیے کچھ مشکل نہیں، اس کے لیے کوئی ایک فرد یا پوری جماعت یا قوم اور ساری کی ساری مخلوق یکساں ہے۔ اُسے پیدا کرنے، موت دینے، اور دوبارہ اٹھانے کے لیے کوئی مشقت برداشت نہیں کرنا پڑتی۔ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے۔

فرمایا اس قسم کے کمالاتِ قدرت تم ہر روز مشاہدہ کرتے ہو اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّہَارِ وَ یُوۡلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیۡلِ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے یعنی رات اور دن یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں۔ اُس نے انسانوں کی مصلحت کے لیے شب و روز کا نظام قائم کر رکھا ہے وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ اور سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے، یعنی انہیں مسلسل ایک کام پر لگا دیا ہے کُلٌّ یَّجۡرِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی اُن میں سے ہر ایک ایک مقررہ وقت تک چل رہا ہے۔ یعنی جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہے یہ نظامِ شمسی کام کرتا رہے گا اور اس سے شب و روز اور موسموں کے تغیرات و تبدل پیدا ہوتے رہیں گے۔ پھر جب یہ مقررہ مدت پوری ہو جائیگی تو سارا نظام درہم برہم ہو کر نئے نظام کی آمد کا پیش خیمہ بنے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح لیل و نہار اور شمس و قمر کا نظام چل رہا ہے اور پھر ایک دن ختم ہو جائے گا اور نیا نظام قائم ہوگا، اسی طرح انسان کی زندگی کا نظام بھی چل رہا ہے۔ پھر ایک وقت آئیگا کہ مجموعی طور پر سب پر موت طاری ہو جائیگی اور اس کے بعد سب کو دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا۔ پھر حساب کتاب کے لیے نیا جہان قائم ہوگا اور جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔ یاد رکھو! وَاَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ

خَبِيْرٌ بیشک اللہ تعالیٰ تمھارے تمام اعمال سے باخبر ہے اور وہ انہی کے مطابق تمھیں بدلہ دے گا۔

فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ یہ سب کچھ اس لیے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے۔ اُس کی ہر بات مبنی بر حقیقت ہے اور اُس کا ہر وعدہ سچا ہے وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ اور اُس کے علاوہ جس کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔ ہر ماسوی اللہ فانی ہے کوئی چیز قائم و دائم رہنے والی نہیں۔ یہ لوگ جس نبی، ولی، بزرگ، شجر، حجر، فرشتے یا جن کو حاجت روا یا مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ سب فانی ہیں وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بلند اور بڑائیوں کی مالک ہے، لہٰذا عبادت بھی صرف اُسی کی کرنی چاہیئے کیونکہ اُس کے علاوہ ہر چیز باطل ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ
اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ
مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ
فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ
وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا
يَجْزِىْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ
عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا
تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٚ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ
بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

ترجمہ:- کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بیشک کشتیاں چلتی ہیں سمندروں میں اللہ کے فضل سے تاکہ وہ دکھائے تمھیں اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے۔ بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے اور شکر ادا کرنے والے کے لیے ﴿۳۱﴾ اور جب ڈھانپتی ہے اُن کو موج سائبان کی طرح تو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص

اسی کے اطاعت، گزار بن کر۔ پھر جب وہ ان کو نجات دیتا ہے خشکی کی طرف، پس بعض ان میں سے درمیانی چال پہ ہوتے ہیں اور نہیں انکار کرتا ہماری آیتوں کے ساتھ مگر ہر وہ شخص جو عہد شکن اور ناشکر گزار ہوتا ہے ⦗۳۲⦘ اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار سے اور ڈرو اُس دن سے کہ نہیں کام آئے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کے لیے اور نہ کوئی بیٹا کفایت کرنے والا ہوگا اپنے باپ کے لیے کچھ بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے۔ پس نہ دھوکے میں ڈالے تمھیں دنیا کی زندگی اور نہ دھوکے میں ڈالے تم کو اللہ کے ساتھ بڑا دھوکے باز ⦗۳۳⦘

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بیان کیے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے پہلے تخلیق کا مسئلہ سمجھایا اور اس کو الوہیت کی دلیل کے طور پہ پیش کیا۔ جب خالق اللہ کے سوا اور کوئی نہیں، واجب الوجود اور مدبر بھی وہی ہے تو پھر عبادت بھی اسی کی ہونی چاہیئے، پھر اس میں دوسروں کو کیوں شریک بناتے ہو۔؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رات، دن، سورج اور چاند کے تغیرات کا سلسلہ بیان فرمایا کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہیں۔ خدا تعالیٰ کا علم اور قدرت لامحدود ہیں اس کی مثال اس طرح بیان کی گئی کہ اگر روئے زمین کے تمام درخت اور پودے قلمیں بن جائیں اور ہفت اقلیم کے سمندروں کے پانی سیاہی میں تبدیل ہوجائیں اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق اِن قلموں اور سیاہی کے ساتھ اس کی معلومات یا حمد وثنا کے کلمات لکھنے لگیں تو فرمایا کہ قلمیں گھس گھس کر ٹوٹ جائیں گے، سیاہی کے تمام سمندر ختم ہوجائیں گے، مگر اللہ کی صفات ختم نہیں ہوں گی۔ اس چیز کو سعدی صاحبؒ نے بھی بیان کیا ہے ؎

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر ماہم چناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

لکھتے لکھتے تمام دفتر ختم ہو جائیں گے، مخلوق کی عمر بھی جواب دے جائیگی لیکن اللہ تعالیٰ کے کسی ایک وصف کا حق بھی ادا نہیں ہو سکے گا۔ بہرحال فرمایا کہ اللہ کی ذات وصفات میں دوسروں کو شریک بنانا یا غیر اللہ کی عبادت کرنا باطل ہے۔ ہر چیز فانی ہے، حق اور ثابت صرف خدا کی ذات ہے اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے بھی بلند و برتر ہے اور صفات کے اعتبار سے بھی کبیر اور عظیم ہے، لہٰذا عبادت بھی صرف اُسی کی ہونی چاہیئے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنانا چاہیئے۔

کشتیرانی بطور نشانی

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض صفات کمال کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے روزمرہ مشاہدے میں آنے والے بعض حقائق کا ذکر کر کے انہیں توحید کے دلائل کے طور پر پیش کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بیشک سمندر میں کشتیاں محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے چلتی ہیں۔ جغرافیہ والے کہتے ہیں کہ پورے کرۂ ارض پر صرف ایک چوتھائی خشکی ہے جب کہ اس کے اردگرد چودہ کروڑ مربع میل پر پانی ہی پانی ہے۔ قدیم زمانے سے بحری راستوں کو ذریعہ سفر بنایا جا رہا ہے۔ بڑے بڑے دریاؤں میں بھی ایک مقام سے دوسرے مقام تک کا سفر کشتی کے ذریعہ ہوتا رہا ہے، اور آج بھی بعض دریاؤں میں بڑے بڑے سٹیمر چلتے ہیں جب کہ بین الاقوامی نقل وحمل کے لیے تو سمندر کو ہی ذریعہ سفر بنایا جا رہا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے زمانے میں یہ سفر بادبانی کشتیوں کے ذریعے ہوتا تھا جب کہ موجودہ زمانے میں لاکھوں ٹن وزنی جہاز ایجاد ہو چکے ہیں جو لمبے سفر، تیز رفتاری اور زیادہ سے زیادہ بوجھ اٹھانے کے لیے زیادہ کارآمد ثابت ہو رہے ہیں۔ تیل سے چلنے والے بڑے بڑے جہاز اور ٹینکر لاکھوں ٹن سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں، کئی کئی منزلہ مسافر بردار جہاز بھی ہیں مگر سمندروں کی وسعت

کے پیش نظر اُن کی حیثیت ایک تنکے سے زیادہ نہیں۔ جب ہوائیں چلتی ہیں، سمندروں میں طوفان برپا ہوتے ہیں تو بڑے بڑے جہاز بھی سمندری لہروں پہ تنکوں کی طرح تھپیڑے کھاتے رہتے ہیں اور بعض اوقات تمام تر انتظامات کے باوجود طوفانی لہروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور غرق ہو جاتے ہیں۔ ابھی قریب زمانے میں ہندوستان کا جہاز "دارا" سمندر میں غرق ہُوا تھا۔ اس پہ بارہ سو مسافر سوار تھے۔ باہر طوفان تھا اور اِدھر جہاز کے انجن میں دھماکہ ہوا، پھر کیا تھا، جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ڈوب گیا اور صرف دو ڈھائی سو آدمی بچائے جا سکے باقی سب لقمۂ اجل بن گئے۔

ابھی چند سال کی بات ہے کہ فیصل آباد سے ایک صاحب اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لیے گوجرانوالہ آئے اور کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے یہاں مسجد میں بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ وہ اٹلی کے ایک مال بردار جہاز پہ ملازم تھے۔ اسی ہزار ٹن وزنی یہ جہاز پچھتر ہزار ٹن لوہا لے کر اٹلی سے امریکہ جا رہا تھا۔ اٹھ دس عملے کے آدمی تھے جن میں دو مسلمان اور باقی انگریز تھے۔ جہاز شدید طوفان میں پھنس کر ڈوبنے لگا۔ اس وقت اللہ کی رحمت کے سوا تمام وسائل ناکام ہو چکے تھے جب بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو انگریزوں میں سے بعض نے شراب پی کر سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ کہتے ہیں کہ ہم دو مسلمانوں نے اللہ پہ بھروسہ کر کے ایک چھوٹی کشتی کو سمندر میں اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہم سمندری لہروں کے تھپیڑے کھاتے رہے۔ بھلا اتنے بڑے جہاز کے مقابلے میں چھوٹی سی کشتی کی کیا حیثیت تھی مگر ہم اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوئے تھے۔ اتنے عرصہ میں باہر کی دنیا میں اس حادثے کی خبر پہنچ چکی تھی۔ کسی ملک کے ہیلی کاپٹر نے ہمیں سمندر سے زندہ نکال لیا اور لے جا کر ہسپتال میں داخل کرا دیا ہفتہ عشرہ کے بعد ہمارے ہوش و حواس قائم ہوئے تو وطن آنے کی اجازت ملی۔ مطلب یہ کہ سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا محض اللہ کے فضل و کرم کا مرہونِ منت ہے، ورنہ وسیع و عریض سمندروں کی سطح پہ ان کشتیوں اور

جہازوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، تو فرمایا کہ سمندروں میں چلنے والی کشتیاں اللہ کے فضل سے ہی رواں دواں ہوتی ہیں۔ اور ان سے مقصود یہ ہے لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ "تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائے کہ دیکھو اُس نے تمہاری زیست کے کیا کیا سامان پیدا کر رکھے ہیں۔ اگر نقل و حمل کا یہ سلسلہ نہ ہو تو مختلف خطوں کے لوگ سخت دقت محسوس کریں اور مختلف علاقوں کی پیداوار سے کما حقہٗ استفادہ نہ کر سکیں۔

صبر و شکر کی منزل

فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ "بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر اور شکر کرنے والے شخص کے لیے۔ جو شخص مصائب و مشکلات میں صبر کا دامن تھامے رکھتا ہے، اور نعمت ملنے پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، اس کی زمین زرخیز ہے اور اُس کے لیے مشاہداتِ قدرت واضح نشانیاں ہیں۔

صبر اور شکر بہت بڑے اصول ہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایمان کے دو حصے ہیں، ایک صبر اور دوسرا شکر، کوئی انسان دو حالتوں سے خالی نہیں۔ یا تو اُس پر تکلیف اور پریشانی کا دور ہوتا ہے اور یا آسودگی اور خوشحالی کا۔ جب کسی مومن کو پریشانی لاحق ہوتی ہے تو صبر کرتا ہے اور جب خوشحالی آتی ہے، تو شکر ادا کرتا ہے۔ صحیح معنوں میں مومن کہلانے کے حقدار یہی لوگ ہوتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ مومن آدمی کی حالت بہت خوب ہے کہ جب اُس کو تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور جب راحت ملتی ہے تو شکر کرتا ہے اس کے لیے دونوں حالتیں بہتر ہوتی ہیں۔ تاہم عام لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں آکر کھایا کھایا اور چلتے بنے۔ ایسے لوگ کسی خوبی کے مالک نہیں ہوتے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے بھی کہا تھا۔ ؎

ظفر اسے آدمی نہ جانیئے گا، گو ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا\
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

جس نے آسودگی میں شکرِ خدا ادا نہیں کیا اور غصے میں اس کے خوف سے عاری ہو

گیا، وہ انسان کہلانے کا حقدار ہی نہیں۔

توحید کی دلیل

آگے اللہ نے ایک مثال کے ذریعے توحید پر عقلی دلیل قائم کی ہے مشرکوں کی حالت یہ ہے وَاِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ جب ان کو سمندر کی موجیں بادلوں کے سائبان کی طرح ڈھانپ لیتی ہیں۔ سمندر میں طوفان اٹھ رہا ہو کشتی ہچکولے کھا رہی ہو اور اوپر سے بادلوں نے سایہ تان رکھا ہو۔ ایسی حالت میں ہر آن ڈوبنے کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہو تو فرمایا دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ اس وقت مشرک لوگ نہایت ہی اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ جب بچ جانے کے تمام ظاہری اسباب منقطع ہو جاتے ہیں، کسی مادی امداد کی اُمید ختم ہو جاتی ہے تو پھر آخر کار ساری نظریں اللہ کی رحمت کی طرف لگ جاتی ہیں کہ اب اُس کے سوا اس طوفان سے کوئی نہیں بچا سکتا، وہی ذات ہے جو ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو کنارے تک لے جائے۔ لہٰذا گڑگڑا کر اُسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

فرمایا پھر جب اللہ تعالیٰ اُن پر رحمت کی نگاہ ڈالتا ہے فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اور انہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے یعنی اُن کی کشتی ساحل تک پہنچ جاتی ہے اور وہ ڈوبنے سے بچ جاتے ہیں فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ تو اُن میں سے بعض میانہ روی پر رہتے ہیں۔ یعنی اگرچہ اُن میں مکمل خوف تو نہیں ہوتا، پھر بھی خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کا تصور دل میں ہوتا ہے ظاہر ہے کہ توحید کو ماننے والا میانہ روی پر ہوگا۔ جب کہ کفر، شرک کا مرتکب اور ناشکرگزار آدمی اعتدال سے باہر نکلنے والا ہوگا۔ تو فرمایا کہ طوفان سے زندہ بچ رہنے والے بعض لوگ تو میانہ رو ہوتے ہیں وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ اور ہماری آیتوں کا ہر وہ شخص انکار کرتا ہے جو عہد شکن اور ناشکرگزار ہوتا ہے۔ ختار کا معنی عہد توڑنے والا ہوتا ہے۔ جب طوفان میں پھنس گئے تھے تو اللہ تعالیٰ کی خالص اطاعت کا وعدہ کیا تھا، مگر جب جان بچ گئی تو پھر وہی

شرک ، معاصی اور رسم و رواج ۔

ابُوجہل[1] کے بیٹے حضرت عکرمہؓ فتح مکہ کے موقعہ پہ بھاگ گئے تھے جہاز پر سوار ہو گئے مگر وہ بھی بھنور میں پھنس گیا ۔ جب جہاز کو بچانے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو ملاح کہنے لگے کہ اب خدا تعالیٰ کے سوا ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا ۔ لہذا اسی کے سامنے گڑگڑا کر دعائیں کرو ۔ اس پر عکرمہؓ کے دماغ پر چوٹ لگی ، دل میں سوچا کہ آج تک تو ہم لات ، منات ، اور عزیٰ کو پکارتے رہے ، اُن سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کراتے رہے مگر آج جب حقیقی مشکل میں پھنس گئے تو ہمیں خدائے واحد کی طرف دعوت دی جا رہی ہے ۔ چنانچہ دل میں پختہ ارادہ کر لیا کہ اگر جان بچ گئی تو سیدھا حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر اُن کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا ۔ یہی سبق تو وہ دیتے ہیں جو آج ہمیں مشکل کے وقت دیا جا رہا ہے جو رب العلمین پانیوں میں بچا سکتا ہے ۔ وہ خشکی پر کیوں نہیں بچا سکتا ۔ چنانچہ حضرت عکرمہؓ ایمان لائے اور بہترین مسلمان بنے ۔ سابقہ غلطیوں کی معافی مانگی ، اسلام کی بڑھ چڑھ کر خدمت کی ۔ پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک جہاد میں شہادت پائی ۔ بہر حال کشتیوں کی مثال بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ توحیدِ خداوندی کو تسلیم کریں ، اُسی کو وحدہٗ لاشریک مانیں اور تمام حاجات میں اُسی کو پکاریں ۔

قیامت کا طوفان

جس طرح دنیا میں طوفان آتے ہیں تو ہر چیز درہم برہم ہو جاتی ہے جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے ۔ البتہ ان حادثات میں لوگ ایک دوسرے کی مدد بھی کر پاتے ہیں ۔ طوفان ، زلزلہ ، یا دوباراں میں پھنسے ہوئے لوگوں کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس میں کسی حد تک کامیابی بھی ہوتی ہے ۔ مگر ایک سب سے بڑا طوفان بھی آنے والا ہے یعنی قیامت برپا ہونے والی

---

[1] زاد المسیر صـ ۳۲۸ ج ۶ (فیاض)

ہے۔ یہ حادثہ اتنا شدید ہوگا کہ کوئی قریب ترین رشتہ دار اور یار دوست بھی ایک دوسرے کے کام نہیں آسکیں گے، بلکہ ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی اور وہ دوسرے کا پرسانِ حال نہیں ہوگا، اللہ نے اسی طامۃ الکبریٰ یعنی بڑے واقعہ کا ذکر فرمایا ہے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔ وَاخْشَوْا یَوْمًا اور اس دِن کا خوف کھاؤ لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِہٖ جس دِن کوئی باپ اپنے بیٹے کے کسی کام نہیں آسکے گا۔ اسی طرح وَلَا مَوْلُوْدٌ ھُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِہٖ شَیْئًا اور نہ ہی کوئی بیٹا اپنے باپ کی کفایت کر سکیگا۔ مطلب یہ کہ اگر کہیں بیٹا پھنس گیا تو باپ نہیں چھڑا سکے گا اور باپ پھنس گیا تو بیٹا کسی کام نہ آئے گا۔ اس وقت صرف توحید، ایمان اور نیکی ہی کام آئے گی۔ اسی لیے فرمایا کہ اس دِن سے ڈر جاؤ جب کوئی رشتہ دار، کوئی برادری اور کوئی یار دوست کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ سورۃ عبس میں فرمایا اس دِن یہ حالت ہوگی یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّہٖ وَاَبِیْہِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِہٖ وَبَنِیْہِ ﴿۳۶﴾ کہ آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بیٹے سے دور بھاگے گا اور کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔

ایک موقعہ پر خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے گھر والوں سے خصوصی خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنی پیاری بیٹی فاطمہؓ، پھوپھی صفیہؓ، چچا عباسؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آخرت کی فکر کر لو۔ میں دنیا کے مال کے ذریعے تو تمھاری مدد کر سکتا ہوں لیکن اگر توحید اور ایمان سے خالی ہوئے تو قیامت والے دن تم کو نہیں بچا سکوں گا۔ لہٰذا تم خود اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی کوشش کرو۔

دنیا اور شیطان کا دھوکہ

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے قیامت ضرور برپا ہوگی، حساب کتاب کی منزل آئیگی اور سب کو جزائے عمل سے دوچار ہونا پڑے گا۔ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا پس اے لوگو! تمھیں دنیا

کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے۔ خبردار رہنا دنیا کے عیش و عشرت مال و متاع، کھیل تماشے میں مشغول ہو کر خدا تعالیٰ سے غافل نہ ہو جانا۔ یہ دنیا تو بالکل عارضی اور فانی ہے۔ اس میں مبتلا ہو کر اپنی حقیقی منزل کو فراموش نہ کر بیٹھنا ورنہ سخت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ اور نہ ہی کوئی دھوکے باز تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکے میں ڈال دے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ لفظ غَرُورٌ (غ کی پیش کے ساتھ) ہر اس چیز پہ بولا جاتا ہے جو انسان کو دھوکے میں مبتلا کر دے، خواہ وہ دنیا ہو، کوئی انسان ہو، جن یا شیطان ہو۔ تاہم اس مقام پہ غرور سے مراد شیطان ہے، یعنی خبردار رہنا کہ شیطان تمھیں بہکا کر دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ شیطان سب سے بڑا فراڈیہ ہے وہ تمھیں ورغلا کر توحید خداوندی، ایمان اور نیکی کے راستے سے ہٹا کر شرک اور کفر اور معصیت کے راستے پر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، لہٰذا اس سے بچ کر رہنا۔ تو فرمایا کہ دیکھنا دنیا کی رنگینیاں یا شیطان کا بہکاوا تمہیں دھوکے میں ڈال کر آخرت کی منزل سے غافل نہ کر دے لہٰذا خدا تعالیٰ سے ڈرو اور قیامت کی فکر کرو۔

لہ طبری ص۸۶ ج۲۱ (فیاض)

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع ۴ ۱۲

ترجمہ:- بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم - اور اتارتا ہے وہ بارش ۔ اور جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے - اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ وہ کل کیا کمائے گا ۔ اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کس سرزمین میں وہ مریگا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی (سب کچھ) جاننے والا اور (ہر چیز کی) خبر رکھنے والا ہے ﴿۳۴﴾

ربطِ آیات

سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا ذکر کیا، پھر توحید اور شرک کا مسئلہ بیان ہوا اور ضمناً رسالت کا ذکر بھی ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفاتِ کمال اور بعض مشاہداتِ قدرت کا ذکر کر کے انہیں اپنی توحید پر بطور دلیل پیش کیا۔ اس کے علاوہ وقوعِ قیامت، محاسبہ اعمال اور جزائے عمل کا ذکر بھی ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت مختصہ عالم الغیب ہونے کو خاص طور پر بیان کیا ہے ۔

مفاتح الغیب

اس ضمن میں اُن پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے اور کوئی دوسری ذات اِن چیزوں کا تفصیلی اور واضح علم نہیں رکھتی - سورۃ الانعام میں اِن چیزوں کو مفاتح الغیب بھی کہا گیا ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (آیت۔ ۵۹) غیب کی چابیاں یا غیب کا خزانہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جنہیں اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اہل لغت کہتے ہیں مفاتح جمع ہے مَفْتَحْ یا مِفْتَحْ کی۔ اگر یہ لفظ م کی فتح (ـَــ) کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ خزانہ ہوتا ہے اور اگر کسرہ (ـِـ) کے ساتھ تو اس کا معنیٰ چابی ہے[1]۔
بہرحال مطلب یہی ہے کہ ہر قسم کے غیب کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے اور کوئی دوسری ہستی اس کو نہیں جانتی۔

شانِ نزول

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ غیب کی لاتعداد چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف پانچ چیزوں کا ذکر ہی کیوں کیا ہے؟ امام بیضاوی[2]، امام بغوی[3] اور بعض دوسرے مفسرین[4] فرماتے ہیں کہ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک شخص حارث بن عمرؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان پانچ ہی چیزوں کا سوال کیا تھا جن کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے دے دیا۔ اس شخص کے پانچ سوال یہی تھے کہ (۱) قیامت کب آئے گی (۲) بارش کب ہوگی (۳) بیوی حاملہ ہے، وہ کیا جنے گی (۴) میں کل کیا کام انجام دوں گا اور (۵) میری موت کہاں واقع ہوگی۔ مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کو عام طور پر لوگ پیشگی جاننا چاہتے ہیں، لہٰذا ان اشیاء کا ذکر بطور خاص کر دیا گیا ہے۔

وقوعِ قیامت کا علم

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم، عربی زبان میں ساعت، کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنیٰ گھڑی بھر بھی ہوتا ہے اور آجکل یہ لفظ گھڑی (WATCH) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کا ایک معنیٰ

---

[1] مصباح اللغات ص۱۱۶ [2] بیضاوی ص۲۳۲ ج۲
[3] معالم التنزیل ص۱۵۶ ج۳ [4] روح المعانی ص۱۰۹ ج۲۱ وتفسیر المراغی ص۱۰۱ ج۲۱ (فیاض)

قیامت بھی ہے اور اس مقام پہ یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
اور مطلب یہ ہے کہ وقوعِ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ وقوعِ قیامت کے وقت کے متعلق سورۃ الاعراف میں ہے۔ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ (آیت۔ ۱۸۷) اللہ تعالیٰ ہی قیامت کو اس کے وقت پہ ظاہر کرے گا۔ سورۃ الزخرف میں فرمایا ہے هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (آیت۔ ۶۶) کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ قیامت اچانک آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو؟ وقوعِ قیامت کی کچھ نشانیاں اور مابعد کے بعض واقعات تو اللہ نے اپنے پیغمبر کو بتلا دیے ہیں مگر اس کے وقوع کا عین وقت اللہ نے نہ کسی فرشتے کو بتایا ہے، نہ پیغمبر کو اور نہ کسی جن کو۔ یہ علم صرف اس کی اپنی ذات تک ہی محدود ہے کہ قیامت کب واقع ہوگی۔

نزولِ بارش کا علم

فرمایا وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ اور وہ بارش نازل کرتا ہے۔ جہاں تک بارش کا تعلق ہے تو اس کی پیشین گوئی کسی حد تک کی جاسکتی ہے آج کل محکمہ موسمیات والے بیرومیٹر (BAROMETER) کے ذریعے ہوا کا رُخ اور دباؤ معلوم کرتے ہیں اور پھر اُس سے بارش کے نزول کا علاقہ اور وقت متعین کرتے ہیں۔ اُن کی یہ پیشین گوئی بعض اوقات صحیح بھی ہوتی ہے اور بعض مواقع پہ غلط ثابت ہوتی ہے کیونکہ بارش کے نزول کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ مزید برآں یہ پیشین گوئی بارہ گھنٹے، چوبیس گھنٹے یا اس سے زیادہ عرصہ کے لیے ہوتی ہے کوئی بھی ماہر بارش کے نزول کا عین وقت نہیں بتا سکتا اور نہ ہی وہ حصہ ارضی متعین کرسکتا ہے جس پہ بارش متوقع ہے۔ یہ بھی کوئی نہیں بتا سکتا کہ فی الواقع کتنے انچ یا کتنی مقدار میں بارش ہوگی اور پھر یہ بھی کہ یہ مقامی طور پہ مفید ثابت ہوگی یا سیلاب کی صورت میں نقصان کا موجب ہوگی۔ یہ تمام تفصیلات نزولِ بارش کا حصہ

ہیں اور ان سب کا صحیح صحیح علم اللہ کی ذات کے سوا کسی کو نہیں۔

حمل کا علم

حمل بھی ایک پوشیدہ چیز ہے جس کی نوعیت کے متعلق فرمایا وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وہی خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے۔ اس سے عام فہم مراد تو یہی ہے کہ اللہ کے سوا یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ اس حمل میں بچہ ہوگا یا بچی۔ البتہ جدید سائنسی دور میں بعض آلات کی مدد سے یا ماں کی بعض علامات سے کسی حد تک اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بچہ متوقع ہے یا بچی، مگر اس کی پوری تفصیلات کوئی ماہر ترین ڈاکٹر بھی نہیں بتا سکتا۔ مثال کے طور پر ہونے والا بچہ کتنی عمر پائیگا، کونسا ہنر سیکھے گا، زندگی آسودہ ہوگی یا تنگ دستی میں مبتلا رہیگا۔ سعید ہوگا یا شقی اور حتمی طور پر جنتی ہوگا یا دوزخی۔ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے رحموں میں کیا ہے۔

آمدہ کل کا علم

اللہ نے چوتھی بات یہ فرمائی وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائے گا یعنی کیا کام کرے گا۔ عام طور پر ہر انسان اپنی روزمرہ زندگی کو متعین معمولات کے مطابق بسر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دکانداری، کاشت کاری، صنعت و حرفت، ملازمت یا مزدوری وغیرہ کا پیشہ اختیار کرتا ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں ہر آدمی کے روزانہ، ہفتہ وار، ماہانہ اور سالانہ معمولات ہوتے ہیں۔ اور کوئی شخص آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ آج تو اُس نے اپنا کام ختم کر لیا، کل پھر فلاں وقت پہ کام شروع کر دیگا۔ لہٰذا اس دور میں کل کی مصروفیت کا تعین بالکل معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے، مگر ہم روزمرہ یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان کو کتنے ہی واقعات معمول کے خلاف بھی پیش آجاتے ہیں۔ کسی شخص کو یقین ہوتا ہے کہ وہ کل اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو جائے گا۔ مگر راستے میں اُسے کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے اور وہ اپنے کام پر نہیں پہنچ پاتا۔ لہٰذا یقین کے ساتھ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا وہ کل ضرور فلاں کام کرے گا۔ اس بات کا کلی علم

بھی خدا تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔

جائے موت کا علم

اللہ نے پانچویں بات یہ فرمائی وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ م بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ کوئی شخص نہیں جانتا کہ اُس کی موت کس سرزمین میں واقع ہوگی مطلب یہ کہ اس چیز کا علم بھی اللہ تعالیٰ کی ذات تک محدود ہے۔ روزمرہ مشاہدہ میں آتا رہتا ہے کہ انسان کسی کام کاج کے لیے نکلتا ہے تو اُس کی موت گھر، شہر اور علاقے سے دُور دراز جگہ پر واقع ہوجاتی ہے۔ حالانکہ ایسا ہونا اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو بس، ریل یا ہوائی جہاز کے حادثہ میں جاں بحق ہوجاتے ہیں اور کتنے ہی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی لاش تک نہیں ملتی سمندروں میں ڈوب جانے والوں یا لق و دق صحرا میں جان دینے والوں کے متعلق کون جانتا ہے کہ وہ کس مقام پر موت کی آغوش میں چلے گئے۔ پاکستان کی قومی کمپنی کا ہوائی جہاز گلگت سے راولپنڈی آتے ہوئے ایسا غائب ہوا کہ آج تک اُس جگہ کا بھی تعین نہیں ہوسکا۔ جہاں وہ گر کر تباہ ہوا۔ لاش تو کجا اتنے بڑے جہاز کا ڈھانچہ تک نہیں ملا۔ اُس جہاز کے مسافر اور عملہ نہ خود جانتے تھے کہ اُن کی موت کہاں واقع ہوگی اور نہ ہی پسماندگان کو آج تک اُن کی جائے موت کا علم ہوسکا ہے۔

مفسر ابُو سعود[1] فرماتے ہیں کہ ایک موقعہ پر ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئے۔ اُن کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا جس کی طرف ملک الموت نے گھور کر بغور دیکھا۔ وہ شخص ڈر گیا اور سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے یہاں سے دور کہیں ہندوستان کے کسی خطے میں بھجوا دو۔ جنات اور ہوا تو سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے۔ آپ نے حکم کیا تو وہ شخص دور دراز علاقے میں پہنچ گیا۔ پھر آپ نے ملک الموت سے پوچھا کہ آپ اس شخص کو گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے تھے

---

[1] ابوسعود ص ۱۹۴ ج ۴ و مدارک ص ۲۸۶ ج ۳ و مظہری ص ۲۸۰ ج ۷ (فیاض)

تواس نے بتایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ اس شخص کی جان ہندوستان کے فلاں جنگل میں فلاں وقت پر قبض کرنی ہے۔ وقت بالکل قریب تھا مگر میں اس شخص کو آپ کے پاس بیٹھا دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ اتنے تھوڑے وقت میں یہ شخص مقررہ مقام پہ کیسے پہنچ سکے گا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی برحق ہے۔ اور اس کی جان وہیں قبض ہونی ہے۔ اس طرح گویا وہ شخص خود اپنی خواہش پہ اپنی جائے موت پہ پہنچ گیا اور ملک الموت نے اس کی روح اسی مقام پر قبض کر لی۔

مشہور ہے کہ بغداد کے کسی خلیفہ نے خواب میں فرشتے کو دریائے دجلہ سے نکلتے ہوئے دیکھا تو اس سے پوچھا کہ بتاؤ میری عمر کتنی باقی ہے۔ اس کے جواب میں فرشتے نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ جب کہ ہاتھ کی پانچوں انگلیاں کھلی ہوئی تھیں۔ صبح ہوئی تو خلیفہ نے تمام حکماء کو جمع کر لیا اور خواب کی تعبیر پوچھی۔ ہر ایک نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا۔ کسی نے کہا کہ اے خلیفہ! تیری عمر پانچ دن باقی رہ گئی ہے۔ کسی نے پانچ ماہ اور کسی نے پانچ سال بتایا مگر خلیفہ کی تسلی نہ ہوئی۔ کسی نے مشورہ دیا کہ اس کے متعلق امام ابو حنیفہؒ سے دریافت کیا جائے۔ جب آپ کے سامنے خواب کی روئیداد بیان کی گئی تو امام صاحب نے فرمایا کہ ہاتھ کے اشارے کا مطلب یہ ہے کہ اے خلیفہ! آپ کا سوال ان پانچ چیزوں میں سے ایک کے متعلق ہے جن کا علم اللہ نے مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت کی۔[۱]

بہرحال اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم محیط اور مخلوق کی بے بسی کا ذکر فرما کر اپنی وحدانیت پر دلیل قائم کی ہے۔ اس بات میں کچھ شک نہیں ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا اور ہر واقعہ کی خبر رکھنے والا ہے۔ اس کے احاطہ علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے

۱؎ تفسیر نسفی صفحہ ۲۸۶ ج ۳ و مظہری صفحہ ۲۸۰ ج ۷ (فیاض)

اکوان اور احکام کا علم

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں[1] کہ یاد رکھنا چاہیئے کہ غیب کی چیزوں کا تعلق یا تو احکام سے ہوتا ہے یا اکوان سے۔ احکام سے مراد شرعی احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو بتلاتا ہے کہ فلاں چیز حلال ہے یا حرام، یا فلاں کام جائز ہے یا ناجائز۔ یہ احکام از قسم غیب سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا کلی علم اپنے پیغمبروں کو عطا فرمادیا۔ ہم دین کے کسی مسئلہ یا حکم کے متعلق نہیں کہہ سکتے کہ اس کا علم اللہ کے نبی کو نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو شرعی احکام کا تفصیلی علم دے دیا ہے یا وہ اصول بتلا دیئے ہیں جن کی رو سے کوئی حکم نکالا جا سکتا ہے۔ سورۃ الجن میں بھی ہے عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ﴿۲۷﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات عالم الغیب ہے، وہ کسی پر اپنا غیب ظاہر نہیں کرتا، البتہ اپنے رسولوں میں سے جسے پسند کرتا ہے اُسے بذریعہ وحی بتلا دیتا ہے۔

جہاں تک اکوان یعنی اس کائنات میں واقع ہونے والے امور کا تعلق ہے تو یہ چیزیں یا تو مکان سے متعلق ہوتی ہیں یا ماضی، حال یا مستقبل سے، ان کی جزیات کا بے شمار علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی دیا ہے اور بعض دوسرے لوگوں کو بھی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو بعض اکوانی چیزوں کا علم دے دیا جو اپنے جلیل القدر پیغمبر اور صاحب تورات رسول موسیٰ علیہ السلام کو بھی نہیں دیا۔ البتہ شرعی احکام کا علم اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو مکمل طور پر دیا جو حضرت خضر علیہ السلام کو نہیں دیا۔ بہر حال اس آیت میں مذکور پانچوں چیزوں کا تعلق اکوان یعنی زمان و مکان سے ہے، لہٰذا ان کا علم اللہ نے کسی کو نہیں دیا۔

غیب ... اصولی ... بحث

اہل بدعت اور شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ پیغمبر، ولی اور امام بھی غیب جانتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ حقیقت میں غیب وہ

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۵۳۸

ہوتا ہے جو بغیر کسی ذریعہ کے خود بخود معلوم ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو جو بات بتلاتا ہے اس میں وحی کا ذریعہ شامل ہوتا ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کو بھی بعض اوقات کشف یا خواب کے ذریعے کچھ بتا دیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ علم بھی بغیر واسطہ کے تو نہیں ہوتا۔ اسی طرح جس بات کو عقل یا غور و فکر کے ذریعے معلوم کیا جائے وہ بھی غیب نہ رہا۔ غیب وہی ہوگا جو بغیر کسی واسطے یا آلے یا حواس کے حاصل ہو اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے۔ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل۔ ۶۵) اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ ارض و سما میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الحجرات۔ ۱۶) اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو جاننے والا ہے اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ (حٰمٓ سجدۃ۔ ۵۴) ہر چیز کا احاطہ بھی خدا تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ غرضیکہ علمِ غیب خاصہ خداوندی ہے۔ اُس کا علم ذاتی ہے جب کہ باقی تمام مخلوق کو جو بھی علم دیا جاتا ہے وہ عطائی ہوتا ہے اور غیب کی تعریف میں نہیں آتا۔ علیم و خبیر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

سُوْرَةُ

السَّجْدَةِ

مكمّل

درس اوّل ۱ | آیت ۱ تا ۵

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ سجدہ مکی ہے۔ یہ تیس آیات ہیں اور اس کے تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے

الٓمّٓ ۞۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ
رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞۲ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ
بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ
اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ
يَهْتَدُوْنَ ۞۳ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ
ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ
دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۞۴
يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ
يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ
سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۞۵

ترجمہ:۔ الٓمّٓ ① اتارنا کتاب کا نہیں شک اس
میں، رب العٰلمین کی طرف سے ہے ② کیا کہتے
ہیں یہ لوگ کہ اس شخص نے اس کو گھڑ لیا ہے
اپنی طرف سے۔ نہیں بلکہ یہ حق ہے تیرے پروردگار
کی طرف سے تاکہ آپ ڈرائیں اُس قوم کو کہ نہیں
آیا ان کے پاس کوئی ڈرانے والا اس سے پہلے
تاکہ یہ لوگ ہدایت کے راستے پر آجائیں ③ اللہ
کی ذات وہ ہے جس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور
زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ
دن کے وقفے میں۔ پھر وہ قائم ہوا عرش پر۔ نہیں
ہے تمہارے لیے اُس کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی
سفارشی۔ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ④ وہ تدبیر
کرتا ہے معاملے کی آسمان کی بلندیوں سے زمین تک
پھر عروج کرتا ہے اُس کی طرف ایک دن میں۔
جس کی مقدار ہزار سال کے برابر ہوتی ہے جیسے تم
شمار کرتے ہو ⑤

نام اور کوائف

اس سورۃ کا نام سورۃ السجدۃ ہے۔ اسی نام کی ایک اور سورۃ سورۃ حٰم السجدۃ بھی ہے۔ اس سورۃ کا امتیاز سورۃ لقمان کے اتصال کے ساتھ کرتے ہیں یعنی وہ سورۃ مبارکہ جو سورۃ لقمان سے متصل ہے۔ اس سورۃ کا دوسرا[1] نام سورۃ المضاجع بھی ہے کیونکہ اس میں بستروں کا ذکر بھی آتا ہے کہ اہل ایمان اپنے بستروں کو چھوڑ کر رات کے وقت اللہ کی بارگاہ میں مناجات کرتے ہیں۔

---

[1] روح المعانی ص ۱۱۴ ج ۲۱ (فیاض)

اس سورۃ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں سجدہ تلاوت آتا ہے۔ مگر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سجدہ تلاوت تو بہت سی سورتوں میں آتا ہے۔ پھر اس سورۃ کی کیا خصوصیت ہے کہ اس کا نام ہی سجدہ کے نام پر رکھ دیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اس سورۃ میں سجدے کا ذکر خاص انداز میں کیا گیا ہے کہ جب اہلِ ایمان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پاک کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ فوراً سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اس سورۃ کا نام ہی سورۃ السجدہ رکھ دیا گیا ہے۔

اس سورۃ کی تیس ۳۰ آیتیں اور تین رکوع ہیں۔ یہ سورۃ تین سو بیس ۳۲۰ الفاظ اور ایک ہزار پانچ سو اٹھارہ (۱۵۱۸) حروف پر مشتمل ہے۔ اس سورۃ کا زمانہ نزول سورۃ لقمان کے قریب قریب ہی ہے یعنی یہ بھی مکی دور کے درمیانی یا آخری دور کی سورۃ ہے۔

سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط

گذشتہ سورۃ لقمان میں حضرت لقمانؑ کی بعض نصیحتوں کا ذکر کیا گیا تھا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔ اب اس سورۃ مبارکہ میں اللہ کا شکر ادا کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور وہ ہے اقامتِ صلوٰۃ۔ نماز پڑھنے والا آدمی گویا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ دونوں سورتیں آپس میں مربوط ہیں۔

فضائل سورۃ

حدیث شریف[1] میں آتا ہے کہ تیس آیات پر مشتمل ایک ایسی سورۃ ہے جسے ایک شخص نے پڑھا تھا۔ تو اس سورۃ نے اس آدمی کے حق میں سفارش کی اور اس شخص کو اللہ نے عذاب سے بچا لیا۔ یہ وہی سورۃ السجدہ ہے۔

قرآن پاک میں تیس تیس آیات والی تین سورتیں ہیں یعنی سورۃ السجدۃ، سورۃ الملک، اور سورۃ الفجر، عذاب قبر سے بچاؤ کے لیے ان تینوں سورتوں کی تلاوت مفید ہے۔ چنانچہ حدیث شریف[2] میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سونے سے پہلے سورۃ الملک

---

[1] در منثور صـ۱۷۱ ج ۵

[2] در منثور صـ۱۷۰ ج ۵ و جمل صـ۴۱۱ ج ۳ و فتح القدیر صـ۲۴۶ ج ۴ و تفسیر الثعالبی صـ۲۱۲ ج ۳ (فیاض)

اور سورۃ السجدہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ مسند احمد میں یہ روایت[1] بھی موجود ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جمعہ کے دن فجر کی نماز میں عام طور پر سورۃ السجدہ اور سورۃ الدھر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ گویا جمعہ کے دن ان سورتوں کی تلاوت مستحب یعنی زیادہ باعثِ ثواب ہے۔

مضامین سورت:

گزشتہ سورۃ کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد کا ہی ذکر ہے چنانچہ اس سورۃ میں بھی توحید کے عقلی اور نقلی دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ شرک کی تردید ہے، رسالت کا بیان ہے اور قیامت اور جزائے عمل کی بات بیان کی گئی ہے۔ جہاں تک قرآن حکیم کی حقانیت اور صداقت اور اس کے وحی الٰہی ہونے کا تعلق ہے تو یہ ذکر گزشتہ سورۃ کی ابتدا میں بھی گزر چکا ہے اور اس سورۃ کی ابتداء بھی اسی موضوع سے ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لہٰذا ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی تورات جیسی عظیم کتاب عطا فرمائی تھی مگر آپ کی قوم بنی اسرائیل نے اس نعمت کا شکر ادا نہ کیا جس کے نتیجے میں انہیں ذلت و خواری کا سامنا کرنا پڑا۔ لہٰذا اس آخری امت کا فرض ہے کہ وہ اللہ کی آخری کتاب ملنے پر اس کا شکریہ ادا کریں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کتاب کو پڑھیں، اس میں غور و فکر کریں، اس کے اصولوں کو اپنائیں اور اسے پوری زندگی کا دستور العمل بنا لیں۔ اتنی عظیم کتاب کی موجودگی میں بھی اگر ہم ہدایت کسی دوسری جگہ سے تلاش کریں تو یہ ہماری بہت بڑی بدقسمتی ہے۔

ملحدانہ نظام کی درآمد:

ابھی کل کے اخبار میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ پاکستان سے چھبیس آدمیوں پر مشتمل وفد کوریا کے دورے پر روانہ ہوا ہے اس دورے کا مقصد یہ ہے، کہ کوریا کے دیہات سدھار پروگرام کا مطالعہ کریں اور اسے پاکستان میں بھی نافذ

---

[1] مسند احمد ص ، در منثور ص۱۷۰ ج۵ و تفسیر جمل ص۱۴۱ ج۳ و فتح القدیر ص۲۴۶ ج۴ (فیاض)

کریں۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان قوم جس کے پاس قرآن پاک جیسا عظیم دستور العمل موجود ہے، وہ دیہات سدھار کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے، کافر، مشرک اور اشتراکیت زدہ ملک کوریا کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اسلام کے نام پہ بننے والے اس ملکِ پاکستان کے لیے اس سے بڑی لعنت کیا ہو سکتی ہے۔ سورۃ الاعراف میں اللہ کا فرمان ہے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (آیت۔ ۹۶) اگر بستیوں والے ایمان اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔ مگر ان لوگوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کی کمائی کے بدلے میں ان کو سزا دی۔ خدا نے تو ایمان اور تقوے کے ذریعے بستیوں کو سدھارنے کا حکم دیا ہے مگر ہم اغیار کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ دیہات اور شہروں کی ترقی کے لیے قرآن سے بڑھ کر کون سا پروگرام ہے۔ کوریا سے تو محض الحاد کی درآمد ممکن ہے۔ ایک مسلمان قوم کو چاہیئے کہ وہ ایمان، تقویٰ اور عدل کی راہ اختیار کرے تو ان کے لیے سارے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

حروفِ مقطعات

اس سورۃ کی ابتداء بھی حروفِ مقطعات الٓمّٓرٰ سے ہوئی ہے۔ ان حروف کے معانی گذشتہ سورۃ کی ابتدا میں اجمالی طور پر بیان کر دیئے گئے تھے۔ جن کا بہترین مفہوم وہی ہے جو امام جلال الدین سیوطیؒ نے بیان[1] کیا ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ ان حروف کی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا ہمارا اس پر ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں ان تین حروف[2] ا، ل اور م میں سے ا حلق کی انتہا سے نکلتا ہے۔ ل حلق کی وسط سے اور م کا مخرج ہونٹ ہیں ان حروف سے یہ نقطہ سمجھا گیا ہے کہ انسان جو

---

[1] جلالین ص۲   [2] بیضاوی ج۳/ا   (فیاض)

بھی کام کرے۔ اس کی ابتداد، وسط اور انتہا اللہ کے ذکر سے ہونی چاہیئے۔ ایسے کام میں ضرور کامیابی ہوگی۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کی یاد کو فراموش کر دیتا ہے، وہ کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

قرآن کی حقانیت

ارشاد ہوتا ہے تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ کتاب کے اتارے جانے میں کوئی شک نہیں ہے مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ یہ ہے بھی پروردگارِ عالم کی طرف سے۔ اس میں قرآن حکیم کے وحی الٰہی اور حق و صداقت کے پیکر ہونے کا اشارہ ہے۔ یہ ایسی واضح کتاب ہے۔ جس کی صداقت میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دراصل کفار و مشرکین کے اس اعتراض کا جواب ہے جس میں وہ کہتے تھے اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ کہ اس کتاب کو پیغمبرؐ نے از خود گھڑ لیا ہے، حالانکہ یہ بڑی ہی بیہودہ بات ہے، اللہ نے تصدیق کی کہ یہ من گھڑت کتاب نہیں ہے بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ بلکہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے حق ہے یعنی بالکل سچی کتاب ہے۔ اور اس کے نزول کا مقصد یہ ہے لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ تاکہ یہ لوگ راہِ راست پر آجائیں۔

یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ فاطر میں تو اللہ نے فرمایا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (آیت ۲۴) اللہ نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا بھیجا ہے مگر یہاں فرمایا کہ اس کتاب سے اس قوم کو ڈرانا مقصود ہے، جن کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ مفسرین[1] کرام اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس قوم سے مراد بنی اسماعیل ہے۔ جن کے ہاں زمانہ قریب میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے بعد ڈیڑھ ہزار برس

---

[1] کبیر ص ۱۶۶ ج ۲۵ و قرطبی ص ۸۵ ج ۱۴ (فیاض)

"تک عرب کی سرزمین پہ کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ اور اس لحاظ سے یہ لوگ واقعی محروم تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے تو بہت سے انبیاء شام و فلسطین میں آتے رہے حتیٰ کہ یمن میں حضرت ہود اور صالح علیہما السلام بھی معبوث ہوئے۔ مگر عرب کا علاقہ انبیاء کی آمد سے طویل عرصہ تک محروم رہا اور یہ لوگ وحی کے علم سے نابلد رہے۔ اس لیے ان کا لقب اُمی مشہور ہو چکا تھا۔ چنانچہ بعض مفسرین نے اس سورۃ کا نام سورۃ الامیین بھی بتایا ہے بہرحال مطلب یہی ہے کہ بنی اسماعیل میں طویل عرصہ تک کوئی نبی نہیں آیا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل فرما کر ان لوگوں کی تعلیم کا بندوبست کیا تاکہ یہ لوگ اللہ کے عذاب سے ڈر کر ہدایت کا راستہ اختیار کر لیں۔

استویٰ علی العرش

آگے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بیان کی گئی ہے اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَہُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن کے وقفے سے پیدا کیا۔ تخلیقِ ارض و سما کا ذکر قرآن میں کئی مقامات پر آیا ہے۔ تو فرمایا کہ ان چیزوں کی تخلیق کے بعد ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ اللہ تعالیٰ عرش پہ قائم ہوا اللہ کریم کا عرش پر مستوی ہونا متشابہات میں سے ہے۔ اس کا عرش پہ قائم ہونا، اسی طرح ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ ہم اس استویٰ کو عام انسان کے کرسی، صوفے یا چارپائی وغیرہ پہ بیٹھنے پر قیاس نہیں کہہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مادی اشیاء اور زمان و مکان کی قید سے پاک ہے۔ وہ ان چیزوں سے وراءالوراء ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس کو تجلی سے تعبیر کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی اعظم کا عکس سب سے پہلے عرش پر پڑتا ہے، جس سے سارا عرش رنگین ہو جاتا ہے۔ عرش کے نیچے حظیرۃ القدس کی جماعتیں رہتی ہیں۔

لہ   ٢ہ

جہاں پر قضاء و قدر کے فیصلے ہوتے ہیں اور پھر ساری کائنات میں نافذ ہوتے ہیں پھر ان فیصلوں کے نتائج پلٹ کر وہیں آجاتے ہیں۔

مسئلہ سفارش

فرمایا مَا لَكُم مِّن دُونِهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ اس کے علاوہ تمہارے لیے کوئی حمایتی اور کوئی سفارشی نہیں ہے۔ اس سفارش سے مراد مشرکانہ سفارش ہے۔ مشرکوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جن خود ساختہ معبودوں کی وہ عبادت کرتے ہیں، ان کو پکارتے ہیں اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں وہ انہیں قیامت کے دن بچا لیں گے، خواہ خدا راضی ہو یا ناراض۔ اس قسم کی شفاعت باطل ہے، البتہ صحیح سفارش وہ ہوگی جس میں اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ کی شرط ہوگی اللہ تعالیٰ جن مقربین کو جن لوگوں کے حق میں سفارش کی اجازت دیں گے، وہ سفارش مفید ہوگی اور یہ وہی لوگ ہوں گے جو کفر و شرک سے پاک اور عقیدہ توحید پہ پختہ ہوں گے، اگر ان کے اعمال میں کوتاہی ہوگی، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں، انبیاء، خصوصاً خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم، شہداء، صالحین اور کامل الایمان لوگوں کو اجازت دیں گے اور وہ گنہگاروں کے حق میں سفارش کریں گے۔ فرمایا توحید کا یہ مسئلہ بالکل واضح ہے اَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ کیا تم ان باتوں میں غور و فکر کر کے نصیحت نہیں پکڑتے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز سے بلند و برتر ہے اور اس کے سوا کوئی حمایتی اور سفارشی بھی نہیں ہے، لہٰذا شرک کفر کو ترک کر کے اس کی توحید پہ کاربند ہو جاؤ۔

تدبیر الٰہی

ارشاد ہوتا ہے خدا تعالیٰ وہ ہے يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ جو آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر خود کرتا ہے ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ پھر وہ چڑھتا ہے اس کی طرف ایک دن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال کے برابر ہے جسے تم شمار کرتے ہو۔ اس سے مراد وہ بڑے بڑے امور ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے اور پھر ان کی تکمیل ہوتی

ہے اور اُن کے نتائج اُوپر چڑھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم نافذ کرتا ہے تو وہ نافذ ہو جاتے ہیں اور پھر ہزار سال تک اُن پر عملدرآمد ہوتا ہے اور اُس کے نتائج برآمد ہو کر اُوپر چڑھتے ہیں اور پھر دوسرا حکم نافذ ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون دوسرے مقام پر بھی آتا ہے وَاِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ (الحج۔ ۴۷) تمہارے پروردگار کے ہاں کا ایک دن تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال کا ہوگا۔

شاہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں[1] کہ بڑے بڑے امور اور انتظامات سے متعلق حکم عرش سے جاری ہوتا ہے۔ پھر وہ نیچے کی طرف آتا ہے تو تمام حسی، معنوی، ظاہری اور باطنی اسباب جمع ہو کر اُس حکم کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں اللہ کی مشیت اور حکمت کے مطابق وہ حکم طویل مدت تک نافذ رہتا ہے اور اس کے بعد اُسے واپس لے لیا جاتا ہے اور دوسرا حکم جاری کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال پیغمبروں کی بعثت ہے۔ اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں کی تعلیم کا اثر قرنوں تک رہا۔ اس طرح بڑی بڑی قوموں اور نسلوں کی عملداری سینکڑوں اور ہزاروں سال تک چلتی رہی غرضیکہ فرمایا کہ اس دنیا کا ایک ہزار سال اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک دن کے برابر ہے۔

دوسرے مقام پر ایک دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر بھی بتائی گئی ہے تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوۡحُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ (المعارج۔ ۴) فرشتے اور جبریل امین ایک دن میں اُوپر چڑھتے ہیں اور اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اُس کی طوالت یہاں کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ گنہگاروں کے لیے یہ دن اگرچہ اتنا طویل ہوگا۔ مگر اہلِ ایمان پر یہ عرصہ جلد گزر

---

[1] موضح القرآن ص ۴۹۷ (فیاض)

جائے گا۔ تاہم تدبیراتِ الٰہیہ والے دن کی مقدار ایک ہزار سال کے برابر بتائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک سکیم ہمارے ہاں کے ہزار سال کے برابر نافذ العمل رہتی ہے، پھر جب اس کے نتائج برآمد ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کوئی دوسری سکیم نافذ کر دیتے ہیں۔ قوموں اور خطوں کی ترقی و عروج کے دور اسی طریقے سے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ بعض قومیں اور ملک عرصہ دراز تک بامِ عروج پر متمکن رہتے ہیں، پھر کوئی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ اُن پر زوال آجاتا ہے اور کوئی دوسری قوم یا ملک ترقی کی منازل طے کرنے لگتا ہے۔ عروج و زوال کا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑥
الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ
الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ⑦ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ
سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ⑧ ثُمَّ
سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ
السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا
تَشْكُرُوْنَ ⑨ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ
ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗءِ
رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ
الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ
تُرْجَعُوْنَ ⑪ ع ١/١٤

ترجمہ:۔ وہی ہے جاننے والا پوشیدہ بات اور کھلی بات کو۔ کمال قدرت کا مالک اور نہایت رحم کرنے والا ⑥ وہ جس نے اچھا کیا ہے ہر ایک چیز کو جس کو اس نے پیدا کیا ہے۔ اور شروع کی ہے اس نے انسان کی پیدائش مٹی سے ⑦ پھر بنایا ہے اس کی نسل کو ایک حقیر پانی کے نچوڑ سے ⑧

پھر برابر کیا اُس کو، اور پھونکی اس میں اپنی طرف سے روح، اور بنائے اُس نے تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل۔ بہت تھوڑا تم شکر ادا کرتے ہو (۹) اور کہا ان لوگوں نے کہ جس وقت ہم رل مل جائیں گے زمین میں، کیا ہم نئی پیدائش میں پیدا کیے جائیں گے؟ بلکہ یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے کفر کرنے والے ہیں (۱۰) (اے پیغمبرؐ) آپ کہہ دیجئے، وفات دیتا ہے تم کو موت کا فرشتہ جو مقرر کیا گیا ہے تمہارے ساتھ۔ پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے (۱۱)

ربطِ آیات

پہلے سورۃ کی ابتداء میں قرآنِ کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا، اور اس کے بعد رسالت کا، پھر قرآن کے نزول کی غرض و غایت بیان ہوئی تاکہ اَن پڑھ لوگ اس سے ہدایت پائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کمال کا ذکر ہوا۔ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمان و زمین اور اُن کے درمیان والی چیزوں کو چھ دن کے وقفے سے پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔ اس کے سوا تمہارے لیے کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہوگا، پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر اس تدبیر کے نتائج ایک دن میں اسکی طرف چڑھتے ہیں اور ایک دن کی مقدار یہاں کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ یہ تدبیر خدا تعالیٰ خود کرتا ہے اور یہ کام اُس نے کسی دوسری ذات کے سپرد نہیں کیا۔ بعض دوسری صفات کی طرح تدبیر بھی خدا تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی چار صفات مختصہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی

لے حجۃ اللہ البالغہ صہ۱ج۱ (فیاض)

صفات کی نسبت جب اس جہان کی تخلیق کی طرف کی جاتی ہے تو یکے بعد دیگرے اس کی چار صفات مختصہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کی پہلی صفت ابداع یا فطور ہے۔ قرآن میں اس صفت کا ذکر جگہ جگہ آتا ہے بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (البقرہ ۱۱۷) فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (فاطر۔ ۱) وہ خدا تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا پیدا کنندہ ہے۔ بدیع یا فاطر ایسی تخلیق کو کہتے ہیں جو بغیر کسی مادے، آلے یا نمونے کے کی گئی ہو۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے نہ کوئی اس کے لیے مادہ تیار کیا گیا۔ نہ ان کو بنانے کے لیے کسی مشینری یا لیبر کی ضرورت پڑی اور نہ ہی پہلے سے کوئی سمپل موجود تھے جس کی نقل کی گئی ہو، تو گویا آسمان و زمین کی تخلیق کے ضمن میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت بدیع نے کام کیا۔

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت خلق ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی چیز کسی دوسرے مادے سے تیار کی جائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر مادے کے پیدا نہیں کیا بلکہ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران ۔ ۵۹)۔ اللہ نے ان کو مٹی کے مادے سے پیدا کیا۔ مطلب یہ کہ مٹی یا زمین کی تخلیق صفت ابداع کے مطابق بغیر مادے کے ہوئی تھی۔ اب آدم علیہ السلام کی تخلیق اس مٹی کے مادے سے ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی تیسری صفت تدبیر ہے، کسی چیز کا گھٹانا، بڑھانا، صحت، بیماری ترقی و تنزل، زندہ کرنا، مارنا، غرضیکہ تمام تغیرات و تصرفات اللہ کی صفت تدبیر کے تحت انجام پاتے ہیں۔ یہ ساری تدبیر بھی اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے اور یہ کام بھی اس نے کسی دوسری ہستی کے سپرد نہیں کیا۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت تدلّی ہے۔ جب انسان کی تخلیق ہوتی ہے تو اس کے قلب پر براہ راست اللہ تعالیٰ کی تجلی کا عکس پڑتا ہے، اسی کو تدلّی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس دنیا میں چونکہ لوگ حجاب مادیت، حجاب رسم و رواج یا حجاب سوءِ معرفت میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس لیے

یہاں اس تجلی کو محسوس نہیں کرتے ۔ البتہ اگلے جہان میں پہنچ کر اس کو واضح طور پر محسوس کریں گے ۔ جب انسان کی موجودہ زندگی ختم ہو جائے گی ، اس کا یہ مادی خول اُتر جائے گا اور اندر سے اصلی انسان ظاہر ہو جائے گا تو اس وقت اس تجلی کا پتہ چل جائے گا ۔ یہ تجلی چونکہ اُوپر سے آتی ہے اس لیے اس کی کشش بھی اُوپر ہی کی طرف ہوتی ہے یعنی یہ کشش انسان کو عالمِ بالا یا حظیرۃ القدس کی طرف کھینچنا چاہتی ہے مگر نیچی سے محروم انسان نیچے کی طرف کھینچے جائیں گے ، چنانچہ اُوپر اور نیچے والی کشش میں زبردست کھینچا تانی ہو گی جس کی وجہ سے انسان کو بڑی تکلیف پہنچے گی ۔

عالم الغیب والشہادت

گذشتہ درس کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ تدبیر کا ذکر ہوا تھا ، اب اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا تذکرہ ہو رہا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ یہی ذات ہے جو پوشیدہ اور ظاہر ہر چیز کو جانتی ہے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر مکان اور ہر زمان میں موجود ہے ، لہٰذا اس سے تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے ، تو اس کے غیب کو جاننے سے کیا مراد ہے ؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس غیب سے وہ چیز مراد ہے جو مخلوق کی نگاہ سے غیب ہے نہ کہ اللہ کی نگاہ سے ۔ اللہ تعالیٰ کا تو اپنا واضح ارشاد ہے وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ (یونس - ۶۱) تیرے پروردگار سے تو ارض و سما میں ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں ہے ، تاہم یہاں پر خدا تعالیٰ کے لیے غیب کا لفظ اضافت کے طور پر استعمال ہوا ہے یعنی مخلوق کے اعتبار سے جو چیز غائب یا حاضر ہے ، اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے ۔ اور وہ خدا تعالیٰ اَلْعَزِيْزُ کمالِ قدرت کا مالک اور اَلرَّحِيْمُ نہایت رحم کرنے والا ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کی دلیل ہے کہ اس نے انبیاء کو مبعوث فرمایا ، کتابیں نازل فرمائیں اور اس طرح لوگوں کے لیے ہدایت کا سامان مہیا کیا ۔ اور پھر آخر میں قرآن پاک کے ذریعے ایک جامع پروگرام نازل فرما کر پوری کائنات کے لیے مادی اور روحانی حیات کا انتظام فرما دیا ۔

بہترین تخلیق

آگے اللہ تعالیٰ کی ایک اور صفت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے اَلَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ جس نے اپنی پیدا کردہ ہر چیز کو خوب بنایا ہے۔ اللہ کریم نے ہر شئے کو ایسی کمالِ حکمت اور کمالِ مصلحت سے تخلیق کیا ہے کہ اس سے بہتر تخلیق ممکن ہی نہیں۔ امام غزالیؒ کا قول بھی ہے کہ کائنات میں خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں سے بہتر تخلیق ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں درخت، پہاڑ، چرند، پرند، پھل اور پھول وغیرہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت کے شاہکار ہیں۔ خاص طور پہ انسان کے متعلق فرمایا، لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التّین۔۴) ہم نے انسان کو بہترین سرشت میں پیدا کیا۔ انسان کی ظاہری شکل و صورت اس کا قد، رنگت، بال، کھال، ہاتھ، پاؤں، حواسِ ظاہرہ اور باطنہ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے ہر عضو کو کمال درجے کا بنایا ہے اور اس میں ضرورت کی ہر خوبی جمع کر دی ہے

پھر فرمایا وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ اور انسان کی پیدائش کی ابتدا مٹی سے کی۔ انسان میں تمام تر خوبیوں کے باوجود اس کی اصل مٹی ہے جس سے آدم علیہ السلام کا پتلا تیار ہوا۔ اللہ کا فرمان ہے خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران۔ ۵۹) اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی کے مادے سے تخلیق فرمایا۔ الغرض! اولین انسان کی تخلیق مٹی سے کرنے کے بعد ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ اس کی نسل کو ایک حقیر قطرۂ آب کے خلاصے سے چلایا۔ اب نسلِ انسانی قطرۂ آب سے چل رہی ہے۔ یہ قطرہ عورت کے رحم میں پہنچ کر بچے کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے اور اس طرح نسلِ انسانی کا سلسلہ چل رہا ہے۔

فرمایا ثُمَّ سَوّٰىهُ پھر رحمِ مادر میں بچے کے اعضاء و جوارح کو درست کیا۔ ہر عضو کو اپنے ٹھکانے پہ رکھا، اس میں حواسِ ظاہرہ اور باطنہ پیدا کیے جب ڈھانچہ مکمل ہو گیا وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ تو پھر اس میں اپنی

طرف سے روح پھونک دی لفظ رُوْحِہٖ وضاحت طلب ہے۔ بظاہر اس کا معنیٰ یہ بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جسم سے روح پھونک دی۔ العیاذ باللہ اللہ تعالیٰ تو جسمانیت سے پاک ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی یعنی اُس کی تجلی کے نتیجے میں انسان کی تخلیق ہوئی۔

روح الٰہی ایک نہایت ہی لطیف چیز ہے جو حمل کے بعد چھٹے مہینے میں دوسرے جہان سے آکر انسان میں داخل ہوتی ہے۔ دراصل روح تین چیزوں کا مرکب ہے۔ پہلی چیز نسمہ ہے۔ رحمِ مادر میں انسان نطفہ کی صورت میں داخل ہوتا ہے، پھر اُس کا لوتھڑا بنتا ہے، پھر اس کے اعضاء و جوارح تیار ہوتے ہیں، خون پیدا ہوتا ہے اور یہ نسمہ انہی خون میں ایک لطیف بخار کا نام ہے جو خون کے ذریعے پورے جسم میں پھیل جاتا ہے۔

روح کا دوسرا حصہ نفس ناطقہ اور تیسرا حصہ روح الٰہی کا ہے جو ان کے ساتھ آکر مل جاتا ہے۔ یہ تینوں چیزیں مل کر روح بنتی ہے۔ یہ روح چونکہ دوسرے جہان سے آتی ہے اور یہ مادی نہیں بلکہ مجرد چیز ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، اور ہم نے ترجمہ یہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی۔

کان، آنکھ اور دل

یہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر ہو رہا ہے کہ اُس نے انسان کو اوّلاً مٹی سے تخلیق کیا، پھر اس کی نسل نطفۂ آب سے چلائی، پھر اس کو برابر کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ط پھر اُس نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے، کان اور آنکھیں انسان کے لیے ذرائع علم اور بہت بڑی نعمت ہیں۔ کانوں سے سن کر اور آنکھوں سے دیکھ کر نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔ انسان کے بولنے کا انحصار بھی سماعت پر ہے۔ جو شخص سننے سے عاری ہوتا ہے وہ کوئی لفظ بول بھی نہیں سکتا۔ جب تک وہ سنے گا نہیں سیکھے گا نہیں اور جب تک سیکھے گا نہیں، بول بھی نہیں سکے گا۔

اسی طرح دل بھی انسان کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ مرکزِ شعور ہے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور محبت و نفرت کے جذبات دل میں ہی پیدا ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان تین چیزوں کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ نے انسان کو حواس خمسہ کی نعمت عطا فرمائی ہے جن کے ذریعہ انسان سننے اور دیکھنے کے علاوہ سونگھتا ہے چکھتا ہے اور ٹٹولتا ہے۔ فرمایا اتنی عظیم نعمتیں حاصل کرنے کے باوجود قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ تم میں سے بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اپنے خالق اور مالک کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ان اعضائے رئیسہ کا شکریہ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان کانوں کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ؐ کے فرمودات اور دوسری اچھی باتیں سنے، اپنے کاروبار، صنعت و حرفت اور فن کو سیکھنے کے لیے استعمال کرکے حلال روزی کا بندوبست کرے۔ اسی طرح آنکھوں کے ساتھ قرآن پاک کی زیارت اور اس کی تلاوت کرے دیگر کتب دینیہ کا مطالعہ کرے۔ نشاناتِ قدرت کو دیکھ کر اس کی تعریف و توصیف کے کلمات زبان پر لائے اور اُن سے عبرت حاصل کرے۔ اللہ کی عطا کردہ نگاہ کسی غلط مقام پر نہ ڈالے اور نہ کانوں کے ذریعے حرام باتوں کو سنے۔ اسی طرح دل کا شکریہ یہ ہے کہ وہ اس کے ذریعے غور و فکر کرکے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانے اور اس میں بُرے وساوس اور غلط ارادوں کو داخل نہ ہونے دے۔ فرمایا تم میں سے بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہیں

بعث بعد الموت

کفار و مشرکین بعث بعد الموت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ بلکہ اس ضمن میں طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ کہتے تھے کہ کیا جب ہم بوسیدہ ہو کر مٹی میں رل مل جائیں گے اور ہمارے ذرات منتشر ہو جائیں گے ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ تو کیا ہم پھر نئی پیدائش میں پیدا کئے جائیں گے؟ جب کوئی انسان مر جاتا ہے تو اس کو زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اس کا جسم حتیٰ کہ ہڈیاں بھی گل

سڑ جاتی ہیں۔ اِن چیزوں کا مشاہدہ کرکے کفار و مشرکین کہتے ہیں کہ بالکل نابود ہو جانے کے بعد ہم دوبارہ کیسے زندہ ہو جائیں گے؟ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اِن کا یہ اعتراض محض اس لیے ہے بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں۔ دوبارہ زندگی کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ انسان اگلے جہان میں زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو اور اس زندگی کے عقائد و اعمال کا حساب کتاب دے اور پھر اس کے نتیجے میں جزا یا سزا کو قبول کرے مگر یہ لوگ چونکہ اپنی بدکرداری کی وجہ سے سزا کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں اس لیے وہ خدا تعالیٰ کی ملاقات کا ہی انکار کرتے ہیں کہ نہ دوبارہ زندہ ہو کر خدا کے سامنے پیش ہوں گے، نہ حساب کتاب کی منزل آئے گی اور نہ جزا و سزا کا مسئلہ پیدا ہوگا۔ اللہ نے دوسری جگہ فرمایا کہ یہ لوگ تو اپنے اس نرم و نازک جسم کی دوبارہ زندگی کا انکار کر رہے ہیں قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا (بنی اسرائیل - ۵۰) اے پیغمبرؐ! آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم پتھر یا لوہے جیسی سخت چیز بھی بن جاؤ، تب بھی اللہ تعالیٰ تم کو زندہ کرکے اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا۔ تمہاری ان بوسیدہ ہڈیوں کے ساتھ تو پھر بھی حیات کا تعلق رہا ہے، مگر لوہے اور پتھر میں تو ایسی کوئی چیز نہیں اگر تم اتنی سخت چیز میں بھی تبدیل ہو جاؤ۔ تو پھر بھی تم کو دوبارہ زندگی عطا کی جائیگی اور حساب کتاب لیا جائے گا۔

انسان کی جان کنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی موت یاد دلائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ اے پیغمبرؐ! آپ اِن سے کہہ دیں کہ موت کا وہ فرشتہ تمہیں وفات دیتا ہے۔ جو تمہارے ساتھ مقرر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو زندگی عطا کرتا ہے اور پھر عزرائیل علیہ السلام کے ذریعے اُس پر موت بھی طاری کرتا ہے۔ یہ فرشتہ اللہ کے چار مقرب فرشتوں میں سے ایک ہے۔ اس کے ساتھ اس کا عملہ ہوتا ہے

جو تمام کائنات کے انسانوں اور دیگر جانداروں کی روحیں قبض کرنے پر مامور ہے سورۃ الانعام میں ہے حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (آیت ۔ ۶۱) جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی جان کو قبض کر لیتے ہیں۔ مفسرین کرام[1] اس کی تشریح اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب کسی کی موت کا وقت قریب آجاتا ہے تو عزرائیل علیہ السلام کے ساتھی فرشتے متعلقہ شخص کی جان کو اس کے جسم حتیٰ کہ اس کے ناخنوں اور بالوں سے سمیٹ لیتے ہیں۔ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ (الواقعۃ ۔ ۸۳) حتیٰ کہ جب وہ بالکل حلق میں آجاتی ہے تو ملک الموت اس کو لے لیتا ہے اور پھر وہ اس کو آگے لے جاتے ہیں۔

حدیث[2] میں ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ آتا ہے۔ حضور علیہ السلام اس کی نزع کی حالت میں اس کے پاس گئے۔ وہاں ملک الموت موجود تھے۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ اے ملک الموت! میرے صحابی کے ساتھ جان کنی میں نرمی اختیار کرو۔ اس نے جواب دیا، اے محمدؐ! خدا کی قسم میں تو ہر مومن کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتا ہوں میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں اور اس کے حکم کی تعمیل میں تلاش کرتا رہتا ہوں کہ کس شخص کی جان کو کس وقت اور کس مقام پر قبض کرنا ہے حقیقت یہ ہے کہ میں ایک مچھر کی جان بھی اپنے ارادے اور قدرت سے نہیں نکالتا میں تو صرف خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ مجھے بھی عین وقت پر ہی تبلایا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی جان فلاں وقت اور فلاں مقام پر قبض کرنی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ملک الموت مقرر ہے جو تمہاری جانوں کو قبض کر لیتا ہے۔

بعد از وفات

فرمایا جب کسی شخص کی روح قبض کر لی جاتی ہے ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ

---

[1] جمل ص ۱۵۹ ج ۲

[2] روح المعانی ص ۱۲۵ ج ۲۱ و قرطبی ص ۹۳ ج ۱۴ و در منثور ص ۱۷۳ ج ۵ (فیاض)

تُرْجَعُوْنَ پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف ہی لوٹائے جاؤ گے۔ مرنے کے بعد انسان عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اللہ کے مقرب بندوں کی روح حظیرۃ القدس میں پہنچ جاتی ہے، اور اس کا تعلق قبر میں موجود جسم کے ساتھ بھی رہتا ہے۔ ہر قبض شدہ روح جہاں اللہ کا حکم ہوتا ہے وہاں رہتی ہے۔ عالم برزخ میں جزا اور سزا کا احساس بھی ہوتا رہتا ہے جیسا کہ اہل سنت کا عذاب قبر کے برحق ہونے پر اتفاق ہے اس کے بعد حشر کا تیسرا جہان قائم ہوگا۔ وہاں پر یہ مادی جسم اپنے تمام قویٰ، اعمال اور اخلاق کے ساتھ موجود ہوگا۔ پھر محاسبہ اعمال کی منزل آئیگی، جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے اور پھر دائمی زندگی شروع ہو جائیگی۔ یہ چوتھی سٹیج ہوگی آمَّا اِلَى الْجَنَّةِ وَاَمَّا اِلَى النَّارِ پھر یا تو کوئی شخص جنت میں چلا جائے گا۔ یا جہنم کا ایندھن بن جائے گا۔ جزائے عمل کا کوئی بھی عقلمند انسان انکار نہیں کر سکتا، البتہ مشرک کافر اور نادان لوگ ہی اس کو بعید خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں گے تو پھر کیسے جی اٹھیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ جب وقت آئے گا تو اللہ کے حکم سے مٹی میں منتشر تمام ذرات پھر اکٹھے ہو جائیں گے کہ انسان پورے جسم اور قویٰ کے ساتھ زندہ ہو کر سامنے کھڑا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کمالِ قدرت کا مالک ہے۔ جس نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا فرما دیا، اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کون سا مشکل کام ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا
نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝۱۲ وَلَوْ شِئْنَا
لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ
الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۳ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ
لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا
عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴
اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا
خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۱۵ السجدة تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ
عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا
وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۱۶

ترجمہ:۔ اور اگر آپ دیکھیں (اس حالت کو) جب
کہ مجرم لوگ اپنے سر نیچے کیے ہوئے ہوں گے
اپنے پروردگار کے سامنے (اور کہیں گے) اے ہمارے

پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔ پس لوٹا ہمیں تاکہ ہم اچھا عمل کر سکیں بیشک ہم یقین کرنے والے ہیں (۱۲) اور اگر ہم چاہیں تو دے دیں ہر نفس کو اُس کی ہدایت، لیکن حق بات میری طرف سے یہ ہے کہ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے (۱۳) پس (اُن کو کہا جائے گا) چکھو اس وجہ سے کہ تم نے فراموش کر دیا تھا اِس دن کی ملاقات کو۔ بیشک آج ہم نے تمھیں فراموش کر دیا ہے، اور چکھو ہمیشگی کا عذاب اس کے بدلے میں جو کچھ تم عمل کیا کرتے (۱۴) بیشک ایمان لاتے ہیں ہماری آیتوں پر وہ لوگ کہ جب اُن کو وہ یاد دلائی جاتی ہیں تو سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور تسبیح بیان کرتے ہیں اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ، اور وہ تکبر نہیں کرتے (۱۵) جدا رہتی ہیں اُن کی کروٹیں اپنے بستر سے، پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو ڈرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے، اور جو کچھ ہم نے اُن کو روزی دی ہے اُس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں (۱۶)

ربطِ آیات

اس سورۃ مبارکہ میں قرآن کریم کی حقانیت و صداقت کا تذکرہ ہوا۔ توحید کے عقلی اور نقلی دلائل بیان کئے گئے۔ رسالت کا بیان ہوا۔ اور ساتھ ساتھ قیامت اور جزائے عمل کا تذکرہ ہوا۔ پھر تخلیق انسان کا مسئلہ بیان ہوا۔ پھر اُس کی ناشکر گزاری کا شکوہ ہوا۔ پھر وقوعِ قیامت کے متعلق کفار و مشرکین کے انکار کا ذکر ہوا۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ جب ہم مر کر مٹی میں رل مل جائیں گے تو پھر ہمارا دوبارہ زندہ ہونا کیسے ممکن ہوگا؟ اللہ نے فرمایا کہ دراصل یہ لوگ

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا انکار کرنے والے ہیں۔ درمیان میں اختصار کے ساتھ پیغمبر علیہ السلام کو خطاب کیا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ تمہاری جانوں کو ملک الموت قبض کرتے ہیں، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا فرما دیا تو اب دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔ اس کا فیصلہ ہے کہ وہ سب کو ضرور زندہ کر کے اپنے سامنے لا کھڑا کریگا، اور پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل آئے گی۔

دنیا میں دوبارہ آمد کی خواہش

اب اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کی دوبارہ زندگی کا کچھ حال بیان فرمایا ہے۔ آج تو یہ لوگ اس چیز کو ناممکن خیال کرتے ہیں مگر قیامت والے دن جب یہ فی الواقعہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیے جائیں گے تو ان کی پشیمانی قابل دید ہو گی۔ فرمایا وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اور اگر آپ دیکھیں ان مجرموں کو جب کہ وہ اپنے پروردگار کے سامنے سرنگوں حاضر ہوں گے، تو ذلت اور ندامت کے ساتھ عرض کریں گے رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا وَسَمِعْنَا اور اپنے کانوں سے سن لیا۔ اب ہمیں یقین آچکا ہے کہ جس چیز کو ہم بعید خیال کرتے تھے۔ وہ ہمارے سامنے ہے۔ لہٰذا اب ہماری درخواست یہ ہے۔ فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا کہ ہمیں دنیا میں واپس پھیر دے۔ اب کی دفعہ ہم نیک اعمال انجام دیں گے۔ اِنَّا مُوْقِنُوْنَ بیشک اب ہمیں یقین آگیا ہے کہ تیرا وعدہ برحق ہے۔ تو نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے جو جو پیغام بھیجے۔ وہ درست ثابت ہوئے ہیں۔ اب ہم برے عقائد و اعمال کو ترک کر کے اچھے عقائد و اعمال اختیار کریں گے۔ سورۃ الشعراء میں مجرموں کا یہ بیان آتا ہے فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (آیت ۱۰۲) اگر ہمیں دنیا میں واپس جانے کا ایک موقع مل جائے تو ہم وقوع قیامت اور جزائے عمل پہ ایمان لے آئیں گے۔ تیرے انبیاء اور کتابوں کو تسلیم کر لیں گے اور نہایت

اطاعت گزار بن کر زندگی گزاریں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم اب جہنم سے بچنے کے لیے بہانے تراش رہے ہو۔ میں تمہاری سرشت سے واقف ہوں حقیقت یہ ہے وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (الانعام - ۲۸) اگر ان کو دنیا میں لوٹا بھی دیا جائے تو یہ لوگ پھر وہی کام کریں گے جن سے ان کو منع کیا گیا ہے، بیشک یہ جھوٹ بول رہے ہیں کہ واپس جا کر نیک اعمال انجام دیں گے۔ اللہ کے ہاں دنیا میں دوبارہ لوٹ آنے کا کوئی قانون نہیں ہے۔ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کا دار العمل ختم ہو کر دار الجزا شروع ہو جاتا ہے، لہٰذا اب انہیں اپنی کارکردگی کا بدلہ چکھنا ہو گا۔

جبری اور اختیاری ہدایت

ارشاد ہوتا ہے وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا اگر ہم چاہیں تو ہر نفس کو ہدایت کے راستے پر چلا دیں مگر یہ تو زبردستی ہدایت پر چلانے والی بات ہو گی۔ سورۃ الانعام میں فرمایا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ (آیت ۳۵) اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا مگر ایسا کرنا اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ اس کا قانون یہ ہے إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (الدھر - ۳) ہم نے انسان کی راہنمائی صراطِ مستقیم کی طرف کر دی ہے اپنے انبیاء بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر ہدایت کے تمام سامان مہیا کر دیے ہیں، اب یہ ہر شخص کی اپنی صوابدید پر ہے کہ وہ ہدایت والا راستہ اختیار کرتا ہے۔ یا کفر، شرک اور گمراہی والا۔ اب جو شخص اپنے اختیار اور ارادے سے ہدایت کو قبول کرے گا، وہ اس امتحان میں سرخرو ہو گا۔ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ زبردستی ہدایت کے راستے پر ڈال دے تو انسان کی حیثیت ایک جامد پتھر سے زیادہ نہ ہو کہ جس طرف چاہا لڑھکا دیا۔ اللہ نے انسان کو قوائے ظاہرہ اور باطنہ دے کر فی الجملہ خود مختار بنا دیا ہے کہ وہ جونسا راستہ چاہے اختیار کرے اب اس کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار

اُس کی اپنی پسند یا ناپسند پر ہے
فرمایا اگر ہم چاہتے تو سب کو راہِ راست پر لے آتے وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ مگر میری طرف سے حق بات یہ ہے کہ میں جنوں اور انسانوں سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ جنوں اور انسانوں میں سے جو بھی کفر، شرک اور معاصی کے راستے پر چلے گا، سب کو جہنم رسید کروں گا۔ جب شیطان نے اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنے کی قسم اٹھائی تھی تو اللہ نے اُس کے بارے میں بھی یہی الفاظ استعمال کیے تھے لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ (صٓ - ۸۵) میں تجھے اور تیرے پیروکاروں سے جہنم کو بھر دوں گا۔ مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے۔

ہمیشگی کا عذاب

فرمایا اب تمہاری دنیا میں واپسی کی خواہش پوری نہیں ہو سکتی، اب تو صرف دنیا کی زندگی کا بدلہ ملنے والا ہے۔ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا پس اب عذاب کا مزہ چکھو اس وجہ سے کہ تم نے آج کے دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا تھا۔ اُس وقت تو کہتے تھے کہ نہ کوئی قیامت ہے، نہ حساب کتاب کی منزل اور نہ ہی جزائے عمل۔ دراصل فراموش شدہ چیز کا تذکرہ نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ تم نے دنیا کی زندگی میں رہ کر آخرت کی زندگی کو نظر انداز کر دیا۔ لہٰذا اب اس کا مزہ چکھو اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ آج ہم بھی تمہیں نظر انداز کر دیں گے۔ آج تمہاری کوئی درخواست قبول نہیں کریں گے بلکہ اپنی رحمت سے دور کر دیں گے اب تمہارے ساتھ یہی سلوک ہونے والا ہے وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اب اپنے اعمال کی پاداش میں ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ عقیدہ بھی ایک دائمی چیز ہے جسے انسان اپنے ذہن و قلب اور روح میں جما لیتا ہے۔ پھر جب یہ عقیدہ ہی باطل ہو جائے، انسان کفر اور شرک کو اپنے آپ پر حاوی کر لے تو اس کی سزا

بھی دائمی ہوگی۔

اہل ایمان کا کردار

منکرین اور مکذبین کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا تذکرہ بھی فرمایا ہے اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا بے شک ایمان لاتے ہیں ہماری آیتوں پر اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِهَا وہ لوگ کہ جب ان کو ان آیات کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے۔ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ تو وہ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور تسبیح بیان کرتے ہیں اپنے پروردگار کی اُس کی تعریف کے ساتھ۔ آیات سے مراد قرآنی آیات کے علاوہ تمام معجزات اور دلائل بھی ہیں، جو توحید اور قیامت کے اثبات یا کفر و شرک کے رد میں ہو سکتے ہیں۔ آیات سے مراد دین کے احکام اور اصول بھی ہو سکتے ہیں جس میں حلال حرام، جائز ناجائز کی تصریح، مکروہ و مباح وغیرہ کا امتیاز بھی آجاتا ہے۔ اس کے علاوہ آیات سے مراد قدرت کی تمام نشانیاں ہیں جن کو دیکھ کر انسان خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھ سکتا ہے۔ تو فرمایا کہ جب اہل ایمان پر ہماری آیتیں پیش کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید بیان کرتے ہیں۔ مقصد یہ کہ آیاتِ الٰہی سن کر اہل ایمان پر خشوع و خضوع طاری ہو جاتا ہے، وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں، زبان پر خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا جاری ہو جاتی ہے اور دل میں عاجزی اور انکساری آجاتی ہے اور تکبر و غرور دفع ہو جاتا ہے۔ سورۃ الفرقان میں یہ مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا (آیت -۷۳) جب اُن کے سامنے اللہ کی آیتیں ذکر کی جاتی ہیں تو وہ اُن پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے بلکہ ان میں غور و فکر کرتے ہیں اور تعمیل احکام بھی کرتے ہیں۔

اِس آیت کو ہر پڑھنے یا سننے والے مسلمان پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ اگر ایک مجلس میں یہی آیت بار بار پڑھی جائے تو سجدہ ایک ہی بار کافی ہوگا

اور اگر مجلس کی تبدیلی کے بعد دوبارہ یہی آیت پڑھی یا سنی گئی تو دوبارہ سجدہ کرنا لازم ہو جائے گا۔

تکبر کی بیماری

فرمایا ہماری آیتوں پر ایمان لانے والے لوگ آیات کو سُن کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید بیان کرتے ہیں وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ تکبر بہت بُری خصلت ہے، جو انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔ شیطان تکبر ہی کی وجہ سے مردود ٹھہرا۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ دیگر قباحتوں کی نسبت تکبر کو دل سے نکالنا زیادہ مشکل ہے۔ چنانچہ بیعت کا مقصد انسان کی تربیت اور اصلاح ہے۔ محض رسومات از قسم عرس، قوالی وغیرہ کر لینا تو بیعت کا مقصود نہیں ہے۔ مرشد کا کام تو یہ ہے کہ وہ اپنے مرید کی اس طرح تربیت کرے کہ اس کی تمام بُری خصلتیں دور ہو کر اچھی خصلتیں پیدا ہو جائیں۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ بہت بڑے بزرگ، عالم دین، مفتی اور پیر بھی تھے۔ سلوک کے موضوع پر آپ کی کتاب "تربیت السالک" وغیرہ پڑھیں۔ آپ کے مرید خطوط کے ذریعے اپنے اشکال پیش کرتے تھے اور آپ ہر اشکال کا علاج تجویز فرماتے تھے اور واضح کرتے تھے کہ فلاں خصلت کو اس طرح دور کرنا ہے اور اس کے مقابلہ میں فلاں عمل کرنا ہے۔ آپ سے قدیم اور جدید تعلیم یافتہ ہر قسم کے لوگوں نے اصلاح کا سلسلہ قائم کیا اور درجہ کمال تک پہنچے۔ ابھی حال میں کراچی کے ڈاکٹر عبد الحئیؒ فوت ہوئے ہیں آپ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے اور وکیل تھے۔ انہوں نے حضرت تھانویؒ سے بیعت کر کے علم اور تربیت دونوں چیزیں حاصل کیں۔ اللہ تعالےٰ نے اُن کی کایا پلٹ دی اور انہیں کمال درجے کا مرشد بنا دیا۔ بہر حال تکبر کے متعلق پرانے بزرگ فرماتے ہیں نقل الجبال ایسر من اخراج الکبر من القلوب یعنی سوئی کے ذریعے پہاڑوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا تکبر کو دلوں سے نکالنے کی نسبت آسان کام ہے

بزرگ فرماتے ہیں کہ بُرے اوصاف میں تکبر ایک ایسی چیز ہے جو سب سے آخر میں نکلتا ہے، تکبر کا مسکن انسان کا دل ہوتا ہے، کوئی علم کی وجہ سے تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے، کوئی مال و دولت اور قوت کی وجہ سے، کوئی حسن و جمال اور فن کی وجہ سے۔ بہرحال تکبر بہت بُری خصلت ہے۔ حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے[۱] لَا یَفْخَرْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ اے ایمان والو! ایک دوسرے کے سامنے فخر نہ کیا کرو، بلکہ فرمایا کہ خدا نے میری طرف وحی کی ہے کہ لوگ فخر نہ کریں بلکہ تواضع و انکساری اختیار کریں۔ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ (النحل۔ ۲۳) بیشک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

تہجد گزار بندے

اللہ نے اہل ایمان کی یہ صفت بھی بیان فرمائی ہے تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ اُن کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں، مطلب یہ کہ جب رات کو آرام کرنے کا وقت ہوتا ہے تو ایمان والے اپنے نرم و گرم بستروں کو چھوڑ کر اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہو جاتے ہیں اور پھر کیا کرتے ہیں؟ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو خوف اور اُمید کے ساتھ اس بات میں قدرے اختلاف ہے کہ وہ کون سی نماز ہے جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اہلِ ایمان اپنے پروردگار کو خوف اور اُمید کے ساتھ پکارتے ہیں۔ حضرت بلالؓ کی روایت[۲] میں آتا ہے کہ ہم لوگ مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل ادا کیا کرتے تھے اور اس آیت سے یہی نماز مراد ہے "تاہم زیادہ تر مفسرین فرماتے ہیں[۳] کہ اس سے تہجد کی نماز مراد ہے۔ سونے کے بعد دوبارہ اٹھ کر نماز ادا کرنا بڑا مشقت طلب کام ہے مگر اس نماز تہجد کا اجر بھی بہت زیادہ ہے

---

[۱] ملحہ

[۲] ابن کثیر صفحہ ۴۶۰ ج ۳ [۳] ابن کثیر صفحہ ۴۵۹ ج ۳ (فیاض)

حضور علیہ السلام کے بعض[۱] ارشاد سے بھی ثابت ہے کہ اس آیت کریمہ میں جس نماز کا ذکر ہے، وہ تہجد کی نماز ہے۔ آپ[۲] کا ارشاد مبارک ہے کہ جنت میں ایسے بہترین محلات ہوں گے کہ اندر سے باہر کا اور باہر سے اندر کا بخوبی نظارہ ہو سکے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا حضور! یہ محلات کن لوگوں کی قسمت میں ہوں گے؟ فرمایا جو روزہ رکھیں گے، غرباء مساکین کو کھانا کھلائیں گے اور ایسے وقت میں نماز ادا کریں گے۔ وَالنَّاسُ نِيَامٌ جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں گے اور اس سے تہجد کی نماز ہی مراد ہے۔

اور باقی رہی یہ بات کہ اہلِ ایمان اپنے پروردگار کو خوف اور ایمان کے ساتھ پکارتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ایمان میں یہ دونوں چیزیں شامل ہیں بلکہ اَلْاِيْمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ ایماندار آدمی کا ایمان خوف اور امید کے درمیان ہوتا ہے، اُسے خدا تعالیٰ کے جلال و عظمت اور اُس کی گرفت کا خوف ہوتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے جلیل القدر انبیاء بھی اُس کے خوف سے لرزتے ہیں۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ (الشعراء۔ ۸۲) پروردگار! قیامت والے دن میری لغزشوں کو معاف فرما دینا۔ کہیں میری گرفت نہ ہو جائے۔ دوسری طرف مومن اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ پُر امید رہتے ہیں کہ وہ انکی لغزشوں کو معاف فرما کر نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ کیونکہ اُس کی رحمت اُس کے قہر پر غالب ہے۔

فرمایا اہلِ ایمان کی ایک صفت یہ بھی ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وہ ہماری دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرتے ہیں۔ فریضہ زکوٰۃ ادا کرنے کے علاوہ صدقات و خیرات کرتے ہیں۔ غرباء مساکین

---

[۱] قرطبی ص ۱۰۱ ج ۱۴ و خازن ص ۲۲۳ ج ۵

[۲] معالم التنزیل ص ۱۵۹ ج ۳ و خازن ص ۲۲۵ ج ۵ (فیاض)

کا خیال رکھتے ہیں۔ جہاد، حج اور عمرہ کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ یہی اہل ایمان لوگ ہیں کہ اللہ کی آیات سن کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّآ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ
اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۷﴾
اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا ؕؔ
لَا یَسۡتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ جَنّٰتُ الۡمَاۡوٰی ۫ نُزُلًۢا
بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِیۡنَ
فَسَقُوۡا فَمَاۡوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ
یَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَاۤ اُعِیۡدُوۡا فِیۡهَا وَقِیۡلَ لَهُمۡ
ذُوۡقُوۡا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ
تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِیۡقَنَّهُمۡ مِّنَ الۡعَذَابِ
الۡاَدۡنٰی دُوۡنَ الۡعَذَابِ الۡاَكۡبَرِ لَعَلَّهُمۡ
یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ
رَبِّهٖ ثُمَّ اَعۡرَضَ عَنۡهَا ؕ اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ
مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ع ۲ ۱۱ ۱۵

ترجمہ:- پس نہیں جانتا کوئی نفس جو پوشیدہ رکھی
گئی ہے اُن کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ بدلہ اُس کا

جو کچھ وہ عمل کیا کرتے تھے (۱۷) بھلا وہ شخص جو ایمان پر ہو، کیا اُس کے برابر ہو گا جو نافرمان ہو؟ یہ برابر نہیں ہو سکتے (۱۸) بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے، پس اُن کے لیے بہشت ہیں رہنے کے لیے۔ اور مہمانی اس کے بدلے ہیں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے (۱۹) اور بہرحال وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کی، اُن کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے۔ جب ارادہ کریں گے کہ اس سے نکل جائیں تو الٹا دیے جائیں گے اس کے اندر ہی، اور ان سے کہا جائے گا چکھو دوزخ کا عذاب، وہی جس کو تم جھٹلاتے تھے (۲۰) اور البتہ ہم ضرور چکھائیں گے ان کو تھوڑا سا قریب کا عذاب بڑے عذاب سے پہلے تاکہ یہ لوٹ آئیں (۲۱) اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس کو یاد دلائی جائیں اس کے پروردگار کی آئتیں، پھر وہ اُن سے اعراض کرے۔ بیشک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں (۲۲)

ربطِ آیات

پہلے اللہ نے مشرکین اور منکرین قیامت کا رد فرمایا اور اُن کی جزا کا ذکر کیا اس کے ساتھ ساتھ اہلِ ایمان کی تعریف فرمائی کہ جب ان کو اللہ کی آئتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے بلکہ اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ رات کے وقت اُن کے پہلو بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں وہ اٹھ کر اللہ کی بارگاہ میں مناجات کرتے ہیں۔ اُن کے دل خدا کے عذاب سے خوفزدہ اور وہ اس کی رحمت سے پراُمید ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روزی میں سے

اللہ کے راستے میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔

خفیہ انعامات

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ صفات کے حامل مومنین کے لیے اپنے خفیہ انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ پس کوئی نفس نہیں جانتا جو پوشیدہ رکھی گئی ہے اُن کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک، مطلب یہ کہ آج کسی اہل ایمان کے علم میں بھی نہیں کہ اللہ نے اُن کے لیے کیسے کیسے انعامات خفیہ طور پر رکھے ہوئے ہیں۔ جو انہیں بہشت میں پہنچ کر ہی معلوم ہوں گے، اور اُن کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں گے۔ یعنی وہ اس جزائے عمل سے بہت خوش ہوں گے۔ فرمایا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یہ بدلہ ہے اُن اعمال کا جو وہ انجام دیتے رہے۔

گزشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ اللہ کے بندے راتوں کو اٹھ کر اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح یہ لوگ دنیا میں رات کے وقت چھپ چھپا کر بارگاہ ایزدی میں مناجات کرتے رہے اسی طرح اللہ نے اُن کے انعامات کو بھی پوشیدہ رکھا ہوا ہے جن کا علم انہیں وہیں جا کر ہو گا۔ اور وہ اُن کے لیے اچانک خوشی کا باعث بنیں گے۔ حدیث شریف[1] میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں، نہ کسی کان نے سُنی ہیں اور نہ کسی دل پر کھٹکی ہیں۔ پھر حضور علیہ السلام نے یہی آیت تلاوت فرمائی فَلَا تَعْلَمُ .... الخ

نیک و بد کا انجام

ان انعامات کا تذکرہ کرنے کے بعد استفہامیہ انداز میں فرمایا أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا کیا بھلا ایک مومن

---

[1] تفسیر طبری ص۱۰۳ ج۲۱ و ابن کثیر ص۴۶۰ ج۳ و روح المعانی ص۱۳۲ ج۲۱ (فیاض)

اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو؟ ایک طرف اللہ کی توحید کو تسلیم کرنے والا شخص ہے، اُس کے رسولوں، کتابوں اور بعث بعد الموت پر ایمان رکھنے والا ہے اور دوسری طرف آیاتِ الٰہی کو جھٹلانے والا، پیغمبروں کا تمسخر اڑانے والا، کتابوں کو قصے کہانیاں بتانے والا اور جزائے عمل کا کلیتاً منکر آدمی ہے۔ بھلا اُن دونوں کا انجام برابر کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ نے خود ہی فرما دیا لَا یَسْتَوٗنَ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں نعوذ باللہ کوئی اندھیر نگری نہیں ہے، کہ بُرا بھلا ایک جیسے ہوں، بلکہ وہاں تو حق و انصاف کے فیصلے ہوتے ہیں۔ وہاں ایماندار اور نافرمانوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک نہیں ہوگا بلکہ ہر ایک کا انجام اُس کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہوگا۔

اہلِ ایمان کی مہمان نوازی

آگے اہلِ ایمان اور نافرمان کا انجام بیان کیا گیا ہے اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے۔ ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کیا، اُس کی ذات اور اُس کی صفات میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا، کتبِ سماویہ پر یقین رکھا اور وقوعِ قیامت کو برحق جانا۔ اللہ کے تمام انبیا اور ملائکہ کو تسلیم کیا اور اس طرح پہلے اپنے ایمان کی اصلاح کی وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور اس کے بعد نیک اعمال انجام دیئے۔ نیک اعمال وہی ہوں گے جن کو خدا کا دین اور شریعت بھی نیک قرار دے۔ اور عقلِ سلیم بھی نیک تسلیم کرے۔ ان اعمال میں سرِ فہرست عباداتِ اربعہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں۔ پھر جہاد، صدقہ، خیرات اور احسان وغیرہ اعمالِ صالحہ میں شامل ہیں۔ تو فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور پھر اچھے اعمال بھی انجام دیئے فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی ایسے لوگوں کے لیے رہائش کے قابل باغات ہوں گے۔ بعض باغات میں رہائش اختیار نہیں کی جا سکتی مگر اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں کہ جن کے اندر ہی رہائش کی تمام سہولتیں میسر ہوں گی۔ گویا وہ رہائش گاہ بھی ہوگی اور سیر گاہ بھی ہر طرح کا آرام و سکون میسر ہوگا۔ ضرورت کی ہر چیز وہاں دستیاب ہوگی۔ ایسے باغات

ہیں پانی کی نہریں جاری ہوں گی اور درختوں پر ہر طرح کے پھل موجود ہوں گے۔ فرمایا یہ سب کچھ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ اُن کی مہمان نوازی کے طور پر ہوگا اُن اعمال کے بدلے میں جو وہ دنیا کی زندگی میں انجام دیتے رہے ہے۔

اہلِ جنت کو یہ نعمتیں بغیر مشقت کے حاصل ہوں گی کیونکہ یہ اُن کی مہمان نوازی کے طور پر ہوگا۔ اپنے گھر میں انسان ہر طرح کی نعمتیں حاصل کر لیتے ہیں مگر اس کے لیے محنت و مشقت کرنا پڑتی ہے تب جا کر مطلوبہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ اس کے باوجود نعمت کے ختم ہو جانے کا ہر آن امکان ہوتا ہے، خود انسانی زندگی روبہ زوال رہتی ہے اور آخر ایک نہ ایک دن ختم ہو جاتی ہے اور تمام نعمتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، موت سے پہلے طرح طرح کی بیماریاں اور حوادثات پیش آتے رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے انسانوں کو پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ مگر جنت میں نہ تو زندگی ختم ہوگی اور نہ کسی نعمت کے چھن جانے کا خطرہ ہوگا۔ اہلِ ایمان کی یہ مہمان نوازی دائمی ہوگی اور یہ اس لیے کہ وہ دنیا میں اچھے اعمال انجام دیتے رہے۔

کفار کا انجام

اس کے بالمقابل کفار کے متعلق فرمایا وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا بہر حال وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کا ارتکاب کیا۔ فسق کا اطلاق انسان کی مختلف حالتوں پر ہوتا ہے۔ یہ لفظ مطلق گنہگار کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جب کہ اس کا لغوی معنیٰ اطاعت سے باہر نکل جانا ہے۔ اللہ نے مشرکوں کے متعلق فرمایا وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ (التوبہ - ۸) اُن میں سے اکثر فاسق ہیں اہلِ کتاب کے متعلق بھی فرمایا وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ (آل عمران - ۱۱۰) اُن کی اکثریت فاسقوں پر مشتمل ہے۔ منافقوں کے متعلق بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (التوبہ - ۵۳) تاہم اس مقام پر فاسق سے مراد کافر ہیں کیونکہ یہ لفظ ایمان کے مقابلہ میں لایا گیا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ جنہوں نے کفر اور نافرمانی کا راستہ اختیار کیا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ اُن کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہوگا۔ اور وہ ایسا بُرا ٹھکانا ہے كُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا

جب بھی اس سے باہر نکلنا چاہیں گے اُعِيدُوا فِيهَا تو اس میں دھکیل دیے جائیں گے اور دوزخ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ وَقِيلَ لَهُمْ اور ان سے کہا جائے گا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ اس دوزخ کا عذاب چکھو جس کی ہمیشہ تکذیب کرتے رہے، کہ کوئی قیامت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی جزائے عمل کا موقعہ آئے گا۔ آج وہ موقعہ آچکا ہے۔ لہٰذا اس کا عذاب برداشت کرو۔ سورۃ الطّور میں اہل دوزخ کے متعلق حکم ہے اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ (آیت - ۱۶) کہ اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ اب یہاں صبر سے عذاب کو برداشت کرو یا بے صبری کا اظہار کرو۔ تمہارے لیے برابر ہے، یعنی تمہیں یہ عذاب ملتا رہے گا اور تمہاری چیخ و پکار رائیگاں جائے گی۔ بہرحال فرمایا کہ ایک مومن اور کافر کا انجام برابر نہیں ہو سکتا۔

دنیا میں کمتر عذاب

آگے اللہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ اور ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے قریب کا عذاب ضرور چکھاتے ہیں لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ تاکہ یہ لوگ واپس لوٹ آئیں۔ آخرت کا عذاب تو بڑا اور دائمی عذاب ہے، اللہ نے فرمایا کہ اس سے پہلے ہم دنیا میں کمتر عذاب کا مزہ بھی چکھاتے ہیں یہ مطلب[1] یہ ہے کہ جب لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کسی وباء، بیماری، طوفان، زلزلہ، قتل و غارتگری یا مالی و جانی نقصان کی صورت میں ان پر عذاب نازل فرما دیتا ہے اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس سے ڈر کر کفر، شرک اور معاصی سے باز آجائیں انہیں اس چھوٹے عذاب کے ذریعے تنبیہ ہو جائے اور شاید یہ فسق و فجور کو ترک کر کے بڑے عذاب سے بچ جائیں۔

---

[1] فتح الخبیر صـ۳۱ و تفسیر الثعالبی صـ۲۱۶ جـ۳ (فیاض)

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجتہ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں[1] کہ اللہ تعالےٰ مجرمین کو دنیا میں اس دنیوی نظام کی موجودگی میں بھی بعض جرائم کی سزا دیتا رہتا ہے۔ کوئی بیماری آگئی، حادثہ پیش آگیا، جان، مال یا اولاد کا نقصان ہوگیا، قحط پڑ گیا یا جنگ مسلط ہوگئی۔ یہ سزا ہی کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ لوگوں کی تنبیہہ کے لیے وقتاً فوقتاً بھیجتا رہتا ہے۔ اس کے نتیجے میں سعادت مند لوگ سمجھ جاتے ہیں اور وہ جرائم سے باز بھی آجاتے ہیں مگر جو ناہنجار قسم کے لوگ ہوتے ہیں وہ تنبیہہ کا کچھ اثر قبول نہیں کرتے اور اعمال بد میں منہمک رہتے ہیں۔ اور پھر آخر کار بڑے عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ بعض اوقات لوگ سزا کے مستحق بن جاتے ہیں مگر بعض اسباب کی وجہ سے وہ سزا رکی رہتی ہے۔ پھر جب وہ اسباب رفع ہو جاتے ہیں تو مقررہ سزا طوفان کی طرح یکدم وارد ہو جاتی ہے۔

آیاتِ الٰہی سے اعراض

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کا شکوہ بیان کیا ہے، وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے کہ جب اس کے سامنے اس کے پروردگار کی آیتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، اور اسے بتایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نازل فرمائے ہیں یا اس نے اپنی وحدانیت کے یہ دلائل پیش کئے ہیں ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا تو پھر وہ شخص ان سے اعراض کر جاتا ہے۔ آیاتِ الٰہی کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا بلکہ ہر اچھی بات سنی ان سنی کر دیتا ہے۔ اللہ نے اعراض کی یہ صورت بھی بیان فرمائی ہے۔ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ وہ اندھے، بہرے اور گونگے بن جاتے ہیں۔ حق بات سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔ ظاہر ہے

---

[1] حجتہ اللہ البالغہ صہ (فیاض)

کہ جرائم کا ارتکاب کرے کہ کوئی شخص خدا تعالیٰ کے انتقام سے بچ نہیں سکتا۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں[1] کہ خدا تعالیٰ کی سزا وقتی طور پر رک تو سکتی ہے مگر ٹل نہیں سکتی۔ بعض مجرم دنیا میں سزا سے بچے رہتے ہیں مگر مرنے کے فوراً بعد گرفتار بلا ہو جاتے ہیں۔ حدیث[2] میں آتا ہے کہ بعض جرائم کی سزا آخرت کے عذاب سے پہلے ہی ملنے لگتی ہے۔ جو لوگ والدین کو تنگ کرتے ہیں۔ قطع رحمی کے مرتکب ہوتے ہیں اور ظلم و زیادتی کرتے ہیں۔ لیا اوقات ان کو دنیا میں ہی سزا ملنے لگتی ہے۔

امام ابن جریرؒ[3] نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت بیان کی ہے۔ کہ تین جرائم کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی دے دیتا ہے۔

(۱) حق کی مخالفت کرنا دنیا ہی میں سزا کا مستحق بنتا ہے۔ آپ روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ لوگ جھنڈے اٹھا کر اور نعرے لگا لگا کر احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اسلامی شعار کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حتیٰ کہ عورتیں بھی اپنے نام نہاد حقوق کے حق میں جلوس نکالتی ہیں مسئلہ وراثت کا ہو یا گواہی کا یا نکاح اور طلاق کا عورتوں کو اللہ کے عطا کردہ حقوق سے تسلی نہیں ہے، وہ اس دنیا کے عارضی حاکموں سے اپنے لیے مزید حقوق طلب کرتی ہیں۔ یہی تو حق کی مخالفت ہے جو آج سرِعام ہو رہی ہے۔

(۲) دوسری چیز والدین کی نافرمانی اور ان کو ناحق تنگ کرنا ہے۔ ایسے لوگ دنیا ہی میں سزا کے مستحق بن جاتے ہیں۔

(۳) جو شخص خود ظلم کرتا ہے یا ظالم کی مدد کرتا ہے، وہ بھی دنیا میں سزا پانے کا اہل بن جاتا ہے۔

---

[1] ل‍ه

[2] تفسیر طبری ص۱۱۳ ج۱۲ و تفسیر الثعالبی ص۲۱۶ ج۳ و تفسیر المراغی ص۱۱۶ ج۲۱ [3] طبری ص
(فیاض)

الغرض ! ان تین قسم کے جرائم کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے کہ جس کے سامنے اُس کے رب کی آیات ذکر کی جائیں۔ اور وہ اعراض کر جائے۔ اللہ ایسے مجرموں سے ضرور انتقام لے گا۔

درس پنجم ۵ آیت ۲۳ تا ۲۶

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ
فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى
لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً
يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۛؕ وَكَانُوْا
بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ
يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ
اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ
فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا
يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق ہم نے دی موسیٰ علیہ السلام کو کتاب پس نہ ہوں آپ شک میں اُن کی ملاقات سے ۔ اور بنایا ہے ہم نے اُس (کتاب) کو ہدایت بنی اسرائیل کے لیے ﴿۲۳﴾ اور بنائے ہیں ہم نے اُن میں سے پیشوا جو راہنمائی کرتے تھے ہمارے حکم سے جب کہ انہوں نے صبر کیا ۔ اور تھے وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ﴿۲۴﴾ بیشک تیرا پروردگار ہی فیصلہ

کرے گا اُن کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے (۲۵) کیا ان لوگوں کے لیے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی جماعتیں ہلاک کی ہیں جن کے ٹھکانوں میں یہ چلتے ہیں۔ بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں کیا یہ سنتے نہیں ؟ (۲۶)

ربطِ آیات

اس سورۃ کی ابتداء میں قرآن کی حقانیت اور صداقت بیان ہوئی۔ پھر اللہ نے توحید کا مسئلہ سمجھایا۔ اس کے بعد وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا ذکر ہوا۔ پھر منکرینِ قیامت کا رد ہوا اور قیامت میں پیش آنے والے بعض واقعات کا تذکرہ ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان اور فسق کرنے والوں کا انجام بیان فرمایا اور بطور تنبیہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قیامت کے بڑے عذاب سے پہلے ہم دنیا میں کمتر عذاب بھی بھیج دیتے ہیں تاکہ لوگ بُرے عقائد و اعمال سے باز آجائیں پھر اللہ نے منکرین کے متعلق فرمایا کہ جو لوگ آیاتِ الٰہی کو سُن کر ان سے اعراض کرتے ہیں، ایمان اور نیکی کا راستہ اختیار نہیں کرتے ان سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے ؟

نزولِ تورات

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ تورات کا ذکر فرما کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد تورات ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر پہ نازل ہوئی۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو تورات کی تعلیم و اشاعت میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اسی طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم کی تعلیم، تبلیغ اور اشاعت پر بے شمار مصائب برداشت کرنا پڑیں گی۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام

کو تسلی دی ہے کہ وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ (النمل - ۶) بیشک آپ کو بھی حکیم و علیم خدا کی طرف سے کتاب دی گئی ہے۔ چونکہ آپ کے بہت سے حالات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات سے ملتے جلتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بطور نمونہ پیش کیا ہے کہ ان کی طرح آپ بھی صبر و برداشت سے کام لے کر آنے والی مشکلات پر قابو پائیں۔

ملاقات میں شک کی تردید

فرمایا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ پس آپ اس کی ملاقات کے متعلق شک میں نہ پڑیں۔ اس سے کون سی ملاقات مراد ہے جس کے متعلق عدم تردد کی تلقین کی گئی ہے؟ مفسرین کرام اس کی مختلف توضیحات بیان کرتے ہیں۔ امام بیضاویؒ[1] فرماتے ہیں کہ لِقَآئِهٖ میں ہ کی ضمیر کتاب کی طرف لوٹتی ہے اور پورے جملے کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کتاب کے ملنے سے متعلق شک میں نہ پڑیں، یعنی جس طرح اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی تھی، اسی طرح آپکو بھی عظیم کتاب عطا فرمائی ہے۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو کتاب کی تعلیم و تبلیغ میں سخت محنت کرنا پڑی اسی طرح آپ کو بھی سخت کاوش کرنا پڑے گی۔

صاحب تفسیر مدارک فرماتے ہیں[2] کہ یہاں پر ہ کی ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کی اللہ سے ملاقات کے متعلق کسی شک و تردد کا شکار نہ ہوں۔ ایسا وقت آنے والا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے اور وہ اللہ سے ان لوگوں کی شکایت کریں گے جنہوں نے کتاب تورات کی تکذیب اور مخالفت کی۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی قرآن پاک کے متعلق اللہ تعالیٰ کے سامنے شکایت

---

[1] انوار التنزیل للبیضاوی ص ۲۳۶ ج ۲

[2] مدارک ص ۲۹ ج ۳ (فیاض)

پیش کرینگے کہ آپ کی قوم نے اس عظیم کتاب سے اعراض کیا۔ سورۃ الفرقان میں ہے۔
وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ٥
(آیت ۳۰) اللہ کا رسول کہے گا، پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا یعنی اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس[1] اور حضرت قتادہؒ نے ایک تیسری تفسیر بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ موسیٰ علیہ السلام سے اپنی ملاقات کے متعلق کسی شک میں نہ پڑیں۔ حضور علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین ملاقاتوں کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔ واقعہ معراج والی حدیث[2] میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا گزر ایک سرخ ٹیلے کے پاس ہوا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مدفون ہیں، تو میں نے دیکھا[3] رَاَيْتُ مُوْسٰى قَآئِمًا يُّصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ۔ کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر جب آپ علیہ السلام بیت المقدس پہنچے تو وہاں تمام کے تمام انبیاء کو موجود پایا جن میں موسیٰ علیہ السلام بھی شامل تھے اور آپ نے سب کو نماز پڑھائی۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے تیسری ملاقات چھٹے آسمان پر ہوئی۔ اللہ نے آپ کی امت کے لیے پچاس نمازیں مقرر فرمائیں مگر جب موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضور علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ ان میں کمی کرائیں کیونکہ آپ کی امت اتنی مشقت برداشت نہیں کر سکے گی۔ چنانچہ حضور علیہ السلام بار بار اللہ کے حضور درخواست پیش کرتے۔ الغرض! اللہ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کے متعلق کسی شک میں نہ پڑیں کیونکہ آپ نے بعینہٖ موسیٰ علیہ السلام سے ہی ملاقات کی تھی۔ جو کہ جسم اور روح کے ساتھ تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ معراج کے موقع پر انبیاء

---

[1] تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباسؓ ص۳۲۷ ج۳

[2] خازن ص۲۲۷ ج۵ و مظہری ص۲۹۵ ج۷ [3] مسلم ص۲۶۸ ج۲ و نسائی ص۲۴۲ ج۱ و مسند احمد ص۱۴۸ ج۳ (فیاض)

کے روحوں سے یا تمثیلِ انبیاء سے ملاقات ہوئی تھی مگر اللہ نے واضح کر دیا۔ فرما دیا کہ آپ شک میں نہ پڑیں بلکہ آپ نے بعینہٖ موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔

ہادی رہنما اور امامت

فرمایا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اور اس کتاب کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ کتاب تورات کے نزول کے لیے خود بنی اسرائیل نے صحرائے سینا میں درخواست کی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن تک طور پر اعتکاف کیا تو اللہ نے تختیوں پر لکھی لکھائی تورات عطا فرمائی جس کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل اس کتاب کے قواعد و ضوابط کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کریں اور خدائی احکام کی تعمیل کریں۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا اور ہم نے اُن میں امام یعنی پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی راہنمائی کرتے تھے۔ ائمہ امام کی جمع ہے اور یہ لفظ تین قسم کے لوگوں پر بولا جاتا ہے۔ یعنی (۱) اہل علم (۲) فقہاء اور (۳) حکامِ وقت۔ امام سے مراد وہ شخص ہوتا ہے۔ جس کے قول، فعل اور اخلاق کی اقتدا کی جائے چنانچہ مذکورہ بالا تینوں طبقات کے لوگ اقتدا کے قابل ہوتے ہیں۔ فرمایا اُن کو امام اُس وقت بنایا لَمَّا صَبَرُوْا جبکہ انہوں نے صبر کیا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔ گویا صبر اور یقین امامت کے لیے بمنزلہ شرائط کے ہیں۔

توحید، نماز، شکر، ذکر، تعظیم شعائر اللہ کی طرح صبر بھی ملت ابراہیمی کا بہت بڑا اصول ہے۔ صبر کی مختلف قسمیں ہیں۔ مثلاً صبر مصیبت اور تکلیف آنے پر ہوتا ہے یا نفس کو خواہش کی طرف جانے سے روکنے پر ہوتا ہے۔ صبر بہت بڑی چیز ہے جس کے متعلق فرمایا ہے اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر۔ ۱۰) صبر کرنے والوں کو بغیر حساب

لہ طبری ص۱۱۲ ج۲۱، ابن کثیر ص۴٦۳ ج۳، قرطبی ص۱۰۸ ج۱۴ (فیاض)

کے اجر ملے گا۔ گویا مدارِ کامیابی صبر ہے۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ جب بنی اسرائیل کو سخت ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو صبر کی تلقین کی۔ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللهِ وَاصْبِرُوْا اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر اختیار کرو وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (آیت۔۱۲۸) اچھا انجام متقیوں کا ہی ہو گا۔

امامت کے لیے دوسری شرط یقین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے تمام احکام اور ان کے نتائج پر یقین ہو۔ اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے جو اصول وضع فرمائے ہیں سب کو دل وجان سے تسلیم کرے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت پر یقین ہو، وقوع قیامت اور جزائے عمل پر یقین ہو۔ اللہ کی جنت اور دوزخ پر یقین ہو۔ اگر کوئی شخص متردد رہے گا۔ اور ان چیزوں پر یقین نہیں کرے گا۔ تو وہ امامت کا مستحق نہیں بن سکتا۔

امام سفیان ثوریؒ کی روایت[له] میں آتا ہے کہ اُن سے حضرت علیؓ کے اس قول کے متعلق پوچھا گیا اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِيْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ یعنی صبر کا ایمان کے ساتھ وہی تعلق ہے جو سر کا جسم کے ساتھ ہے۔ اگر سر نہ ہو تو جسم بیکار ہے۔ اسی طرح اگر صبر نہیں تو ایمان ناممکن ہے۔ اس پر امام ثوریؒ نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نے اس بنیادی چیز کو پکڑ لیا تو اللہ نے ان کو دنیا میں امامت عطا فرمائی۔ سورۃ الفرقان میں اللہ کے نیک بندوں کی دُعا یہی ہے۔ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (آیت۔۷۴) مولا کریم! ہمیں نیک لوگوں کا پیشوا بنادے جو ہماری اقتدا کریں۔ غرضیکہ جب صبر اور یقین جیسی چیزیں حاصل ہوں گی تو اللہ تعالیٰ منصب امامت پر فائز کرے گا۔

مسلمانوں کی محرومی

مسلمان آج دنیا کی امامت سے محروم ہیں جس کی وجہ یہی ہے کہ یہ صبر اور

له

یقین سے خالی ہیں۔ اگر وہ اِن دو چیزوں کو اپنا لیں تو امامت آج بھی ان کے حصے میں آسکتی ہے۔ اس وقت امریکہ، روس، جرمنی، چین اور فرانس دنیا کی پیشوائی کر رہے ہیں۔ دو سو سال پہلے برطانیہ دنیا کا امام تھا۔ دنیا کی یہ امامت اگرچہ محمود نہیں ہے تاہم ان اقوام نے یہ پیشوائی محنت، ہمت اور علم و ہنر کی بناء پر حاصل کی ہے۔ وہ قربانی دینا جانتے ہیں۔ فضاؤں پر کمندیں ڈال رہے ہیں۔ اس کام میں مر رہے ہیں، مال صرف ہو رہا ہے مگر کچھ پرواہ نہیں بلکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے حصول کے لیے سخت سے سخت محنت کر رہے ہیں۔ انگریز یہاں کی بلند ترین پہاڑی چوٹی مونٹ ایورسٹ کو سر کرنے کے لیے ڈیڑھ سو سال تک کوشش کرتے رہے تب جا کر کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے برخلاف مسلمان کاہل اور سست ہو چکے ہیں، محنت میں جی نہیں لگتا۔ آرام طلبی اور عیاشی کا شکار ہو چکے ہیں اب تو یہ دوسروں کے پیچھے ہی چل رہے ہیں، خود آگے قدم نہیں بڑھاتے۔ دنیا بھر میں مسلمانوں کی کوئی بھی حکومت معیاری نہیں ہے۔ حکام فاسق و فاجر اور عیش پرست ہیں، ملوک اور ڈکٹیٹر ہیں۔ نظام سرمایہ داری میں پھنسے ہوئے ہیں، صبر اور یقین سے عاری ہو چکے ہیں لہذا یہ دنیا کی امامت کے قابل ہی نہیں رہے۔

عوامی معیار کا قیام

ہمارے حکام دعوے تو بہت کرتے ہیں کہ ہم عوام کا معیارِ زندگی بلند کریں گے مگر اُن کے دعوے اور عمل میں تضاد ہے۔ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ جب تک حکام اپنا معیارِ زندگی عوامی سطح پر نہیں لائیں گے، عوام کی حالت کیسے سدھر سکتی ہے؟ آج اِن حکام کی اقتداء کون کر سکتا ہے؟ یہ تو عالیشان کوٹھیوں میں رہتے ہیں، لاکھوں روپے کی کار استعمال کرتے ہیں۔ لباس شاہانہ ہیں، غریب کو قریب نہیں آنے دیتے، لہذا یہ لوگ اقتدا کے قابل کیسے ہو سکتے ہیں؟ جب تک مسلمان صاحبانِ اقتدار خلفائے راشدین والا طریقہ اختیار نہیں کریں گے، خود عوام کی سطح پر آ کر ان کا معیارِ زندگی نہیں اپنائیں گے، اُن کو امامت کیسے حاصل ہو سکتی ہے اور عوام کی حالت کیسے درست ہو سکتی ہے؟

ہمارے عوامی نمائندے کہتے ہیں کہ ہر بے زمین کاشتکار کو زمین اور ہر بے گھر خاندان کو مکان کے لیے پلاٹ دیے جائیں گے۔ یہ تو جبھی ہو سکتا ہے۔ جب یہ خود اپنی زمینوں کو چھوڑ دیں۔ اگر یہ اپنی جاگیریں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو باقیوں کو تقسیم کرنے کے لیے زمین کہاں سے آئیگی؟ یہ سب دھوکہ ہے۔ جب تک تم خود عوامی معیار اختیار نہیں کرو گے، عوام کا معیار کیسے بلند ہو سکتا ہے؟ جو لوگ اعلیٰ ترین رہائشیں اختیار کرتے ہیں۔ اعلیٰ ترین ہوٹل میں کھانا کھاتے ہیں۔ بہترین کار استعمال کرتے ہیں، دیگر تمام مراعات حاصل کرتے ہیں ان کو عوامی مسائل سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟

بہرحال اللہ نے اصول کے طور پر بتلا دیا کہ بنی اسرائیل نے صبر کیا، ہماری آیتوں پر یقین کیا تو اللہ نے دنیا کی امامت اُن کے سپرد کر دی۔ اگر مسلمان بھی دنیا کی راہنمائی کرنا چاہتا ہے تو انہی اصولوں کو اپنانا پڑے گا اور اس کے لیے سب سے پہلے خود کو تبدیل کرنا ہو گا۔ ورنہ موجودہ الحادی اور سرمایہ دارانہ نظام کی موجودگی میں تو اصلاح کی کوئی صورت ممکن نظر نہیں آتی۔

قیامت کے دن فیصلہ

فرمایا آپ مخالفین کی ایذا رسانیوں پر صبر کا دامن نہ چھوڑیں اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بیشک تیرا پروردگار قیامت والے دن ان کے درمیان فیصلہ کرے گا فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، ان معاملات میں جن میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے۔ یہ لوگ حق کی مخالفت کرتے تھے اور باطل کو رائج کرنا چاہتے تھے، اللہ کے انبیاء اور مصلحین کو ایذائیں پہنچاتے تھے قیامت اور جزائے عمل کا انکار کرتے تھے، ان کا عملی فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ دنیا میں تو اللہ نے ہدایت اور گمراہی کو بالکل واضح کر دیا تھا جیسا کہ فرمایا قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ - ۲۵۶) اس وضاحت کے باوجود جنہوں نے غلط راستے کا انتخاب کیا اُن کے متعلق دو ٹوک فیصلہ قیامت کے دن ہو جائے گا۔

مقامِ عبرت

ارشاد ہوتا ہے اَوَلَمْ یَھْدِ لَھُمْ کیا ان کے لیے یہ بات واضح نہیں ہوئی کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی جماعتوں کو ہلاک کر دیا یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰکِنِھِمْ آج یہ لوگ اُن ہلاک شدگان کی رہائش گاہوں میں چلتے پھرتے ہیں، اُن کے کھنڈرات پر سے گزرتے ہیں یہ لوگ بھی کبھی دولت مند اور صاحبِ اقتدار تھے، مگر آج اُن کی ہلاکت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اِن میں سے بعض تو طبعی موت مرے اور عاد و ثمود، پرانے، مصریوں اور کلدانیوں وغیرہ کو اللہ نے سزا بھیج کر ہلاک کیا۔ کیا یہ چیز ان کے لیے جائے عبرت نہیں ہے؟ جب یہ سرکش اور نافرمان لوگ دنیا سے نابود ہو گئے تو آج کے زمانہ میں اُسی ڈگر پر چلنے والے کیسے بچ سکتے ہیں۔

فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ بیشک اس میں نشانیاں ہیں اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ کیا یہ لوگ سنتے نہیں۔ اللہ نے پرانی قوموں کی ہلاکت کا حال بیان کر کے خبردار کیا ہے۔ مگر اس کا فائدہ تو اسی کو ہو گا جو ان حالات کو بغور سنے گا جس نے سنا ہی نہیں۔ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا، دل میں جگہ ہی نہیں دی، انہیں کون سی عبرت حاصل ہو گی؟ وہ تو انہی کے نقش قدم پر چل کر انہی کے انجام کو پہنچیں گے۔

درس ششم ۶ — آیت ۲۷ تا ۳۰

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ
الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ
اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾
وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾
فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع ۳ ۸ ۱۶

ترجمہ :- کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کہ بیشک ہم چلاتے ہیں پانی کو خشک زمین کی طرف ۔ پس ہم نکالتے ہیں اُس کے ساتھ کھیتی کہ کھاتے ہیں اُس سے اُن کے مویشی اور یہ خود بھی ۔ کیا یہ دیکھتے نہیں ؟ ﴿۲۷﴾ اور کہتے ہیں یہ لوگ کہ کب ہو گا یہ فیصلہ ، اگر تم سچے ہو ؟ ﴿۲۸﴾ آپ کہہ دیجئے کہ فیصلے کے دن نہیں فائدہ دے گا کفر کرنے والوں کو ان کا ایمان لانا ، اور نہ اُن کو مہلت دی جائیگی ﴿۲۹﴾ پس (اے پیغمبر !) آپ ان سے اعراض کریں ، اور انتظار کریں ، بیشک یہ بھی انتظار کرنے والے ہیں ﴿۳۰﴾

ربط آیات — گذشتہ آیات میں تاریخی واقعات کی طرف اشارہ تھا کہ کیا

کافروں اور مشرکوں پر یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ ان سے پہلے ہم نے بہت سی قوموں اور جماعتوں کو ہلاک کیا جن کی رہائش گاہوں میں آج یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں۔ بلا شبہ اِن واقعات میں سننے والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ ایسے لوگوں کے واقعات تاریخ میں محفوظ اور زبان زدِ عام تھے جنہیں سُن کر عبرت حاصل کی جاسکتی ہے مگر یہ لوگ تو ایسے عبرتناک واقعات سُننے سے بھی عاری ہیں، انہیں اس کا کیا اثر ہوگا ؟۔

تاریخی واقعات کا تعلق سماعت سے ہوتا ہے لہذا اللہ نے پہلی آیت میں سُننے کا ذکر کیا۔ اب آج کی آیت میں مشاہداتی دلیل کا تذکرہ کر کے آخر میں فرمایا ہے کہ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ؟ سننے اور دیکھنے سے مراد یہی ہے کہ لوگ انہیں سُن کر اور دیکھ کر اُن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے اور یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ جب پہلے لوگ اللہ کی نافرمانی کر کے اُس کے عذاب سے نہیں بچ سکے تو ہم انہی کے نقشِ قدم پر چل کر عذابِ الٰہی سے کیسے بچ سکتے ہیں ؟ غرضیکہ اللہ نے دونوں قسم کے دلائل دے کر غور و فکر اور عبرت پکڑنے کی دعوت دی ہے۔

پانی کی بہم رسانی

یہ مشاہداتی دلیل پانی کی بہم رسانی سے متعلق ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَی... الْاَرْضِ الْجُرُزِ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو خشک اور چٹیل زمین کی طرف چلاتے ہیں۔ جب کسی علاقے میں بارش رک جاتی ہے، زمین خشک ہو جاتی ہے اور اس میں روئیدگی کی قوت باقی نہیں رہتی تو اللہ تعالیٰ سمندروں سے بادل اٹھاتا ہے اور پھر انہیں بے آب و گیاہ زمین کی طرف لے جا کر بارش برسا دیتا ہے جس سے مردہ زمین پھر سے زندہ ہو جاتی ہے، اُس میں روئیدگی کی قوت آجاتی ہے۔ لوگ ایسی زمین پر پہنچ کر ہل چلاتے ہیں، پھر اس میں اناج کا بیج ڈالتے ہیں فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تو پھر ہم اُس زمین سے کھیتی نکالتے ہیں، پھل، پھول اور اناج پیدا ہوتا ہے اور اس طرح قحط سالی دور ہو کر خوشحالی کا دور آتا ہے۔

قرآنِ پاک میں اکثر مقامات پہ اللہ تعالیٰ نے پانی کے نزول کا ذکر اس طرح کیا ہے
وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (البقرہ - ۲۲) ہم نے آسمان کی طرف سے
پانی نازل فرمایا۔ ظاہر ہے کہ نزولِ آب سے مراد نزول بارش ہے جو براہِ راست
کسی خطہ ارض میں برس کر وہاں کی خوشحالی کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ تاہم اس مقام پہ
اللہ نے پانی کو چلانے کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم پانی کو خشک زمین کی طرف چلاتے
ہیں۔ اس چلانے سے بادلوں کا چلانا بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے
کسی چٹیل زمین کی طرف چل کر بارش برساتے ہیں۔ تاہم اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ ہم پانی کو ایسی جگہوں تک چلا کر لے جاتے ہیں جہاں براہ راست بارش
نہیں ہوتی، یا اگر ہوتی ہے تو مفید نہیں ہوتی۔ اس کی واضح مثال پہاڑوں پہ ہونے
والی بارش کی ہے کہ بارش کا پانی پہاڑوں سے نیچے ندی نالوں کی صورت میں
بہہ نکلتا ہے اور اس سے میدانی علاقے سیراب ہوتے ہیں۔ ان میں ایسے علاقے
بھی ہوتے ہیں۔ جہاں بارش بالکل نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو کم یا بے وقت ہوتی
ہے اور لوگ اس سے کماحقہٗ مستفید نہیں ہو پاتے۔ پھر جب پہاڑوں پہ ہونے والی
بارش یا پہاڑوں پہ پڑنے والی برف کا پانی دریاؤں اور نہروں کے ذریعے دور دراز
علاقوں تک پہنچتا ہے تو لوگ ہر موسم میں حسبِ ضرورت اس کو استعمال کرتے
ہیں اور اس سے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک
چلانے کی ایک اور صورت بھی اللہ نے قرآن میں بیان فرمائی ہے اَلَمْ تَرَ
اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ
(الزمر - ۲۱) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے اور
اسے زمین میں چشمے بنا کر چلاتا ہے۔ گویا زمین دوز نالیوں کے ذریعے پانی ایک
جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے اور پھر لوگ ٹیوب ویلوں اور کنوؤں کے ذریعے
پانی نکال کر زمین کو سیراب کرتے ہیں، خود بھی استعمال کرتے ہیں اور جانوروں
کو بھی پلاتے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے پانی کو دلیلِ قدرت کے طور پر پیش کیا ہے

تاکہ لوگ اس میں غور و فکر کر کے صحیح نتیجے پر پہنچ سکیں۔

پانی کے فوائد

اس پانی کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے کھیتی پیدا ہوتی ہے تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ جسے ان کے جانور کھاتے ہیں اور یہ خود بھی بطور خوراک استعمال کرتے ہیں۔ اللہ نے پانی کے ذریعے گھاس، اناج، پھل اور جڑی بوٹیاں پیدا کر کے انسانوں اور جانوروں سب کی خوراک کا بندوبست کر دیا ہے، جب غلہ پیدا ہوتا ہے تو اصل دانے انسانوں کی خوراک بنتے ہیں، جب کہ بھوسہ، گھاس پھونس اور جڑی بوٹیاں جانور اور مویشی کھا لیتے ہیں۔ سورۃ النحل، سورۃ الانعام اور بعض دوسری سورتوں میں موجود ہے کہ اللہ نے جانوروں کو تمہاری خدمت کے لیے پیدا کیا ہے، اُن کی خوراک کا بندوبست کیا ہے، پھر تم اُن سے کام لیتے ہو، ان کا دودھ پیتے ہو، کھال اور بال استعمال کرتے ہو اور اُن کا گوشت بھی استعمال کرتے ہو۔ غرضیکہ فرمایا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (الانبیاء۔ ۳۰) ہم نے ہر چیز کو پانی کے ذریعے زندگی بخشی ہے۔ ہر چیز کا مبدأ حیات پانی ہے۔ تمام انسانوں، جانوروں اور نباتات کی زندگی پانی کے ساتھ وابستہ ہے۔

پانی انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ایک اہم ترین ضرورت ہے انسانی نشوونما کا انحصار خون پر ہے جس میں اسی فیصد پانی اور باقی بیس (۲۰) فیصد دیگر نمکیات اور پروٹین ہیں۔ ہر جاندار کا جگر خون کی فیکٹری کے طور پر کام کرتا ہے تمام خوردہ غذائیں آنتوں اور باریک رگوں کے ذریعے جگر میں پہنچتی ہیں۔ اس فیکٹری میں اللہ کے کروڑوں کارندے کام کر رہے ہیں جو خوراک کو خون میں تبدیل کرتے ہیں۔ خون خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ بہت بڑی نعمت ہے۔ جو مصنوعی طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے جب حادثاتی طور پر انسانی جسم سے خون زیادہ مقدار میں بہہ جاتا ہے تو اسے پورا کرنے کے لیے انسانی خون ہی منتقل کرنا پڑتا ہے۔ الغرض! پانی کے بغیر خون تیار نہیں ہو سکتا

اور خون پر ہی انسانی جسم کا دارومدار ہے، لہٰذا پانی ہر جاندار کے لیے نہایت ہی ضروری ہے۔ اللہ نے اسی لیے یہ احسان جتلایا ہے کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف چلاتے ہیں، پھر اُس سے کھیتی اگاتے ہیں جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتی ہے۔

حیوانات اور نباتات کے لیے پانی کی جس قدر زیادہ ضرورت ہے، اللہ نے اسی قدر اس کی بہم رسانی کا بھی فری انتظام فرمایا ہے۔ قدرت کا مہیا کردہ ذخیرہ آب تو بالکل مفت ہے، البتہ اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے کبھی کم اور کبھی زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کے لیے ہوا (آکسیجن) پانی سے بھی زیادہ ضروری ہے اس لیے اللہ نے اُس کو بالکل ہی فری مہیا کیا ہے ہوا ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے جسے حاصل کرنے کے لیے کسی محنت مشقت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح پانی کی سپلائی بھی بالکل فری ہونی چاہیئے، اور اس پر کسی قسم کا ٹیکس نہیں عائد ہونا چاہیئے۔ ہر حکومت کا فرض ہے کہ وہ ملک کے کونے کونے میں حسب ضرورت پانی مہیا کرنے کا انتظام کرے۔

دلائلِ قدرت کا مشاہدہ

فرمایا ہم نے پانی کو چلا کر اس سے سبزی، پھل اور اناج پیدا کیے ہیں، اور اسے انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنایا ہے اَفَلَا يُبْصِرُونَ کیا یہ لوگ قدرت کی اس نشانی کو دیکھتے نہیں۔ اللہ نے اپنی قدرت کی ایک ایسی زندہ مثال پیش کی ہے جو ہر روز مشاہدہ میں آتی ہے، لوگوں کے سامنے بارش برستی ہے، زمین میں ہریالی پیدا ہوتی ہے، فصل پکتی ہے اور پھر وہ جانداروں کی خوراک بنتی ہے۔ کیا یہ دلیل ان کے لیے کافی نہیں؟ گزشتہ درس میں تاریخی واقعات کا ذکر کر کے اللہ نے فرمایا، کیا یہ سنتے نہیں؟ ظاہر ہے کہ واقعات کا تعلق سماعت سے ہی ہوتا ہے اور اب مشاہداتی مثال بیان کر کے فرمایا ہے، کیا یہ دیکھتے نہیں؟ مطلب یہ کہ دونوں مثالیں غور و فکر کا مطالبہ کرتی ہیں تاکہ لوگ بعض باتیں سن کر اور بعض چیزیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں اور آنے والی ابدی

زندگی کو سنوار لیں۔

فیصلے کا دِن

سختی کے زمانے میں جب اہلِ ایمان اور کافر کسی مجلس میں جمع ہوتے تو کافر لوگ ایمان والوں کا مذاق اڑاتے۔ اس کے جواب میں اہل ایمان کہتے کہ آج تو تم ہماری اس حالت پہ ہنستے ہو مگر ایک وقت آنے والا ہے جب ہم تمہارے ساتھ ٹھٹھا کریں گے اور ذلّت وخواری کی وجہ سے تمہاری نظریں جُھکی ہوئی ہوں گی۔ اس پر کافر اور مشرک کہتے وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْفَتْحُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتلاؤ کہ فیصلے کا وہ دِن کب آئے گا جب تم کامیاب وکامران نظر آؤ گے اور ہم ذلیل وخوار ہوجائیں گے۔ اس کا جواب اللہ نے یوں دیا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ کہ فیصلے کے دِن کافروں کا ایمان لانا اُن کو کچھ فائدہ نہیں دے گا

بعض فرماتے ہیں[1] کہ فیصلے کے دن سے مراد یومِ بدر یا فتح مکہ کا دِن ہے جب مسلمانوں کو مادی غلبہ حاصل ہُوا۔ ان دو مواقع پر فیصلہ واقعی مسلمانوں کے حق میں ہُوا اور کفار ومشرکین ذلیل وخوار ہوئے مگر یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اُس دن بعض لوگوں کا ایمان لانا اُن کے لیے بلاشبہ مفید ثابت ہُوا اور اُن کی کایا پلٹ گئی جنگ بدر میں مسلمانوں کے خلاف برسرِپیکار ہونے والے کافروں میں سے بعض بعد میں ایمان لائے اور اُنکی وفات ایمان پر ہوئی، لہٰذا وہ کامیاب ٹھہرے۔ اسی طرح فتح مکہ کے دِن بھی تقریباً دو ہزار کافر ایمان لائے اور اُن میں سے بعض نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیے جو بلاشبہ اُن کے جنتی ہونے کی علامت ہے۔

صحیح بات یہ[2] ہے کہ اس فیصلے کے دِن سے مراد قیامت کا دن ہے

---

[1] غریب القرآن ص ۳۴۷ وزاد المسیر ص ۳۴۴ ج ۶

[2] صفوۃ التفاسیر للصابونی ص ۵۰۷ ج ۲ (فیاض)

کہ اُس دِن ہر چیز اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ایمان لانا ہرگز مفید نہیں ہوگا۔ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ اور نہ ہی اُن کو مزید مہلت دی جائے گی کہ دنیا میں واپس جاکر اپنے عقاید اور اعمال کو درست کرلیں۔ پیچھے دوسرے رکوع کی ابتدا میں گزر چکا ہے کہ جب مجرم لوگ عذابِ الٰہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو کہیں گے، رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ (آیت ۔۱۲) اے ہمارے پروردگار ہم نے دیکھ لیا اور سُن لیا، اب ہمیں دُنیا میں واپس بھیج ہم اچھے کام انجام دیں گے اور تیری باتوں پر یقین کریں گے۔ مگر اُس وقت کوئی درخواست قبول نہیں ہو گی اور ایسے مجرموں کو کوئی مہلت نہیں دی جائے گی۔ اللہ فرمائے گا اب عمل کا وقت ختم ہو کر جزائے عمل کا وقت شروع ہو چکا ہے۔ اُس وقت اُن کی حالت یہ ہوگی فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ (الرّوم ۔ ۵۷) کہ اُس دِن ظالموں کو اُن کی معذرت کچھ مفید نہیں ہوگی، اور نہ ہی انہیں خدا تعالیٰ کو منا لینے کا موقع ملے گا۔

اعراض اور انتظار

آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ آپ اِن بدبختوں کی ایذا رسانیوں پر درگزر کریں، اُن کی طرف دھیان نہ دیں اور جزا کے وقت کا انتظار کریں کہ اللہ تعالیٰ اِن کی ایذا رسانیوں اور تمہارے صبر کا کیا نتیجہ نکالتا ہے۔ اہل ایمان کو دنیا و آخرت ہر دو جگہ پر کامیابی حاصل ہوگی، جب کہ کافر اور مشرک ذلیل و خوار ہی ہونگے۔ آج تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ مٹھی بھر مسلمان کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گے مگر انہیں جلدی ہی پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کن کے ساتھ ہے اور وہ کسی طرح اہل ایمان کے حق میں نتیجہ نکالتا ہے اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ بے شک یہ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔

اگلی سورۃ

یہ تین رکوع کی تیس آیات والی سورۃ ہے۔ سورۃ الملک کی بھی تیس

ہی آیات ہیں۔ اِن دونوں سورتوں کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضور[1] علیہ الصلوٰۃ والسلام سوتے سے پہلے اِن دونوں سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ حدیث[2] میں آتا ہے کہ ایک شخص بڑا گنہگار تھا۔ مگر ان سورتوں کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ جب اس کی گرفت ہوئی تو یہ سورۃ اُس پر پَر پھیلا کر کھڑی ہوگئی اور اُس شخص کے حق میں سفارش کی کہ پروردگار! یہ شخص میری تلاوت کیا کرتا تھا۔ آج اِس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ بعض روایات[3] سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری سورتوں کے مقابلے میں ان دو سورتوں کی فضیلت ساٹھ گنا زیادہ ہے۔ خاص طور پر عذابِ قبر سے بچنے کے لیے ان دو سورتوں کی تلاوت بہت مفید ہے۔ بسا اوقات حضور[4] علیہ السلام سورۃ سجدہ کو جمعہ کے دِن فجر کی نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ گویا ایسا کرنا مستحب ہے

---

[1] روح المعانی ص ۱۱۶ ج ۲۱

[2] روح المعانی ص ۱۱۵ ج ۲۱ والاتقان ص ۲۷۳ ج ۲

[3] روح المعانی ص ۱۱۶ ج ۲۱ والاتقان ص ۲۷۳ ج ۲

[4] روح المعانی ص ۱۱۶ ج ۲۱ (فیاض)

سورة
الأعراف
مكية

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ احزاب مدنی ہے ۔ یہ تہتر آیتیں ہیں ، اور اس کے نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنیوالا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ
وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿١﴾
وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ﴿٢﴾ وَّتَوَكَّلْ
عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٣﴾

ترجمہ :۔ اے نبی ! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیئے ؛ اور نہ کہا مانیں آپ ، کافروں اور منافقوں کا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ① اور پیروی کریں آپ اس چیز کی جو وحی کی جاتی ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو اس کی خبر رکھنے والا ہے ② اور آپ بھروسہ رکھیں اللہ تعالیٰ

پ ۔ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کام بنانے والا ③

نام اور کوائف

اِس سورۃ کا نام سورۃ الاحزاب ہے جو کہ اس کی بیسویں اور اکیسویں آیت میں آمدہ اسی لفظ سے ماخوذ ہے۔ احزاب جمع ہے حزب کی۔ جس کا معنی گروہ، جماعت یا پارٹی ہوتا ہے۔ اس سورۃ میں اُن غیر مسلم گروہوں کا ذکر ہے جو مسلمانوں کے خلاف جمع ہو کر ۵ھ میں مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوئے تھے اس سے پہلے سورۃ الفرقان سے لے کر سورۃ السجدۃ تک مکی سورتیں تھیں۔ سورۃ نور کے بعد اب یہ سورۃ پھر مدنی سورۃ ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی تہتر ۷۳ آیات اور نو رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۱۲۸۲ الفاظ اور ۵۷۰۰ حروف پر مشتمل ہے۔

زمانہ نزول

جیسا کہ میں نے عرض کیا غزوۂ احزاب ۵ھ میں واقع ہُوا تھا اور اس کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی کیونکہ اس میں اس واقعہ کا ذکر موجود ہے۔ اگرچہ امام بخاریؒ کی تحقیق کے مطابق غزوہ احزاب ۴ھ میں واقعہ ہُوا مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ غزوہ ۵ھ میں واقع ہوا۔ اس جنگ میں کفار، مشرکین، یہودی اور منافقین سب نے اکٹھ کر لیا تھا اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے مختلف تاریخی روایات کے مطابق اس موقعہ پر حملہ آوروں کی تعداد پندرہ ہزار سے لے کر چوبیس ہزار تک بتائی جاتی ہے جب کہ قابلِ جنگ مسلمانوں کی تعداد تین اور چار ہزار کے درمیان تھی۔ اسی موقع پر مسلمانوں نے مدینہ کے اردگرد خندق بھی کھود لی تھی اور کفار و مشرکین کے خلاف دفاعی جنگ لڑی تھی۔ اس لحاظ سے اسے جنگ خندق بھی کہا جاتا ہے۔

مضامین سورۃ

مکی سورتوں میں عام طور پر بنیادی عقائد کا ذکر ملتا ہے جب کہ مدنی سورتوں میں زیادہ تر احکام ہوتے ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں بھی بہت سے معاشرتی احکام بیان کیے گئے ہیں اور اس سورۃ کے ذریعے زمانۂ جاہلیت کی بہت سی رسموں کو

لے مصباح اللغات صفہ ۱۵۰ (فیاض)

ختم کیا گیا ہے۔ عورتوں سے متعلق طلاق اور عدت کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔
حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کی خصوصیات اور عام مومنہ
عورتوں کے بعض مسائل بیان ہوئے ہیں۔ مشرکین متبنّٰی یعنی منہ بولے بیٹے کو حقیقی
بیٹے کے حقوق دیتے تھے، جیسے کہ اللہ نے اس کا ردّ کیا ہے۔ خاص طور پر متبنّٰی
کی بیوی سے نکاح کا مسئلہ بھی آگیا ہے۔ عورتوں کے لیے پردے کے احکام نازل
کیے گئے ہیں بعض تعزیری احکام بھی آگئے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ذکر
توحید اور ختمِ نبوت کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ منافقین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔
قیامت اور محاسبۂ اعمال کا ذکر بھی آگیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کا ایک خاص موضوع
پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آداب ہیں، آپ کی تعظیم و توقیر کا خصوصی ذکر ہے
آپ کے خاتم النبیین ہونے کا تذکرہ ہے۔ آپ کے لیے چار سے زیادہ نکاح
کرنے کی اجازت کا ذکر ہے اور آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے

سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط

اس سورۃ مبارکہ کی سابقہ سورۃ السجدۃ کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ سابقہ
سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عام مومنین کے
لیے تسلی کا مضمون بیان کیا تھا کہ آپ اپنے مخالفین کے پراپیگنڈا سے متاثر نہ ہوں
بلکہ صبر کا دامن تھامے رکھیں، اپنا کام کرتے رہیں اور نتائج کا انتظار کریں اب
اس سورۃ کی ابتدا ہی اللہ تعالیٰ نے تسلی کے مضمون سے کی ہے۔

شرف خاتم النبیین

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انسانوں کو مختلف طریقوں سے خطاب فرمایا
ہے جہاں عام مومنوں سے خطاب مطلوب ہوتا ہے وہاں یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا کے الفاظ آتے ہیں اور جہاں پوری بنی نوع انسان کی توجہ مطلوب ہوتی
وہاں یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ کہہ کر خطاب کیا جاتا ہے۔ البتہ جہاں خصوصی احکام بیان
کرنا مقصود ہوتا ہے یا تسلی دینا مطلوب ہوتا ہے تو وہاں پر خاص طور پر نبی
علیہ السلام کو خطاب کیا جاتا ہے۔ اس مقام پر بھی پیغمبر
علیہ السلام کو خصوصی خطاب ہے یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

مفسرین کرام اسے ایسے ہی خطابات سے یہ نقطہ اخذ کرتے ہیں کہ قرآن پاک میں جہاں دیگر انبیاء علیہم السلام کو خطاب کیا گیا ہے وہاں ان کے نام لے کر خطاب کیا گیا ہے جب کہ حضور علیہ السلام کو نام لیے بغیر نبی اور رسول کے لقب سے خطاب کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی تعظیم اور اکرام صد درجہ محبوب ہے اس کے علاوہ جہاں کہیں خطاب کے علاوہ بھی حضور علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے تو وہاں بھی آپ کی عظمت و شرف ہی کا اظہار ہوتا ہے جیسے فرمایا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران ۔ ۱۴۴) اور نہیں ہیں محمد مگر اللہ کے رسول ۔ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں ۔ پس آپ طبعی زندگی گزار کر فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم دین چھوڑ دو گے ؟ یہاں پر لفظ محمد نکرہ لا کر آپ کی عزت و توقیر کا اظہار کیا گیا ہے ۔ اسی طرح سورۃ محمد میں مومنوں کے متعلق فرمایا کہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (آیت ۔ ۲) اور اس چیز پر ایمان لائے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے ۔ یہاں پر بھی آپ کی شان و عظمت کا اظہار ہوتا ہے ۔ بہرحال قرآن پاک میں جہاں بھی آپ کو خطاب کیا گیا ہے یا آپ کا نام لیا گیا ہے تو نہایت ہی عزت و احترام کے ساتھ لیا گیا ہے ۔

خوفِ خدا

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا اِتَّقِ اللّٰهَ آپ اللہ سے ڈرتے رہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی کی زندگی کا لمحہ بھر بھی خوف خدا سے خالی نہیں ہوتا مگر یہاں اسی بات کی تلقین کی گئی ہے ۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں[2] کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خدا کے خوف پر مداومت اختیار کریں اور اس پر قائم رہیں ۔ پہلے کی طرح خوفِ خدا کو دل میں جاگزیں رکھیں وَلَا تُطِعِ

۱؎ روح المعانی ص ۱۴۳ ج ۲۱ و کشاف ص ۵۱۸ ج ۳ و مدارک ص ۲۹۲ ج ۳ ۲؎ (فیاض)

الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیں۔ وہ جس نہج پر آپ کو چلانا چاہتے ہیں۔ آپ اس سے بچتے رہیں اور تقویٰ پر قائم رہیں نبی کی ذات سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کسی وقت خوفِ خدا سے خالی بھی ہو گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر۔ ۶۵) اگر آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا تو سارے عمل ضائع ہو جائیں گے کہ شرک اتنی بُری چیز ہے۔ یہاں بھی وہی بات ہے بھلا اللہ کے نبی سے شرک کی کیسے توقع کی جا سکتی ہے۔ جب کہ اس کا اولین منصب ہی یہ ہے کہ لوگوں کو شرک سے باز رکھے۔ مطلب یہی ہے کہ جس طرح آپ پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر قائم ہیں اسی طرح اس پر قائم رہیں۔ یہاں بھی خوفِ خدا پر مداومت اختیار کرنے کا حکم ہے۔

امام ابن کثیرؒ[1] اور بعض دوسرے مفسرین نے ایک بزرگ طلق ابن حبیبؒ سے تقویٰ کا یہ معنیٰ نقل کیا ہے اَنْ تَعْمَلَ بِطَاعَةِ اللّٰهِ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ وَتَرْجُوْا ثَوَابَ اللّٰهِ وَتَتْرُكَ مَعْصِيَةَ اللّٰهِ عَلٰى نُوْرٍ مِّنَ اللّٰهِ مَخَافَةَ عَذَابِ اللّٰهِ کہ اللہ کی عطا کردہ روشنی کے تحت اللہ کی اطاعت پر عمل کرتے رہیں، اللہ سے ثواب کی امید رکھیں اور اللہ کی معصیت کو ترک کر دیں اس نورِ ایمان اور نورِ ہدایت کے ذریعے جو اللہ نے عطا کیا ہے، اور خدا کے عذاب سے برابر ڈرتے رہیں۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ آپ اللہ سے ڈرتے رہیں اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں۔

مکی زندگی میں کفار و مشرکین حضور علیہ السلام سے سودے بازی کرنا چاہتے تھے اور ان کی یہ پیشکش مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں بھی ہوتی رہی کہ آپ اپنے دین ہنت مانعت

---

[1] ابن کثیر صفحہ ۴۶۵ جلد ۳ (فیاض)

ہیں کچھ نرمی اختیار کر لیں تو ہم بھی کسی قدر نرم پڑ جائیں گے اور اس طرح ہمارا اور آپکا سلسلہ ساتھ چلتا رہے گا۔ سورۃ القلم میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یاد دلایا ہے وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ (آیت۔ ۹) کہ کافر چاہتے ہیں کہ آپ کچھ ڈھیلے پڑ جائیں۔ تو وہ بھی نرم پڑ جائیں گے۔ کافر چاہتے تھے کہ آپ ہمارے معبودوں کی مذمت نہ کریں بلکہ تھوڑی بہت اُن کی تعریف کر دیا کریں اور اس بات کو تسلیم کر لیں کہ یہ اللہ کے ہاں سفارشی ہیں تو ہم بھی آپ کے معبود کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے اور نہ آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو تنگ کریں گے۔ منافق لوگ دو رُکے طریقے سے کفار کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ وہ کہتے کہ اگر مشرکوں کے ساتھ اس قسم کا امن سمجھوتہ ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ لوگ امن و امان کی زندگی بسر کریں گے جنگ وجدل پہ توانائی صرف کرنے کی بجائے لوگوں کی حالت بہتر بنائی جا سکے گی اور اسلام کو بھی تقویت حاصل ہو گی مگر اللہ نے واضح فرما دیا کہ عقیدے کے اظہار میں کسی قسم کی رو رعایت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کسی قیمت پہ کافروں اور مشرکوں سے کوئی سمجھوتہ ہو سکتا ہے دین کے معاملہ میں ڈھیلا پڑ جانا مداہنت کہلاتا ہے جو کسی صورت میں بھی جائز نہیں خوش اخلاقی اور معاشرتی تعلقات مختلف چیزیں ہیں مگر دین کے معاملے میں کوئی سودے بازی نہیں ہو سکتی کہ دین کی حقیقت کو ہی چھپا دیا جائے۔ اس ضمن میں نہ خوف کام کر سکتا ہے اور نہ لالچ کارگر ہو سکتا ہے۔ دین کے معاملہ میں کسی قسم کا ذاتی مفاد ہرگز پیش نظر نہیں رکھا جائے گا۔ اس مقام پہ بھی اللہ نے اسی بات کو دہرایا ہے کہ آپ کافروں اور منافقوں کی پیش کش کو قبول نہ کریں، بلکہ بلا خوف و خطر اللہ کا پیغام پہنچاتے رہیں۔ شرک کی تردید کریں مگر احسن طریقے سے وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الانعام۔ ۱۰۹) جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں اُن کو گالی نہ دیں کہ یہ بد اخلاقی کی بات ہے۔ دلیل کے ساتھ کفر و شرک کا رد کریں کہ اللہ کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں اور

نہ کوئی سفارش کر سکتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دین کے معاملہ میں کسی کافر، مشرک اور ملحد کی بات نہیں مانی جا سکتی، نہ اُن سے مشورہ لیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اس کے اہل ہی نہیں مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کے نام پہ بننے والے ملک میں قانون سازی کے لیے غیر مسلموں، عیسائیوں اور یہودیوں اور دہریوں سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ تو تمہیں اپنا ہی قانون بتائیں گے اور اس طرح تمہیں اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ دیکھئے! اسلام نے سود کو قطعاً حرام قرار دیا ہے۔ مگر ہماری ساری بینکاری سودی نظام پر چل رہی ہے جب بھی سودی نظام کو ختم کرنے کی آواز بلند ہوتی ہے۔ تو پھر مشورہ غیر مسلموں سے ہی لیا جاتا ہے کہ بتاؤ ہم سودی نظام کو اسلامی نظام میں کیسے تبدیل کریں۔ یہی تو خرابی ہے جو ہمیں اسلامی قوانین رائج کرنے میں پیش آ رہی ہے۔ ہاں البتہ عام دنیوی لین دین، تجارت اور انتظامی امور کے متعلق ہر اچھی رائے کو قبول کیا جا سکتا ہے خواہ وہ کسی طرف سے آئے مگر دین کے معاملے میں کوئی رعایت نہیں ہے

چار اعدائے دین

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں[۱] کہ اعدائے دین چار ہیں جن میں سے دو ظاہری ہیں اور دو باطنی، ظاہری دشمن تو یہی کافر اور منافق ہیں جن سے اس آیت کریمہ میں بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ کافر کھلم کھلا اسلام دشمنی کرتے ہیں۔ جب کہ منافق درپردہ اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے ہیں۔ دین کے باطنی دشمنوں میں پہلے نمبر پہ شیطان ہے جو نظر تو نہیں آتا۔ مگر انسانی دل و دماغ میں وسوسہ ڈال کر اس کے ایمان پہ ڈاکہ ڈالتا ہے۔ اس نے اللہ کے سامنے عہد کیا تھا کہ میں تیرے بندوں کو آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے آکر بہکاؤں گا۔ میں ان کو دین کے معاملہ میں گمراہ کروں گا۔ ان کے برے اعمال ان کی نظروں میں مزین کر کے دکھاؤں گا۔ اور دنیوی معاملات میں ان کو بہکا پھسلا کر برائی کی طرف مائل کر دوں گا۔ ایسے دشمن سے

۱ے روح المعانی ص۴۲ ج۲ و مظہری ص۳۰۳ ج۲ ۲ے (فیاض)

پھوکنا رہنا بھی ضروری ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا دوسرا باطنی دشمن خود اس کا اپنا نفس ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (یوسف۔۵۳) خود انسان کا نفس بھی اُسے برائی پر آمادہ کرتا ہے لہٰذا اس کا محاسبہ بھی ضروری ہے جو شخص ان چار اعدائے دین سے بچ گیا وہ کامیاب ہوگیا۔ فرمایا آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ وہ کافروں اور منافقوں کی تمام خفیہ تدبیروں کو جانتا ہے اور آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے، وہ حکمت سے خالی نہیں، لہٰذا آپ اس پر سختی سے عمل کریں۔

اتباعِ وحی

ارشاد ہوتا ہے کہ کفار و منافقین کی بات ماننے کی بجائے وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ آپ اس چیز کی اتباع کریں جو آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے وحی کی جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام و شرائع کی پیروی کریں۔ یہاں پر خطاب تو پیغمبر علیہ السلام سے ہے مگر مراد سارے اہلِ ایمان ہیں جیسے دوسری جگہ فرمایا اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ۔ (الاعراف۔۳) اے ایمان والو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونیوالی وحی کا اتباع کرو اور اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کا اتباع نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ دین کا اساسی قانون قرآن ہے۔ اُس کی شرح سنت میں ہے، اور مزید وضاحت صحابہ کرامؓ کے عمل اور ائمہ مجتہدین کی تشریح میں ہے، اتباع میں یہ سب چیزیں آجائیں گی۔ ظاہر ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے حدیث کی ضرورت ہے اور اس پر عمل کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ عملی نمونہ ہیں۔ اس کے بعد جو وضاحت طلب باتیں رہ جاتی ہیں اُن کو مجتہدین واضح کر دیتے ہیں اور یہی مکمل دین قابلِ اتباع ہے۔

گمراہ کن لیڈر

مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہندوستان وغیرہ کے لوگ بڑے اچھے ہیں مگر انہیں ہمیشہ لیڈر ہی گمراہ کرتے ہیں۔ جب الیکشن کا زمانہ آتا

ہے تو یہ نام نہاد لیڈر طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر عوام کو اپنے پیچھے لگا کر ووٹ حاصل کر لیتے ہیں اور پھر اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ اسلام کے یہ نام لیوا بھلا کون سا اسلامی قانون لائیں گے، یہ تو اسلام کی مبادیات سے بھی واقف نہیں، پارلیمنٹ کا ممبر تو وہ آدمی بننا چاہیئے جو اللہ کی کتاب، اُس کے رسول کی سنت اور خلفائے راشدین کے عمل کو جاننے والا ہو۔ ان چیزوں سے بے بہرہ لوگ اسلام کی کیا نمائندگی کریں گے اور کونسا قانون پاس کریں گے؟ ممبری کے قابل تو وہ شخص ہے جو دین کے اساسی قانون سے واقف ہو اور پھر اپنے اندر قربانی کا جذبہ بھی رکھتا ہو۔ ذاتی اغراض کو پس پشت ڈال کر اجتماعی مفاد کے لیے کام کرے اگر یہ چیز نہیں ہے تو پھر عوام سے فراڈ ہی ہوتا رہے گا۔ لوگ پراپیگنڈا کے زور پر یقین کر لیتے ہیں کہ واقعی فلاں آدمی یا جماعت ہماری نجات دہندہ ثابت ہوگی مگر وہ سراسر دھوکہ ہوتا ہے مارشل لاء کے دور میں ہم نے کتنی بار کہا تھا کہ اب تمام اختیارات فرد واحد میں مرتکز ہو چکے ہیں۔ نام نہاد عوامی نمائندوں سے جان چھوٹ چکی ہے لہٰذا اب بلا حیل و حجت قرآن کا قانون نافذ کر دینا چاہیئے اور اس کے مخالفین کو تختہ دار پہ چڑھا دو پھر دیکھیں کون مخالفت کرتا ہے۔ مگر ہماری یہ آواز بھی بیکار ثابت ہوئی۔ اسلام کے نام پر ریفرنڈم کرایا تھا اُس کا کیا نتیجہ نکلا؟ کیا واقعی اسلام نافذ ہوا؟ اصل بات یہ ہے کہ نفاذِ اسلام کا ارادہ ہی نہیں۔ ورنہ اس سے بہتر موقع کوئی نہیں آسکتا تھا مگر وہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ اب پھر وہی نام نہاد جمہوریت کا راگ الاپا جا رہا ہے جس میں ووٹ خریدے جاتے ہیں اور پھر اسمبلی میں پہنچ کر سب سے پہلے الیکشن کے اخراجات کا دگنا چوگنا اکٹھا کیا جاتا ہے اور باقی وقت ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے اور اسلام کا محض نعرہ ہی رہ جاتا ہے، اُسے نافذ کرنے کی کوئی مخلصانہ کوشش نہیں کرتا کیونکہ ایسا کرنے سے خود ممبروں کے مفاد پہ زد پڑتی ہے۔ مقصد یہ کہ خود ہمارے لیڈر ہی ہمیں گمراہ کر رہے ہیں ورنہ عوام میں تو کہیں نہ کہیں ایمان موجود ہے۔

اسلاف کی قربانیاں

ذرا اپنے اسلاف کے کردار پہ نظر مار کر دیکھیں کہ انہوں نے دین کی خاطر کس قدر قربانیاں دیں اور آج ہم کس طرف جا رہے ہیں۔ یہ اُن قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ اسلام ہم تک پہنچا ہے ورنہ یہ راستے میں ہی دم توڑ چکا ہوتا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں خراسان میں جو جنگ ہوئی تھی اس میں تین لاکھ کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف دس ہزار تھی مگر وہ تین لاکھ کی چٹان سے ٹکرا گئے حتیٰ کہ اُن میں سے ایک مسلمان بھی زندہ نہ بچا۔ سب شہید ہو گئے۔ اس قربانی کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے بالآخر فتح دی اور چین تک کا علاقہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گیا۔ مسلمانوں میں قربانی کا جذبہ اس قدر تھا کہ بعض نے کہا کہ ہماری لاشوں کو دفن کرنے کی بجائے کھلا چھوڑ دینا تاکہ پرندے اور جانور ہمیں کھا جائیں۔ ہم حشر کے دن پرندوں کے پیٹوں سے برآمد ہونا پسند کریں گے کہ ہم نے اللہ کے دین کی خاطر ایسی ایسی قربانیاں پیش کیں۔ اس قسم کے واقعات فتوح البلدان میں مذکور ہیں۔ مصر کی فتح کے دوران مسلمانوں نے اسقدر قربانیاں دیں جن کا آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام آسانی سے آ جائیگا۔ جب تک ذاتی اغراض آڑے آتی رہینگی اسلام نافذ نہیں ہو سکتا۔

فرمایا صرف وحی الٰہی کا اتباع کریں اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا بیشک اللہ تعالیٰ تمھارے ہر کردہ کام کی خبر رکھنے والا ہے۔ کوئی چیز اُس سے مخفی نہیں ہے۔ جزائے عمل کی منزل آنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال کا ٹھیک ٹھیک بدلہ ادا کرے گا۔

توکل علی اللہ

فرمایا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اپنے مشن کو جاری رکھتے ہوئے بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پہ کریں۔ تمام اسباب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں وہ جب چاہے گا انہیں مؤثر بنا دے گا یا غیر مؤثر کر دے گا۔ لہٰذا بھروسہ اسباب پہ نہیں بلکہ اللہ کی ذات پہ ہونا چاہیئے کہ مسبب الاسباب وہی ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور کافی ہے اللہ کارساز۔ وکیل کا معنیٰ کام بنانے والا ہوتا ہے اور وہ صرف اللہ کی ذات ہے۔ اُس کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ سورۃ المزمل میں بھی فرمایا،

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا (آیت۔۹) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا کارساز بھی اسی کو سمجھو۔ وہی بگڑی بنائے گا کہ سارا اختیار اسی کے پاس ہے۔ توحید خالص کو اپناؤ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی صورت میں شرک نہ کرو۔ اُس کی ذات پہ بھروسہ کرتے ہوئے اپنے پروگرام کو جاری رکھو۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِىْ
جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔىْ
تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ
اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ
بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى
السَّبِيْلَ ﴿٤﴾ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ
عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ
فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ
مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿٥﴾

ترجمہ :- نہیں ٹھہرائے اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے لیے دو دل اس کے سینے میں۔ اور نہیں بنایا اس نے تمھاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو، تمھاری مائیں اور نہیں بنایا اس نے تمھارے منہ بولے بیٹوں کو تمھارے بیٹے ۔ یہ بات ہے تمھارے اپنے مونہوں سے ۔ اور اللہ تعالیٰ حق بات کہتا ہے اور وہ راہنمائی کرتا ہے

راستے کی ④ پکارو ان کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے۔ یہ بات زیادہ انصاف والی ہے اللہ کے نزدیک۔ پس اگر تم نہ جانتے ہو اُن کے باپوں کو پس وہ تمہارے بھائی ہیں دین میں، اور تمہارے ساتھی ہیں۔ اور نہیں تم پر گناہ اُس چیز میں جو تم نے خطا کی، لیکن گناہ اس میں ہے جو تمہارے دلوں نے پختہ ارادہ سے کیا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ⑤

ربط آیات

سورۃ کی ابتدائی آیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کیا گیا۔ اللہ نے فرمایا کہ آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں بلکہ وحی الٰہی کا اتباع کریں، اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہوئے اپنے پروگرام کو جاری رکھیں۔ کفار، مشرکین، اور منافقین کے غلط پراپیگنڈا کا شکار نہ ہوں اور زمانہ جاہلیت کی غلط باتوں پر دھیان نہ دیں۔ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی تین باتوں کا ذکر کیا ہے، جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھیں اور اپنے نبی کو اُن کے مقابلے میں صحیح باتوں کو اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔

دو دلوں کی نفی

زمانۂ جاہلیت[1] میں یہ ایک عام تاثر پایا جاتا تھا کہ اگر کوئی شخص غیر معمولی طور پر ذہین، سمجھدار اور معاملہ فہم ہوتا تو اس کے متعلق کہا جاتا کہ اس شخص کے سینے میں دو دل ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت[2] میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نماز میں بھول گئے تو بعض منافق کہنے لگے کہ آپ کے دو دل ہیں۔ ان میں سے ایک دل کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دوسرے دل کے ساتھ مخلص مومنوں کی طرف۔ اللہ نے اس بات کی تردید فرمائی ہے کہ کسی شخص کے سینے

---

[1] ابو سعود ص ۲۰۲ ج ۴ ومعالم التنزیل ص ۱۶۱ ج ۳ وخازن ص ۲۲۹ ج ۵

[2] ابن کثیر ص ۴۶۶ ج ۳ وطبری ص ۱۱۸ ج ۲۱

(فیاض)

میں دو دِل نہیں ہوتے۔ مشرکین مکہ میں سے ایک ذہین آدمی کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس کے دو دِل ہیں۔ اِس آیت کریمہ سے اِس بات کی بھی نفی ہوگئی۔ بہرحال ارشاد ہوتا ہے مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دِل نہیں بنائے، دل ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے بعض جسمانی اعضاء زائد ہو سکتے ہیں جیسے کسی شخص کے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں پانچ کی بجائے چھ ہوں۔ پچھلے دنوں اخبارات میں ایک عورت کی فوٹو آئی تھی جس کی تیسری آنکھ سر کی پچھلی جانب موجود تھی تو ایسا تو مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔ مگر کسی شخص کے جسم میں دو دِل کبھی نہیں پائے گئے۔

یہ مسئلہ احکام شریعت سے تو تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کا تعلق علم تشریح الاعضاء یعنی اناٹومی (ANATOMY) سے ہے کہ انسانی جسم میں کون کون سے اعضاء کتنی تعداد میں اور کس کس جگہ پر موجود ہیں۔ انسان کا دِل عام طور پر سینے کے بائیں طرف ہوتا ہے۔ مگر بعض شاذ و نادر کیسوں میں اس کا دائیں جانب ہونا بھی پایا گیا ہے۔ صوبہ مدراس میں عمر آباد کے مقام پر اہل حق کا دینی مدرسہ "جامعہ اسلامیہ" ہے آج سے تقریباً نصف صدی پہلے اس مدرسہ کے مہتمم کاکا ابراہیم کے متعلق مشہور ہے کہ ان کا دِل دائیں طرف تھا۔ یورپی ممالک میں بھی لاکھوں کروڑوں میں کوئی اکا دکا شخص ہی ہوگا جس کا دِل دائیں طرف ہو۔ تاہم یہ امکان تو ہے مگر کسی شخص کے سینے میں دو دل کبھی بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچے۔

اس موقع پر مفسرین کرام ایک اور نقطہ بھی اٹھاتے ہیں۔ یہ تو مشہور مقولہ ہے لَا یَتَوَجَّہُ الْقَلْبُ فِیْ اٰنٍ وَاحِدٍ اِلٰی شَیْئَیْنِ یعنی کوئی دِل بیک وقت دو امور کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ مگر حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نے یہ اشکال پیش کیا ہے کہ بعض لوگ تسبیح بھی چلاتے

لے

۲ے بیان القرآن صہ ۳۵/۹ (فیاض)

رہتے ہیں اور ساتھ ساتھ گفتگو بھی کرتے رہتے ہیں، اس طرح اُن کے دِل کی توجہ دِل کی طرف اور باتوں کی طرف بیک وقت کیسے ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ ایک وقت میں یا ذکر ہوگا یا دیگر باتیں۔ تو ایسا کرنا محض دھوکہ ہے۔ کوئی شخص ایک ہی وقت میں ذکر کے ساتھ ساتھ دنیاوی باتیں کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ گفتگو میں تو مصروف ہوتا ہے۔ مگر ذکر سے خالی ہوتا ہے۔ بہرحال فرمایا کہ کسی شخص کے سینے میں اللہ نے دو دِل نہیں بنائے۔ دل ایک ہی ہوتا ہے جو یا تو کفر کی طرف مائل ہوگا یا اطاعت کی طرف۔

ظہار کا مسئلہ

اب دوسرا مسئلہ اللہ نے بیویوں سے ظہار کرنے کے متعلق بیان فرمایا ہے ظہار کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت، پیٹ، یا ران یا کسی دیگر اعضائے مستورہ سے تشبیہہ دے جس کا دیکھنا بھی حرام ہے۔ یا وہ اپنی بیوی کو اپنی ماں، بہن یا دیگر محرماتِ ابدیہ میں سے کسی کے برابر قرار دے۔ ایسا کہنا اگرچہ ناجائز اور سخت ناپسندیدہ ہے مگر اس سے بیوی قطعی طور پر حرام نہیں ہو جاتی بلکہ شریعت کا مقرر کردہ کفارہ ادا کر کے مرد اور عورت ازدواجی زندگی برقرار رکھ سکتے ہیں۔ کفارہ کا مسئلہ سورۃ مجادلہ میں بیان کر دیا گیا ہے یعنی ظہار کرنے والا شخص ایک غلام آزاد کرے یا دو ماہ کے متواتر روزے رکھے یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے زمانہ جاہلیت میں یہ تصور پایا جاتا تھا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کا اعلان کر دیتا تھا۔ تو پھر وہ اس کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی تھی اللہ نے اسی بات کی تردید فرمائی ہے وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔىْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہاری اُن بیویوں کو تمہاری مائیں نہیں بنا دیا جن سے تم ظہار کرتے ہو یعنی اُن کو اپنی ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ دے دیتے ہو۔

ظہار کا لفظ ظہر کے مادے سے ماخوذ ہے جس کا معنی پشت ہوتا ہے۔ یعنی اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ دینا۔ دراصل پشت کے ساتھ تشبیہ

زیادہ مناسب معلوم نہیں ہوتی بلکہ پیٹ کے ساتھ تشبیہ دینی چاہیئے۔ کیونکہ اعضائے تناسلہ اور مستورہ کا تعلق پیٹ کے ساتھ ہوتا ہے۔ مگر پشت چونکہ پیٹ کے لیے بطور ستون ہے، لہٰذا ایسے معاملہ میں پیٹ کی بجائے پشت کا ذکر کیا گیا ہے۔

منہ بولے بیٹے کا مسئلہ

اِس آیت کریمہ میں اللہ نے تیسرا مسئلہ منہ بولے بیٹے سے متعلق بیان کیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں منہ بولے یا لے پالک بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ جب کوئی شخص کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لیتا تھا تو پھر وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بن جاتے تھے اور حقیقی بیٹے والے دیگر مسائل بھی فرع ہو جاتے تھے۔ مثلاً حقیقی بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح حرام ہے تو منہ بولے بیٹے کی صورت میں بھی وہ اسے حرام ہی قرار دیتے تھے۔ اللہ نے اس غلط مسئلہ کی بھی تردید فرمائی ہے وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا تم جو انہیں حقیقی بیٹے سمجھ کر وہی احکام لاگو کرتے ہو، یہ درست نہیں ہے۔ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ یہ تو محض تمہارے مونہوں کی باتیں ہیں، اِن میں حقیقت نہیں ہے وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ دراصل حق بات تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منہ بولے بیٹے حقیقی بیٹے نہیں ہوتے اور نہ ہی اُن پر حقیقی بیٹوں والے شرعی احکام صادر ہوتے ہیں۔ اللہ کی بات سچی ہے وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ اور وہی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

حضرت زیدؓ کا واقعہ

یہ مسئلہ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارثہ کے سلسلے میں پیدا ہوا۔ آپ کا نام اسی سورۃ میں آگے آرہا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح سے بھی پہلے کا واقعہ ہے کہ حضرت[1] خدیجہؓ نے اپنے بھتیجے حکیم ابن حزامؓ کو کہا کہ وہ عکاظ کی منڈی میں جاکر

---

[1] درمنثور ص ۱۸۱ ج ۵

(فیاض)

اُن کے لیے کوئی اچھا سا غلام خرید لائے جس سے روزمرہ ضروریاتِ زندگی میں خدمت لے سکیں۔ جب وہ منڈی میں گئے تو اُن کی نظر حضرت زیدؓ پہ جم گئی جو اُس وقت چھوٹے بچے تھے اور بڑے ذہین معلوم ہوتے تھے۔ حضرت زیدؓ حقیقت میں غلام نہیں تھے بلکہ بڑے وسیع قبیلے کلب کے چشم و چراغ تھے۔ اتفاق سے یہ اپنے ماموں کے ہاں گئے ہوئے تھے کہ وہاں ڈاکہ پڑا تو ڈاکو باقی چیزوں کے ساتھ زیدؓ کو بھی لوٹ کر لے گئے اور غلام بنا لیا اور اس طرح آپ بحیثیت غلام عکاظ کی منڈی میں پہنچ گئے۔ بہرحال حکیم ابن حزامؓ نے حضرت زیدؓ کو خرید کر حضرت خدیجہؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ پھر جب حضور علیہ السلام کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہو گیا تو آپ نے حضرت زیدؓ کو اپنے لیے طلب کر لیا جو حضرت خدیجہؓ نے بخوشی منظور کر لیا اور اس طرح حضرت زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل میں آ کر آپ کی خدمت پہ مامور ہو گئے۔

جب حضرت زیدؓ بڑے ہو گئے تو آپ کو تجارت کے سلسلہ میں شام کے سفر پہ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں اُن کو اُن کے والد حارثہ اور چچا نے پہچان لیا کہ یہ تو ہمارا بچھڑا ہوا بچہ ہے، اُن کو یہ بھی علم ہو گیا کہ آپ خاندانِ قریش میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ چنانچہ جب حضرت زیدؓ سفر سے واپس آ گئے۔ تو آپ کے والد اور چچا بھی مکے پہنچے اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ ہمارا بچہ ہے، کسی وجہ سے غلامی کے چکر میں پھنس گیا ہے۔ آپ اسے چھوڑ دیں، ہم اس کا تاوان ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، کہ مجھے تاوان کی ضرورت نہیں ہے، اگر زیدؓ جانا چاہتا ہے تو میری طرف سے کلی اجازت ہے۔ اس وقت تک حضور علیہ السلام منصبِ نبوت پہ بھی فائز ہو چکے تھے اور حضرت زیدؓ آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ آپ غلاموں میں سب سے پہلے حضور پہ ایمان لانے والے ہیں۔ جب آپ کے والد اور چچا نے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو حضرت زیدؓ نے انکار کر دیا اور کہا کہ

اپنے اعزہ کے ہمراہ آزاد زندگی کو حضور علیہ السلام کی غلامی پر ترجیح دیتا ہوں۔ وہ لوگ سخت مایوس ہو گئے۔ اس دوران میں حضور علیہ السلام نے اعلان فرما دیا کہ میں نے زیدؓ کو آزاد کر کے اسے منہ بولا بیٹا بنا لیا ہے۔ اب یہ میرا وارث ہوگا۔ اور میں اس کا وارث۔ اس پر زیدؓ کا باپ اور چچا خوش ہو گئے کہ زیدؓ اگرچہ ہمارے ساتھ نہ بھی جائے تو اب وہ آزاد تو ہو گیا ہے۔

متبنّٰی کی بیوی سے نکاح کا مسئلہ

حضور علیہ السلام نے حضرت زیدؓ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ سے کرا دیا تھا مگر بوجوہ ان کا آپس میں نباہ نہ ہو سکا۔ حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ مشرکین کے نزدیک منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح حلال نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے اس مسئلہ کو خوب اچھالا اور حضور علیہ السلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو واضح کیا اور ان آیات کے ذریعے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا، یہ تو تمہاری اپنی زبانوں کی بات ہے۔ حق بات اللہ کی ہے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح بالکل حلال ہے۔

کسی کو بیٹا کہہ کر پکارنا دو وجوہات سے ہو سکتا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ محض پیار محبت اور شفقت کی بنا پر کسی کو بیٹا کہہ کر پکارا جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انسؓ کو بھی یٰبُنَیَّ (اے بیٹے) کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام حضرت مغیرہؓ اور ایک اور صحابی کو بھی اسی لقب سے پکارتے تھے۔ یہ چیز محاورے کے لحاظ سے درست ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی کو متبنّٰی بنا لیا جائے اور اسے روزمرہ کے معمولات میں شریک کیا جائے۔ ایسی صورت میں بھی منہ بولا بیٹا نہ تو محرم بن جاتا ہے اور نہ ہی اسے حقوق وراثت حاصل ہوتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں لے پالک

کے لیے اپنے تہائی مال تک کی وصیت کر سکتا ہے جس کا وہ حقدار ہوگا باقاعدہ وارث نہیں بنے گا۔

حقیقی باپ کی طرف نسبت

اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم بھی دی ہے اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ اپنے لے پالک بیٹوں کو اُن کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو، نہ کہ اُس شخص کی طرف جس نے اُسے بیٹا بنا لیا ہے فرمایا هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ انصاف والی ہے کہ تم ایسے لوگوں کی نسبت اُن کے حقیقی باپوں کی طرف کرو۔ صحابہ کرامؓ بیان[1] کرتے ہیں کہ اِن آیات کے نزول سے پہلے ہم حضرت زیدؓ کو زیدؓ ابن محمد کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کے بعد ہم زیدؓ ابن حارثہ کہنے لگے۔ حضور کا یہ فرمان[2] بھی ہے مَنِ ادَّعٰٓى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ فَقَدْ كَفَرَ جس شخص نے کسی کی نسبت غیر باپ کی طرف کی اُس نے کفر کا ارتکاب کیا، بلکہ ایک روایت میں اُس کے لیے جنت کے حرام ہونے کا ذکر بھی آتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ منہ بولے بیٹوں کو اُن کے باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارا کرو۔

فرمایا فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اگر تم اُن کے باپوں کو نہ جانتے ہو فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ پس وہ دین میں تمہارے بھائی اور تمہارے ساتھی ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر کسی کے باپ کا علم نہ ہو تو ایسے لوگوں کو بھائی یا رفیق کہہ کر پکار لو مگر غیر باپوں کی طرف نسبت بالکل نہ کرو۔ بعض روایات[3] میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زیدؓ سے کہا اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلٰنَا تم ہمارے بھائی اور ہمارے ساتھی ہو۔ اس طرح گویا آپ نے اس آیت مبارکہ کی عملی تفسیر پیش کر دی۔

---

[1] ابن کثیر صفحہ ۴۶۶ ج ۳ و قرطبی صفحہ ۱۱۸ ج ۱۴

[2] ابن کثیر صفحہ ۴۶۷ ج ۳

[3] درمنثور صفحہ ۱۸۱ ج ۵

(فیاض)

فرمایا وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهٖ اُس چیز میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے جس میں تم نے خطا کی۔ مطلب یہ کہ اگر کسی غلط فہمی کی بناء پر یا بھول کر کسی کو غیر باپ سے منسوب کر دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے کہ اللہ نے میری امت سے خطا اور نسیان کے مواخذہ کو ہٹا لیا ہے ایسے شخص پر آخرت میں کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ البتہ دنیا میں اس وجہ سے بعض احکام مرتب ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اگر وضو کرتے وقت غلطی سے پانی حلق میں اُتر گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا جس کی قضا لازمی ہوگی مگر آدمی گنہگار نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے کسی دوسرے شخص سے جبراً کوئی ناجائز کام کروا لیا تو اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس نے اپنی جان کے خطرے سے کوئی غلط کلمہ زبان سے کہہ دیا ہے یا کوئی غلط کام کر دیا ہے۔

فرمایا اگر غلطی سے کسی شخص کو غیر باپ کی طرف منسوب کر دیا تو گناہ نہیں ہوگا۔ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ البتہ اگر تم نے جان بوجھ کر دل کے ارادے سے ایسا کام کیا تو اللہ کے ہاں ماخوذ ہو گے۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ غلطی کی صورت میں وہ معاف فرما دے گا۔ اور اگر قصداً کوئی غلط کام کرو گے تو گرفت ہو گی۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ⑥

ترجمہ :- اللہ کے نبی کو زیادہ تعلق ہے ایمان والوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے ۔ اور نبی کی بیویاں اُن (مومنوں) کی مائیں ہیں اور قرابت دار بعض زیادہ تعلق رکھتے ہیں بعض کے ساتھ اللہ کی کتاب میں ایمان والوں اور ہجرت کرنے والوں سے ، مگر یہ کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوئی احسان کرنا چاہو - یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے ⑥

ربط آیات

سورۃ احزاب کے بنیادی مضامین اللہ کے نبی کا ادب و احترام اور عورتوں سے متعلق بعض احکام ہیں۔ گذشتہ درس میں اللہ نے فرمایا تھا کہ کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں ہوتے۔ نیز یہ کہ اگر تم اپنی بیویوں کو ظہار کے طریقے پر ماں کہہ دو تو وہ مائیں نہیں بن جاتیں۔ یہ محض تمہارے منہ کی باتیں ہیں جن میں حقیقت نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ جس کو تم منہ بولا بیٹا بنا لیتے ہو وہ تمہارا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا لہٰذا اُس کو اس کے حقیقی باپ کی طرف ہی نسبت کر کے پکارنا چاہیئے اور اگر ایسے کسی شخص کے باپ کا نام پتہ معلوم نہ ہو تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی اور ساتھی

ہیں اُن کو بھائی کہہ کر پکارا کرو۔ فرمایا اگر غلطی سے یا بھول کر کوئی غلط کلمہ زبان سے نکل جائے تو اللہ کے ہاں اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص عمداً ایسی بات کرے گا تو قابلِ مؤاخذہ ہوگا۔

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام کی فضیلت، مرتبہ اور ایمانداروں کے ساتھ آپ کے تعلق کا ذکر کیا ہے۔ اس سورۃ میں یہ مضمون آگے بھی مختلف عنوانوں سے بیان ہو رہا ہے۔ اور اسی ضمن میں ازواجِ مطہرات کے مرتبہ اور فضیلت کی بہت سی باتیں بھی آ رہی ہیں۔ اہلِ ایمان پر نبی کا ادب و احترام اس لیے بھی ضروری ہے کہ اُن کو جو بھی خیر و خوبی نصیب ہوئی ہے یا آئندہ ہوگی وہ نبی کے توسط سے ہی ہوگی۔ ایسی کوئی بات یا کوئی فعل نہیں کرنا چاہیئے جو نبی کی شان کے خلاف ہو یا اُس سے آپ کی دل آزاری کا پہلو نکلتا ہو۔

نبی اور مومن کا تعلق

نبی اور مومنوں کے باہمی تعلق کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ نبی کو اہلِ ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ تعلق اور لگاؤ ہے۔ اَولیٰ کا معنیٰ قریب بھی ہوتا ہے اور مطلب وہی ہے کہ اللہ کا نبی مومنوں سے اُن کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ مگر اہلِ بدعت اس کا غلط مفہوم لیتے ہیں۔ وہ اس لفظ سے نبی علیہ السلام کو حاضر و ناظر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ قرآنِ پاک نے اس مشرکانہ عقیدے کی مختلف طریقوں سے تردید کی ہے۔ حاضر ناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے۔ اور مخلوق میں سے کوئی بھی ہستی اس صفت میں شریک نہیں۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (البقرہ - ۲۹) وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (البروج - ۹) مطلب یہ ہے کہ علیم کل اور ہر جگہ حاضر و ناظر صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اس موقع پر نہایت ہی عمدہ تقریر لکھی ہے۔ فرماتے

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۵۴۲ (فیاض)

ہیں کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو مومن آدمی کا ایمان آفتابِ نبوت کی ایک شعاع ہے۔ ایسے یزید والے بزرگ اگرچہ امی تھے مگر بڑے علم و فہم والے اور صاحبِ کشف بزرگ تھے، اُن کے ملفوظات اُن کے ایک مرید نے ایک عظیم کتاب کی صورت میں جمع کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ پیغمبر کے قلبِ مبارک سے ایک تار سا نکل کر ہر اہلِ ایمان کے قلب کے ساتھ آکر مل جاتا ہے۔ اگر یہ تار یعنی تعلق ٹوٹ جائے، تو انسان سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ کشفی بات ہے مگر درست ہے۔

اسی لیے بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر مومن غور کرے تو اُسے معلوم ہوگا کہ ایمان حقیقت میں اللہ کے نبی کے قلبِ مبارک کی شعاع کا نتیجہ ہے پیغمبر علیہ السلام آفتابِ نبوت ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص حقیقتِ ایمان کو سمجھنے کے لیے فکری حرکت شروع کرے گا تو ایمان کی حقیقت پانے سے پہلے اُسے پیغمبر کی معرفت حاصل کرنا پڑے گی۔ کیونکہ ایمان تو پیغمبر کے واسطے سے ہی آتا ہے۔ غرضیکہ نبی کا وجود مسعود ہم سے ہماری ہستی سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔

نبی بمنزلہ باپ

نبی کے ساتھ اس روحانی تعلق کی بنا پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام مومنوں کے حق میں بمنزلہ باپ کے ہیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت[۱] میں آتا ہے کہ کفار و مشرکین حضور علیہ السلام کے متعلق طرح طرح کی بیہودہ باتیں کرتے تھے۔ اور مختلف قسم کے اعتراض کرتے تھے۔ مگر ہمارا جواب یہی ہوتا تھا کہ پیغمبر علیہ السلام ہمارے لیے بمنزلہ باپ کے ہیں بلکہ باپ سے بھی زیادہ شفیق ہیں۔ انہوں نے ہمیں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کی تعلیم دی ہے حتیٰ کہ استنجا پاک کرنے کا طریقہ بھی سمجھایا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی[۲] ہے اَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ یعنی میں تمہارے لیے بمنزلہ باپ ہوں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت جابرؓ کی روایت[۳] کے مطابق قرآن کی بعض قراتوں میں یہ الفاظ بھی

---

[۱]

[۲] ابن کثیر صفحہ ۴۶۷ ج ۳

[۳] در منثور صفحہ ۱۸۳ ج ۵ و روح المعانی صفحہ ۱۵۲ ج ۲۱ و مدارک صفحہ ۲۹۴ ج ۳ و احکام القرآن للجصاص صفحہ ۳۵۵ ج ۳ (فیاض)

آتے ہیں وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَهُوَ أَبٌ لَّهُمْ یعنی پیغمبر علیہ السلام کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں اور آپ ان کے حق میں بمنزلہ باپ کے ہیں۔

اگر باپ اور بیٹے کے تعلق پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بیٹے کا وجود باپ کا مرہونِ منت ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ بار بار حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (بنی اسرائیل۔۲۳) باپ کے اپنے بیٹے کے ساتھ اس قریب ترین تعلق کی بناء پر ہی بیٹے کے لیے باپ کی شفقت اور تربیت طبعی ہوتی ہے جتنی باپ کو بیٹے سے ہمدردی ہوتی ہے۔ اتنی اور کسی سے نہیں ہوتی۔ ہر شریف باپ کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بیٹا اُس سے بڑھ کر ہو۔ نیک بخت، لائق اور باعزت ہو۔ یہ اس کی طبعی شفقت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو نبی اور امتی کا تعلق اِس سے بھی زیادہ ہے۔ باپ تو بیٹے کے ظاہری وجود کا ذریعہ ہوتا ہے۔ نیز باپ کی شفقت بھی طبعی ہوتی ہے مگر نبی کو جو تعلق اور شفقت امتی کے ساتھ ہوتی ہے۔ وہ باپ سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اُمتی کا روحانی وجود اور اس کا ایمان نبی کی روحانیت کا عکس ہوتا ہے۔ اس لیے نبی کی طرف سے جو شفقت، مہربانی، توجہ اور تربیت امتی کے لیے ہوتی ہے وہ والدین سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ باپ کے ذریعے اللہ نے ہمیں دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی ہے۔ جب کہ نبی کے طفیل انسانوں کو دائمی حیات حاصل ہوتی ہے۔ جسے ایمان نصیب ہوگیا، توحید سمجھ میں آگئی اور نیکی حاصل ہوگئی اُسے گویا ابدی حیات مل گئی۔ غرضیکہ اللہ کے نبی ہمارے ساتھ جو ہمدردی، خیر خواہی، شفقت اور تربیت فرماتے ہیں، ایسی شفقت اور ہمدردی خود ہمارا وجود بھی نہیں کر سکتا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ کے نبی کو اہلِ ایمان کے ساتھ اُن کی جانوں سے بھی زیادہ قریبی تعلق ہے۔

نبی کو تصرف کا حق

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی کو مومنوں کے مال و جان میں تصرف کا وہ حق پہنچتا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر دہلویؒ لکھتے ہیں[1] کہ

[1] موضح القرآن صہ ۵۰۱ (فیاض)

اللہ کے نبی کو یہ حق اس لیے حاصل ہے کہ وہ اللہ کا نائب ہے۔ تصرف کی مثال اسی طرح ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے آپ کو آگ میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن اگر اللہ کا نبی حکم دیدے کہ تم ایسا کرو۔ تو امتی پر ایسا کرنا فرض ہو جائے گا۔ لہذا معلوم ہُوا کہ نبی کو ہماری جانوں اور روحوں پر بھی تصرف حاصل ہے۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُسے اُس کے والدین، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ نبی کو اُمتی کے ساتھ زیادہ لگاؤ اور تعلق کا یہی معنیٰ ہے۔

اگر ہمارا نفس بُرا ہے تو وہ بری بات کی ہی تلقین کرے گا۔ مگر اللہ کا نبی ہمیشہ اچھی بات کی تلقین کرے گا۔ لہذا ثابت ہُوا کہ نبی کو ہمارے ساتھ خود ہمارے نفسوں سے بھی زیادہ ہمدردی ہے۔ اور اگر انسان کا نفس اچھا بھی ہے تو بسا اوقات وہ انسان کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتا اور ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت غلط فیصلہ کر بیٹھے مگر یہ اللہ کے نبی کی شان ہے کہ وہ اپنے امتی کے حق میں ہمیشہ صحیح فیصلہ کریگا۔ اُس کے پیشِ نظر ہمیشہ امتی کی خیر خواہی ہی ہوگی۔ اپنی جان بھی اپنے ساتھ وہ ہمدردی اور شفقت نہیں کر سکتی جو اللہ کا نبی امتی کے ساتھ کرتا ہے۔ لہذا اُسے اُمتی کے ساتھ اُس کی اپنی جان سے بھی زیادہ لگاؤ ہے۔

نیز یہ بھی وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ کہ نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں (ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں) یہ مسئلہ آگے بھی آرہا ہے۔ جہاں نبی کی بیویوں سے نکاح کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ بہرحال ازواج مطہرات کو دو وجوہ سے مومنوں کی مائیں قرار دیا گیا ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کی بیویوں کا

ؔ ابن کثیر ص ۴۶۷ ج ۳ ومظہری ص ۳۰۸ ج ۷ (فیاض)

نکاح کسی امتی کے ساتھ جائز نہیں۔ یہ مسئلہ آگے بالتفصیل آرہا ہے۔ اور دوسری وجہ ادب و احترام کی ہے۔ حضور علیہ السلام کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ مگر ان کا ادب و احترام حقیقی ماں سے بھی بڑھ کر ہے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ نبی کی بیویوں پر حقیقی ماں جیسے تمام احکام لاگو نہیں ہوتے۔ مثلاً کوئی آدمی حقیقی ماں سے پردہ نہیں کرتا، اس کے پاس خلوت میں بیٹھ سکتا ہے اور اس کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔ مگر روحانی ماں یعنی نبی کی بیوی کے ساتھ ایک امتی یہ کام نہیں کر سکتا۔ کوئی شخص حقیقی یا رضاعی ماں کی بیٹی سے نکاح نہیں کر سکتا مگر نبی کی بیویوں کے سلسلے میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔ اسی طرح بیٹا ماں کی وراثت میں حقدار ہوتا ہے مگر نبی کی بیویوں کی وراثت میں یہ حق قائم نہیں ہوتا۔ غرضیکہ نبی کی بیوی پر ماں کا اطلاق صرف دو صورتوں میں ہے ایک یہ کہ اس کے ساتھ نکاح ابدی حرام ہے اور دوسری یہ کہ اس کا ادب و احترام واجب ہے۔ نبی کی بیویوں کی توہین کرنے والا شخص یا تو منافق ہے یا بے ایمان رافضی لوگ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی توہین کے مرتکب ہوئے، حالانکہ ان کی برأت کا ذکر ہم سورۃ نور میں پڑھ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پورے دو رکوع آپ کے حق میں نازل فرما کر آپ کی طہارت اور پاکیزگی کو بیان کر دیا ہے اللہ نے آپ پر لگائے گئے اتہام کی سخت الفاظ میں مذمت بیان کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی بیویوں اور مومنوں کی ماؤں کو ہر نجاست سے پاک رکھا ہے۔ اللہ نے سورۃ نور میں یہ اصول بیان کر دیا ہے وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ (آیت - ۲۶) پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں۔ اللہ کا نبی بھی پاک ہے اور اس کی تمام بیویاں بھی پاک ہیں۔ اللہ نے انہیں ہر قسم کی اخلاقی نجاستوں سے محفوظ رکھا ہے۔

قرابتداروں کا حق

آگے وراثت کے سلسلے میں قرابتداروں کا حق بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ

اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اللہ کی کتاب میں بعض قرابت دار بعض کے ساتھ مومنوں اور مہاجروں کی نسبت زیادہ لگاؤ رکھتے ہیں جب مسلمان مکے سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو حضور علیہ السلام نے مہاجرین اور انصار میں رشتہ اخوت قائم کر دیا تھا ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ چنانچہ ہر دو بھائی حقیقی بھائیوں کی طرح ہو گئے۔ حتیٰ کہ فرمایا[1] یَرِثُ الْمُهَاجِرُ الْاَنْصَارِیَّ اگر مہاجر بھائی فوت ہو جائے تو اس کی وراثت اُس کے انصاری بھائی کو ملے گی، اور اس طرح انصاری بھائی کا وارث اُس کا مہاجر بھائی ہو گا۔ یہ عبوری احکام تھے۔ پھر جب اسلام کو تقویت حاصل ہو گئی، مسلمانوں کی جماعت مضبوط ہو گئی، لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہو گئے اور مہاجرین کے عزیز و اقارب بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تو اللہ نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا اور فرمایا کہ وراثت کے معاملے میں دینی بھائی کی نسبت کسی شخص کے اصل عزیز و اقارب ہی زیادہ حقدار ہیں۔ وراثت کے مسائل اور ہر حصے دار کے حصہ کی مقدار اللہ نے سورۃ النساء میں بیان کر دی ہے کسی میت کے وارث پہلے نمبر پر ذوی الفروض یعنی وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے اللہ نے قرآن میں مقرر کر دیے ہیں۔ پھر دوسرے نمبر پر عصبہ آتے ہیں جن میں اولاد اور باپ کی طرف سے رشتہ دار شامل ہیں۔ پھر تیسرے نمبر پر ذوی الارحام یعنی ماں کی طرف سے رشتہ دار گنے ہیں۔ تو فرمایا، کہ اب وراثت کا حکم وہ نافذ العمل ہو گا جس میں میت کے حقیقی رشتہ داروں کو حصہ دار قرار دیا گیا ہے۔ البتہ عام مومنین اور مہاجرین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ان کو عطیہ پیش کرنا، اُن کی خدمت کرنا درست ہے مگر وراثت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

ساتھیوں کے ساتھ احسان

فرمایا عام مومنین اور مہاجرین کی نسبت تمہارے رشتہ دار تم سے زیادہ لگاؤ

---

[1] ابن کثیر ص۴۶۷ ج۳ (فیاض)

سکتے ہیں یعنی اُن کا حق فائق ہے اِلَّآ اَنۡ تَفۡعَلُوۡٓا اِلٰٓی اَوۡلِیٰٓئِکُمۡ مَّعۡرُوۡفًا مگر یہ کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوئی احسان کرنا چاہو، تو بخوشی کر سکتے ہو، اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ وہ وراثت میں حقدار نہیں ہوں گے ایک صورت میں اللہ نے اجازت دی ہے اور وہ یہ کہ کوئی شخص اپنے کسی رفیق یا ساتھی کے حق میں زیادہ سے زیادہ اپنے ایک تہائی مال کی وصیت کر سکتا ہے کسی کی خدمت خاطر کرنا چاہو تو اس کی اجازت ہے۔ کَانَ ذٰلِکَ فِی الۡکِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا اور یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے

اِس کتاب سے کون سی کتاب مراد ہے؟ بعض مفسرین کتاب سے مراد لوحِ محفوظ لیتے ہیں کہ وہاں یہ حکم لکھا ہوا موجود ہے۔ بعض دوسرے مفسرین اس سے کتاب تورات مراد لیتے ہیں کہ وہاں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے۔ اور قرآن پاک میں تو یہ مسئلہ بہرحال آگیا ہے اور یہ بھی اللہ کی آخری اور عظیم ترین کتاب ہے تو اس آیت کریمہ میں اللہ نے پہلے نبی اور مومنوں کے باہمی تعلق کو بیان کیا۔ پھر ازواجِ مطہرات کے ادب و احترام اور اُن کی محرمات میں شمولیت کا ذکر کیا۔ پھر سلسلہ مواخات کے احکام کو تبدیل کر کے فرمایا کہ وراثت کے معاملہ میں دینی بھائیوں کی نسبت اصل رشتہ داروں کو فوقیت حاصل ہے۔ البتہ عام مومنین اور مہاجرین یعنی دینی بھائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ ﴿۷﴾ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۸﴾ ع

ترجمہ :- اور (اس بات کو دھیان میں لاؤ) جب کہ ہم نے نبیوں سے اُن کا عہد لیا اور (خاص طور پر) آپ سے۔ اور نوح علیہ السلام سے، اور ابراہیم علیہ السلام سے اور موسیٰ علیہ السلام سے، اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے۔ اور ہم نے اُن سے پختہ عہد لیا ﴿۷﴾ تاکہ پوچھے اللہ تعالیٰ سچوں سے اُن کی سچائی کے بارے میں اور تیار کیا ہے اُس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب ﴿۸﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کو مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ تعلق اور لگاؤ ہے۔ نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں، لہذا نبی کا اتباع اور ادب واحترام ضروری ہے۔ اور دوسرا مسئلہ اللہ نے قرابت داروں کے متعلق فرمایا کہ عام مومنوں اور مہاجروں کی نسبت قرابتداروں کا وراثت میں حق فائق ہے۔ البتہ دوسرے لوگوں سے حسن سلوک اور احسان کیا جاسکتا ہے اس سے پہلی آیت میں پیغمبر علیہ السلام کا مرتبہ اور آپ کا اجلال واکرام بیان ہوا تھا۔ نبی علیہ السلام کو جو خیر خواہی اور ہمدردی بنی نوع انسان سے بالعموم اور اہلِ ایمان کے ساتھ بالخصوص ہے، وہ کسی دوسری ذات میں نہیں ہے [illegible]

کر سکتے ہیں کوئی اور نہیں کر سکتا، لہذا آپ کا اتباع ضروری ہے۔

میثاقِ انبیاء

سورۃ کی ابتداء میں اللہ نے پیغمبر علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ آپ کے پروردگار کی طرف سے۔ آپ پر جو وحی نازل کی جاتی ہے آپ اُس کا اتباع کریں۔ عام اہل ایمان کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ وحی الٰہی کی پیروی کریں۔ اور جن پر وحی نازل کی جاتی ہے وہ اللہ کے نبی اور رسول ہوتے ہیں اور اُن کا اتباع بھی ضروری ہے۔ اَب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور ان کے عہد و پیمان کا ذکر کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ اور اس بات کی طرف توجہ کرو جب کہ ہم نے انبیا علیہم السلام سے پختہ عہد لیا۔ النَّبِيِّينَ سے مراد سارے کے سارے انبیاء ہیں کہ ان سے اقرار لیا گیا تھا۔ اور آگے عہد کی پختگی کا ذکر بھی آرہا ہے۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اس عہد کے ضمن میں پانچ اولوالعزم انبیاء کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جن میں سرفہرست حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ جب ہم نے پختہ عہد لیا۔ جملہ انبیاء علیہم السلام سے وَمِنْكَ اور خاص طور پر آپ سے۔ وَمِنْ نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام سے بھی فرمایا وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا اور ہم نے ان سب سے پختہ اور مضبوط عہد لیا۔

قرآن پاک میں کئی ایک عہد و پیمان کا ذکر آیا ہے۔ ایک عہدِ الست ہے جس کا ذکر سورۃ الاعراف میں آیا ہے۔ یہ عہد عالمِ ارواح میں تمام بنی نوع انسان سے لیا گیا تھا۔ کہتے ہیں[1] کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانی روحوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا اور انہیں دکھایا۔ ایک روایت[2] میں آتا ہے کہ بعض روحیں

---

[1] ابن کثیر ص ۴۶۹ ج ۳ [2] ابن کثیر ص ۴۶۹ ج ۳ و روح المعانی ص ۱۵۴ ج ۲۱ (فیاض)

بڑی روشن اور چمکدار تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے متعلق دریافت کیا، تو آپ کو بتلایا گیا کہ یہ آپ کی اولاد میں سے نبی یا رسول یا نہایت ہی نیکی والے لوگ ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر بھی آتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے اُن کے متعلق دریافت کیا تو اللہ نے فرمایا کہ یہ آپ کی اولاد میں سے آخری دور کے نبی ہیں۔ پھر دریافت کیا کہ انکی عمر کتنی ہے، کہا ساٹھ سال۔ اس پر آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میری عمر میں سے چالیس سال ان کو دے دیے جائیں تاکہ ان کی عمر سو سال ہو جائے۔ آپ کی یہ درخواست قبول کر لی گئی۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال تھی۔ جب اس میں سے چالیس سال باقی رہ گئے تو اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا۔ آپ نے کہا ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔ فرمایا گیا کہ یہ عمر تو تم نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو دیدی تھی۔ مگر آپ وہ بات بھول چکے تھے لہذا انکار کیا جس طرح آدم علیہ السلام بھولے تھے اسی طرح آپ کی اولاد بھی بھولتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے معاملات کو تحریر کرنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ بعد میں کوئی انکار نہ کر سکے۔

بعض[1] فرماتے ہیں کہ یہ عہد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ہوا تھا۔ جب آپ کو زمین پر اتار دیا گیا تو عرفات کے قریب وادیٔ نعمان میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے اُن کی اولاد کی ساری روحوں کو نکالا، یہ روحیں چیونٹیوں کی مانند بالکل چھوٹی چھوٹی تھیں۔ بعض دوسری احادیث[2] سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کے دائیں کندھے پر ہاتھ رکھ کر اہل ایمان کی روحوں کو برآمد کیا اور پھر بائیں کندھے پر ہاتھ رکھ کر کفار و مشرکین کی روحوں کو نکالا۔ بہر حال یہ عہدِ الست کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی تمام روحوں کو مخاطب

---

[1] ‎

[2] ‎

کہہ کے فرمایا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (الاعراف ۱۷۲) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو سب روحوں نے جواب دیا کہ بیشک تو ہی ہمارا رب ہے۔

اس عہد کے علاوہ بعض دوسرے عہد و پیمان کا ذکر بھی قرآن پاک میں آتا ہے مثلاً اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل - ۲۳) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ احسان کرنا، مگر وہ اس عہد پہ قائم نہ رہ سکے۔ اللہ نے بنی اسرائیل سے یہ عہد بھی لیا تھا کہ تم اللہ کی کتاب اور اس فرمان کو لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ (آل عمران - ۱۸۷) لوگوں کے سامنے ظاہر کرو گے اور چھپاؤ گے نہیں مگر بنی اسرائیل اس عہد پہ بھی قائم نہ رہ سکے۔ اور حق بات کو چھپاتے رہے

جس عہد کا ذکر آیت زیر درس میں ہو رہا ہے یہ میثاق النّبیّین کہلاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام اور خاص طور پہ مذکورہ پانچ اولو العزم انبیاء سے لیا تھا۔ اس عہد کی تفصیل سورۃ آل عمران میں گزر چکی ہے۔ اللہ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب میں نے تمہیں کتاب اور حکمت عطا فرمائی پھر تمہارے پاس وہ رسول آجائے جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہیں تو لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آیت - ۸۱) تو اس پہ ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ مطلب یہ کہ اگر پہلا نبی پچھلے نبی کا دور پائے تو اس پہ ایمان لائے اور اس کی تائید کرے۔ اور مجموعی طور پہ سارے انبیاء سے عہد لیا تھا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پہ ایمان لائیں گے اور ان کی نصرت کریں گے۔

اس عہد کے متعلق مختلف اقوال ہیں کہ یہ کب لیا گیا۔ بعض فرماتے ہیں کہ عہد الست کی طرح یہ عہد بھی اس مادی جہان میں آنے سے پہلے لیا گیا تھا۔ البتہ بعض دوسرے مفسرین[1] فرماتے ہیں کہ یہ عہد اللہ نے ہر نبی سے اس کی دنیا میں بعثت کے بعد

---

[1] تفسیر حقانی صہ ۶۵/۶ (فیاض)

لیا تھا کہ اگر تمہارے زمانے میں دوسرا نبی آجائے یا نبی آخر الزمان آجائیں تو ان کی تائید و نصرت کرنا۔

شیخ ابن عربیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ عہد خدا تعالیٰ کی توحید پر کاربند رہنے، ادائے رسالت اور لوگوں کو دین کی طرف دعوت دینے کا تھا اور پختہ عہد لیا تھا کہ تم اس فریضہ کو پورے طریقے سے ادا کرو گے، اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرو گے۔

حضور علیہ السلام کی خصوصیت

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام انبیاء کے بعد مبعوث ہوئے مگر اس آیت کریمہ میں آپ کا ذکر باقی انبیاء سے پہلے کیا گیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ امام ترمذیؒ نے ایک روایت بیان کی ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی تو آپ نے فرمایا میں اس وقت بھی نبی تھا وادم بین الروح والجسد جس وقت آدم علیہ السلام کے جسم میں روح بھی داخل نہیں ہوئی تھی اور حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں تخلیق میں سب سے پہلے اور بعثت میں سب انبیاء کے بعد ہوں مطلب یہ کہ آپ کی تخلیق عالم ارواح میں بھی سب سے پہلے عمل میں آئی۔ اسی لیے اکثر بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس جہاں میں نبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ذریعے اللہ نے باقی انبیاء کی ارواح کی بھی تربیت فرمائی اور اس طرح آپ کو اس عالم میں بھی شرف اور مرتبہ حاصل تھا۔

امام ابن عربیؒ اور بعض دیگر محققین فرماتے ہیں کہ کائنات کی تخلیق کا باعث بھی حضور علیہ السلام کا وجود مبارک ہے اور سب سے مقدم ذریعہ فیضان بھی آپ

۱؎ تفسیر الشیخ الاکبر ص ۱۴۱ ج ۲   ۲؎ ترمذی ص ۵۱۹

۳؎ طبری ص ۱۲۵ ج ۲۱ و ابن کثیر ص ۴۶۹ ج ۳ و معالم التنزیل ص ۱۶۲ ج ۳ و درمنثور ص ۱۸۴ ج ۵

۴؎ تفسیر الشیخ الاکبر ص ۱۴۱ ج ۲ (فیاض)

ہی کی ذات ہے۔ عالمِ ارواح میں بھی اللہ نے آپ کی روح کو سب سے پہلے پیدا کیا اور اس کے ذریعے دوسری ارواح کو فیض پہنچایا۔ غرضیکہ عہدو پیمان کے سلسلے میں آپ کا ذکرِ خیر اس لیے مقدم رکھا گیا ہے کہ عالمِ ارواح میں بھی آپ کی تخلیق سب سے پہلے ہوئی تھی۔

یہاں یہ امر بھی وضاحت کے قابل ہے کہ اس آیت کریمہ میں جن پانچ انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے وہ بلند مرتبت اور عظیم الشان انبیا کہلاتے ہیں۔ اگرچہ النبیین میں تو سارے کے سارے نبی شامل ہیں مگر یہ پانچ اولوالعزم انبیاء وہ ہیں جن کا فیضان اور اتباع دنیا میں ہزاروں سال تک جاری رہا یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ان کا بطور خاص تذکرہ فرمایا ہے کہ ان سے عہد لیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر کاربند رہیں گے۔ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دیں گے، خود بھی اس پر عمل پیرا رہیں گے۔ اور دوسروں کو بھی اس پر پابند رہنے کی ترغیب دیں گے۔ اس کے علاوہ دنیا میں برائی کی بجائے نیکی اور فساد کی بجائے اصلاح کو عام کرنے کی سعی کریں گے۔

میثاق کی غایت

آگے اللہ نے اس میثاق کی غرض و غایت بھی بیان فرمائی ہے۔ لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ تاکہ اللہ تعالیٰ سچے لوگوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے۔ سورۃ الاعراف میں یہ مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ (آیت۔ ۶) ہم اُن لوگوں سے بھی پوچھیں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا اور خود رسولوں سے بھی سوال کریں گے کہ انبیا اور اُن کے امتیوں نے مذکورہ عہد کو کس حد تک پورا کیا۔ نبیوں سے سوال ہوگا کہ کیا انہوں نے تبلیغ حق کی ذمہ داری پوری کی اور امتیوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا انہوں نے نبیوں کی دعوت کو قبول کیا یا نہیں؟ انبیاء سے اس قسم کے سوال کا ذکر حجۃ الوداع کے واقعہ میں بھی آتا ہے۔ حج کا خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضرین سے فرمایا تھا

کہ لوگو! کل قیامت کے دن میرے بارے میں تم سے سوال ہوگا تو کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا۔ نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ اَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ ہم اللہ کے حضور گواہی دیں گے کہ آپ نے امانت ادا کر دی، تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور امت کے لیے خیر خواہی بھی کر دی۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین دفعہ فرمایا، خدایا گواہ رہنا۔

بہر حال قیامت والے دن اللہ تعالیٰ سچے لوگوں سے اُن کی سچائی کے بارے میں سوال کریگا۔ اس بات کا ذکر سورۃ المائدہ میں بھی آیا ہے هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (آیت۔ ۱۱۹) اُس دن سچے لوگوں کو اُن کی سچائی ضرور فائدہ دے گی۔ اور سچے لوگوں میں سرِ فہرست انبیاء کی جماعت ہے جنہوں نے پوری سچائی کے ساتھ دین کو قبول کیا، اُس پر عمل کیا اور اس کی اشاعت و بقا کا بندوبست کیا۔ اس کے بعد جن لوگوں نے دینِ حق کو مانا اور اس پر عمل پیرا ہوئے وہ بھی سچوں میں شمار ہوں گے، اور قیامت کے دِن ان کی سچائی کے متعلق سوال ہوگا۔ اور وہ اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچیں گے۔ اِن کے برخلاف جنہوں نے دین توحید کو تسلیم نہ کیا اور کفر، شرک اور معصیت کا ارتکاب کرتے رہے، فرمایا وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب بھی تیار کیا ہوا ہے جس کا وہ شکار ہوں گے۔ حقیقت میں ایسے لوگوں نے اُس عہد کا پاس نہ کیا جو اللہ نے اُن سے لیا تھا کہ وہ انبیاء کے لائے ہوئے دین کو قبول کریں گے اور ان کی تائید و نصرت کریں گے۔ ایسے لوگوں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی اور ان کے لائے ہوئے دین کو ٹھکرا دیا اور بالآخر دردناک عذاب میں پھنس گئے۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا
وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ⑨ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ
وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ
وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ
بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ⑩ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ
وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ⑪ وَاِذْ يَقُوْلُ
الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا ⑫

ترجمہ :- اے ایمان والو ! یاد کرو اللہ کی اُس نعمت کو جو اُس نے تم پر کی جب کہ تم پر حملہ آور ہوئے تھے بہت سے لشکر ۔ پس ہم نے بھیجی اُن پر تند ہوا ، اور ایسا لشکر جس کو تم نے نہیں دیکھا ۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو دیکھنے والا ہے ⑨ جب چڑھ آئے وہ تم پر اُوپر کی جانب سے اور نیچے کی جانب سے ۔ اور جس وقت آنکھیں پتھرا گئیں تھیں ، اور دل اُچھل

کہ گلوں تک آ رہے تھے ، اور تم گمان کرتے تھے طرح طرح کے گمان (۱۰) اُس وقت آزمائے گئے مومن اور وہ سخت متزلزل کئے گئے (۱۱) اور جب کہتے تھے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ اور اُس کے رسول نے مگر دھوکہ (۱۲)

ربطِ آیات

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُس میثاق النبیین کا ذکر فرمایا ، جو اُس نے اپنے انبیاء سے عالمِ ارواح میں لیا تھا ۔ اِن میں سے پانچ اولوالعزم انبیاء کا ذکر اللہ نے خاص طور پر کیا ۔ اُن سب سے یہ پکا عہد لیا گیا تھا کہ اگر پہلا نبی بچھلے نبی کا زمانہ پائے تو اُس پر ایمان لائے اور اس کی تائید کرے ۔ اور مجموعی طور پر تمام انبیاء کا پختہ عہد یہ تھا کہ وہ نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور اُن کی نصرت کریں گے ۔ ظاہر ہے کہ جب انبیاء نے یہ عہد کر لیا تو ہر اُمتی پر بھی یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ آخری نبی پر ایمان لائے اور اُس کی تائید و نصرت کرے ۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ ہم نے یہ عہد اس لیے لیا تھا تاکہ سچے لوگوں کی سچائی اور کافروں کا کفر واضح ہو جائے اور پھر سچے لوگوں کو اُن کی سچائی کا بدلہ جنت کی صورت میں دیا جائے اور کافروں کو دردناک عذاب کا مزہ چکھایا جائے ۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنگِ احزاب کے بعض واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے اور اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے انہیں اپنی نعمت کی یاد دہانی کرائی ہے جو اُس نے اس موقعہ پر مسلمانوں پر کی اور جس کی بدولت مسلمانوں کو کفار کے غلبے سے محفوظ رکھا ۔ ان آیات کا گذشتہ آیات کے ساتھ ربط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس سچائی ، خلوص اور دین داری کو جانچنے کا اشارہ گذشتہ آیات میں کیا تھا ۔ جنگ احزاب کے موقعہ پر اُس کا امتحان ہو رہا تھا کہ کون دینِ حق کے ساتھ مخلص اور نبی کا سچا وفادار ہے اور کون منافق اور کافر ہے ۔

جنگِ احزاب

جنگِ احزاب[1] یا جنگِ خندق ۵ھ میں لڑی گئی، اس سے پہلے کفار جنگ بدر اور احد میں مسلمانوں کو مغلوب کرنے میں ناکام ہو چکے تھے مسلمانوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی تھی، اسلام تقویت پکڑ رہا تھا اور یہی چیز کافروں کے لیے سوہانِ روح بنی ہوئی تھی اور وہ مسلمانوں پر کاری ضرب لگانے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ اس دوران بنو نضیر کے بیس سردار مکہ میں قریش کے پاس حاضر ہوئے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف اپنی مدد کا یقین دلایا۔ اس کے بعد بنو نضیر کا یہ وفد بنو غطفان کے پاس گیا اور قریش کی طرح انہیں بھی آمادۂ جنگ کیا۔ پھر انہوں نے عرب کے بعض دیگر قبائل کو بھی ساتھ ملا لیا اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے تیار کر لیا۔ قریشِ مکہ پہلے ہی کسی ایسے موقعہ کی تلاش میں تھے، وہ فوراً جنگ پہ آمادہ ہو گئے۔ پروگرام کے مطابق یہ سارے قبائل مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے اور چند دن میں مدینہ کے قریب دس ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔ یہ اتنا بڑا لشکر تھا کہ مدینے کی کل آبادی سے بھی زیادہ تھا۔

ادھر مدینے کی قیادت بھی بیدار مغز تھی اور ان کی انگلیاں ہمیشہ حالات کی نبض پر رہتی تھیں۔ جونہی کفار کا یہ لشکر مدینے کے قریب آیا مخبرین نے اس کی اطلاع مدینہ میں کر دی۔ اطلاع پاتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہائی کمان کی مجلسِ شوریٰ منعقد کی اور دفاعی منصوبے پر صلاح و مشورہ شروع کر دیا۔ غور و خوض کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ کی تجویز منظور کر لی گئی کہ مدینہ طیبہ کے گرد مناسب مقامات پر خندق کھود کر دشمن کو شہر میں داخلے سے روکا جائے، اس منصوبے پر فوراً عمل شروع ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے دس دس آدمیوں کو چالیس چالیس گز کا ٹکڑا کھودنے کا حکم دیا چنانچہ ساڑھے تین میل لمبی یہ خندق چھ دن میں مکمل کر لی گئی۔

خندق کی کھدائی کے دوران بھی بہت سے واقعات پیش آئے اور حضور

---

[1] روح المعانی ص ۱۵۵ ج ۲۱ و خازن ص ۲۳۳ ج ۵ و ابوسعود ص ۲۰۳ ج ۴ و مظہری ص ۳۱۱ ج ۷ (فیاض)

علیہ السلام کے بعض معجزات بھی ظاہر ہوئے۔ فاقہ کی حالت میں لوگ پیٹ پہ پتھر باندھ کر خندق کھودتے رہے۔ اتنے میں دشمن بھی خندق تک پہنچ گیا۔ اور مسلمانوں کا یہ دفاعی منصوبہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ اس خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے۔ اگر کسی نے کوشش کی تو جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ یہ محاصرہ پچیس دن یا ایک ماہ تک جاری رہا مگر کفار اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد دو طریقوں سے کی۔ ایک تو اُن کی امداد کے لیے فرشتوں کا لشکر بھیج دیا اور دوسرا سخت ہوا بھیجی۔ جس سے کافروں کے خیمے اکھڑ گئے، ہانڈیاں الٹ گئیں، اونٹ بھاگ کھڑے ہوئے اور اس طرح وہ محاصرہ اٹھانے پہ مجبور ہو گئے۔ فرشتوں کا لشکر اللہ نے میدان بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لیے بھیجا تھا۔ فرشتے براہِ راست جنگ تو نہیں لڑتے مگر اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دل مضبوط کر دیتا ہے۔ پھر جس شخص کو اعتماد ہو کہ اُس کے ساتھ فرشتوں کی جماعت موجود ہے۔ اس کا حوصلہ بڑھ جائے گا۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان پیدا ہو جائے گا۔ بہرحال کافروں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور مسلمان اُن کے شر سے مامون رہے۔

انعاماتِ الٰہیہ کا تذکرہ

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی انعام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ[1] اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو یاد کرو اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ جب کہ تمھارے اُوپر ہر طرف سے دشمن کے لشکر چڑھ آئے تھے۔ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا پس ہم نے اُن پر ایک تیز ہوا بھیجی جس نے اُن کے سارے نظام کو درہم برہم کر دیا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ وَ نُصِرْتُ بِالصَّبَا یعنی اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کو مغرب کی طرف سے

---

[1] تفسیر خازن صـ ۲۳۳ ج ۵ و مظہری صـ ۳۱۱ ج ۷ و مدارک صـ ۲۹۵ ج ۳ (فیاض)

گرم ہوا بھیج کر ہلاک کیا، اور میری مدد مشرق کی طرف سے چلنے والی ہوا کے ساتھ کی۔ یہ ہوا نہایت ٹھنڈی تھی۔ حملہ آور اُسے برداشت نہ کر سکے۔ فرمایا اے ایمان والو یہ تم پر دوسرا انعام یہ فرمایا وَجُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا اور تم پر ایسے لشکر بھیجے جسے تم نہیں دیکھ پاتے تھے۔ فرشتوں نے تمہارے دلوں کو مضبوط کیا جس کی وجہ سے تم دشمن کے خوف سے دل برداشتہ نہ ہوئے اور بالآخر اللہ نے تیز اور ٹھنڈی مشرقی ہوا بھیج کر حملہ آوروں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرًا اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

پھر فرمایا اُس وقت کو یاد کرو اِذۡ جَآءُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ جب دشمن تم پر اُوپر کی جانب سے چڑھ آئے وَمِنۡ اَسۡفَلَ مِنۡكُمۡ اور نچلی جانب سے بھی۔ مدینہ کی مشرقی جانب اونچی جگہ ہے جہاں عوالی ہیں۔ جب کہ مغربی حصہ نیچا ہے۔ دشمن دونوں طرف سے حملہ آور ہوئے تھے۔ تمہاری عورتیں، بچے اور بوڑھے شہر میں تھے جن کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہیں تھا کیونکہ سارے مجاہدین دشمن کے مقابلے میں خندق کے اس پار مورچہ زن تھے ان حالات میں اُس وقت کو دھیان میں لاؤ۔ وَاِذۡ زَاغَتِ الۡاَبۡصَارُ جب کہ خوف اور دہشت کی وجہ سے تمہاری آنکھیں پھرا گئی تھیں وَبَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَنَاجِرَ اور دل اچھل کر گلوں تک آ رہے تھے۔ اس موقعہ پر حضرت ابوسعید خدریؓ نے عرض کیا حضورؐ! ہمیں کوئی ورد بتائیں جس کے پڑھنے سے سکون حاصل ہو۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو اَللّٰهُمَّ اسۡتُرۡ عَوۡرَاتِنَا وَاٰمِنۡ رَوۡعَاتِنَا پروردگار! ہماری سرحدوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمارے خوف کو امن میں تبدیل کر دے۔ غزوہ احد کے موقعہ پر بھی جب دشمن

لہ تفسیر مدارک صفحہ ۲۹۶ ج ۳ و روح المعانی صفحہ ۱۵۷ ج ۲۱ (فیاض)

نے پلٹ کر حملہ کر دیا تو مسلمانوں نے یہ دُعا پڑھی تھی حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ یعنی ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

فرمایا، اُس وقت تمھاری حالت یہ تھی وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا اور تم طرح طرح کے گمان کر رہے تھے، خاص طور پر منافقین اور کمزور دل لوگوں کے دلوں میں بہت سے وسوسے آ رہے تھے کہ پتہ نہیں اب کیا ہوگا۔ ؟ کیا مسلمان بالکل ہی ختم ہو جائیں گے ؟ مصیبت کے وقت خوف پیدا ہو جانا طبعی امر ہے اور یہ کمال کے منافی نہیں۔ سامنے دشمن کا لشکرِ جرار نظر آ رہا تھا، مسلمانوں کی تعداد بھی بالکل قلیل تھی اور سامانِ حرب بھی تھوڑا تھا۔ اور اُدھر عورتیں اور بچے غیر محفوظ نظر آتے تھے۔ اِن حالات میں خوف و ہراس اور وساوس کا پیدا ہونا فطری امر تھا۔

فرمایا هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِس وقت مومنوں کو آزمایا گیا کہ اِس قدر مشکل وقت میں یہ کس حد تک ثابت قدم رہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی گھبراہٹ کو سکون میں تبدیل کر دیا۔ اس کے برخلاف منافقوں پر دہشت طاری ہوگئی۔ فرمایا وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا اور مومن اچھی طرح متزلزل کیے گئے مگر وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہے جس کی وجہ سے کفار کو شہر میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔

منافقوں کی بکواس

فرمایا اس وقت کو بھی یاد کرو وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ جب کہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا کہہ رہے تھے مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا کہ ہم سے نہیں وعدہ کیا اللہ اور اُس کے رسُول نے مگر دھوکے کا۔ غزوہ احد کے موقعہ پر جب دشمن دوبارہ حملہ نہ کر سکا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ انشاء اللہ آئندہ ہم کامیاب ہوں گے، اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے منافق کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ خندق کھودتے

وقت حضور علیہ السلام نے بعض پیشین گوئیاں بھی فرمائی تھیں کہ اللہ تعالیٰ ایران اور روم پر مسلمانوں کو غلبہ عطا کرے گا۔ خندق کی کھدائی کے دوران حضور نے ایک سخت چٹان پر کدال مارا تو فرمایا، اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ میں اس وقت وہاں کے سرخ محلات کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی تو چٹان کا ایک ٹکڑا علیحدہ ہوا۔ آپ نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے فارس دیا گیا ہے واللہ! اس وقت میں مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے تیسری ضرب لگائی اور فرمایا اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ میں اس وقت صنعاء کے پھاٹک دیکھ رہا ہوں۔ اس قسم کی پیشین گوئیاں بھی منافقوں کو یاد آ رہی تھیں۔ کہنے لگے آپ روم اور ایران کی باتیں کہتے ہیں اور ادھر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم بول و براز کے لیے بھی باہر نہیں نکل سکتے"۔ اسی بات کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ منافق کہتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جھوٹا وعدہ کیا ہے کہ فتح مسلمانوں کو حاصل ہوگی۔ حالانکہ ہم تو شدید ترین خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ بہر حال اس رکوع میں منافقین کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے اور ایمان والوں کو تسلی دی گئی ہے اور ان کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ کہ وہ ایسے کٹھن وقت میں ثابت قدم رہے۔

درس ششم ٦ آیت ١٣ تا ٢٠

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ
لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ
مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ
وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾
وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ
سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ
اِلَّا يَسِيْرًا ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ
مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ
اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿١٥﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ
فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا
تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٦﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ
يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا
اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧﴾ قَدْ يَعْلَمُ
اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ

لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۚ وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ
إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٨﴾ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَإِذَا جَاءَ
الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ
أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ
الْمَوْتِ ۚ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ
بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ
لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ
ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ
لَمْ يَذْهَبُوا ۖ وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ
أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ
عَنْ أَنْبَائِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا
قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٠﴾ ع ٢ ١٢ ١٨

ترجمہ :- اور (اس بات کو دسیان میں لاؤ) جب
کہا ایک گروہ نے اُن (منافقین) میں سے ، اے یثرب
کے رہنے والو ! یہ تمھارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے ۔
پس لوٹ جاؤ واپس (اپنے گھروں کو) اور اجازت
طلب کرتا ہے ایک گروہ اُن میں سے نبی علیہ السلام
سے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ
وہ غیر محفوظ نہیں ہیں ۔ نہیں چاہتے یہ مگر بھاگنا (۱۳)

اور اگر شہر میں اس کے اطراف سے کوئی فوج داخل کر دی
جائے، پھر ان لوگوں سے فتنے برپا کرنے کا مطالبہ کیا
جائے تو فوراً اس میں شامل ہو جائیں گے۔ اور نہ ٹھہریں گے
اس کے بارے میں مگر بہت تھوڑا (۱۴) اور البتہ تحقیق
انہوں نے معاہدہ کیا تھا اللہ سے اس سے پہلے کہ
پشت نہیں پھیریں گے۔ اور اللہ کے عہد کے متعلق سوال
کیا جائے گا (۱۵) (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، ہرگز
نہیں فائدہ دے گا تم کو بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہو گے موت
سے یا قتل کیے جانے سے۔ اور اس وقت تم کو فائدہ
نہیں دیا جائے گا مگر بہت تھوڑا (۱۶) آپ کہہ دیجئے
کون ہے جو بچاتا ہے تمہیں اللہ سے اگر ارادہ کرے
وہ تمہارے ساتھ برائی کا یا ارادہ کرے تمہارے ساتھ
مہربانی کا۔ اور نہ پائیں گے وہ اپنے لیے اللہ کے سوا
کوئی حمایتی اور نہ مددگار (۱۷) تحقیق جانتا ہے اللہ تعالیٰ
اُن لوگوں کو جو روکتے ہیں تم میں سے اور اُن کہنے
والوں کو بھی جو اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہماری
طرف چلے آؤ۔ اور وہ نہیں جاتے لڑائی میں مگر بہت
تھوڑا (۱۸) وہ بخیل ہیں تمہارے اُوپر۔ جب آجائے خوف
تو دیکھے گا اُن کو کہ وہ تکتے ہیں۔ آپ کی طرف
گھومتی ہیں اُن کی آنکھیں اُس شخص کی طرح جس پہ غشی
طاری ہوتی ہے موت کی وجہ سے۔ پس جب خوف چلا
جاتا ہے تو پھر وہ کاٹتے ہیں تمہیں تیز زبانوں سے۔
حریص ہیں وہ مال کے۔ یہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائے

پس اللہ نے اِن کے اعمال کو ضائع کر دیا ہے ۔ اور یہ بات اللہ پر آسان ہے (۱۹) گمان کرتے ہیں یہ فوجوں کے بارے میں کہ وہ نہیں واپس ہوئیں ۔ اور اگر آئیں کوئی اور فوجیں تو یہ پسند کرتے ہیں کاش کہ یہ دیہات میں ہی ہوتے اور پوچھتے تمھاری خبروں کے بارے میں ۔ اور اگر یہ لوگ تمھارے درمیان ہوتے تو نہ لڑتے مگر بہت تھوڑا (۲۰)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں جنگ احزاب کا ذکر ہوا تھا جس میں قلت تعداد کے باوجود مسلمان دشمن کے شر سے محفوظ رہے اور کفار نامراد واپس لوٹ گئے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی تسلی کے لیے فرشتوں کا لشکر نازل فرمایا۔ نیز مشرق سے تندو تیز ہوا چلا کر دشمنوں کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ وہ مدینہ میں داخل ہو کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے مگر اللہ نے انہیں ذلیل، ناکام اور خائب و خاسر بنا دیا۔ اللہ نے اہلِ ایمان کو یہ نعمت یاد دلائی اور اللہ کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا، اور دوسری طرف منافقوں کی مذمت بیان کی۔ آج کی آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔

مسلمانوں نے فاقے کی حالت میں سخت مشقت برداشت کر کے ساڑھے تین میل لمبی خندق کھودی اور اس طرح مدینے کے ارد گرد دفاعی حصار قائم کر لیا۔ آگے بنی قریظہ کا حال بھی بیان ہو رہا ہے کہ غزوہ احزاب کے بعد ان سے بھی مٹھ بھیڑ ہوئی اور اللہ نے ان دشمنوں کا بھی خاتمہ کر دیا۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے زرہ پہنی مگر وہ اتنی چھوٹی تھی کہ آپ کے بازو باہر نکلے ہوئے تھے اس پر جوش میں آ کر انہوں نے کہا تھا۔

لہ مظہری صـ۳۲۲ ج ۷ (فیاض)

۵ لَيْتَ قَلِيْلًا يُدْرِكُ الْهَيْجَا الْجَمَلُ
لَا بَأْسَ بِالْمَوْتِ إِذَا حَانَ الْأَجَلُ

کاش کہ تھوڑا سا موقع مِل جائے جس میں میرا اونٹ میدان جنگ تک پہنچ جائے، اور پھر اگر موت بھی آجائے تو کچھ پروا نہیں۔ ظاہر ہے کہ موت تو بہر صورت آنی ہے اور اگر یہ اسلام کے دفاع میں آجائے تو اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے۔ اِس موقعہ پر حضرت سعدؓ کی والدہ نے آپ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! تاخیر نہ کرو بلکہ جلدی کرو اور اللہ کے رسول جہاں بھی ہوں اُن کے پاس فوراً پہنچ جاؤ۔

منافقوں کی طرف سے حوصلہ شکنی

مسلمانوں میں تو اس قدر جوش و جذبہ پایا جاتا تھا مگر منافقوں کا حال یہ تھا کہ وہ بددِل ہو رہے تھے اور جیسا کہ گذشتہ درس میں گزر چکا ہے، کہنے لگے کہ اس جنگ سے پہلے اللہ کے نبیؐ نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ آئندہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہی کامیاب و کامران کرے گا۔ پھر جب شہر کا پوری طرح محاصرہ ہو گیا تو وہ مجاہدین کی حوصلہ شکنی کرنے لگے۔ وَإِذْ قَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ اور جب اُن میں سے ایک گروہ نے کہا يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ اے یثرب کے رہنے والو! یہاں دشمن کے مقابلے میں مورچہ بند ہو کر رہنا تمہارے لیے کوئی موزوں ٹھکانا نہیں ہے۔ یہاں تو نری تباہی اور بربادی ہے۔ دشمن کی کثیر تعداد اسلحہ سے لیس تمہارے مقابلے میں ہے۔ تمہاری تعداد بھی قلیل ہے، سر و سامان کا فقدان ہے حتیٰ کہ تمہاری خوراک کا بھی کوئی بندوبست نہیں اور تمہیں فاقے پر فاقے آرہے ہیں۔ ان حالات میں تم دشمن کا کیسے مقابلہ کر سکو گے۔ غزوہ احد کے موقعہ پر بھی منافق اسی قسم کی بات کرکے مسلمانوں سے علیحدہ ہو گئے تھے کہ قریش کی کثیر تعداد کے ساتھ مقابلہ کرنا تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، لہٰذا ہم تمہارے ساتھ اِس تباہی میں شریک نہیں ہو سکتے۔ کہنے لگے حالات اب بھی ناموافق ہیں، تم دس ہزار کے جرار لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکو گے لہٰذا فَارْجِعُوا اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ اور

خود اپنے ہاتھوں سے اپنی ہلاکت کو نہ خریدو۔

یثرب مدینے کا قدیم نام ہے۔ یہ شہر اثرب یا یثرب نامی کسی شخص کے نام پر مشہور ہوگیا تھا تثریب، ملامت، گناہ یا برائی کو کہتے ہیں۔ اسی لیے[1] حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مدینہ کو یثرب نہ کہا کرو۔ جو ایسا کہتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے آپ نے یہ بات تین دفعہ کہی۔ نیز فرمایا کہ یہ تو طابہ، طیبہ یا مدینۃ الرسول ہے اس پاک شہر کو یثرب کے نام سے مت پکارا کرو۔

منافقوں کے جھوٹے بہانے

بہر حال منافقوں کا ایک گروہ تو وہ تھا جو مخلص ایمان والوں کو اپنے گھروں میں واپس چلے جانے کی ترغیب دیتا تھا۔ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ اور ان میں سے دوسرا گروہ وہ تھا جو جھوٹے حیلے بہانوں سے نبی علیہ السلام سے محاذِ جنگ سے واپس چلے جانے کی اجازت طلب کرتا تھا کہتے تھے اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ بیشک ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ عورۃ کا معنی برہنہ یا عیب دار ہونا ہے۔ مطلب یہ کہ ہمارے گھروں کی چار دیواریاں بھی نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ دشمن شہر میں گھس آئے اور ہماری عورتوں اور بچوں کو نقصان پہنچائے مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ بکواس کرتے ہیں وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ان کے گھر قطعاً غیر محفوظ نہیں بلکہ ٹھیک ٹھاک ہیں۔ حقیقت یہ ہے اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا یہ جھوٹے حیلے بہانوں سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

دشمن کی مدد

فرمایا یہ منافق ایسے فتنہ پرور ہیں وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا اگر مدینے کے اطراف سے کہیں دشمن کی فوج شہر میں داخل ہو جائے۔ ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا پھر ان سے مسلمانوں کے خلاف فتنے کا مطالبہ کیا جائے تو فوراً مان جائیں گے۔ اور مسلمانوں کے خلاف دشمن کو مدد دینے پر آمادہ ہو جائیں گے، فرمایا اس سلسلہ میں کوئی تاخیر روا نہیں

---

[1] مظہری صـ۳۳۲ ج۷ و روح المعانی صـ۱۵۹ ج ۲۱ (فیاض)

رکھیں گے بلکہ وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا نہیں ٹھہریں گے مگر بہت کم اور دشمن کے ساتھ شریک ہو جائیں گے حالانکہ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ اس سے پہلے یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عہد کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں برابر شریک رہیں گے اور پشت نہیں پھیریں گے مگر اِن کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی دشمن اِن سے اہلِ ایمان کے خلاف مدد طلب کرتا ہے تو فوراً تیار ہو جاتے ہیں، مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور اس طرح عہد شکنی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ غزوۂ احد کے موقعہ پر بھی منافقوں نے ایسی ہی خباثت کا اظہار کیا تھا مگر جب اللہ کی طرف سے سخت وعید آئی تو انہوں نے معافی مانگی۔ اِس جنگ میں اگرچہ مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا مگر ایک لحاظ سے انہی کا پلہ بھاری رہا کیونکہ دشمن تعاقب نہ کر سکا بلکہ مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کر کے انہیں بھگا دیا۔ اُس وقت انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کے ساتھ غداری نہیں کریں گے مگر غزوہ احزاب کے موقع پر انہوں نے پھر حیلوں بہانوں سے یہی کام کیا، حالانکہ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ ہم پشت نہیں پھیریں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ اِن کو علم ہونا چاہیئے وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا اللہ سے کیا ہوا عہد رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ اس کے متعلق اِن سے سوال ہوگا کہ تم نے عہد شکنی کیوں کی؟ اس کے برعکس اللہ کا نبی اور ایمان والے سخت تکالیف برداشت کر کے بھی دشمن کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ غزوہ خندق ہی میں سختی کا ایک دن ایسا بھی آیا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سارا دن مورچہ زن رہے حتیٰ کہ ظہر، عصر اور مغرب کی تین نمازیں بھی قضا ہو گئیں۔ پھر آپ نے عشاء کے وقت میں یہ نمازیں قضا کر کے پڑھیں۔ نمازِ عصر کی فوتیدگی پر حضور علیہ السلام نے سخت افسوس کا اظہار کیا اور بددعا فرمائی، کہ اللہ تعالیٰ اِن کافروں کی قبروں کو آگ سے بھر دے کہ اِن کی وجہ سے[1]

---

[1] مظہری صفحہ ۳۲۶ ج ۷ (فیاض)

ہماری صلوٰۃِ وسطیٰ ابھی رہ گئی ہے۔ الغرض! فرمایا کہ اگر ان منافقوں سے مسلمانوں کے خلاف فتنے کا مطالبہ کیا جائے تو اس کے لیے فوراً تیار ہو جائیں گے۔

موت سے فرار ممکن نہیں

منافقین موت کے خوف سے میدانِ جنگ سے بھاگتے تھے مگر اللہ نے فرمایا قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم طبعی موت یا قتل کیے جانے کے ڈر سے بھاگتے ہو تو یہ فرار تمھیں کچھ مفید نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی طرح بھاگ بھی جاؤ گے وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا تو پھر بھی تمھیں بہت کم ہی فائدہ دیا جائے گا۔ تم مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ بھی جاؤ گے، تو کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھاؤ گے، بلکہ الٹا ندامت اور پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے گا اللہ تعالیٰ نے انہیں مزید خبردار کیا اور فرمایا قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ کون ہے جو تمھیں بچائے گا اللہ تعالیٰ سے اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اگر وہ تم سے برائی کا ارادہ کرے اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً یا وہ تم سے مہربانی کرنا چاہے فرمایا تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ وہ چاہے تو کسی کو مشقت میں ڈال دے اور چاہے تو اس پر انعام کر دے۔ اس کے ارادے میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا، لہٰذا تمھارا موت کے خوف سے بھاگنا تمھیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے کہ وہ کسی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا ہے۔

فرمایا یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم کہیں نہیں جا سکتے وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا اور نہ ہی وہ اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار پائیں گے۔ اللہ کی مرضی کے خلاف ان کے حق میں کوئی نصرت کارگر نہیں ہو سکتی۔

فرمایا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ اللہ تعالیٰ تم میں سے جنگ سے روکنے والوں یعنی منافقوں کو خوب جانتا ہے وَالْقَآئِلِيْنَ

لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا اور اُن کو بھی خوب جانتا ہے جو اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہماری طرف آجاؤ اور جنگ میں شریک نہ ہو۔ اُس زمانہ میں مخلص مسلمان اور منافق ملے جلے تھے۔ اگر ایک بھائی پکا مسلمان ہے تو دوسرا منافق ہے تو اِن حالات میں منافق اپنے بھائی بندوں کو جنگ میں شرکت سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ جب کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچتی یا وہ شہید ہو جاتا، تو منافقوں کو غلط پراپیگنڈا کرنے کا موقع مل جاتا کہ اگر ہمارے ساتھ رہتے تو یہ تکلیف نہ پہنچتی۔ دوسری جگہ اللہ کا یہ فرمان موجود ہے کہ اگر تم مضبوط قلعوں میں بھی بند ہو جاؤ تو موت سے بچ نہیں سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ وہاں سے نکال کر اُسی مقام پر تم پر موت طاری کر دے گا۔ بہر حال مسلمانوں کے ساتھ شریک جنگ ہونے سے روکنے والوں کے متعلق فرمایا وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ اِلَّا قَلِيْلًا کہ وہ خود لڑائی میں کم ہی جاتے ہیں اور اکثر حیلے بہانے سے اعتراض ہی کرتے ہیں۔

منافقین کی بدکرداری

فرمایا اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ وہ تم پر بڑے بخیل ہیں۔ تمھاری مدد کرنے اور مال خرچ کرنے میں انتہائی کنجوسی کا اظہار کرتے ہیں اور حیلے بہانے سے بچنا چاہتے ہیں۔ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ پس جب خوف آئے یعنی خطرہ درپیش ہو۔ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِىْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ تو آپ دیکھیں گے کہ یہ منافق لوگ آپ کی طرف تکتے ہیں اور اُن کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جس طرح کسی شخص پر موت کی غشی طاری ہو۔ اُس وقت یہ لوگ بڑے حیران اور دہشت زدہ معلوم ہوتے ہیں فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ اور جب خوفزدگی دُور ہو جائے سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ تو آپ کو تیز زبانوں سے کاٹتے ہیں، طعن اور ملامت کرتے ہیں اور مسلمانوں کی مذمت کرنے لگتے ہیں۔ پھر فرمایا اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ یہ لوگ مال کے بڑے حریص ہیں۔ جہاد میں تو شریک نہیں ہوتے مگر جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی ہے اور مال غنیمت حاصل ہوتا ہے

تو یہ اُدھر بھی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں کہ اس میں سے انہیں بھی کچھ حصہ مل جائے
فرمایا أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا حقیقت میں یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں
لائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ کہ اللہ نے اُن کے
اعمال کو ضائع کر دیا ہے۔ چونکہ وہ لوگ صدق دل سے ایمان ہی نہیں لائے، اس
لیے اگر انہوں نے دکھاوے کی نمازیں پڑھی ہیں یا بامر مجبوری کسی جنگ میں شریک
ہوئے ہیں تو اللہ نے اُن کے ایسے اچھے اعمال کو بھی ضائع کر دیا ہے اور انہیں
اِن اعمال کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا
اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے آسان کا لفظ اس لیے بیان
کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا وجہ کسی کا اچھا عمل ضائع نہیں کرتا بلکہ وہ منافقوں کے
اچھے اعمال کی طرف بھی توجہ کرتا ہے تو اُن میں کفر، شرک، نفاق یا الحاد پایا جاتا
ہے۔ جس کی اصلاح ممکن نہیں ہوتی، لہٰذا اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال کو نہایت
آسانی کے ساتھ ضائع کرنے میں حق بجانب ہوتا ہے۔ اعمال کی مقبولیت کا دارومدار
ایمان پر ہے۔ جب ایمان ہی نہیں ہے، عقیدہ ہی درست نہیں ہے تو پھر اعمال
کا کیا فائدہ ہوگا؟

جہاد سے فرار

فرمایا اِن منافقوں کا حال یہ ہے يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ
يَذْهَبُوا کہ یہ گمان کرتے ہیں کہ دشمن کی فوجیں ابھی واپس نہیں گئیں بلکہ مسلمانوں
کے بالمقابل صف آراء ہیں۔ اور وہ مسلمانوں کو ضرور نقصان پہنچائیں گی وَإِن
يَأْتِ الْأَحْزَابُ اور اگر فی الحقیقت دشمن کی فوج آ ہی جائے يَوَدُّوا
لَوْ أَنَّهُم بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ تو چاہتے ہیں کاش کہ وہ
دیہات میں ہوتے۔ کیونکہ شہر میں ہونے کی صورت میں انہیں دشمن کا خطرہ ہوتا
ہے اور مال و جان کے ضیاع کی فکر ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کاش کہ ہم شہر کی بجائے
دیہات میں ہوتے يَسْأَلُونَ عَنْ أَنبَائِكُمْ اور وہیں بیٹھ کر مسلمانوں

کے متعلق خبریں پوچھتے رہتے کہ اُن کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہے۔ وہ تو مخلص مسلمانوں کی شکست اور مالی و جانی نقصان کی خبر سننے کے منتظر رہتے۔ یہ اتنے بزدل لوگ ہیں کہ جونہی دشمن قریب آئے یہ خوفزدہ ہو کر تمنا کرنے لگتے ہیں کہ وہ شہر کی بجائے دیہات میں ہوتے تو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہونا پڑتا۔

فرمایا منافقوں کا جنگ سے گریز ایک لحاظ سے اچھا ہے کیونکہ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ اگر وہ تمھارے درمیان بھی ہوں مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا تو جنگ میں نہیں شریک ہوں گے مگر بہت تھوڑا۔ مطلب یہ کہ تمھارے ساتھ رہنے کا فائدہ بھی کچھ نہیں جب انہوں نے نہ صرف خود جنگ سے اعراض کرنا ہے بلکہ اپنے بھائی بندوں کو بھی لڑائی سے علیحدہ رہنے کی ترغیب دینا ہے۔ اس لحاظ سے ایسے لوگ تمھارے درمیان رہ کر نقصان کا باعث ہی بنیں گے۔ بہتر ہے کہ یہ دور دور ہی رہیں تاکہ ان کی خباثت بھی آشکارا ہوتی رہے اور مسلمان ان سے زیادہ خبردار بھی رہیں اور پھر اپنے لیے کوئی بہتر تدبیر اختیار کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی سازشوں اور اُن کی بزدلی کو ظاہر کر دیا تاکہ مخلص مسلمان اُن کی سازشوں کا شکار نہ ہوں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ
اللّٰهَ كَثِيرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُونَ الْاَحْزَابَ ۙ
قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ
عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ
مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۙ ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ
اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ
اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ
لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ
الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ
ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ
صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ

فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ﴿٢٦﴾
وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ
وَأَرْضًا لَّمْ تَطَئُوهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢٧﴾ ع ۳ ۷ ۱۹

ترجمہ:۔ البتہ تحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ایک اچھا نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو اُمید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے، اور قیامت کے دن کی اور اُس نے ذکر کیا اللہ کا کثرت سے ﴿٢١﴾ اور جب دیکھا ایمان والوں نے لشکروں کو تو کہنے لگے اور یہی ہے وہ چیز جس کا وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا ہے اللہ اور اس کے رسول نے، اور نہ زیادہ کیا اس بات نے اُن کے لیے مگر ایمان اور اطاعت کو ﴿٢٢﴾ مومنوں میں سے کچھ مرد ایسے ہیں جنہوں نے سچ کر دکھلایا اُس چیز کو جس پہ انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا۔ پس بعض اُن میں سے وہ ہیں جنہوں نے اپنا عہد پورا کیا ہے۔ اور بعض اُن میں سے وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں اور نہیں تبدیل کی انہوں نے کسی قسم کی تبدیلی ﴿٢٣﴾ تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ سچوں کو اُن کی سچائی کا اور سزا دے اللہ تعالیٰ منافقوں کو اگر چاہے یا توبہ قبول کرے ان کی۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا مہربان ہے ﴿٢٤﴾ اور لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا اُن کے غصے کے ساتھ۔ نہ

پایا انہوں نے کسی قسم کی بہتری کو اور کفایت کی اللہ
نے ایمان والوں کے لیے لڑائی سے ۔ اور اللہ تعالیٰ قوت والا
زبردست ہے (۲۵) اور اتارا اُن لوگوں کو جنہوں نے
مدد کی تھی کافروں کی اہل کتاب میں سے ، ان کے قلعوں
سے ۔ اور ڈال دیا اُن کے دلوں میں رعب ۔ ایک گروہ
کو تم قتل کرتے ہو اور ایک گروہ کو قیدی بناتے
ہو (۲۶) اور وارث بنایا تمہیں اُن کی زمین اور گھروں اور
مالوں کا ۔ اور ایک اور زمین بھی کہ جس کو تم نے ابھی تک
پامال نہیں کیا ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا
ہے (۲۷)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احزاب کا ذکر فرمایا اور منافقین کی مذمت بیان کی جنہوں نے مختلف حیلوں بہانوں سے جہاد میں شرکت سے گریز کیا۔ جن لوگوں نے موروچوں میں پہنچ کر پھر الگ ہونے کی کوشش کی اللہ نے اُن کی بزدلی کا حال بھی بیان فرمایا۔ اللہ نے واضح فرما دیا کہ ایسے لوگوں کا جہاد سے فرار اُن کے لیے کچھ مفید نہیں ہوگا۔ کیونکہ موت تو بہر حال اپنے وقت پر آنی ہے۔ خواہ وہ طبعی صورت میں آئے یا بصورت قتل۔ اب آج کی آیات میں اللہ کے نبی کو بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے اور اُن اہل ایمان کی تعریف کی گئی ہے جنہوں نے نبی کی مکمل اطاعت کرتے ہوئے معرکہ خندق میں ثابت قدمی دکھائی۔

اسوۂ حسنہ

پہلے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ البتہ تحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔ ذرا اللہ کے مقرب ترین بندے کی طرف دیکھو کہ وہ کس طرح دنیا کے مصائب برداشت کرتے ہوئے دینِ حق پر استقلال دکھا رہے ہیں۔ واقعہ خندق میں ہی دیکھ لیں کہ حضور علیہ السلام نے فاقے کے باوجود صحابہ

کے شانہ بشانہ کام کیا، بڑی بڑی چٹانوں کو توڑا، مٹی اٹھا اٹھا کر دور سے جاتے رہے یہ سب کچھ آپ نے اللہ کی رضا اور دین کی تائید کے لیے کیا۔ اور یہی باقی لوگوں کے لیے نمونہ ہے۔ یہ تو جہاد کا موقعہ تھا وگرنہ زندگی کے ہر موڑ پر تمام نشست و برخواست حرکت و سکون، نشیب و فراز، صلح و جنگ غرضیکہ ہر معاملہ میں اللہ کے نبی امت کے لیے نمونہ ہیں لہذا جو لوگ بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشقت اٹھانے سے گریز کرتے ہیں۔ انہیں نبی کی ذات کا نمونہ دیکھنا چاہیئے۔ اگر وہ اس قدر مصائب برداشت کر رہے ہیں۔ تو باقی لوگ کیوں نہیں کر سکتے؟ امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ جس کام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرض یا واجب سمجھ کر کیا ہے۔ وہ امت کے لیے بھی فرض یا واجب ہو گا۔ اور جو کام آپ علیہ السلام نے بطور سنت انجام دیا ہے وہ امت کے لیے بھی سنت ہے۔ البتہ جو کام حضور علیہ السلام نے استحباب کے درجے میں کیا ہے اس میں عام مسلمانوں کو اختیار ہے کہ چاہے تو وہ کام ثواب کی خاطر کر لیں۔ اور اگر وہ کام نہیں کرتے تو کوئی مؤاخذہ نہیں ہے[1] سورۃ البینہ میں اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ السلام کو بینہ کا لقب دیا ہے۔ یعنی آپ اہل ایمان اور دیگر لوگوں کے لیے ایک واضح نمونہ ہیں۔ آپ کو دیکھ کر ہر شخص اپنی چال ڈھال اور رنگ ڈھنگ اس نمونہ کے مطابق بنا سکتا ہے۔ قرآن پاک کی اساسی تعلیم اور وحی الٰہی کی تعمیل کا مجسم نمونہ حضور علیہ السلام کی ذات ہے۔

مگر یہ نمونہ اُس شخص کے لیے ہے لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ جو اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہے اور قیامت کے دن پر بھی اُس کو یقین ہے کہ اُس دن جزائے عمل واقع ہو گا۔ رجیٰ کا لفظ اضداد میں سے ہے اور یہ اُمید کا معنیٰ بھی دیتا ہے اور خوف کا بھی۔ اگر اس سے خوف مراد لیا جائے تو معنیٰ یہ ہو گا کہ اللہ کے نبی میں نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اور

---

[1] احکام القرآن للجصاص ص ۳۵۵ ج ۳ (فیاض)

اُسے قیامت کے دِن کا بھی خوف ہے کہ وہاں ضرور مؤاخذہ ہوگا۔ حضور علیہ السلامؐ اپنے خطبہ کی ابتداء میں فرمایا کرتے تھے اِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتٰبُ اللّٰہِ وَ خَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی بہترین کتاب اللہ کی کتاب ہے اور بہترین نمونہ اور سیرت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ حضور علیہ السلام کی سیرت ایک جامع سیرت اور ہر شخص کے لیے کامل نمونہ ہے۔

فرمایا اللہ کے نبی کی ذات میں اُس شخص کے لیے بھی بہترین نمونہ ہے۔ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا جو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتا ہے۔ اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے شخص کے دِل میں پاکیزگی اور رُوحانیت آئیگی اور ایسے شخص کو فلاح نصیب ہوگی۔ برخلاف اِس کے جن لوگوں کے دلوں میں نفاق ہے، اللہ تعالیٰ کو دلجمعی سے یاد نہیں کرتے یا کفر و شرک کا راستہ اختیار کرتے ہیں، اُن کے لیے حضور علیہ السلام کی ذات میں کوئی نمونہ نہیں ہے۔

ایمان و اطاعت میں اضافہ

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے صحیح الایمان لوگوں کی تعریف کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ جب مومنوں نے دیکھا کہ ہر طرف سے کافروں کے لشکر کثیر تعداد میں آرہے ہیں۔ قَالُوْا ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ تو کہنے لگے کہ یہی ہے وہ چیز جس کا اللہ اور اُس کے رسُول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اور حقیقت یہ ہے وَصَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ کہ اللہ اور اس کے رسُول نے سچ فرمایا۔ یہ اُس پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ کے رسُول نے ایمان والوں کو بتلادیا تھا کہ چند دن بعد دشمن کثیر تعداد میں حملہ آور ہوں گے۔ حافظ ابن حجر[۱] عسقلانیؒ کے مطابق کفار چوبیس ہزار فوج لے کر حملہ آور ہوئے تھے۔ تاہم عام مفسرینؒ[۲] نے جنگ احزاب میں کفار کی تعداد دس ہزار

۱؎ ۲؎

۳؎

بنائی ہے جس کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کے پاس صرف تین[1] ہزار آدمی تھے جو دفاع کرنے کے قابل تھے۔ باقی عورتیں، بچے اور بوڑھے تھے جو دفاع میں حصہ لینے کے قابل نہیں تھے۔ بہرحال فرمایا کہ اہل ایمان نے کفار کے لشکر کو دیکھ کر کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ سچا ثابت ہوا ہے۔ اور کفار کے حملہ سے خوفزدہ ہونے کی بجائے وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا اُن کی آمد نے سچے مسلمانوں کے ایمان اور اطاعت میں اضافہ ہی کیا اہل ایمان کو اللہ اور اس کے رسول کے وعدے پہ کامل یقین تھا، لہٰذا انہوں نے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

ایفائے عہد

ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ مومنوں میں سے بعض وہ ہیں کہ جس بات کا انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا اُسے سچ کر دکھایا۔ عہد یہ تھا کہ آخر دم تک اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے۔ فرمایا فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی نذر پوری کر لی ہے یعنی شہادت کا درجہ پا لیا ہے مثلاً" غزوہ احد کے موقع پہ[2] حضرت انس بن نضرؓ کا واقعہ ہے کہ وہ میدان جنگ کی طرف جا رہے تھے، کسی نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے، اُحد پہاڑ کے اُس طرف مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے، میں اُدھر جا رہا ہوں۔ میدانِ جنگ میں پہنچ کر دشمن کا خوب مقابلہ کیا۔ آپ کے جسم پر اتنے زخم آئے کہ شناخت نہیں ہو رہی تھی۔ آخر کار انگلیوں سے اُن کی شناخت ہوئی۔ اس طرح انہوں نے جامِ شہادت پی کر اپنے عہد کو پورا کیا۔ نحبہ[3] کا معنی عہد و پیمان اور نذر ہوتا ہے۔ اور مراد اس سے زندگی بھی ہو سکتی ہے کہ ان میں سے بعض مومن وہ ہیں جنہوں نے

---

[1] مظہری صـ۳۴۲ ج ۷ [2] ابن کثیر صـ۴۷۵ ج ۳
[3] احکام القرآن للجصاص صـ۳۵۶ ج ۳ (فیاض)

راہِ حق میں زندگی کی بازی لگا دی اور اس طرح اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دکھایا فرمایا اُن میں سے بعض تو وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کر دی وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ اور اُن میں سے بعض ابھی منتظر ہیں کہ انہیں اپنی نذر پوری کرنے یعنی جامِ شہادت نوش کرنے کا کب موقع ملتا ہے۔ حضرت ابو دجانہ رضؓ کے متعلق آتا ہے کہ جنگ احد میں اُن کے جسم پر تیر و تلوار کے چوراسی[۸۴] زخم آئے۔ حضور علیہ السلام گڑھے میں گِر گئے تھے۔ دشمن نے ہجوم کر دیا تھا اور ابو دجانہؓ نے حضور علیہ السلام کو بچانے کے لیے اپنی پشت کو ڈھال کے طور پر استعمال کیا تھا۔ اُن کے اپنے ہاتھ سے لڑتے لڑتے تین تلواریں ٹوٹی تھیں۔ اسی طرح حضرت طلحہؓ نے حضور کی حفاظت کے لیے اپنا ہاتھ آگے کر دیا تھا۔ اس پر تیروں کے اتنے زخم آئے کہ ہاتھ بالکل شل ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ طلحہؓ کے اس ہاتھ پر دوزخ کی آگ حرام ہے اور طلحہؓ نے اپنے لیے جنت کو واجب قرار دے لیا ہے آپ نے اس کے بعد بھی لمبی زندگی پائی اور بالآخر جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے[۲] تھے کہ طلحہؓ اُن لوگوں میں سے ہیں مِمَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ جنہوں نے اپنی زندگی کا دور نہایت جرأت اور بہادری کے ساتھ پورا کیا۔ فرماتے تھے یہ زندہ شہید ہیں جو زمین پر چل رہے ہیں۔

فرمایا بعض اپنی نذر کے پوری ہونے کے منتظر ہیں وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا اور انہوں نے عہد و پیمان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔ اللہ اور اس کے رسول سے جو بھی عہد کیا اُس کو پورا کر رہے ہیں۔ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ تاکہ اللہ تعالیٰ سچے لوگوں کو اُن کی سچائی کا بدلہ دے وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اور اگر چاہے تو منافقوں کو سزا دے اَوْ يَتُوْبَ

---

[۱] خازن صـ ۲۴۷ ج ۵

[۲] ابن کثیر صـ ۳۲۲ ج ۳ (فیاض)

عَلَيْهِمْ یا انہیں توبہ کی توفیق عطا کر دے کہ وہ نفاق کو چھوڑ کر پکے سچے ایماندار بن جائیں۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور از حد مہربان ہے مطلب یہ کہ جن مومنوں نے ایفائے عہد کرتے ہوئے جان کا نذرانہ پیش کر دیا اور وہ جو ابھی اپنی باری کے منتظر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سچائی کا ضرور بدلہ دے گا۔ رہا منافقوں کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی کرتوتوں کی انہیں سزا دے دے یا پھر انہیں توبہ کی توفیق دے کر معاف کر دے کیونکہ وہ بخشنے والا بھی ہے اور مہربان بھی۔ اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں۔ وہ لوگوں کی توبہ قبول کرتا رہتا ہے

کافروں کی ناکامی

ادھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ اللہ نے غصے سے بھرپور کافروں کو واپس پلٹا دیا۔ ایک طرف فرشتوں کا لشکر بھیج کر اہل ایمان کے دلوں کو مضبوط کیا اور وہ کفار کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور دوسری طرف اتنی تیز آندھی چلائی کہ کافر حملہ آور محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے اور اس طرح ناکام و نامراد واپس ہوئے۔ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا اور وہ کوئی بہتری نہ پا سکے۔ وہ مدینہ کو فتح کر کے لوٹ مار کرنے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے آئے مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ اور اللہ نے اہل ایمان پر یہ احسان فرمایا کہ ان کی جنگ سے کفایت کی یعنی وہ جنگ لڑنے سے بچ گئے۔ اور اس طرح انہیں کچھ نقصان نہ پہنچا۔ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا اور اللہ تعالیٰ قوت والا اور کمالِ قدرت کا مالک ہے اور ہر چیز پر غالب ہے۔ وہ اپنی مشیت اور ارادے کے مطابق جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔ وہ چاہے تو تھوڑی جماعت کو کثیر تعداد پر غالب کر دے کیونکہ قوت تو اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا بھروسہ بھی اسی کی ذات پر رکھنا چاہیئے کیونکہ قوت کا سرچشمہ وہی ہے۔

بنی قریظہ کی سرکوبی

قبیلہ بنو قریظہ مدینے کی شرقی جانب چند میل کے فاصلے پر آباد تھا۔ یہ لوگ

معاشی لحاظ سے بڑے مضبوط تھے، پورے عرب میں تجارت تھی، سودی کاروبار بھی کرتے تھے۔ ان کی اپنی بستیاں اور قلعے تھے، جب حضور علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آپ نے مختلف قبائل کے ساتھ عہد و پیمان کیے تھے جن میں بنی قریظہ بھی شامل تھے۔ مگر جنگ احزاب کے موقعہ پر انہوں نے مسلمانوں کی مدد کرنے کی بجائے کافروں کی طرفداری کی اور اس طرح مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے دفاعی معاہدہ کو عملی طور پر توڑ دیا۔ جب حملہ آور کافر ناکام واپس چلے گئے تو مسلمانوں کو اطمینان حاصل ہوا اور وہ ہتھیار اُتار کر حالتِ جنگ سے نکلنا چاہتے تھے۔ حضور[1] علیہ السلام نے بھی اپنی زرہ اتارنے کا ارادہ کیا کہ اتنے میں جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور حضور علیہ السلام سے کہا کہ آپ لوگ تو اپنے ہتھیار اُتارنا چاہتے ہیں مگر اللہ کے فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں اتارے۔ کہنے لگے خدا تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ہتھیار اتارنے سے پہلے بنی قریظہ کی عہد شکنی کا فیصلہ بھی کر لیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان فرمایا کہ کوئی شخص ہتھیار نہ اتارے بلکہ اسی حالت میں بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو جاؤ، اگرچہ نمازِ ظہر کا وقت ہو چکا تھا۔ مگر آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ لَا يُصَلِّيَنَّ اِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ سب لوگ بنی قریظہ میں پہنچ کر نماز ادا کریں۔ لوگ فوراً چل دیے اور بنی قریظہ کا محاصرہ کر لیا جو کہ کئی روز تک جاری رہا۔ یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے، ان کے پاس راشن اور دیگر سر و سامان بھی موجود تھا لہٰذا وہ کچھ دنوں تک محصور رہے اور بالآخر ہتھیار ڈال دیے۔ کہنے لگے ہمارے معاملہ میں حضرت سعد بن معاذؓ جو فیصلہ کریں گے، ہمیں منظور ہوگا۔

حضرت سعدؓ اگرچہ مخلص مسلمان تھے مگر بنی قریظہ کے دوست اور حلیف تھے اس لحاظ سے اُن کا خیال تھا کہ سعدؓ ہمارے معاملہ میں زیادہ سخت رویہ اختیار نہیں کریں گے۔ حضور علیہ السلام نے بھی حضرت سعدؓ کے فیصلہ کو قبول کر لینے

---

[1] جمل ص ۴۳۱ ج ۳ و خازن ص ۲۵۱ ج ۵ و ابن کثیر ص ۴۷۷ ج ۳ (فیاض)

کا اعلان فرما دیا۔ پھر حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ اِن بدعہدوں کے لیے جو مناسب سمجھو سزا تجویز کرو۔ انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ بنی قریظہ کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے، اِن کی عورتوں اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنا لیا جائے اور اُن کی زمینوں پر مسلمان قابض ہو جائیں۔ چنانچہ اس فیصلے پر عملدرآمد کیا گیا اور بنی قریظہ کے تمام بالغ مرد جن کی تعداد چار اور چھ سو کے درمیان تھی قتل کر دیے گئے۔ حضرت سعدؓ کے اس فیصلے کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے سعدؓ! تم نے یہ فیصلہ پہلی کتابوں کے مطابق کیا ہے۔ تورات میں یہ حکم موجود ہے کہ غداری کرنے والوں کی سزا یہ ہے کہ اُن کے تمام قابلِ جنگ مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے اور اُن کی جائدادوں پر قبضہ کر لیا جائے۔

اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن صَيَاصِيهِمْ اللہ نے کافروں کی مدد کرنے والے اہل کتاب کو اُن کے قلعوں سے اُتار دیا اور وہ شکست تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ اللہ نے اُن کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور مسلمان اُن پر غالب آ گئے۔ اس کے نتیجہ میں فرمایا فَرِيقًا تَقْتُلُونَ اور ان میں سے ایک گروہ یعنی بالغ مردوں کو قتل کرتے ہو وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا اور ایک گروہ کو قیدی بناتے ہو۔ مسلمانوں نے یہودیوں کی عورتوں اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنا کر آپس میں تقسیم کر لیا۔ اللہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو یہ فائدہ بھی ہوا۔ وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ کہ تمہیں اُن کی زمینوں کا وارث بنا دیا۔ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ تم اُن کے گھروں اور مالوں کے بھی مالک بن گئے۔ اگرچہ اس موقع پر باقاعدہ جنگ کی نوبت تو نہ آئی مگر مسلمانوں کو مالی لحاظ سے بڑی قوت حاصل ہو گئی۔

فتح خیبر

فرمایا وَأَرْضًا لَّمْ تَطَئُوهَا اللہ نے تمہیں اُس سرزمین کا وارث بھی بنایا جس کو تم نے ابھی تک پامال نہیں کیا۔ یہ کون سی سرزمین ہے؟

اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بعض[1] کہتے ہیں کہ یہ سرزمین مکہ کی طرف اشارہ ہے کہ بالآخر مکہ بھی فتح ہوگا۔ تاہم زیادہ تر مفسرین[2] اس کو خیبر پہ محمول کرتے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد قریب زمانہ میں خیبر بھی فتح ہوگیا اور وہاں کی زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں روم اور فارس کی سرزمینوں کی طرف اشارہ ہے جو کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں فتح ہوئے۔ تاہم خیبر کا اشارہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ وہاں کے یہودی بھی بڑے سازشی تھے۔ اللہ نے اُن کو مغلوب کیا اور ان کے ساتھ معاہدہ ہوگیا کہ وہ اپنی زمینوں پہ کاشتکاری کرتے رہیں گے، البتہ آمدنی کا ایک حصہ مسلمانوں کو ادا کیا کریں گے۔

فرمایا اللہ نے کچھ اور زمین بھی تمہارے مقدر میں کر دی ہے وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا اللہ تعالیٰ ہر چیز پہ قدرت رکھتا ہے وہ اپنی منشاء کے مطابق جو چاہے کرے۔ وہ تھوڑی جماعت کو کثیر جماعت پہ غالب کرنے پہ بھی قادر ہے۔ اُس نے مسلمانوں کو کافروں پہ غلبہ عطا فرمایا۔ وہ کمال قدرت کا مالک ہے۔

---

1. خازن ص۲۵۱ ج۵ و ابن کثیر ص۲۷۸ ج۴
2. خازن ص۲۵۱ ج۵ و ابن کثیر ص۲۷۷ ج۴ (فیاض)

درس ہشتم ۸ آیت ۲۸ تا ۳۱

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ
اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ
تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ
اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾
يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ
مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَمَنْ يَّقْنُتْ
مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ
اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

ترجمہ :۔ اے پیغمبر! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیں کہ اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگی اور اُس کی زینت، پس آؤ میں تمھیں فائدہ پہنچاؤں اور رخصت کردوں تم کو اچھے طریقے سے رخصت کرنا (۲۸) اور اگر تم ارادہ کرتی ہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول اور آخرت کے گھر کا۔ پس بیشک اللہ نے تیار کیا ہے تم میں سے نیکی والیوں کے لیے بڑا اجر (۲۹) اے پیغمبر کی بیویو! جو تم میں سے کھلی

بے حیائی کی بات کرے گی تو اُسے دُگنا عذاب دیا جائے گا، اور یہ بات اللہ پر آسان ہے (۳۰) اور جو اطاعت کرے گی تم میں سے اللہ اور اُس کے رسُول کی اور نیک عمل کرے گی، تو ہم اس کو اُس کا دُہرا بدلہ دیں گے۔ اور تیار کی ہے ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی (۳۱)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے غزوہ خندق کا حال بیان کیا اور منافقوں کی مذمت بیان کی۔ پھر اللہ نے بنی قریظہ کی سرکوبی کا حکم دیا۔ چنانچہ اُن کو مغلوب کر کے اُن کے بالغ مردوں کو قتل کر دیا گیا، عورتوں اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنا یا گیا، اور اُن کے مالوں، زمینوں اور مکانات پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ پھر اللہ نے ایک اور سرزمین کی فتح کی خوشخبری دی جس کو ۶ھ میں فتح کیا گیا۔ یہ خیبر کی فتح تھی۔ وہاں سے بھی مسلمانوں کو کافی مال و دولت حاصل ہوا۔ اور اُن زمینوں کا خراج بھی ملنے لگا۔

ازواجِ مطہرات کا مطالبہ

مسلمانوں کی پے در پے فتوحات اور اُن کے نتیجے میں مال و دولت حاصل ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہت اچھی ہوگئی۔ اب ازواجِ مطہرات کو بھی خواہش پیدا ہوئی کہ جس طرح عام مسلمانوں کی مالی حالت بہتر ہوگئی اسی طرح اُن کو بھی کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچنا چاہیئے اور اُن کو ملنے والے خرچہ میں اضافہ ہونا چاہیئے۔ اس مسئلہ پر ساری ازواجِ مطہرات نے مشورہ کیا اور پھر حضرت اُم سلمہؓ کو نمائندہ مقرر کیا کہ وہ اس معاملہ میں حضور علیہ السلام سے بات کریں۔ کیونکہ آپ بڑی شائستہ اور سمجھدار خاتون تھیں۔ انہوں نے مناسب موقع پر دیگر بیویوں کی موجودگی میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرضداشت پیش کی۔ یہ مطالبہ اگرچہ ناجائز نہیں تھا کیونکہ بیوی کا حق ہے کہ وہ خاوند سے ضروریاتِ زندگی کا مطالبہ کرے۔ بایں ہمہ حضور علیہ السلام نے اسے قناعت کے خلاف سمجھا۔ اور آپ بیویوں سے ناراض ہو گئے۔

حضور علیہ السلام نے اس مطالبے کا اس حد تک بُرا منایا کہ آپ نے اپنی تمام ازواج سے ایک ماہ کے لیے ایلا کر لیا یعنی علیحدگی اختیار کر لی۔ آپ مسجد نبوی کے قریب ہی ایک بالاخانے میں تشریف فرما ہو گئے۔ عام مشہور ہو گیا کہ حضور علیہ السلام نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ اِن حالات میں ازواجِ مطہرات کا پریشان ہونا تو فطری امر تھا تمام مسلمانوں کو بھی سخت تشویش لاحق ہو گئی۔ سب سے زیادہ پریشانی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو تھی۔ کیونکہ اِن دونوں کی بیٹیاں حضور علیہ السلام کے نکاح میں تھیں۔ کوئی شخص اس معاملہ میں مداخلت کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے جرأت کر کے اِس جمود کو توڑنے کی کوشش کی اور حضور علیہ السلام سے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی جو دے دی گئی۔ حضرت عمرؓ نے حاضر ہو کر کھڑے کھڑے عرض کیا کہ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ اِس پر انہوں نے کہا اللہ اکبر۔ حضرت عمرؓ کی کچھ ڈھارس بندھی تو انہوں نے حضور علیہ السلام سے بیٹھنے کی اجازت چاہی، آپ کا مقصد یہ تھا کہ کوئی دِل لگی کی بات کر کے حضور علیہ السلام کو خوش کیا جائے چنانچہ اجازت ملنے پر آپ حضور علیہ السلام کے پاس بیٹھ گئے اور بات شروع کر دی کہ مکہ میں تو ہم اپنی عورتوں پر غالب تھے اور کوئی ہمارے سامنے چوں چرا نہیں کرتی تھی مگر مدینہ میں آکر ہماری عورتوں نے بھی یہودی عورتوں کی دیکھا دیکھی انہی کا رنگ ڈھنگ اختیار کر لیا ہے۔ ایک دفعہ خود میری بیوی نے مجھ سے زائد خرچ کا مطالبہ کیا تو مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے اس کی گردن پر مکے مارنے شروع کر دیئے۔ یہ سُن کر حضور علیہ السلام مسکرا دیے اور اس طرح کچھ دیر تک گفتگو ہوتی رہی اُدھر مسجد میں مسلمان بڑے پریشان بیٹھے تھے کہ پتہ نہیں حضور علیہ السلام نے کیا فیصلہ کیا ہے، کہیں واقعی اپنی بیویوں کو طلاق تو نہیں دے دی؟ اتنے میں حضرت

---

[1] طبری ص ۱۵۶ ج ۲۱ و معالم التنزیل ص ۱۷۳ ج ۳ (قیاض)

عمرؓ نے واپس آکر مسلمانوں کو تسلی دی اور بتایا کہ حضور علیہ السلام نے طلاق نہیں دی۔ اسی طرح ایام گذرتے رہے حتیٰ کہ انتیس ۲۹ دِن کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بالاخانے سے نیچے اترے، تو اُس وقت آیات زیر درس نازل ہوئیں۔ اِن آیات میں حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات سے خصوصی خطاب ہے۔ اللہ نے ان کو تنبیہ کی ہے اور اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی ازواج سے دریافت کرلیں۔ اگر وہ دنیا میں ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں تو کہہ دیں کہ آؤ میں تمھیں طلاق دے کر اچھے طریقے سے رخصت کردوں اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسُول کی رضا اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو پھر موجودہ حالت پہ ہی قناعت کرو۔

خاندان نبوت کی قناعت پسندی

حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات نے زندگی بھر دُنیا کے مال ومتاع اور زیب وزینت کی بجائے قناعت کو پسند کیا۔ آپ اپنی بیویوں کو جس قدر خرچہ عطا کرتے تھے، وہ اُسی پہ گذارا کرتی تھیں بلکہ اپنے حصہ میں سے زیادہ تر غرباء اور مساکین پہ خرچ کردیتیں اور خود عسرت کی زندگی بسر کرتیں حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی ازواج مطہرات نے خوشحالی کی زندگی نہیں گذاری۔ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک بوری یا دو بوری بھر درہم ہدیہ کے طور پہ آئے تو انھوں نے شام سے پہلے سب تقسیم کردیے۔ خادمہ نے عرض کیا کہ آپ افطاری کے لیے تو کچھ رکھ لیتیں۔ فرمایا اگر پہلے یاد کرادیتی میں تمھیں اجازت دے دیتی۔ اب تو کچھ بھی باقی نہیں بچا۔

دشمنانِ اسلام خصوصاً یہود ونصاریٰ آج بھی اعتراض کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی مکی زندگی تو واقعی پیغمبروں جیسی تھی مگر مدینے میں آپ نے بادشاہوں جیسے طور طریقے اختیار کرلیے۔ اسی طرح تعددِ ازواج کے متعلق بھی بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ یہ تمام اعتراضات بعید از حقیقت اور محض ضد اور عناد کا مظہر ہیں حضور علیہ السلام کی پوری زندگی بالکل بے داغ اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ کوئی انصاف پسند آدمی آپ کی ذات پہ بادشاہی یا عیش وعشرت کا الزام نہیں

لگا سکتا۔ اور یہی حال آپ کی ازواج مطہرات کا بھی تھا۔ انہوں نے بھی حضور علیہ السلام کے اتباع میں آخرت کی زندگی کو دنیا کی زندگی پر ترجیح دی اور ہمیشہ فقر و فاقہ کو پسند کیا

دنیا اور آخرت میں سے انتخاب

بہر حال جب نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات نے آپ سے آسودہ حالی کا مطالبہ کیا تو آپ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے بھی یہ آیات نازل فرما کر حضور علیہ السلام کی تائید فرما دی اور آپ کو حکم دیا یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ اپنی ازواج سے کہہ دیں۔ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو، عیش و عشرت اور آسودہ حالی کی طلبگار ہو فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ تو آؤ میں تمہیں فائدہ پہنچا دوں۔ جب کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دے دیتا ہے۔ اور وہ مہر بھی ادا کر چکا ہے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ عورت کو رخصت کرتے وقت حسب استطاعت ایک جوڑا کپڑے دے کر اسے رخصت کرے اور اگر ایسی عورت ہے جس کا مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو اس کے لیے ایک جوڑا کپڑے دینا واجب ہو جاتا ہے۔ فائدہ پہنچانے سے یہی مراد ہے۔ فرمایا اگر دنیا چاہتی ہو تو میں تمہیں فائدہ پہنچاؤں وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا اور تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں یعنی طلاق دے کر بالکل فارغ کر دوں۔

پھر فرمایا وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃَ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا چاہتی ہو اور آخرت کے گھر کو پسند کرتی ہو، دنیا کی آسودگی کو ترک کرنے پر آمادہ ہو تو پھر خوب سن لو فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایسی عورتوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ جو دنیا کی عیش و عشرت کو ترک کر دیں گی، اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں دائمی آرام و راحت کا عطیہ عنایت فرمائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ تصویر کا دوسرا رخ بھی تبلا دیا یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ اے نبی کی بیویو! مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ

تم میں سے جو کوئی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے گی یُضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ تو اس کی سزا بھی دوگنی ہو جائیگی۔ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا اور یہ چیز اللہ کے لیے بہت آسان ہے کہ وہ کسی کو دگنا عذاب دے۔

سزا اور جزا حسب مرتب

یہ ایک اصولی بات ہے کہ کسی شخصیت کا جس قدر درجہ بلند ہوگا، کوتاہی کی صورت میں اُس کا مؤاخذہ بھی اتنا ہی سخت ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو مرتبہ حضور علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات کو حاصل تھا، وہ دنیا میں کسی دوسری عورت کو حاصل نہیں۔ لہٰذا فرمایا کہ نیکی پر تمہارا اجر و ثواب بھی دوسروں کی نسبت دوگنا ہے۔ اسی طرح بُرائی کی صورت میں تمہاری سزا بھی دُگنی ہو جائے گی۔ خود حضور علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ کفار کی طرف مائل ہونے ہی لگے تھے اور اگر آپ ایسی بات کر بیٹھتے اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا (بنی اسرائیل ۷۵) تو ہم آپ کو دنیا میں بھی دگنی سزا دیتے اور بعد از وفات بھی اور پھر تم ہمارے مقابلہ میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاتے۔

یہ بھی ایک مسلّم قانون ہے کہ کسی مقدس مقام پر کیا جانے والا گناہ کسی عام مقام پر سرزد ہونے والے گناہ کی نسبت زیادہ سنگین تصور ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کی سزا بھی زیادہ ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی مسجد میں چوری یا کوئی دیگر جرم کرتا ہے یا حرم شریف میں کسی کجروی کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کی سزا بھی زیادہ ہوگی جس طرح حرم شریف میں ادا کی جانے والی ایک[1] نماز کا اجر و ثواب دیگر مساجد کی نسبت ایک لاکھ گنا اور مسجد نبوی اور بیت المقدس میں پچاس پچاس ہزار کے برابر ہے" اسی طرح ایسے مقدس مقامات پر جرم کی سزا بھی لازمی زیادہ ہوگی۔ اسی لیے نبی کی بیویوں کو بھی تنبیہ کر دی گئی کہ چونکہ تم مراتب عالیہ پر فائز ہو، لہٰذا تمہاری کسی غلطی اور کوتاہی کی سزا بھی دگنی ہوگی۔

اِس مقام پر اللہ نے نبی کی بیویوں کے متعلق فرمایا کہ اگر تم فحش کا ارتکاب کرو

---

[1] ابن ماجہ ص۱۰۲، مشکوٰۃ ص۷۲ وجامع صغیر ص۴۲ (فیاض)

گی تو تمھاری سزا دگنی ہوگی۔ اس لفظ کے مختلف معانی آتے ہیں۔ مثلاً اس کا اطلاق بدزبانی، بے حیائی اور بخل پر بھی ہوتا ہے مگر یہاں پر اس لفظ سے زنا یا بدکاری مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ کے پاک نبی کی بیویوں سے ایسا ممکن ہی نہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے مَا زَنَتْ اِمْرَاَۃُ نَبِیٍّ قَطُّ یعنی نبی کی کسی بیوی نے کبھی زنا کا ارتکاب نہیں کیا۔ بعض انبیاء کی بیویوں نے کفر کا ارتکاب تو کیا ہے مگر بے حیائی کسی سے سرزد نہیں ہوئی۔ مقصد یہ کہ یہاں پر فحش سے بے ادبی، گستاخی یا بدزبانی وغیرہ جیسی لغزش تو مراد لی جاسکتی ہے، زنا جیسے فعل کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

نیکی کا دگنا اجر

گزشتہ سے پیوستہ آیت میں نبی علیہ السلام کی بیویوں سے فرمایا تھا کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کا گھر پسند کرتی ہو تو اللہ نے تمھارے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اب اگلی آیت میں اُن کی پارسائی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی۔ وَتَعْمَلْ صَالِحًا اور نیک اعمال انجام دیگی نُّؤْتِہَآ اَجْرَہَا مَرَّتَیْنِ ہم اس کو اجر بھی دگنا دیں گے۔ جس طرح مقدس مقام، مقدس مہینے اور مقدس وقت میں عمل کا اجر بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح اگر کوئی بلند مرتبت ہستی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگی تو اُس کے اجر و ثواب میں اضافہ ہو جائیگا۔ جس طرح حرمت والے مہینوں، مقاماتِ مقدسہ اور پچھلی رات کے اوقات میں اجر و ثواب بڑھ جاتا ہے اسی طرح مقدس ہستیوں کے اعمال صالحہ کا اجر بھی بہت بڑھ جاتا ہے۔

اس کے علاوہ فرمایا وَاَعْتَدْنَا لَہَا رِزْقًا کَرِیْمًا ہم نے اس کیلئے عزت کی روزی بھی تیار کر رکھی ہے۔ دنیا میں عزت کی روزی وہ ہے جو حلال راستے سے آئے جس سے اطمینان قلب حاصل ہو اور جس کے استعمال سے عبادت کا جذبہ قوی ہو اور اس میں دل جمعی پیدا ہو۔ اور آخرت میں رزق کریم سے مراد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو خاص مقام حاصل ہوگا، انتہائی باعزت روزی نصیب ہوگی۔ اور ہمیشہ کے لیے

نبی کی معیت حاصل ہوگی۔ بہرحال اللہ نے اپنے نبی کی بیویوں کو ترغیب و ترہیب دونوں طریقوں سے سمجھا دیا کہ انہیں کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔

درس نہم ۹ آیت ۳۲ تا ۳۴

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ
اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ
قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ
فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ
الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ
الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾
وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ
ع ۷ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

ترجمہ :- اے نبی کی بیویو ! نہیں ہو تم عام عورتوں کی طرح اگر تم ڈرتی رہو تو نہ دب کر بات کرو ، پس لالچ کرے گا وہ شخص جس کے دل میں بیماری ہے ۔ اور کہو بات دستور کے مطابق ﴿۳۲﴾ اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور نہ کھلے طریقے پر باہر پھرو جیسا کہ عورتیں پہلی جاہلیت کے زمانہ میں کھلی پھرتی تھیں ۔ اور قائم رکھو نماز کو اور دیتی رہو زکوٰۃ ۔ اور اطاعت کرو اللہ اور اُس کے رسول کی ۔ بیشک ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ

تاکہ دور کر دے تم سے گندی باتوں کو اے اہلِ بیت!
اور پاک کر دے تم کو پاک کرنا (۳۳) اور یاد کرو جو پڑھی
جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتیں اور حکمت۔
بیشک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین اور ہر چیز کی خبر
رکھنے والا ہے (۳۴)

ربطِ آیات

جب ازواج مطہرات نے اپنے اخراجات میں اضافہ کا مطالبہ کیا تو حضور علیہ السلام نے ناراض ہو کر ایک ماہ کے لیے علیحدگی اختیار کر لی۔ پھر اللہ نے یہ آیات نازل فرما کر نبی کی بیویوں کو تنبیہ کی۔ گذشتہ درس میں یہ گزر چکا ہے کہ اللہ نے نبی علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی عورتوں سے کہہ دیں کہ اگر وہ دُنیا کی زیب و زینت چاہتی ہیں تو آؤ میں تمہیں طلاق دے کر اچھے طریقے سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کے گھر کی متلاشی ہو تو یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے نیکی کرنے والوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے دُنیا کی خواہش خدا اور اس کے رسول کے قرب کے منافی ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی عورت صریح غلطی کریگی تو اُسے دوسروں کی نسبت سزا بھی زیادہ ملے گی۔ البتہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگی اور اچھے اعمال انجام دیگی تو اس کو اجر بھی دگنا ملیگا۔ اللہ نے اُن کے لیے آخرت میں عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے

امہات المومنین کے لیے اسلوبِ گفتگو

اِن آیات میں بھی امہات المؤمنین سے خطاب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ اے نبی کی بیویو! لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اللہ نے تمہیں بڑا شرف عطا کیا کہ تمہیں نبی کی زوجیت کے لیے منتخب فرمایا۔ آیت ۶ میں بھی گزر چکا ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ اللہ کا نبی مومنوں سے اُن کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے اور اس کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ اگر تم میں تقویٰ اور طہارت

ہو گی تو تمھیں تمام عورتوں پر فضیلت ہے۔ تمھاری اس برتر حیثیت کا تقاضا ہے فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ کہ کسی اجنبی آدمی سے دب کر بات نہ کرو بلکہ کلام میں درشتگی اختیار کرو۔ کیونکہ نرم لہجے میں بات کرنے سے فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ دل کا روگی آدمی لالچ کریگا۔ دل کے روگ سے مراد نفاق، خواہشاتِ نفسانیہ اور شہوانی میلان ہے۔ اس لیے حکم دیا کہ اگر کسی اجنبی آدمی سے بات کرنی پڑے تو روکھا پن ظاہر کرو، تاکہ کسی بد باطن آدمی کے دل میں کوئی خیال نہ آسکے۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی بیویوں کو ادب سکھایا ہے کہ غیر مرد سے بات کرتے وقت اس طرح بات کرو جس طرح اپنے بیٹے سے کی جاتی ہے[1] وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا اور بات بھی دستور کے مطابق بھلی اور معقول ہونی چاہیئے۔

تبرجِ جاہلیت

اللہ نے امہات المومنین کو یہ حکم بھی دیا وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ کہ اپنے گھروں میں ٹھہری رہو، بلا وجہ گھر سے باہر نہ نکلو کیونکہ گھروں میں رہنا ہی عورتوں کی اصل وضع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں میں تقسیم کار کر دیا۔ مرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ محنت مشقت کر کے کمائی کرے اور عورتوں کا کام یہ ہے کہ وہ امورِ خانہ داری کو انجام دیں۔ بچوں کی پرورش، کھانا پکانا کپڑے دھونا اور گھر کی صفائی کرنا عورت کے ذمے ہے۔ یہ سب کام گھر کی چار دیواری کے اندر انجام دیے جاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے نبی کی بیویوں کو حکم دیا ہے کہ وہ گھر میں مقیم رہیں وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ اور جاہلیتِ اولیٰ کی عورتوں کی طرح اپنے آپ کو کھلے طور پر نہ دکھاتی پھرو۔ مطلب یہ کہ گھر میں رہ کر امورِ خانہ داری انجام دیں اور اگر اشد ضرورت کے تحت گھر سے باہر جانا پڑے تو پھر جاہلیت اولیٰ کے زمانے کی طرح بے پردہ نہ جائیں۔

---

[1] موضح القرآن ص۵۰۵ (فیاض)

جاہلیت اولیٰ کے زمانے سے متعلق مختلف اقوال پائے جاتے ہیں بعض[1] نے اُسے حضرت نوح علیہ السلام یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے پر محمول کیا ہے مگر زیادہ صحیح زمانہ وہ ہے جو حضور علیہ السلام کی بعثت سے پہلے عربوں کا دور تھا۔ یہ کفر کی جاہلیت تھی۔ کفر و شرک کی رسومات عام تھیں اور عورتوں میں بیبا کی تھی۔ وہ بناؤ سنگھار کے ساتھ برہنہ سر گھروں سے باہر جاتی تھیں۔ اسی کو جاہلیت اولیٰ کا نام دیا گیا ہے اور نبی کی بیویوں کو اس دور کی بے پردگی سے منع فرمایا گیا ہے۔

عورت کے لیے پردہ

حضور علیہ السلام کے زمانہ کے بعد جو جاہلیت پیدا ہوئی اور آج بھی موجود ہے یہ جاہلیت ثانیہ ہے اور فسق و فجور کی نمائندگی کرتی ہے۔ عورتیں بے پردہ بازاروں میں گھومتی پھرتی ہیں۔ سینما گھروں، آرٹ گیلریوں، کلبوں اور کھیل کے میدانوں میں مردوں کے ساتھ اختلاط عام ہے۔ جاہلیت اولیٰ اور جاہلیت ثانیہ دونوں معیوب ہیں اس سے بداخلاقی پیدا ہوتی ہے۔ اس کا مطلب عورتوں کو پنجروں میں بند کرنا نہیں بلکہ خرابی کو روکنا ہے۔ ضرورت کے وقت عورت باہر بھی جا سکتی ہے، مگر پردے کے ساتھ۔ خود ازواجِ مطہرات کے متعلق فرمایا[2] اُذِنَ لَکُمْ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِکُنَّ تم اپنی ضروریات کے لیے باہر جا سکتی ہو۔ بعض بے سہارا عورتوں کو کام کاج کے لیے باہر جانے کی ضرورت پڑتی ہے، اُس کی اجازت ہے۔ نماز کے لیے خاوند کی اجازت سے مسجد میں جا سکتی ہے مگر پردے کے ساتھ۔ آگے آٹھویں رکوع میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیں یُدْنِیْنَ عَلَیْہِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِہِنَّ کہ وہ اپنی چادریں لٹکا لیا کریں تاکہ اُن کے جسم کے نشیب و فراز نظر نہ آئیں اور نہ ان کی زیب و زینت کسی کو فتنے میں ڈالے۔ برقع ضروری نہیں، یہ کام بڑی چادر سے بھی

---

[1] تفسیر نسفی صفحہ ۳۰۲ ج ۳ و جمل صفحہ ۴۳۶ ج ۳ و مظہری صفحہ ۳۶۹ ج ۷

[2] بیان القرآن صفحہ ۴۸ ج ۹ ۔ (فیاض)

لیا جا سکتا ہے۔ بہرحال پردہ ہونا چاہیئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک[۱] ہے کہ جو عورت گھر میں رہ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیکی کے کام انجام دے گی، بُرائی سے بچے گی، اللہ تعالیٰ اس کو مجاہدین جیسا اجر عطا فرمائے گا۔ عورت کا بلا اجازت باہر جانا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر مسجد میں بھی جانا چاہیں تو خاوند یا سرپرست کی اجازت لے کر جائیں۔ مردوں کو بھی فرمایا کہ اگر عورتیں مسجد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو دیدیا کرو بشرطیکہ راستہ پُرامن ہو یعنی فساق و فجار سے کوئی خطرہ نہ ہو۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا[۲] کہ عورت کا گھر کی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا، بڑے کمرے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اور صحن کی نسبت بڑے کمرے میں پڑھنا افضل ہے۔ عورت جتنا چھپ کر نماز پڑھے گی، اتنا اجر زیادہ ہوگا، مسجد میں جانے کی صرف اجازت ہے فضیلت نہیں ہے۔ کیونکہ عورتوں کی اصل وضع گھر میں قرار پکڑنا ہے۔ بناؤ سنگار کر کے، زیورات اور بھڑکیلا لباس پہن کر عورتوں کا بے حجابانہ باہر نکلنا عورتوں کی وضع کے خلاف ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک[۳] ہے۔ کہ اگر عورت مسجد میں نماز کے لیے بھی جائے تو معمولی لباس پہن کر جائے اور خوشبو نہ لگائے کہ یہ فتنے کا باعث بن سکتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان[۴] ہے کہ عورت ستر ہے، جب یہ باہر نکلتی ہے تو شیطان جھانک کر دیکھتا ہے، اور لوگوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے جس سے بے حیائی کے لوازمات پیدا ہوتے ہیں موجودہ عریانی انگریز اور بے دین لوگوں کی پیدا کردہ ہے جو عورت کو مردوں کے شانہ بشانہ لانے کو ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ قرآن کے خلاف جاہلیت کی طرف قدم ہے۔ اگر کوئی عورت مجبور ہے تو اُس کو اجازت لے کر باپردہ باہر

---

۱ ؎ ۲ ؎ ابن کثیر ص ۴۸۲ ج ۳ و مستدرک حاکم ص ۲۰۹ ج ۱

۳ ؎ ۴ ؎ ابن کثیر ص ۴۸۲ ج ۳ (فیاض)

نکلنا چاہیئے ۔ حیا تو عورتوں اور مردوں کا زیور ہے ۔ اللہ نے جاہلیت اولیٰ کی تقلید سے منع فرمایا ہے ۔

اہل بیت کی طہارت

فرمایا، اے نبی! اپنی عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنے گھروں میں رہیں اور جاہلیت اولیٰ کے طور اطوار اختیار نہ کریں اور یہ بھی وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ اور نماز قائم رکھو وَاٰتِیۡنَ الزَّکٰوۃَ اور زکوٰۃ دیتی رہو وَاَطِعۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ اور اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت کرتی رہو ۔ ازواج مطہرات کے لیے اللہ نے یہ تاکیدی حکم دیا ہے ۔ اور پھر ان امور کی حکمت بھی بیان فرمائی اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے رجس یعنی گندی باتوں کو ۔ اہل بیت تم سے دور کر دے ۔ وَیُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِیۡرًا اور پاک کر دے تم کو پاک کرنا ۔ غرضیکہ ان احکام کا مقصد یہ ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ نبی کی بیویوں کو ہر قسم کی غلاظت سے بالکل پاک صاف رکھے ۔ اللہ کے نبی تو معصوم ہوتے ہیں اور مقرب ہوتے ہیں ، اللہ تعالیٰ نے اُن کی ازواج کو بھی بلند مرتبہ عطا کیا ہے اور اُن کو پاکیزگی کے ساتھ موصوف کیا ہے ۔

افراد اہل بیت

اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات کو خطاب کر کے اُن کے لیے اہل بیت کا لفظ استعمال کیا ۔ دوسری حدیث[1] ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ ، حضرت فاطمہؓ ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ایک چادر کے نیچے جمع فرما کر کہا اَللّٰهُمَّ هٰٓؤُلَآءِ اَهۡلُ بَیۡتِیۡ اے مولا کریم یہ میرے اہل بیت ہیں ۔ وہاں پر ام المومنین ام سلمہؓ بھی تھیں انہوں نے عرض کیا حضور! مجھے بھی ان میں شامل کر لیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اَنۡتِ عَلٰی خَیۡرٍ یعنی تم تو بہتری پر ہو ۔

یہاں پر دو گروہ بن گئے کہ اہل بیت میں کون کون لوگ شامل ہیں ۔

---

[1] بیان القرآن ص ۴۸ ج ۹ و ابن کثیر ص ۴۸۵ ج ۳ (فیاض)

ایک گروہ وہ ہے جو اس آیت کے مطابق صرف ازواجِ مطہرات کو اہل بیت میں شمار کرتا ہے اور حضور علیہ السلام کی اولاد اور آپکے خاندان کے لوگوں کو اہل بیت کے افراد نہیں مانتا۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو مذکورہ حدیث کے مطابق صرف حضور علیہ السلام کے خاندان اور اولاد کو ہی اہل بیت سمجھتا ہے اور ازواجِ مطہرات کو اس میں شامل نہیں کرتا۔ یہ دونوں شیعہ اور رافضی ہیں اور گمراہ ہیں۔ جو لوگ صرف پنج تن کو اہلِ بیت کہتے ہیں وہ بھی گمراہ ہیں۔ کیونکہ یہ نظریہ نصِ قرآنی کے خلاف ہے۔ دوسری طرف حدیث بھی صحیح ہے اس سلسلے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حقیقتاً قرآن اور حدیث میں تضاد نہیں ہے صرف سمجھنے کی بات ہے۔ نصِ قرآنی عام ہے اور اس کے مطابق اہل بیت میں ازواج بھی شامل ہیں اور اولاد بھی۔ ہم اپنی زبان میں اہل بیت کا متبادل لفظ "گھر والے" بولتے ہیں۔ اور جب ایسا کہتے ہیں تو اس سے مراد نہ تو صرف ازواج ہوتی ہیں اور نہ صرف اولاد، بلکہ ازواج اور اولاد دونوں مراد ہوتے ہیں۔ لہٰذا نہ تو ازواج کو اہل بیت سے خارج کیا جا سکتا ہے اور نہ اولاد کو حدیث میں صرف اولاد کو اہل بیت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ میری ازواج تو نصِ قرآنی کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں، میری یہ اولاد بھی اہل بیت میں شامل ہے۔ اِن سے بھی گندگی کو دور کر کے انہیں پاک صاف کر دے۔[1]

مسلم شریف[2] میں زید بن ارقمؓ کی روایت ہے کہ آپ سے شاگردوں نے پوچھا۔ کیا حضور کی ازواج اہل بیت نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ازواجِ مطہرات اہل بیت ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کے اہلِ بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے

اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِاَهْلِ مُحَمَّدٍ

بیشک صدقہ نہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہے اور نہ آپ کے اہل بیت

---

۱ بیان القرآن ص۴۸ ج۹ ۲ بیان القرآن ص۴۸ ج۹ (فیاض)

کے لیے ۔ اور اہل بیت میں یہ پانچ خاندان آتے ہیں۔ جن پر صدقہ حرام ہے۔ یعنی اہلِ حارث، اہل عباسؓ، اہل علیؓ، اہل عقیلؓ اور اہل جعفرؓ یہ سارے خاندان اسلام لانے سے پہلے بھی حضور علیہ السلام کے معاون تھے اور اسلام لانے کے بعد بھی مددگار رہے۔ یہ حضور علیہ السلام کا عصبہ ہیں اور اہل بیت کہلاتے ہیں۔ الغرض اہلِ بیت میں حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات، اولاد اور مذکورہ پانچ خاندان بھی جن پر صدقہ حلال نہیں شامل ہیں۔

کتاب و حکمت کی تعلیم

پھر اللہ نے ازواج مطہرات سے فرمایا وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت پڑھی جاتی ہے، اس کو یاد کرو۔ ظاہر ہے کہ آیات الٰہی سے مراد قرآن پاک ہے جو ازواج مطہرات کے گھروں میں پڑھا جاتا تھا۔ اور حکمت کا معنیٰ دانشمندی کی باتیں، دین کا فہم اور اس کا اتباع اور پیغمبر علیہ السلام کا طور طریقہ ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی سنت کمال درجے کی حکمت ہے۔ تو یہ چیزیں جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں، اُن کو یاد کرو خود سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ تاکہ یہ چیزیں ان کے لیے بھی نمونہ بن جائیں۔ فرمایا إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا بیشک اللہ تعالیٰ بہت مہربان، باریک بین اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ لطیف کے دونوں معنیٰ آتے ہیں۔ یعنی لطف وکرم والا بھی اور باریک بین بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ختم رسالت کے لیے منتخب فرمایا اور بلند مرتبے پر فائز کیا، آپ کی ازواج مطہرات کو وہ شرف عطا فرمایا جو دنیا بھر میں کسی دوسری عورت کو حاصل نہیں۔ اُن کو امت کی مائیں بنایا تاکہ وہ امت کے حق میں مربی اور معلمات بن جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات نے امت کی صحیح تربیت کا حق ادا

کردیا۔ امہات المؤمنین حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد چالیس۴۰ پینتالیس۴۵ سال تک بقیدِ حیات رہیں اور امت کی کماحقہٗ تربیت کرتی رہیں۔ اُن کو تقویٰ، طہارت عبادت اور تعلیم میں اعلیٰ درجے کی حیثیت حاصل رہی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربانی کرنے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِينَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِينَ
وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِينَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِينَ
وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ
وَالصَّآئِمِينَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِينَ فُرُوجَهُمْ
وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَّالذّٰكِرٰتِ
أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۳۵﴾

ترجمہ:- بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں اور اطاعت کرنیوالے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں، اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنیوالے مرد اور صبر کرنیوالی عورتیں اور عاجزی کرنیوالے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں، اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔ اور حفاظت کرنے والے مرد اپنے ناموس کی اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور یاد کرنے والے مرد اللہ تعالیٰ کو کثرت سے اور یاد کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے تیار کی ہے ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ﴿۳۵﴾

ربط آیات

گذشتہ سے پیوستہ رکوع میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

اسوۂ حسنہ کا ذکر فرمایا اور اُن مومنین کی تعریف فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں، یوم آخرت پہ اُن کا یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ اور اُس کے رسول کے وعدے پہ مکمل یقین کرتے ہیں۔ اور اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے سچے لوگوں کی سچائی کا اجر اور منافقین کے انجام کا ذکر بھی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں سزا دے دے یا اگر چاہے تو انہیں توبہ کی توفیق دے کر اُن کا انجام بھی بہتر کر دے۔

پھر گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات کا ذکر فرمایا اور نبی علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اُن سے برملا کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کا مال و دولت اور زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تمھیں اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کے گھر کی تلاش ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھارے لیے اجرِ عظیم بھی موجود ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کے مرتبے کے پیشِ نظر اُن کو حکم دیا کہ وہ زمانہ جاہلیت کی طرح بے پردہ باہر نہ نکلیں اور اپنے بناؤ سنگار کا اظہار نہ کریں بلکہ شریفانہ طریقے پر اپنے گھروں میں قیام کریں کہ اسی میں اُن کی عزت و آبرو ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں اسی طریقہ سے پاک و صاف رکھنا چاہتا ہے۔

اب آج کی آیت میں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا اکٹھا ذکر کر کے اُن کی بعض صفات بیان کی گئی ہیں اور انہیں اجرِ عظیم کی بشارت بھی سنائی گئی ہے۔ احادیث[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی موقع پہ ازواجِ مطہرات اور بعض دوسری مومن عورتوں نے حضور علیہ السلام کے سامنے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مردوں کا ذکرِ خیر تو کثرت سے کیا ہے مگر عورتوں کی خیر و خوبی کا ذکر بہت کم ہے۔ اس پہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں مردوں اور عورتوں

---

[1] ابن کثیر ص ۴۸۷ ج ۳ (فیاض)

کا اکٹھا ذکر فرمایا اور انہیں اچھے انجام کی خوشخبری سنائی۔

ویسے عام طور پر جب یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب کیا جاتا ہے تو مخاطبین میں مرد اور عورتیں دونوں اصناف شامل ہوتی ہیں۔ تاہم ان کا علیحدہ ذکر بھی موجود ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں اور مسلمان مردوں کی جن صفات کا تذکرہ کیا ہے وہ اسلام کی بنیادی قدریں (BASIC VALUES OF ISLAM) ہیں جن کو اپنانے سے انسان ترقی کی منازل طے کر سکتا ہے۔ اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ قانون کی پابندی اور محنت و کوشش جس طرح مردوں کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لیے بھی لازمی ہے اور اس ضمن میں دونوں یکساں ہیں۔ مذکورہ صفات پیدا کر کے مرد ہو یا عورت کامیابی حاصل کر سکتا ہے البتہ دونوں اصناف کے دائرہ کار مختلف ہیں۔ دونوں اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر ترقی کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بشارت کے مصداق بن سکتے ہیں۔

مسلمان مرد و زن

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں۔ اسلام ایک ایسی چیز ہے۔ جس کا تعلق ظاہر سے ہے یعنی اسلام سے مراد وہ اعمال ہیں جو نظر آتے ہیں۔ حدیث جبرئیل ؑ میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے ایمان، اسلام اور احسان کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے اسلام کے متعلق فرمایا اَنْ تَشْھَدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِیْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِیَ الزَّکٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَیْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا[1] کہ اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی وحدانیت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کی گواہی دے، نماز پڑھے زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور اگر

---

[1] بخاری ص ۱۲ ج ۱ (فیاض)

توفیق ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔ جب کوئی شخص یہ اعمال انجام دیتا ہے تو دوسرے دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ شخص مسلمان ہے۔

اہل ایمان مردوزن

پھر فرمایا وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں۔ ایمان کا تعلق تصدیق قلبی کے ساتھ ہے جو نظر نہیں آتی۔ اسی حدیث جبریل میں حضور علیہ السلام نے ایمان کی تعریف یہ فرمائی اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر ایمان لائے اور خیر و شر کی تقدیر کو حق جانے۔ گویا ایمان کا تعلق دل کی تصدیق سے ہے جو بظاہر نظر نہیں آتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں اور ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کا ذکر کیا ہے، جو مذکورہ صفات کے حامل ہیں۔

اطاعت گزار مردوزن

آگے فرمایا وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ اور اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں۔ قنوت کا معنیٰ اپنی رضا و رغبت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی اطاعت کو قبول کرنا ہے۔ جب کوئی شخص کسی کی اطاعت کا دم بھر لیتا ہے تو پھر اس پر لازم ہے کہ وہ مطاع کے ہر حکم کی تعمیل بھی کرے۔ تو قانتین اور قانتات کا یہی مطلب ہے کہ ایسے مردوزن جو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے والے ہوں اور کسی حیلے بہانے سے اس کی اطاعت سے باہر نہ نکلیں۔ دیگر احکام الٰہی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ پوری دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا بھی اطاعت میں شامل ہے۔

سچے مردوزن

پھر فرمایا وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ اور سچے مرد اور سچی عورتیں اس سے مراد وہ مردوزن ہیں جو زندگی کے ہر موڑ پر سچائی کو اپنا شعار بنالیں۔ سچ کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ نیت، عقیدے اور ارادے میں سچے ہونا، اعمال و کردار اور اخلاق میں سچے ہونا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہو تو خلوص نیت کے ساتھ

سچائی پر مبنی ہو اور اگر عام لوگوں کے ساتھ کوئی معاملہ کیا جائے تو وہ کامل سچائی کے ساتھ ہو کسی کے ساتھ جھوٹ، دھوکہ اور فریب نہ ہو۔ زبان وہی کچھ بولے جو ضمیر صحیح طریقے سے جانتا ہو اور ہر کام ایمانداری اور راستی اور صداقت کے مطابق ہو اللہ نے اس مقام پر ایسے ہی مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا ہے۔

صابر مرد و زن

اللہ نے فرمایا وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔ صبر بھی ملتِ ابراہیمی کا ایک اہم اصول ہے۔ انسانی زندگی کے کسی مرحلہ پر بھی اس کا دامن نہیں چھوٹنا چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ صبر کیئے بغیر کوئی کام بھی کماحقہٗ انجام نہیں پاسکتا۔ وضو کرنے میں سردی یا گرمی کی شدت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ نماز خصوصاً تہجد کی نماز کے لیے صبر و برداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ موسم گرما کے طویل روزے محض صبر کے ذریعے ہی رکھے جا سکتے ہیں۔ ارکانِ حج کی ادائیگی میں بھی مشقت اٹھانے پر صبر درکار ہوتا ہے۔ اور پھر جہاد میں جان کی بازی لگاتے وقت بھی صبر و ہمت ہی کلید کامیابی ہوتی ہے۔ کوئی حادثہ پیش آجائے، پریشانی لاحق ہو جائے، قحط پڑ جائے، وبا پھیل جائے، زلزلہ آجائے، جنگ لگ جائے، مال و جان کا نقصان ہو جائے، یہ سب چیزیں صبر کی متقاضی ہیں۔ ان تکالیف کو منجانب اللہ سمجھتے ہوئے صبر کا اظہار کرے۔ اللہ پر مکمل بھروسہ رکھے کہ مصیبت کو دور کرنے والا وہی ہے۔ جزع فزع کرنے کی بجائے صبر سے کام لے۔ اس سلسلہ میں اللہ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا (المعارج - ۱۹) انسان بے صبرا پیدا کیا گیا ہے مگر بے صبری کا نتیجہ ہمیشہ خراب ہوتا ہے اللہ نے صبر کرنے والوں کے متعلق فرمایا۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ - ۱۵۵-۱۵۶) کہ ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اللہ تعالےٰ

نے ایسے لوگوں کی کامیابی کی گارنٹی دی ہے۔

عاجز مرد و زن

آگے فرمایا وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔ اللہ کے سامنے خشوع یعنی عاجزی کا اظہار کمال درجے کی صفت ہے اور ہر انسان سے مطلوب ہے اللہ نے اپنے انبیاء کے متعلق بھی فرمایا ہے خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ وہ اللہ کے حضور نہایت عاجزی اور نیازمندی کا اظہار کرتے ہیں۔ ویسے عام انسانوں کے ساتھ بھی خشوع کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے ساتھ غرور و تکبر سے پیش نہیں آنا چاہیئے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[1] ہے کہ اللہ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے اَنْ تَوَاضَعُوْا وَلَا يَفْخَرُ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ہر ایک کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ اور ایک دوسرے کے سامنے بڑائی کا اظہار نہ کرو کہ یہ ناپسندیدہ فعل ہے۔ بہرحال اس مقام پر اللہ نے عاجزی کرنے والے مردوں اور عاجزی کرنے والی عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

سخی مرد و زن

آگے فرمایا وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ اور صدقہ خیرات کرنے والے مرد اور صدقہ خیرات کرنے والی عورتیں۔ اللہ کی راہ میں غرباء، مساکین، یتامیٰ، بیوگان کی مالی اعانت اور کمزور طبقات کی دستگیری بھی ملت کا اہم اصول ہے بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنانا، بیمار کا علاج، تعلیمی اخراجات پورے کرنا اور دیگر جائز ضروریات کے لیے مال خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک[2] ہے۔ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ[3] یعنی صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض صحابہ کا بیان[3] ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

١ـه

٢ـه مستدرک حاکم ص۵ ج۲

٣ـه مسند احمد ص۲۲۳ ج۴

(فیاض)

سے ان ظل المؤمن یوم القیامۃ صدقتہ یعنی قیامت کے دن مومن آدمی پر اس کے صدقہ کا سایہ ہوگا۔

روزیدار مرد اور روزیدار عورتیں

آگے اللہ نے روزے دار مردوں اور روزے دار عورتوں کا بھی ذکر فرمایا ہے وَالصّٰٓئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ روزے میں رمضان کے فرض اور دیگر ایام میں نفلی روزے شامل ہیں۔ روزہ رکھنا بھی اسلام کی بنیادی قدروں میں شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اے ایمان والو! کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ (البقرہ۔۱۸۳) تم پر اسی طرح روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلی امتوں پر۔ مطلب یہ کہ اس فریضہ کو بوجھ نہ سمجھو بلکہ بخوشی انجام دو اور پھر اللہ نے اس کا اجر بھی بڑا رکھا ہے۔ حدیثؒ قدسی میں اللہ کا فرمان ہے اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ میرا بندہ خالص میرے لیے روزہ رکھتا ہے اور اس کی جزا بھی میں اپنی مرضی کے مطابق دوں گا۔ حضور کا یہ بھی فرمان ہےؒ کہ جنت کے ایک دروازے کا نام باب الریان ہے جس سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے۔

محافظین ناموس مرد و زن

پھر فرمایا وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَھُمْ وَالْحٰفِظٰتِ اور اپنے ناموس کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں۔ اللہ نے پاکباز مردوں اور عورتوں کا ذکر فرمایا کہ ناموس کی حفاظت بھی اسلامی قدروں میں سے ہے۔

سورۃ المومنون میں اللہ نے کامیابی حاصل کرنے والے مومنوں کی بعض صفات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ (آیت۔۵) یعنی وہ جو اپنے ناموس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ فُرُوْجَھُمْ کا لفظ استعمال کیا ہے مگر

سلہ مسلم ص۳۶۳ ج۱

سلہ

عورت کی اس قدر پردہ داری مقصود ہے کہ اس کے لیے صرف حٰفِظٰتِ کا لفظ آیا ہے، یہاں فُرُوْجَهُنَّ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کے حق میں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔ پردہ کی اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد[1] مبارک ہے ولا تنظر الی فخذ حیّ ومیّتٍ کسی زندہ یا مردہ کی ران کی طرف بھی دیکھنا حرام ہے چہ جائیکہ کوئی مرد و زن زنا یا لواطت میں مبتلا ہو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ ناموس کو بھی اسلامی اقدار میں داخل کیا ہے اور اس کی پابندی کرنے والے مردوں اور عورتوں کی تعریف فرمائی ہے

ذاکرین مرد و زن

اور اپنے بندوں کی دسویں صفت اللہ نے یہ بیان کی ہے وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں ۔ حصن حصین والے بزرگ حضرت جزری لکھتے[2] ہیں كُلُّ مُطِيْعٍ لِلّٰهِ فَهُوَ ذَاكِرٌ جو شخص اللہ کی اطاعت کے کام میں مصروف ہے، وہ اللہ کو یاد کرنے والا ہے۔ ویسے ہر شخص کے لیے زبانی ذکر ہی آسان ترین ذکر ہے۔ باقی عبادات کی تو مقدار مقرر ہے، مگر ذکر کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی، کوئی جس قدر چاہے اللہ کا ذکر کر سکتا ہے۔ آگے اسی سورۃ میں آ رہا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (الاحزاب ۔ ۴۱) اے ایمان والو! اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص رات کو اٹھتا ہے۔ اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کرتا ہے۔ پھر وہ دونوں نماز ادا کرتے ہیں تو اُنکے نام ذاکرین اور ذاکرات کے رجسٹر میں درج ہو جاتے ہیں۔ فرمایا یہ مرتبہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک آدمی کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حالت میں ذکر کرنے والا نہ بن جائے۔ ام المومنین حضرت عائشہ کی روایت[3] میں آتا ہے۔ کان

---

[1] ابو داؤد ص۲۰۱ ج۲ و کبیر ص۲۰۲ ج۲۳ [2] حصن حصین ص
[3] ابو داؤد ص۴ ج۱ (فیاض)

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَذْکُرُ فِیْ کُلِّ اَحْیَانِہٖ
کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام حالات میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے ۔

ذکر سے مراد تلاوتِ قرآن، تسبیح و تقدیس کے کلمات، درود پاک استغفار اور دیگر اوراد ہیں۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ انسان کو اس قدر کثرت سے ذکر الٰہی کرنا چاہیئے کہ اس کی توجہ ہر وقت اسی طرف مبذول رہے۔ اللہ نے ذکر کو کامیابی کا زینہ بھی قرار دیا ہے۔ سورۃ الجمعۃ میں فرمایا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (آیت ۱۰) اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا کرو تا کہ تمھیں فلاح نصیب ہو جائے۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ عذاب سے نجات دلانے والی چیزوں میں اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں۔

بخشش اور اجرِ عظیم

اِن دس بنیادی قدروں اور اُن کے حاملین کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ بخشش سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مذکورہ صفات کے حاملین کی لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف کر دیگا اور اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا۔ اس آیت کریمہ میں مردوں اور عورتوں کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا جن لوگوں میں یہ اسلامی قدریں پائی جائیں گی۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورت، سب کو انعامات سے نواز اجائے گا۔ بحیثیت انسان مرد بھی کمال حاصل کر سکتے ہیں اور عورتیں بھی اس میں مرد و زن کی کوئی تخصیص نہیں کی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ
مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿٣٦﴾ وَاِذْ تَقُوْلُ
لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ
اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ
نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ
وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا
وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ
اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ
مَفْعُوْلًا ﴿٣٧﴾

ترجمہ :- اور نہیں ہے کسی مومن مرد اور نہ کسی مومنہ
عورت کا کام کہ جب فیصلہ کر دے اللہ اور اس کا
رسول کسی معاملے کا تو ان کو کوئی اختیار باقی رہ جائے
ان کے معاملے میں ۔ اور جو شخص نافرمانی کرے گا اللہ
اور اس کے رسول کی ، پس بے شک وہ گمراہ ہوا

صریح گمراہی (۳۶) اور جب آپ کہہ رہے تھے اُس شخص سے جس پہ اللہ نے انعام کیا ہے، اور آپ نے بھی اس پہ احسان کیا ہے، روک رکھو اپنے پاس اپنی بیوی کو اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اور آپ چھپاتے تھے اپنے جی میں وہ بات کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے والا ہے۔ اور ڈرتے تھے آپ لوگوں سے حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔ پس جب پورا کر دیا زید نے اس عورت سے اپنی غرض کو تو ہم نے نکاح کرا دیا اُس عورت کا آپ کے ساتھ تاکہ نہ ہو ایمان والوں پر کوئی حرج ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے میں جب کہ وہ ان سے اپنی غرض پوری کر لیں۔ اور اللہ کا حکم ہو کر رہے گا۔ (۳۷)

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی اُن صفات کا ذکر کیا جن کے ذریعے وہ کمال حاصل کر سکتے ہیں اور اُن صفات کو اسلام کی بنیادی قدریں قرار دیا۔ اس سے پہلے اللہ نے ازواجِ مطہرات کی حیثیت اور مرتبے کو بیان فرمایا اور اُن کی کوتاہیوں پر تنبیہ فرمائی۔ پیشتر ازیں غزوہ خندق کے سلسلے میں منافقین کی مذمت بیان کی گئی تھی۔ اُس سے بھی قبل اللہ نے نبی علیہ السلام کے حقوق کا ذکر کیا اور امت کو خبردار کیا کہ نبی کے اعزاز و اکرام کو ملحوظِ خاطر رکھیں اور قول و فعل سے کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے اللہ کے نبی کو اذیت پہنچے۔ اب آج کی آیات میں بھی یہی مضمون مختلف انداز میں بیان ہوا ہے۔

اللہ اور رسول کا فیصلہ

ارشاد ہوتا ہے وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لائق نہیں اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا حتمی فیصلہ کر دیں اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

تو اُن کے پاس کوئی اختیار باقی رہ جائے۔ مطلب یہ کہ اللہ اور رسول کے فیصلے کے بعد کسی مومن مرد و زن کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ اپنی مرضی سے ایسے فیصلے قبول کر لے یا رد کر دے۔ بلکہ اُسے تو ہر حالت میں اللہ اور نبی کے فیصلے کو برحق جان کر اس پر عمل کرنا ہوگا۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو شخص اللہ اور رسول کے خلاف کرے گا فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔ اُسے فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔

شانِ نزول

شانِ نزول کے اعتبار سے یہ آیات حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے بارے میں ہیں۔ حضرت زیدؓ کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ درس ۲ میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے کہ منہ بولے بیٹے کو اس کے حقیقی باپ کی طرف منسوب کر کے پکارو۔ اور اگر اس کے باپ کا اتہ پتہ معلوم نہ ہو تو اسے اپنا بھائی یا رفیق کہہ کر پکارو۔

حضور علیہ السلام نے حضرت زیدؓ کو منہ بولا بیٹا بنالیا تھا اور لوگ انہیں زیدؓ ابن محمد کہہ کر بلاتے تھے مگر مذکورہ آیات کے نزول کے بعد انہیں زیدؓ بن حارثہ کہا جانے لگا۔

درس نمبر ۲ میں ہی یہ تفصیل بھی بیان ہو چکی ہے کہ حضرت زیدؓ کو حضرت خدیجہؓ نے عکاظ کی منڈی سے بطورِ غلام خریدا تھا۔ پھر جب آپ کا نکاح حضور علیہ السلام کے ساتھ ہو گیا تو انہوں نے یہ غلام حضور علیہ السلام کو ہبہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد حضرت زیدؓ کے والد اور چچا کو آپ کا علم ہوا تو وہ آپ کو لینے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معاوضہ ادا کر کے بچے کو لے جانا چاہا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خود جانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر زیدؓ نے حضور کے اخلاق کریمانہ کی بدولت آپ کے ہاں سے جانے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے اعلان فرما دیا کہ آج سے میں نے زیدؓ کو آزاد کر دیا ہے اور یہ میرا منہ بولا بیٹا ہے۔ اس اعلان پر حضرت زیدؓ کے والد اور چچا خوش ہو کر واپس چلے گئے۔

زیدؓ کا نکاح زینبؓ سے

حضرت زیدؓ کے حضرت زینبؓ سے نکاح کے متعلق بھی درس نمبر ۲ میں اشارتاً ذکر آ چکا ہے۔ جب حضرت زیدؓ آزاد ہو گئے تو حضور علیہ السلام نے اُنکے

نکاح کے لیے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کو منتخب فرمایا۔ اُن کی والدہ کا تعلق تو قریش خاندان سے تھا مگر وہ بنی اسد کے خاندان میں بیاہی ہوئی تھیں اور وہ بھی عرب کا ایک معزز خاندان تھا، اُدھر زیدؓ ایک آزاد شدہ غلام تھے، اس لیے نہ تو خود زینبؓ اس رشتے پر رضامند ہوئیں اور نہ اُن کے بھائی عبداللہ بن جحشؓ کو یہ بات پسند آئی، لہٰذا انہوں نے یہ رشتہ منظور نہ کیا۔ مگر اس سلسلہ میں شاید اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ اور مصلحتیں بھی تھیں۔ خاندانی غرور و تکبر کو ختم کرنا بھی مقصود ہوتا ہے جہاں تک کفوء کا تعلق ہے، یہ بھی کوئی فرض واجب تو نہیں ہے۔ ایک متدین آدمی خواہ کمزور خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔ اعلیٰ خاندان کی عورت کا کفوء بن سکتا ہے اور پھر حضرت زیدؓ سے بڑا متدین کون ہو سکتا تھا جو غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لائے اور حضور علیہ السلام کے سراپا اطاعت گزار، وفادار، سلیم الفطرت اور کمال درجے کی نیکی کے مالک تھے۔

بہرحال جب اس رشتہ کے سلسلہ میں حضرت زینبؓ اور اُن کے بھائی راضی نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمادیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر لیں تو پھر کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اختیار نہیں رہتا کہ وہ اس فیصلہ کو تسلیم کریں اور اگر کوئی شخص اللہ اور اُس کے رسُول کی نافرمانی کرے گا تو صریح گمراہی میں جا پڑے گا۔ ان آیات کے نزول پر حضرت زینبؓ اور اُن کے بھائی عبداللہؓ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ نکاح ہو جانا چاہیئے، لہٰذا اِن دونوں نے بلا پس و پیش یہ رشتہ قبول کر لیا اور اس طرح حضرت زیدؓ کا نکاح حضرت زینبؓ سے ہو گیا۔

یہ آیت کریمہ اگرچہ شانِ نزول کے لحاظ سے حضرت زیدؓ کے نکاح کے ضمن میں نازل ہوئی مگر اس کا اطلاق اللہ اور رسول کے ہر قسم کے احکام پر ہوتا ہے اور کسی بھی فیصلے کی خلاف ورزی کا کسی مومن کو اختیار نہیں، اور جو ایسا کرے گا وہ گمراہی میں جا پڑے گا۔ اس قانون کے پیشِ نظر اگر ہم آج کے معاشرے پر نظر ڈالیں، تو معلوم ہو گا کہ بہت ہی کم لوگ ہوں گے جو اللہ اور اُس کے رسول کے احکام پر چلتے

ہیں، ورگرنہ اکثر لوگ نافرمانی کے کاموں میں ہی لگے ہوئے ہیں اور ہر معاملے میں احکامِ شریعت کو پسِ پشت ڈال کر من مانی کر رہے ہیں۔ بیاہ شادی کا معاملہ ہو، کوئی کھیل تماشے کی بات ہو یا کاروباری معاملات ہوں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ موجود ہے مگر اس کے باوجود ہم اُس کی طرف توجہ کرنے کی بجائے غلط رسم و رواج کے پیچھے چل رہے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کو ہی اپنے لیے باعثِ عزت سمجھتے ہیں۔

زیدؓ اور زینبؓ میں عدمِ مفاہمت

بہر حال اس آیت کریمہ کے حکم کے مطابق حضرت زیدؓ کا نکاح حضرت زینبؓ سے ہو گیا مگر ان دونوں کے مزاج میں ہم آہنگی پیدا نہ ہو سکی۔ حضرت زیدؓ دھیمے مزاج کے آدمی تھے۔ اس کے برخلاف حضرت زینبؓ کے مزاج میں تیزی تھی۔ حضرت زینبؓ ایک نیک سیرت خاتون تھیں اور نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں جب حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگی تو بعض مخلص مسلمان مرد اور عورتیں بھی غلط پراپیگنڈا کا شکار ہو گئیں۔ اِن میں حضرت زینبؓ کی بہن بھی شامل تھیں اور ان پر حد بھی جاری کی گئی۔ مگر جب اس تہمت کا ذکر حضرت زینبؓ کے سامنے کیا گیا، تو انہوں نے کان پکڑ لیے اور کہنے لگیں، پناہ بخدا! بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ انہوں نے ام المومنین عائشہؓ کی تعریف کی اور انہیں اس الزام سے بری الذمہ قرار دیا۔ ہاں ہمسر آپ کے مزاج میں حدت تھی۔ لہذا حضرت زیدؓ کے ساتھ نباہ نہ ہو سکا۔ بات بات پہ الجھاؤ پیدا ہونے لگا۔ تو حضرت زیدؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں ان حالات کا تذکرہ کیا اور کہا کہ ہم میاں بیوی کے مزاج میں مطابقت پیدا نہیں ہو سکی۔ لہذا میں اسے طلاق دے دینا چاہتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چند حضرت زیدؓ کو سمجھاتے رہے کہ جلدی نہ کرو اور حتی الامکان نباہ کی کوشش کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں اسی بات کا ذکر کیا ہے وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ

اور جب آپ اُس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ اس

سے مراد حضرت زیدؓ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ احسان کیا کہ دشمنوں سے ان کی جان کی حفاظت کی، غلامی کی حالت میں حضرت خدیجہؓ جیسی نیک خاتون کی خدمت میں پہنچایا اور پھر حضور علیہ السلام کے سایہ عاطفت میں پہنچا دیا۔ اللہ نے یہ بھی احسان فرمایا کہ انہیں غلامی سے آزادی دلائی۔ حضور علیہ السلام کا منہ بولا بیٹا بنا دیا۔ اسلام کی دولت عطا فرمائی۔ غرضیکہ اُس پر اللہ تعالیٰ کی کتنی مہربانی تھی۔ نیز فرمایا وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اور آپ نے بھی اُس پر احسان کیا۔ یہ حضور علیہ السلام کا زیدؓ پر احسان تھا کہ آپ کی اچھے طریقے سے پرورش کی، آزاد کر کے بیٹا بنا لیا، پھر خاندانِ قریش میں اپنی پھوپھی زاد سے نکاح کرا دیا اور ہر طریقے سے آپ کا خیال رکھا۔

تو فرمایا کہ جب آپ اُس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ اور اس کے رسول نے انعام کیا اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو، طلاق دینے کا ارادہ نہ کرو وَاتَّقِ اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو معمولی معمولی باتوں کو برداشت کرو اور کسی ممکنہ جھگڑے کی صورت میں خاموشی اختیار کر لیا کرو تاکہ بات بڑھنے نہ پائے۔ غرضیکہ حضور علیہ السلام کی ہر چند کوشش تھی کہ یہ نکاح قائم رہے اور طلاق تک نوبت نہ آئے۔ اللہ نے اس بات کا یہاں ذکر کیا ہے۔

حضور علیہ السلام کے دل میں خلش۔

اللہ نے فرمایا کہ اس وقت کو بھی یاد کرو وَتُخْفِىْ فِىْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ اور آپ اپنے جی میں وہ بات چھپا رہے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے وَتَخْشَى النَّاسَ اور آپ لوگوں سے خوف زدہ ہو رہے تھے وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

حضور علیہ السلام کے دل میں کون سی بات تھی۔ جس سے آپ ڈر رہے تھے اور جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتا تھا؟ اس ضمن میں بعض مفسرینؒ[1] فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو اللہ نے بذریعہ وحی بتلا دیا تھا کہ زیدؓ اور زینبؓ کا نباہ نہیں ہو سکے گا اور بالآخران میں علیحدگی ہو جائے گی اور زینبؓ کو اللہ تعالیٰ آپ کی زوجیت میں دے

[1] تفسیر عثمانی صفحہ ۵۹۴ (فیاض)

دے گا۔ آپ کو اس بات کا خوف تھا کہ اس بارے میں لوگ کیا کہیں گے۔ کہ جو نکاح انہوں نے زور دے کر کرایا تھا اس میں نباہ نہ ہو سکا۔ اور بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ آپ کو یہ بھی خلش تھا کہ حضرت زینبؓ کو ان کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور کیا گیا۔ اس کے بعد اگر نوبت طلاق تک آگئی تو ایک آزاد کردہ غلام سے طلاق کا داغ قریش خاندان کی ایک عورت پر لگ جائے گا۔ یہ چیز حضور کے لیے تکلیف دہ تھی کہ اس طرح زینبؓ کی پوزیشن معاشرے میں مزید خراب ہو جائے گی یہ چیز تھی جس کا حضور علیہ السلام کو خوف تھا مگر اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔

بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کافی غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے، کہ زینبؓ کی دل شکنی کی تلافی صرف اسی صورت میں ممکن ہے۔ کہ اگر زیدؓ اسے طلاق دے دے تو میں خود اس سے نکاح کر لوں گا۔ اس طرح زینبؓ کو نبی کی زوجیت کا شرف حاصل ہو جائے گا اور طلاق کے صدمہ کو بھول جائے گی۔ پھر آپ کو یہ بھی خیال آتا تھا کہ اگر میں نے زینبؓ سے نکاح کر لیا تو لوگ پھر اعتراض کریں گے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا ہے، اور اس بات کو عرب لوگ ناجائز سمجھتے تھے۔ ان حالات میں کافروں، مشرکوں اور منافقوں۔ نیز یہود و نصاریٰ کی طرف سے تکلیف دہ پراپیگنڈہ کا خطرہ بھی تھا، لہٰذا آپ خوف محسوس کر رہے تھے، مگر اللہ نے فرمایا کہ لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

زیدؓ سے طلاق اور حضور سے نکاح

بالآخر وہی بات ہوئی جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ جب حضرت زیدؓ اور زینبؓ میں مفاہمت کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو انہوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا پس جب حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ سے اپنی غرض کو پورا کر لیا یعنی کچھ عرصہ ازدواجی زندگی کے طور پر گزار لیا تو اللہ نے فرمایا زَوَّجْنٰكَهَا تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کرا دیا، اور اس سے مقصود آپ کے دل کی خلش کو دور کرنا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ متبنّیٰ کی مطلقہ سے نکاح

کرلیا ہے لِکَیۡ لَا یَکُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِہِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡہُنَّ وَطَرًا تاکہ اہل ایمان پر اس بات میں کوئی حرج نہ ہو کہ وہ اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرلیں جب کہ مؤخر الذکر ان سے اپنی غرض پوری کرچکیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کو صراحت کے ساتھ جائز قرار دیا اور اس طرح مخالفین کے گمراہ کن پراپیگنڈا کا رد بھی ہوگیا۔ فرمایا وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہے گا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصولی طور پر متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور حضرت زینب رض کا نکاح بھی آپ سے ہونا اللہ کی مشیت میں ہے اور ہو کر رہے گا۔ الغرض! جب حضرت زیدؓ نے حضرت زینب رض کو طلاق دے دی تو بعد از تکمیلِ عدت حضور علیہ السلام نے ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا
فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا
مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴿۳۸﴾
الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ
أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ
مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ
اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۴۰﴾ ع

ترجمہ :- نہیں ہے اللہ کے نبی پر کوئی حرج اس چیز میں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر فرمائی ہے۔ یہ دستور ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو اس سے پہلے گزرے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم مقرر کیا ہوا ہوتا ہے (۳۸) وہ لوگ جو پہنچاتے ہیں اللہ کے پیغامات اور ڈرتے ہیں اسی سے، اور نہیں ڈرتے کسی سے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کفایت کرنے والا (۳۹) نہیں ہیں محمد باپ کسی ایک کے تمہارے مردوں میں سے، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور انبیاء کو ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ

ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے (۴۰)

رابطہ آیات

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زید رضؓ کی مطلقہ حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا تو کفار و منافقین نے طعنے دینے شروع کر دیے کہ آپ نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ وہ وراثت میں بھی حقدار ہوتا تھا اور اُس کی بیوی سے نکاح بھی ناجائز تصور ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو واضح کیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہوتا لہٰذا اسے اسکے حقیقی باپ کے نام سے پکارا کرو۔ اور اگر اس کے باپ کا علم نہ ہو تو اُسے اپنا بھائی اور رفیق کہہ کر بلا لیا کرو۔ البتہ اُس کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ اور ہو سکے تو اس کے ساتھ احسان کرو، البتہ اُس پر حقیقی بیٹے والے احکام لاگو نہیں ہوتے۔

اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے گذشتہ آیات میں اس مسئلہ کو واضح کیا، اور پھر حضور علیہ السلام کو اس معاملہ میں جس طعن و تشنیع کا خطرہ تھا اُس کے متعلق تسلی دی کہ آپ لوگوں کی طرف سے خوف نہ کھائیں بلکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اُس سے ڈرا جائے۔ جب حضرت زیدؓ کی غرض حضرت زینبؓ سے پوری ہو گئی تو انہوں نے طلاق دے دی تو اللہ نے زینبؓ کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ اہل ایمان کے دلوں میں منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے۔ جب ایسی مطلقہ کی عدت گزر جائے تو ایمان والوں کو ایسی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، نہ تو متبنّیٰ پر حقیقی بیٹے کے احکام لاگو ہوتے ہیں اور نہ ہی اُس کی بیوی حقیقی بہو شمار ہوتی ہے

نبی علیہ السلام کے لیے تسلی

آج کی پہلی دو آیات میں بھی تسلی کا مضمون ہی بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ

اللہ کے نبی کے لیے اُس چیز میں کوئی حرج نہیں ہے جو اُس نے اپنے نبی کے لیے مقرر کر دی ہے۔ مطلب یہ کہ جائز کام کو انجام دینے میں کوئی دقت محسوس

نہیں کرنی چاہیئے اور لوگوں کے اعتراضات اور طعن و تشنیع کو خاطر میں نہیں لانا چاہیئے۔ فرمایا سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ یہ پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں اللہ کا دستور ہے۔ پہلے ادوار میں بھی لوگ انبیاء علیہم السلام پر اسی طرح اعتراض کیا کرتے تھے مگر انہوں نے جائز کام کو کرنے میں کسی پس و پیش کا اظہار نہیں کیا بلکہ ایسے کام بے دھڑک کر گزرے۔ آج لوگ تعدد ازواج پر اعتراض کرتے ہیں کہ ایک مرد کو چار عورتیں رکھنے کی اجازت کیوں ہے۔ حالانکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو سے بھی زیادہ بیویاں تھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی متعدد بیویاں تھیں اور ان سے اولاد بھی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی جائز کردہ چیز پر طعن کرنا اللہ تعالیٰ پر طعن کرنے کے مترادف ہے، لہٰذا اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو کرتا رہے، آپ اس کی قطعاً پرواہ نہ کریں اور اپنا کام کرتے جائیں۔ فرمایا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا اور اللہ کا معاملہ تو ٹھہرایا ہوا ہے۔ اُس میں کون دخل اندازی کر سکتا ہے؟

فرمایا اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ اللہ کے نبی جو اُس کے پیغامات لوگوں تک پہنچاتے ہیں، وہ اُسی سے ڈرتے ہیں۔ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ اُن کو صرف اسی بات کا خوف رہتا تھا کہ کہیں اللہ کی نافرمانی کا کوئی کام نہ ہو جائے۔ اللہ نے اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کفایت کرنے والا، مطلب یہ کہ معترضین کے طعن و تشنیع کا توڑ اللہ ہی کرے گا وہ ایسے لوگوں کو ذلیل و خوار کر کے چھوڑے گا۔

بعض چیزوں کے جواز کا محض حکم دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور بعض جائز امور پر اللہ تعالیٰ لوگوں سے عمل کروا کر اس کے جواز کو مزید پختہ کر دیتا ہے۔ اس

---

[1] البحر المحیط ص ۲۳۶ ج ۷ و زاد المسیر ص ۲۹۳ ج ۶ (فیاض)

معاملہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے متبنّٰی کی بیوی سے نبی کا نکاح کروا کے اس کے خلاف باطل نظریہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اسی طرح حج کی ادائیگی میں باطل رسوم کے در آنے کو اللہ نے اُن کے خلاف عمل کروا کے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

مَردوں کے باپ ہونے کی نفی

اگلی آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے پہلے ادوار میں تو یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم السلام آتے رہے ہیں۔ مگر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ اللہ نے اپنے آخری نبی کے ذریعے وہ تمام احکام نازل کر دیے جو قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لیے کار آمد ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ رجل کا اطلاق بالغ مرد پر ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ کسی بالغ مرد کے باپ نہیں ہیں۔ حضور علیہ السلام کی اولادِ نرینہ میں سے کوئی بچہ بھی سنِ بلوغت کو نہیں پہنچا بلکہ وہ بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ بچوں میں سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے جو دو سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ پھر عبداللہ جن کا لقب طیب اور طاہر تھا۔ وہ بھی بچپن ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ تیسرے بیٹے ماریہ قبطیہ کے بطن سے ابراہیم تھے جنہوں نے صرف سولہ ماہ عمر پائی۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر حضور علیہ السلام کے بالغ مردوں کے باپ ہونے کی نفی کی ہے۔ جہاں تک حضرت زیدؓ کا تعلق ہے تو وہ بالغ ہوئے اور اُن کی شادی بھی ہوئی۔ مگر وہ حقیقی بیٹے تو نہیں تھے۔ اسی لیے تو اُن کی مطلقہ سے آپ کا نکاح بھی بالکل جائز تھا۔ مگر منافقین، یہود و نصاریٰ اور کفار نے خواہ مخواہ کا شور مچایا۔

ختمِ نبوت کا مسئلہ

فرمایا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ بلکہ آپ تو اللہ کے رسول ہیں۔ ہاں! اللہ کا رسول روحانی طور پر ساری امت کا باپ ہوتا ہے۔ خود حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک[1] ہے۔ اَنَا

---

[1] سنن ابی داؤد ص بحوالہ عثمانی ص ۵۴۲ (فیاض)

لَکُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ میں تمھارے لیے بمنزلہ باپ کے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی شفیق باپ اپنی اولاد کی بہترین تربیت کرتا ہے، اسی طرح میں بھی تمھاری تربیت کرتا ہوں۔

فرمایا، میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور ساتھ ساتھ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ تمام نبیوں کو ختم کرنے والا بھی ہوں۔ یہ لفظ خَاتَم اور خَاتِم دونوں طرح آتا ہے مگر دونوں کا معنیٰ ایک ہی ہے یعنی ختم کرنے والا۔ خاتم مہر کو کہتے ہیں، اس لیے امام ابن جریر[1] فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام بمنزلہ مہر کے ہیں۔ جب کسی چیز یا سلسلے کو بند کر دیا جاتا ہے تو اس پر مہر لگا دی جاتی ہے تاکہ کوئی مزید چیز اس میں داخل نہ ہو سکے۔ اللہ نے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ بھی ختم کر کے اس پر حضور علیہ السلام کے ذریعے مہر لگا دی ہے تاکہ کوئی اور شخص انبیاء کی جماعت میں داخل نہ ہو سکے۔ شاہ عبدالقادرؒ بھی یہی ترجمہ کرتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول اور سب نبیوں پر مہر ہیں۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اللہ نے سلسلہ نبوت آپ پر ختم کر دیا ہے۔

اور اگر خاتِم بطور فاعل لیا جائے تو معنیٰ ختم کرنے والا ہو گا۔ مطلب وہی ہے کہ آپ سب کے آخر میں تشریف لائے اور آپ کے ذریعے سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ بخاری[2] شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَیَکُوْنُ خُلَفَآءُ یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ بلکہ خلفاء ہوں گے جو نیابت کا فریضہ انجام دیں گے۔ خلفاء میں سے اچھے بھی ہوں گے اور بُرے بھی مگر نبی کوئی نہیں ہو گا۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا[3] کہ میری مثال ایک قصر کی ہے جو مکمل ہو چکا ہے مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی ہوتا باقی ہے۔ لوگ دیکھ کر تعجب کرتے ہیں کہ محل تو بڑا عالیشان ہے۔ مگر

---

[1] ابن جریر طبری ص ۱۶ ج ۲۲ [2] بخاری ص ۔۔۔

[3] ابن کثیر ص ۴۹۳ ج ۳ و درمنثور ص ۲۰۴ ج ۵ (فیاض)

اس کی دیوار میں ایک اینٹ کی کمی ہے۔ فرمایا، اسی طرح اللہ نے نبوت کا بھی ایک قصر تیار کیا ہے، اور ایک اینٹ کی جو جگہ خالی تھی، میں نے آکر اس کو پُر کر دیا ہے اب قصرِ نبوت مکمل ہو چکا ہے، لہٰذا کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا[1] اِنَّ الرِّسٰلَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ یعنی رسالت اور نبوت اب منقطع ہو چکی ہے۔ فَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا رَسُوْلَ اب میرے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول۔ اللہ نے مجھے سب انبیاء و رسل کے بعد بھیجا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا[2] خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ اللہ نے میری وجہ سے نبیوں کو ختم کر دیا ہے۔ موطا شریف میں یہ روایت بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا[3] اَنَا الْعَاقِبُ میں عاقب یعنی سب سے آخر میں آنے والا ہوں لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ جس کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ ایک روایت میں عاقب کے ساتھ مقفی کا لفظ بھی آتا ہے۔ میں عاقب اور مقفی ہوں جس کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ ابن ماجہ شریف کی روایت[4] میں آتا ہے کہ میں آخر الانبیاء ہوں یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ اور تم آخری امت ہو۔ اب تمہارے بعد کوئی امت بھی نہیں ہوگی۔

غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنی نیابت کے لیے چھوڑ دیا تو انہوں نے عرض کیا، حضور! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اَنْتَ[5] مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ ھٰرُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی

---

[1] ابن کثیر ص۴۹۲ ج۳ [2] ابن کثیر ص۴۹۳ ج۳ [3] ابن کثیر ص۴۹۴ ج۳ ومعالم التنزیل ص۱۲۸ ج۳
[4] ابن ماجہ ص [5] روح المعانی ص۳۲ ج۲۲ (فیاض)

تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کی نیابت اُن کے بھائی ہارون علیہ السلام نے انجام دی تھی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ فرق صرف اتنا ہے کہ اُن کے بعد تو اور بھی نبی آئے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کی تعریف میں حضور علیہ السلام کے یہ کلمات[۱] بھی ہیں لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرُ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ آپ نے اپنے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی فرمایا کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو نبی ہوتا یعنی اللہ نے اُس میں بڑی صلاحیت رکھی تھی، مگر میرے بعد تو نبوت کا دروازہ ہی بند ہو چکا ہے

جھوٹے مدعیان نبوت

اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِن واضح فرمودات کے باوجود آپ کے بعد بہت سے لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا[۲] کہ میرے بعد تیس دجال اور کذاب آئیں گے، اُن میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا، مگر میں[۳] تو خاتم النبیین ہوں لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میرے بعد کوئی سچا نبی نہیں آئے گا، جو بھی دعویٰ کرے گا، وہ جھوٹا ہو گا۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے تو حضور علیہ السلام کی زندگی مبارک میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، مسیلمہ کذاب حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے دوران مارا گیا۔ اِس شخص کا اپنا بہت بڑا قبیلہ تھا، پھر اس نے دوسروں کو بھی ساتھ ملا لیا اور بہت بڑا دجل پیدا ہوا۔ آخر مارا گیا تو یہ فتنہ ختم ہوا۔ صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد ہر مدعی نبوت کافر اور واجب القتل ہے۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ لڑی گئی۔ مؤرخین کے مطابق یہ اتنا بڑا فتنہ تھا کہ اسے فرو کرنے میں گیارہ سو حفاظ اور قاری شہید ہوئے تھے، اور دونوں طرف سے چالیس ہزار آدمی کام آئے تھے۔

---

[۱] ترمذی ص۳۲۳ [۲] درمنثور ص۲۰۴ ج۵ [۳]

(فیاض)

امام ابو حنیفہ رح کے زمانے میں دوسری صدی میں بھی ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں نبوت کے ثبوت میں معجزہ بھی پیش کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اُس شخص کے متعلق شرح فقہ اکبر میں امام صاحب رض کا یہ فتویٰ موجود ہے کہ جو شخص اِس جھوٹے مدعی نبوت کا معجزہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ جب حضور علیہ السلام نے واضح کر دیا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا تو پھر کسی جھوٹے نبی کا معجزہ دیکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور کی ختم نبوت میں شک ہے اور اسی وجہ سے امام صاحب رض نے ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ لگایا۔

قادیانی فتنہ

مرزا غلام احمد قادیانی کا معاملہ بھی مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی جیسا ہی ہے بابک خرمی اور متنبی بھی مدعیان نبوت ہوئے ہیں، جنہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اسی طرح اس شخص نے بھی بڑا دجل پھیلایا اور بہت سے لوگ اس کے جھانسے میں آ گئے۔ دجال کی یہ واضح نشانی ہے کہ وہ متضاد باتیں کرتا ہے۔ جب ایک بات کہہ کر پھنس گیا تو پھر دوسری کر دی۔ مرزا قادیانی نے بھی یہی کچھ کیا۔ پہلے نبوت کا دعویٰ کیا۔ جب اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ آئی تو کہنے لگا کہ میں ظلی نبی ہوں کبھی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ مسیح موعود تو عیلیٰ ابن مریم ہیں۔ حضور علیہ السلام کی احادیث کے پیش نظر ساری امت کا اتفاق ہے کہ مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا پر نازل ہوں گے۔ عیلیٰ کی نبوت حضور علیہ السلام کے بعد نہیں بلکہ چھ سو سال پہلے ہے۔ جب وہ دنیا میں دوبارہ آئیں گے تو نبی کی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ حضور علیہ السلام کے نائب کی حیثیت سے آئیں گے۔ جیسے امت کا کوئی مجدد ہوتا ہے وہ اپنا دستور تو نہیں چلائیں گے بلکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی لائی ہوئی کتاب پر ہی عمل کریں گے۔ اللہ نے اُن کو ایک خاص مصلحت یعنی دجال کو قتل کرنے کے لیے آسمان پر زندہ رکھا ہے۔

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لہٰذا زید رض کے بھی باپ نہیں ہیں۔ البتہ ساری امت کے روحانی باپ اور اللہ

کے آخری نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے جاہلیت کے باطل نظریے کو رد کر دیا۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرے گا وہ ہمیشہ کے لیے خائب و خاسر بن جائے گا۔

درس سیزدہم ۱۳ آیت ۴۱ تا ۴۴

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا
كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾
هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ
لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ
يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَّاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنا ﴿۴۱﴾ اور تسبیح بیان کرو اس کی صبح اور پچھلے پہر ﴿۴۲﴾ وہ وہی ذات ہے جو رحمت نازل کرتا ہے تم پر ، اور اس کے فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں تاکہ وہ نکالے تم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف - اور وہ ایمان والوں کے ساتھ بہت مہربان ہے ﴿۴۳﴾ دعا اُن کی جس دن کہ وہ اس سے ملیں گے سلام ہے اور تیار کیا ہے اُس نے اُن کے لیے عزت کا ثواب ﴿۴۴﴾

ربطِ آیات

اللہ تعالیٰ نے حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے نکاح سے متعلق فرمایا کہ کسی مومن مرد و زن کے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ اور رسول کی منشاء کے خلاف اپنی مرضی چلائے ، پھر اللہ تعالیٰ نے زیدؓ پہ کیے گئے انعامات کا ذکر کیا۔

پھر حضرت زیدؓ اور زینبؓ کے درمیان طلاق اور حضور علیہ السلام کے ساتھ حضرت زینبؓ کے نکاح کا ذکر کیا۔ پھر اللہ نے حضور علیہ السلام کو تسلی دی کہ اس ضمن میں مخالفین کے پراپیگنڈا کو خاطر میں نہ لائیں۔ یہ نکاح ہم نے خود کرایا ہے تاکہ اہل ایمان پر یہ مسئلہ واضح ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح بالکل درست ہے فرمایا یہ دستور سابقہ ادوار سے چلا آرہا ہے اور اللہ نے اپنے انبیاء کے لیے جو چیز مباح قرار دی انہوں نے اس پر عمل کرنے میں کسی ملامت کنندہ کی پرواہ نہیں کی وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تم میں سے کسی مرد بشمول حضرت زیدؓ کے باپ نہیں ہیں، بلکہ آپ تو تمام انبیاء اور رُسل کے خاتم ہیں۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا، نہ کتاب اور نہ کوئی نئی شریعت، لہٰذا جاہلیت کی رسوم کو ختم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ آپ کے ذریعہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح عملی طور پر پیش کر دیا جائے تاکہ آئندہ کے لیے یہ باقی لوگوں کے لیے دستور العمل بن جائے۔

ذکر الٰہی کی فضیلت

چونکہ کافر، مشرک اور منافق اسلام اور اللہ کے نبی کے خلاف غلط پراپیگنڈا کرتے تھے جس سے حضور علیہ السلام اور اہلِ ایمان کو سخت ذہنی پریشانی ہوتی تھی، تو اس پریشانی کا حل اللہ تعالیٰ نے یہ تجویز فرمایا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا اے ایمان والو! اللہ کا کثرت سے ذکر کرو۔ اگر مخالفین بیہودہ باتیں اور طعنہ زنی کرتے ہیں تو تم اس کا ترکی بہ ترکی جواب نہ دو بلکہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرو کہ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادات کے لیے خاص اوقات اور خاص مقدار مقرر فرمائی ہے مگر ذکر الٰہی ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ اس کے لیے نہ کوئی وقت مقرر ہے، نہ جگہ اور نہ مقدار۔ جس وقت، جہاں چاہو اور جتنا چاہو اللہ کا ذکر کر سکتے ہو۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت[1] میں آتا ہے کہ

---

[1] ابوداؤد ص ۲ ج ۱ (فیاض)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کَانَ یَذْکُرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ اَحْیَانِہٖ یعنی آپ علیہ السلام تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ مسند احمد کی روایت میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد[۱] بھی موجود ہے کہ اللہ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہنے لگیں۔ اور کثرتِ ذکر کا حق اُس وقت ادا ہوگا جب کوئی شخص کھڑے بیٹھے اور لیٹے بھی اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ جب اس کی یہ حالت ہو جائیگی تو وہ ذٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ میں شمار ہونے لگے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور جو شخص کسی مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر جماعت میں کرتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بھی ارشاد ہے۔ کہ عذابِ الٰہی سے نجات دلانے والی چیزوں میں ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں صحابہ کرامؓ بیان[۲] کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی ہر مجلس کی ابتداء بھی اللہ کے ذکر سے ہوتی تھی اور انتہا بھی ذکر الٰہی پہ ہوتی تھی۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا[۳] کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھتا ہے اور وہاں اللہ کا ذکر نہیں کرتا (بعض روایات[۴] میں درود شریف کے متعلق بھی آتا ہے) تو وہ مجلس اس شخص کے لیے قیامت والے دن باعثِ حسرت ہوگی۔ اس دن کفِ افسوس ملیگا کہ وہ فلاں مجلس میں نہ اللہ کا ذکر کر سکا اور نہ اُس کے نبی پہ درود پڑھ سکا۔ گویا ذکر الٰہی سے محروم رہنے والے لوگ نقصان میں رہیں گے۔

سورۃ الجمعہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب جمعہ کی نماز ادا کر چکو تو زمین میں پھیل جاؤ اور حلال روزی تلاش کرو۔ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (آیت ۱۰) اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو تاکہ تمھیں فلاح نصیب

---

۱ ابن کثیر ص ۴۹۵ ج ۳ و درمنثور ص ۲۰۵ ج ۵ ۲ ۳

۴ مستدرک ص ۵۵ ج ۱۶ و مشکوٰۃ ص ۱۹۸ ج ۱۴ (فیاض)

ہو۔ فرمایا مخالفین کی تکلیف دِہ باتوں کا جواب ذکرِ الٰہی سے دو کہ یہ چیز تمہارے لیے تقویت کا باعث بنے گی کیونکہ اللہ کا فرمان ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرّعد۔ ۲۸) آگاہ رہو کہ دِل کا سکون اللہ کے ذکر کے ذریعے حاصل ہوتا ہے ذکرِ الٰہی سے انسان کی غفلت دُور ہوتی ہے اور اسے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے اگناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

تسبیح کی تاکید

فرمایا، ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا اور اُس کی تسبیح بیان کرو صبح کے وقت بھی اور پچھلے پہر بھی تسبیح کا معنیٰ تنزیہہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب، نقص اور ضعف سے پاک ہے جب کوئی شخص اپنی زبان سے سبحان اللہ ادا کرتا ہے، تو اس کا عقیدہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اُس ذاتِ خداوندی پہ ایمان رکھتا ہے، جس کی ذات ہر عیب اور آلودگی سے پاک ہے۔

تسبیح خدا تعالیٰ کی بہترین تعریف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے فجر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[1] ہے مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ جو شخص اِن دو نمازوں کی پابندی کرے گا۔ وہ جنت میں داخل ہو گا، اور اُسے اللہ کا دیدار نصیب ہو گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم مغلوب نہ ہو ان دو نمازوں پہ مداومت اختیار کرو۔

بعض فرماتے ہیں[2] کہ تسبیح سے مطلقاً ذکر مراد ہے، ذکر سے تو انسان کا کوئی لمحہ بھی خالی نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر یہ دو واقعات ایسے ہیں جن میں اللہ کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ نماز فجر اور عصر کے وقت فرشتوں کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی ہیں۔ ان اوقات میں لوگوں کے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔ لہٰذا اُس وقت اللہ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا چاہیئے تاکہ فرشتے اللہ کے حضور جا کر گواہی دے سکیں

---

[1] بخاری صہ ۸۱/۱ [2] روح المعانی صہ ۴۲/۲۲ (فیاض)

کہ مولا کریم! ہم تیرے بندے کو اس حال میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ وہ تیرے ذکر میں مصروف تھا۔

رحمت خداوندی کا نزول

فرمایا، خدا تعالیٰ کی ذات رحیم و کریم ہے هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ جو تم پر رحمت نازل کرتا ہے وَمَلٰٓئِکَتُهٗ اور اُس کے فرشتے بھی۔ صلوٰۃ کا معنیٰ دُعا ہے اور جب[1] اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے تو مطلب نزولِ رحمت ہوتا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ تم پر رحمت نازل فرماتا ہے، لہٰذا تم اُس کی خوشنودی کے کام انجام دو۔ جن کی وجہ سے اُس کی رحمت زیادہ سے زیادہ تمھاری طرف متوجہ ہو۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا خیال رکھو، اخلاق حسنہ اپنے اندر پیدا کرو، ذکر کی کثرت رکھو، خدا اور اُس کے رسُول کے احکام کی تعمیل کرو برائیوں سے اجتناب کرو تو رحمت خداوندی تمھاری طرف متوجہ ہوگی۔

اگر صلوٰۃ کی نسبت فرشتوں کی طرف کی جائے تو معنیٰ نزولِ رحمت کی دُعا ہوگا۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں[2] کہ فرشتے تمھارے لیے رحمت کی دُعا کرتے ہیں، فرشتے چونکہ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں اس لیے اُن کی دُعا یقیناً قبول ہوتی ہے گویا فرشتے بھی نزولِ رحمت کا باعث بنتے ہیں۔

ظلمت سے نور کی طرف

فرشتوں کی دُعا اور خدا تعالیٰ کی نزولِ رحمت کا مقصد اللہ نے یہ بیان فرمایا ہے لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ تاکہ وہ تمھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے۔ اگر تم اس نعمت سے واقعی مستفید ہونا چاہتے ہو تو اللہ کا کثرت سے ذکر کرو۔ بمفسرین[3] کرام اس کی تفسیر یوں بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں کفر سے نکال کر ایمان کی طرف، اور معصیت سے نکال کر اطاعت کی طرف اور بدعت سے نکال کر سنت کی طرف لے جانا چاہتا ہے

---

[1] احکام القرآن للجصاص ص ۳۶۱ ج ۳   [2] (فیاض)

[3] زاد المسیر ص ۳۹۸ ج ۶

مجمع البیان[1] والے اس کا مطلب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ خداوند قدوس تمھیں جہالت سے نکال کر معرفت کی طرف، نفاق سے نکال کر اخلاص کی طرف لاتا ہے۔ کفر، شرک، نفاق، بدعت، معصیت سب اندھیرے ہیں۔ ان کی وجہ سے انسان میں روحانی تاریکی پیدا ہوتی ہے، جو دلوں، دماغوں اور روحوں میں چھا جاتی ہے جب تک انسان ان چیزوں سے توبہ نہ کرے وہ حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ یہ سب ناپاک چیزیں ہیں اور باطنی طہارت اس وقت نصیب ہوتی ہے جب کوئی شخص خلوص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرے اور اُس میں جذبہ اطاعت موجود ہو۔ تو فرمایا کہ خدا تعالیٰ نزولِ رحمت فرماتا ہے، فرشتے اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ تمھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔

فرمایا وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ بڑا مہربان ہے۔ اہل ایمان پر اُس کی خصوصی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اپنے فضل و کرم سے اللہ تعالیٰ اُن کی عبادت اور ریاضت کو قبول فرماتا ہے اور اُن کی غلطیاں اور کوتاہیاں معاف کرتا ہے۔ یہ اُس کی رحمت و بخشش کی علامت ہے

دعا بطور سلام

ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ جس دِن وہ اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گے اُس دِن اُن کی دُعا سلام ہے۔ دو مسلمانوں کی ملاقات کے وقت بھی ایک دوسرے کو سلام کیا جاتا ہے۔ امام ابُوبکر جصاصؒ[2] اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ یہ لفظ چاہتا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں تو اُن کی دُعا سلام ہی ہونی چاہیئے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ یعنی دو مسلمان ملاقات پر ایک دوسرے کے لیے خیر و سلامتی کی دُعا کریں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر ہر نبی کے دور میں سلام و دعا کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ پھر جب دو مومن جنت کے اندر

---

[1] مجمع البیان صـ ۲۴۸ ج ۲ [2] احکام القرآن للجصاص صـ (فیاض)

آپس میں ملیں گے تو وہاں پر اُن کی دُعا سلام ہی ہوگی۔ جب فرشتے جنتیوں کے پاس آئیں گے تو وہ بھی اُن کو سلام کریں گے۔ پھر جب نیک لوگوں کے سامنے پیش ہوں گے تو وہاں بھی پروردگار فرمائیگا سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِیْمِ (یٰسٓ۔ ۵۸) اے میرے بندو! میری طرف سے تم پر سلامتی ہو۔ غرضیکہ آپس کی ملاقات کے وقت بھی، اور فرشتوں سے ملاقات کے وقت بھی اور پروردگار کی طرف سے بھی سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔ فرمایا وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا اللہ نے ایسے ایمان والوں کے لیے بڑی عزت والا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے ان کے درجات بلند ہوں گے اور انہیں عزت کا مقام حاصل ہوگا۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا
وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا
مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ
مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ
وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى
اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

ترجمہ:۔ اے نبی! بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ کو شاہد بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ﴿۴۵﴾ اور بلانے والا اللہ کی طرف اُس کے حکم سے اور روشن چراغ ﴿۴۶﴾ اور آپ خوشخبری دیں ایمان والوں کو کہ بیشک اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے ﴿۴۷﴾ اور آپ نہ بات مانیں کفر کرنے والوں کی اور منافقوں کی، اور چھوڑ دیں آپ اُن کی طرف سے ایذا رسانی، اور بھروسہ کریں اللہ کی ذات پر۔ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کام بنانے والا ﴿۴۸﴾

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں پہلے اہل ایمان کو کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنی مہربانیوں کا تذکرہ کیا کہ وہ خود رحمت نازل کرتا ہے اور فرشتے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر بہت مہربان ہے اور انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اس سے پچھلی آیت میں حضور علیہ السلام کی فضیلت اور آپکی ختم نبوت کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے معترضین اور مخالفین کا منہ بند کر دیا اللہ نے واضح فرمایا کہ آپ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ ساری امت کے روحانی باپ ہیں۔ لہذا نہ تو زیدؓ آپ کے حقیقی بیٹے ہیں اور نہ اُن کی بیوی آپکی بہو ہے کہ اُس سے نکاح حرام ہو۔ اللہ کی حلال کردہ چیز پر طعن کرنا گویا اللہ کی ذات پر طعن کرنا ہے۔ لہذا آپ اُن لوگوں کی باتوں سے متاثر نہ ہوں۔ بلکہ جائز کام پر عمل کر کے باقی امت کے لیے بھی آسانی کا سامان پیدا کر دیں۔

حضور علیہ السلام بطور شاہد

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی فضیلت اور بعض صفات کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ ایمان والوں کو بشارت بھی دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا اے نبی! بیشک ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا ہے۔ قرآن پاک میں عام طور پر حضور علیہ السلام کو اے رسول یا اے نبی کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے جس میں آپ کی تکریم کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اکثر انبیاء کو نام لے کر بھی مخاطب کیا ہے، مگر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں بھی یا محمد کہہ کر مخاطب نہیں کیا گیا۔ اس سے باقی انبیاء پر آپ کی فضیلت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایمان والوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ آپ کی تعظیم و تکریم کو ملحوظ رکھیں اور قول و فعل سے کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف پہنچے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا ہے۔ شاہد کا معنیٰ گواہ ہوتا ہے۔ اور شہادت کا معنیٰ گواہی دینا ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ یعنی اللہ کی رضا کی خاطر ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔

شاہد کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی

بعض لوگ لفظ شاہد کو غلط معانی پہنا کر سادہ لوح لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہوں نے شاہد کا معنیٰ حاضر و ناظر کیا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ گواہ وہی ہوتا ہے جو کسی چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر گواہی دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام کو

چونکہ شاہد کا لقب دیا گیا ہے لہذا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور اسی بناء پر قیامت کے روز اللہ کی بارگاہ میں گواہی دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ لفظ شاہد کا معنیٰ حاضر و ناظر اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی کئی مقامات پر نفی کی ہے۔ مثلاً سورۃ قصص میں ہے کہ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف حکم بھیجا تو آپ طور کے مغربی جانب تو نہیں تھے وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (آیت ۴۴) اور نہ ہی آپ دیکھنے والوں میں تھے یعنی آپ وہاں حاضر و ناظر نہیں تھے۔ اس کے برخلاف وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (البروج-۹) ہر مقام اور ہر چیز پر حاضر و ناظر تو صرف اللہ کی ذات ہے۔ یہ صفت مخلوق میں سے کسی میں نہیں پائی جاتی۔

اللہ کی وحدانیت کی گواہی

مفسرین کرام بیان[1] کرتے ہیں کہ شاہد کا معنیٰ گواہی دینے والا بھی درست ہے۔ اور اس کا اطلاق حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ پر کیا جائے تو جملے کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اے نبی! ہم نے آپکو اللہ کی وحدانیت کی گواہی دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اس معنیٰ کی تائید حضور علیہ السلام کی ایک حدیث[2] سے بھی ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے سے دو جنازے گزرے۔ ایک میت کے متعلق صحابہ کرامؓ نے بتایا کہ یہ نیک اور اچھا آدمی تھا، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اس پر واجب ہو گی۔ پھر دوسرے جنازے کے متعلق صحابہؓ نے کہا کہ یہ برا آدمی تھا تو حضور نے فرمایا کہ واجب ہو گئی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، حضور! کیا چیز واجب ہو گئی؟ فرمایا جس شخص کے متعلق تم نے اچھائی کی گواہی دی۔ اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ اور جس کے لیے برائی کی گواہی دی اس پر دوزخ واجب ہو گئی۔ پھر آپ نے تین دفعہ فرمایا اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِى الْاَرْضِ یعنی تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو

---

[1] تفسیر عثمانی صہ ۵۵۰

[2] (فیاض)

یعنی اللہ کے دینِ حق اور اُس کی وحدانیت کی گواہی دینے والے ہو۔ الغرض ! گواہ سے مراد دینِ حق اور اللہ کی وحدانیت کی گواہی دینے والا ہے ۔

تبلیغ دین کی گواہی

بعض فرماتے ہیں کہ اس گواہی سے مراد تبلیغ دین حق کی شہادت ہے۔ قیامت کے دن جب حضور علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو گواہی دیں گے کہ میں نے دینِ حق لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔ اس کے علاوہ قیامت کو پیغمبر اور امت دونوں کے لیے گواہی ہوگی۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (النساء ۔۴۱) اُس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے گواہ لائیں گے، اور پھر اُن سب پر آپ کو بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ اور آپ گواہی دیں گے کہ میں نے دینِ حق کا پیغام امت تک پہنچا دیا تھا۔ یہی مضمون حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بارے میں تم سے قیامت کے دن سوال ہوگا تو تم کیا جواب دو گے۔ تو لوگوں نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیں گے قَدْ اَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَبَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ کہ آپ نے امانت کو ادا کر دیا ، تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور امت سے خیر خواہی کا حق بھی ادا کر دیا۔ غرضیکہ یہاں پر گواہی سے مراد دینِ حق کی تبلیغ کی گواہی بھی ہو سکتی ہے ۔

اعمال امت کی گواہی

شہادت سے مراد اعمال کی شہادت بھی ہو سکتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنی حیات طیبہ میں اپنی امت کے جن اعمال کو دیکھا اُن کی گواہی دیں گے ۔ مگر بعد میں آنے والوں کے متعلق آپ کو خبر نہیں ہوگی۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مجموعی طور پر آپ اگلی پچھلی ساری امت کی گواہی دیں گے تو یہ اس صورت میں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو تمام اعمال خیر و شر سے مطلع کر دے گا۔ بعد میں آنے والوں کے اعمال سے لاعلمی کی تائید صحیح حدیث

لہ

ٹہ

ہیں بھی موجود ہے۔ حضور علیہ السلام حوض کوثر پہ موجود ہوں گے اور لوگوں کو پانی پلا رہے ہوں گے۔ پھر کچھ لوگ آپ کے پاس پہنچنا چاہیں گے مگر اللہ کے فرشتے ان کے راستے میں مزاحم ہوں گے۔ حضور علیہ السلام فرمائیں گے کہ فرشتو! ان کو آنے دو کہ یہ میرے ساتھی معلوم ہوتے ہیں مگر وہ جواب دیں گے اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیسا بگاڑ پیدا کیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ ان لوگوں کو مجھ سے دور لے جاؤ جنہوں نے میرے بعد دین میں تغیر پیدا کر دیا۔ مطلب یہ کہ نبی علیہ السلام کو ساری امت کے اعمال کا علم تو نہیں۔ آپ اسی قدر گواہی دیں گے جتنا آپ کو علم ہے یا اگر اللہ سب کے متعلق مطلع کر دے گا۔ تو سب کے متعلق شہادت دیں گے۔

اعمال امت سے لاعلمی کی تصدیق مسیح علیہ السلام کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ آپ سے دریافت کرے گا کہ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بنالو۔ تو آپ بارگاہ رب العزت میں جواب دیں گے کہ مولا کریم! میرے لائق یہ بات ہرگز نہیں کہ میں وہ بات کروں جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا۔ میں نے انہیں ہمیشہ توحید کی دعوت دی وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ (المائدۃ - ۱۱۷) جب تک میں ان لوگوں کے درمیان رہا، ان کے اعمال کو دیکھتا رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا اور تو ہی ہر چیز کو دیکھنے اور جاننے والا ہے۔

صفائی کی گواہی

قیامت والے دن صفائی کے گواہ بھی پیش ہوں گے۔ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ ایک حدیث[1] لائے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت والے دن اللہ کریم انبیاء علیہم السلام سے پوچھیں گے کہ میں نے تمہیں امانت دے کر بھیجا تھا۔ تم نے

---

[1]

اُس امانت کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ وہ جواب دیں گے کہ مولا کریم! ہم نے تیری امانت یعنی تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں تک پہنچا دیا۔ پھر امتوں کو طلب کیا جائے گا۔ اور پوچھا جائے گا کیا میرے نبیوں نے میری امانت تم تک پہنچائی فَمِنْهُمُ الْمُصَدِّقُ وَمِنْهُمُ الْمُكَذِّبُ پھر بعض امتیں پیغامِ الٰہی وصول کرنے کی تصدیق کریں گی اور بعض انکار کر دیں گی کہ ہم تک مذکورہ امانت نہیں پہنچی۔ پھر انکار کرنے والی امتوں کے نبیوں سے صفائی کی گواہی طلب کی جائیگی کہ انہوں نے واقعی اللہ کا پیغام امت تک پہنچا دیا تھا۔ اس گواہی کیلئے اللہ کے نبی اللہ کے آخری رسول کی امت کی گواہی پیش کرینگے اور وہ امت گواہی دے گی کہ سابقہ انبیاء نے اپنی اپنی امتوں تک خدا کا پیغام پہنچا دیا تھا وہ امتیں اس گواہی پر اعتراض کریں گی کہ آخری امت کے لوگ ہم پر کیسے گواہ بن سکتے ہیں۔ جب کہ یہ تو ہمارے دور کے بعد دنیا میں آئے۔ وہ عرض کریں گے مولا کریم! تو نے ہماری طرف اپنا آخری رسُول بھیجا اور کتاب نازل فرمائی۔ ہمیں تیری اس کتاب سے معلوم ہوا اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ (الجنّ - ۲۸) تمام انبیاء نے اللہ کا پیغام اپنی اپنی امتوں تک پہنچا دیا، لہٰذا ہم یہ گواہی دینے میں حق بجانب ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ حضور خاتم النبیین علیہ السلام کو کھڑا کرے گا جو کہ اپنی امت کی صفائی پیش کریں گے کہ یہ لوگ صحیح گواہی دے رہے ہیں۔ شاہد کا یہ معنیٰ بھی درست ہے۔ شاہ عبد القادرؒ اور صاحب مفردات القرآن امام راغب اصفہانیؒ نے اس مقام پر شاہد کا معنیٰ معلم کیا ہے یعنی اے اللہ کے نبی! ہم نے آپ کو معلم بنا کر بھیجا ہے۔ آپ اپنے زمانے کے لوگوں کے معلم ہیں اور یہ لوگ دوسرے لوگوں کے معلم ہوں گے۔ اور اس طرح دینِ حق کا پیغام قیامت تک آنے والے لوگوں تک پہنچتا رہے گا۔

نبی بطور مبشر و منذر

فرمایا، اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا وَمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بھی۔ بشارت ہمیشہ پاکیزہ عقیدے اور نیک اعمال پر دی جاتی ہے۔ جو لوگ عقیدہ توحید کو اختیار کریں گے۔ کفر، شرک، نفاق اور

[illegible]

معصیت سے پرہیز کریں گے، اعمال صالحہ انجام دیں گے، اخلاق حسنہ کا مظاہرہ کریں گے، تمام حقوق ادا کریں گے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے محنت کریں گے، انہیں ان کی کامیابی پر بشارت دی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی رحمت کے مقام میں پہنچیں گے اور انہیں مراتب عالیہ حاصل ہوں گے۔ اس لحاظ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام امت کے لیے بطور مبشر ہیں۔ اس کے برخلاف جو شخص کفر، شرک، نفاق اور بدعات کا راستہ اختیار کرے گا۔ عملی طور پر ہر قسم کی برائی کو اختیار کرے گا۔ وہ بالآخر خدا تعالیٰ کی گرفت میں آئے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے حضور نبی کریم علیہ السلام ڈر سنانے والے ہیں۔ آپ ان کو بُرے انجام سے آگاہ کرتے ہیں۔ شاید کہ وہ راہ راست پر آجائیں۔

داعی الی اللہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حیثیت داعی الی اللہ کی بھی ہے آپ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ اسی لیے یہاں فرمایا ہے وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ آپ لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کی کتاب اور اس کے احکام پڑھ کر سناتے ہیں اور یاد دلاتے ہیں، کہ نیکی کا انجام بخیر اور بُرائی کا نتیجہ بہت بُرا ہو گا۔ دعوت الی اللہ بہت بڑی نیکی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا (حٰمٓ السجدۃ-۳۳) اُس شخص سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور نیک اعمال انجام دیتا ہے۔ الغرض حضور علیہ السلام داعی الی اللہ ہیں مگر بِاِذْنِهٖ اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ اللہ نے آپ کو یہ منصب سونپا ہے تو ساتھ آسانی بھی پیدا کر دی ہے۔

سراج منیر

پھر فرمایا وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ہم نے آپ کو روشن چراغ بھی بنا کر بھیجا ہے۔ اس سے مراد ہدایت کا روشن چراغ ہے۔ آپ کا قلب مبارک مرکز ہدایت اور آپ کی ذات مبارکہ سراج منیر ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ سراج منیر سے مراد سورج ہے جس کی آب و تاب

سب سے زیادہ ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ آپ دنیا میں آفتاب ہدایت ہیں۔ قرآن پاک میں سورج کو بھی سراج منیر کہا گیا ہے لیکن بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ کو سورج کی بجائے روشن چراغ سے تشبیہ دینے میں خاص حکمت ہے۔ اور وہ یہ کہ سورج کی روشنی صرف دن کے وقت ہوتی ہے اور رات کو غائب ہوجاتی ہے۔ جب کہ چراغ کو دن رات کے کسی بھی حصہ میں روشن کرلو وہ ہوجائے گا چونکہ حضور علیہ السلام سے ہدایت کی روشنی کی ضرورت ہر وقت اور ہر آن ہے، لہٰذا آپ کو روشن چراغ سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سورج ایک ہی ہے اور اس سے دوسرا سورج نہیں نکلتا۔ اس کے برخلاف چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام جیسے روشن چراغ سے روشنی لے کر کتنے ہی چراغ دنیا میں پھیل گئے اور اس طرح پوری دنیا کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر نورِ ہدایت کی روشنی میں آگئی اور تیسری بات یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی کے مطابق جب چاہے چراغ سے روشنی حاصل کرسکتا ہے اور جب ضرورت اس سے مستفید ہوسکتا ہے۔ اس کے برخلاف سورج کی روشنی اضطراری ہے اور کوئی انسان چاہے یا نہ چاہے وہ اپنے وقت پر پہنچتی ہے اور انسان کو اس پہ کوئی اختیار حاصل نہیں۔ چونکہ حضور علیہ السلام کے علم و عرفان اور تعلیمات سے شب و روز استفادہ ہوسکتا ہے۔ اس لیے بھی آپ کو روشن چراغ کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے۔

آپ علیہ السلام کا تذکرہ تورات میں

بخاری شریف[۲] میں حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ "حضور علیہ السلام کی قرآن میں مذکور بعض صفات کا ذکر تورات میں موجود ہے مَوْصُوْفٌ بِالتَّوْرَاتِهِ بِبَعْضِ صِفَتِهٖ فِى الْقُرْاٰنِ تورات میں حضور علیہ السلام کے متعلق یہ الفاظ ہیں حِرْزًا لِلْاُمِّيّٖنَ یعنی آپ عرب کے امیوں کے لیے حفاظت اور بچاؤ کا ذریعہ ہیں اور یہ بات سو فیصدی درست ہے۔ دیکھ لیں اللہ تعالیٰ

---

[۱] السراج المنیر صفحہ ۲۵۵ ج ۳ [۲] بخاری ص (فیاض)

نے عربوں کو کس قدر بلند مرتبے پر پہنچایا کہ ساری دُنیا کے معلم بن گئے۔ اللہ نے ساری دنیا کی سیاست کو ان پڑھ عربوں کے ہاتھ میں دیدیا۔ اللہ نے تورات میں آپ کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ آپ میرے بندے اور رسول ہیں اور میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ آپ نہ بدگو اور فحش کلام کرنے والے ہیں اور نہ بازاروں میں شور و شر کرنے والے آپ بُرائی کو بُرائی سے نہیں مٹاتے بلکہ درگزر کرتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں۔ اس آخری نبی کو اللہ تعالیٰ نہیں اٹھائے گا یہاں تک کہ ٹیڑھی ملّت کو درست نہ کر دے اور لوگ اپنی زبانوں سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے لگیں جس سے اندھی آنکھیں روشن ہو جائیں اور بہرے کان سُننے لگیں اور بند دل کُھل جائیں۔ حضور علیہ السلام کے یہ تمام اوصاف تورات میں بیان کیے گئے ہیں۔

شعیاؑ نبی کی شہادت

مفسّرِ قرآن امام ابن ابی حاتمؒ کی روایت (جسے امام ابن کثیرؒ نے بھی نقل کیا ہے[1]) میں آتا ہے کہ حضرت وہب ابن منبہؒ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شعیا علیہ السلام پر خدا تعالیٰ نے وحی کی کہ اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ، میں تمھاری زبان کو وحی کے ساتھ گویا کروں گا اور تم لوگوں کو یہ باتیں سُنا دو کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے اَبْعَثُ اُمِّیًّا مِّنَ الْاُمِّیِّیْنَ کہ میں امیوں میں سے ایک امی نبی کو بھیجنے والا ہوں۔ وہ درشت مزاج اور سنگدل نہیں ہوگا۔ بازاروں میں شور و شر کرنے والا نہیں ہوگا۔ اتنے سکون والا ہوگا کہ چراغ کے پاس سے گزرے تو اس کو بجھائے نہیں اگر سرکنڈوں کے اُوپر پاؤں رکھ کر چلے تو ان کی آواز تک نہ آئے۔ میں اس کو مبشّر اور نذیر بنا کر بھیجوں گا، وہ کوئی فحش بات نہیں کرے گا۔ میں اس کے ذریعے اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا۔ اور بہرے کانوں کو سنوا دوں گا۔ میں اس کے لیے ہر امرِ جمیل کو درست کر دوں گا۔ اور اُسے خلقِ جمیل عطا کروں گا۔ میں سکینت اور اطمینان کو اس کا لباس بنا دوں گا، نیکی اُس کا شعار ہوگا۔ اور تقویٰ اُس کے ضمیر کی بات ہو

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۶

(فیاض)

ہوگی، حکمت اس کی گفتگو، صدق و وفا اُس کا مزاج، اور عفو و نیکی اُس کا اخلاق ہو گا۔ حق اُس کی شریعت ہوگی، اور عدل اُس کی سیرت ہوگی، ہدایت اس کی پیشوا ہوگی۔ اور اسلام اُس کی ملت ہوگی اور احمد اُس کا نام ہوگا۔ میں اس کے ذریعے گمراہی کے بعد ہدایت عطا کروں گا، اور کائنات کے لوگوں کو جہالت کے بعد علم عطا کروں گا۔ میں اس کے ذریعے (عرب کے) گمنام لوگوں کو بلند کروں گا، اور اُن کو اُوپرے ہونے کے بعد معروف کر دوں گا۔ اُن کی قلت کو کثرت میں تبدیل کر دوں گا۔ اور محتاجی کو غنی میں بدل دوں گا۔ اُن کو تفرقہ کے بعد جمع کر دوں گا۔ میں اُس کے ذریعے مختلف دلوں مختلف امتوں اور مختلف خواہشات کو اکٹھا کر دوں گا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو ہلاکت سے بچا دوں گا۔ اُس کی امت کو تمام امتوں سے بہتر امت بنادونگا اور سے تمام لوگوں کی ہدایت پہ مامور کر دوں گا۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کریں گے۔ وہ اللہ کی توحید کو ماننے والے، صحیح ایمان رکھنے والے اور اخلاص کی دولت سے بھرپور ہوں گے۔ وہ مصدقین یعنی میرے رسولوں کی تمام باتوں کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ میں اُن کو تسبیح و تحمید اور ثنا الہام کروں گا جسے وہ ادا کریں گے اور میری بڑائی بیان کریں گے اور میری توحید کی گواہی دیں گے۔ وہ لوگ اپنی مسجدوں مجلسو راستوں اور ٹھکانوں میں کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر نماز پڑھیں گے اور صف در صف ہو کر اللہ کے راستے میں جنگ کریں گے۔ وہ ہزاروں کی تعداد اپنے گھروں سے میری رضا کی تلاش میں نکلیں گے، اپنے چہروں اور اعضاء کو پاک بنائیں گے یعنی طہارت اختیار کریں گے اور اپنے کپڑے (چادر، تہبند وغیرہ) کو نصف پنڈلی تک باندھیں گے۔ اُن کی قربانیاں اللہ کی راہ میں خون بہانے سے ہونگی اور اُن کی انجیلیں اُن کے سینوں میں ہوں گے (یعنی قرآن، حفظ ہوگا)، وہ رات کے وقت راہب ہوں گے، اور دن کے وقت شیر ہوں گے (یعنی رات کو عبادت گذار اور دن کو مجاہد ہوں گے) فرمایا اُس نبی کے اہل بیت میں سبقت کرنے والے صدیقین، شہداء اور صالحین ہوں گے۔ اور آپ کی امت آپ کے بعد حق کی ہدایت کرنے والی ہوگی۔ جو اُن کی مدد

کرے گا۔ میں اس کو عزت دوں گا۔ اور جو اُن کے لیے دعا کرے گا۔ میں اس کی تائید کروں گا۔ اور گردش ان کے مخالفوں پہ ڈال دوں گا، اور انھیں اپنے نبی کا وارث بناؤں گا۔

فرمایا جس طرح وہ نبی داعی الی اللہ ہے اسی طرح اُس کی امت کے لوگوں میں بھی داعی الی اللہ ہوں گے۔ جو نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے اور عہد کو پورا کریں گے۔ میں ان کا اختتام بھی اُسی بہتری پہ کروں گا جس سے اُن کی ابتدا کی گئی تھی اور پھر آخر میں فرمایا ذٰلِكَ فَضْلِي، یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں عطا کروں میں فضلِ عظیم کا مالک ہوں۔

اہل ایمان کے لیے بشارت

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ نے دیگر اہل ایمان کا ذکر بھی کیا اور فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ آپ ایمان والوں کو بشارت سنا دیں بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا کہ اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔ اللہ نے اِس امت کو تمام سابقہ امتوں پر فضیلت بخشی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادؐ مبارک ہے کہ ہم سب سے آخر میں آنے والے ہیں مگر سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت ہر جگہ اس امت کو فوقیت عطا فرمائی ہے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، لوگو! اللہ نے تمھیں خیر الامم بنایا ہے، لہٰذا اس کی شرائط کو بھی پورا کرو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرتے رہو اور دین کے قیام میں وفاداری بھی دکھاؤ۔

[ا]ن پر [ا]ستقامت

حضور علیہ السلام اور آپ کی امت کے فضائل بیان کرنے کے بعد فرمایا وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِينَ وَالْمُنٰفِقِينَ آپ کافروں اور منافقین کی بات نہ مانیں وہ تو آپ کو آپ کے مشن سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ طعن و تشنیع اور جھوٹا پراپیگنڈا کرتے ہیں۔ مگر آپ اُن کی باتوں پہ توجہ نہ دیں وَدَعْ أَذٰهُمْ

لہ

جو اذیتیں وہ مخالفین پہنچا رہے ہیں اُن کو چھوڑ دیں اور اپنے مشن پہ قائم رہیں وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور اللہ پہ بھروسہ رکھیں کیونکہ طاقت کا سرچشمہ وہی ہے۔ وہ آپ کو ہر شر سے محفوظ فرمائے گا۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور اللہ تعالیٰ ہی کارساز کافی ہے وہی کام بنائے گا کیونکہ سارا اختیار اُسی کے پاس ہے۔ وہ ساری بگڑی کو خود بنائے گا۔ آپ بس اپنے پروگرام کے مطابق چلتے رہیں۔

درس پانزدہم ۱۵ آیت ۴۹

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَاۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴿۴۹﴾

ترجمہ:- اے ایمان والو ! جب تم نکاح کرو مومن عورتوں کے ساتھ، پھر تم اُن کو طلاق دے دو قبل اس کے کہ تم اُن کو ہاتھ لگاؤ، پس نہیں ہے تمہارے لیے ان پر کوئی عدت جس کو تم اُن عورتوں سے پورا کراؤ۔ پس فائدہ پہنچاؤ اُن کو اور رخصت کرو اُن کو رخصت کرنا اچھے طریقے سے ﴿۴۹﴾

ربط آیات

گزشتہ آیات میں متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح کا مسئلہ بیان ہوا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبہ عالیہ اور آپ کے خاتم النبیین ہونے کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد مومنوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول اور فرشتوں کی طرف سے دعائے رحمت کا بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے آخری پیغمبر کو شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ پھر آخری امت کی فضیلت کا تذکرہ بھی ہوا۔ حضور علیہ السلام کو تسلی دی گئی کہ آپ مخالفین کی ایذا رسانیوں کی طرف توجہ نہ کریں بلکہ اپنا مشن دلجمعی کے ساتھ جاری رکھیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھیں کہ حقیقی کارساز وہی ہے۔

عورت کے مسائل

گزشتہ دروس میں حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے نکاح، پھر ان کے

درمیان علیحدگی بصورت طلاق اور پھر حضرت زینبؓ کے حضور علیہ السلام کے ساتھ نکاح کا بیان ہو چکا ہے۔ جہاں طلاق کا ذکر آتا ہے وہاں عدت کا مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ مختلف صورتوں میں عورت کی عدت کتنی ہے جس کے بعد وہ نکاح کر سکتی ہے۔ قرآن پاک میں مختلف صورتوں میں عدت کی مقدار کا تعین ہو چکا ہے۔ مثلاً جب کسی عام جوڑے کے درمیان طلاق واقع ہو جائے تو مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے۔ اور اگر وہ کم سن ہے یا کبرسنی کی وجہ سے حیض ختم ہو چکا ہے تو عدت تین ماہ تصور ہو گی۔ اسی طرح اگر کسی عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی ہے اور اگر وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہو گی، یہ مدت تھوڑی ہو یا زیادہ اس کا کچھ لحاظ نہیں ہو گا۔

طلاق قبل از مساس

طلاق کی مذکورہ صورتوں کے علاوہ ایک اور صورت بھی ہے جس کا ذکر آیت زیر درس میں کیا گیا ہے۔ یہ ایسی صورت ہے کہ نکاح کے بعد میاں بیوی کی مباشرت سے قبل ہی طلاق واقع ہو جائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اس قسم کا واقعہ خود حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ آپ نے ایک خاتون کے ساتھ نکاح کیا، جب آپ اس کے ٹھکانے پر تشریف لے گئے تو وہ عورت کہنے لگی میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں۔ آپ باہر آ گئے اور فرمایا کہ تو نے بہت بڑی ذات کی پناہ طلب کی ہے، لہٰذا میں نے تمہیں پناہ دے دی ہے پھر آپ نے اس عورت کو طلاق دے دی۔[1] ایسی ہی طلاق کے متعلق اللہ نے یہاں ارشاد فرمایا ہے

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اے ایمان والو! اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ پھر تم ان کو طلاق دے دو قبل اس کے کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو۔ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا پس تمہارے

---

[1] ابن کثیر ص ۴۹۸ ج ۳

لیے ایسی عورتوں پر کوئی عدت نہیں ہے جسے تم پورا کراؤ۔

مفسرین[1] کرام فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مومنہ عورتوں سے نکاح اور پھر قبل از مساس طلاق کا ذکر کیا ہے جو کہ محض مومنہ کی شرف و فضیلت کے لیے ہے، ورنہ اگر کوئی شخص کسی کتابیہ عورت سے بھی نکاح اور پھر اُسے خلوت سے قبل طلاق دے دے تو اُس کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر تَمَسُّوْهُنَّ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنیٰ محض مَس کرنا یا ہاتھ لگانا ہوتا ہے مگر مطلب محض ہاتھ لگانا نہیں بلکہ مباشرت کرنا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدت کو مجامعت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب میاں بیوی آپس میں ملتے ہیں۔ تو حمل قرار پانے کا امکان ہوتا ہے۔ اللہ نے تین حیض کی عدت اسی لیے مقرر کی ہے تاکہ اچھی طرح تسلی ہو جائے کہ عورت حاملہ نہیں ہے اور نکاح ثانی کی صورت میں نسل میں خلط ملط نہ ہو۔ اور اگر حمل موجود ہے تو عدت کی مدت وضع حمل بھی اسی نظریہ کے تحت رکھی گئی ہے۔" بایں ہمہ امام ابوحنیفہؒ خلوت صحیحہ کو بھی مباشرت کے قائم مقام قرار دیتے ہیں"۔[2] اُن کا نظریہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کو نکاح کے بعد ایسی خلوت حاصل ہو جائے کہ مباشرت میں کوئی چیز حائل نہ ہو، اور اس کے بعد طلاق واقع ہو جائے تو اس خلوت کو مباشرت کے قائم مقام سمجھا جائے گا اور عورت کے لیے عدت پوری کرنا ضروری ہو جائیگا۔

دوران عدت کے احکام

دوران عدت بھی عورت کے لیے بعض احکام لاگو ہوتے ہیں۔ مثلاً اللہ کا فرمان ہے کہ عورت طلاق سے قبل خاوند کے ساتھ جس مکان میں رہتی تھی، وہ اُسی مکان میں عدت گزارے اور خاوند یا اُس کے لواحقین کو حکم دیا ہے کہ وہ مطلقہ یا بیوہ کو زبردستی اُس مکان سے نہ نکالیں۔ ہاں اگر کوئی ایسی غیر معمولی صورت حال پیدا ہو جائے۔ کہ اُس گھر میں عدت پوری کرنا ممکن نہ ہو تو پھر وہ دوسری جگہ بھی جا سکتی ہے۔ البتہ

---

[1] درمنثور ص ۲۰۷ ج ۵ [2] کشاف ص ۵۴۹ ج ۳ (فیاض)

دورانِ عدت خرچہ اُس کے خاوند یا لواحقین کے ذمے ہوگا۔ جہاں تک مہر کا تعلق ہے تو اگر میاں بیوی میں مباشرت ہو چکی ہے تو پورا مہر ادا کرنا ہوگا اور اگر مقاربت نہیں ہوئی۔ اور طلاق واقع ہو گئی ہے تو مقررہ مہر کا نصف دینا ہوگا۔ اور اگر مہر مقرر نہیں ہوا اور قبل از مساس طلاق ہو گئی تو فرمایا فَمَتِّعُوهُنَّ تو اُن کو فائدہ پہنچاؤ فائدے کی تشریح میں مفسرینؒ کرام فرماتے ہیں کہ کم از کم ایک جوڑا کپڑے دے دو جو کہ ایسی عورت کو ادا کرنا واجب ہوگا۔ ہاں! طلاق کی عام صورتوں میں بھی مطلقہ کو ایک جوڑا کپڑے دیکر رخصت کرنا مستحب ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ جوڑا کسی قسم کا ہو، کم قیمت کا ہو یا زیادہ قیمت کا۔ تو سورۃ بقرہ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ وہاں ارشاد ہے فَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ (آیت ۲۳۶) مطلب یہ کہ امیر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق جوڑا دے اور تنگ دست اپنی مالی حالت کے مطابق دے۔ اور اگر ایسی صورتِ حال پیش آجائے کہ مرد اور عورت کے خاندانوں میں سے ایک خاندان امیر ہے۔ اور دوسرا غریب تو پھر درمیانے درجے کا جوڑا دینا ہوگا۔

عائلی قوانین کی خرابیاں

ہمارے ملک کے عائلی قوانین کی بعض دفعات کے خلاف علمائے کرام اکثر آوازِ احتجاج بلند کرتے رہتے ہیں۔ اِس قانون کی خرابیوں میں عدت کا مسئلہ بھی شامل ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ طلاق کی مختلف صورتوں میں عدت بھی مختلف ہے، مگر عائلی قوانین میں ہر حالت میں عدت کی معیاد نوے دِن مقرر کی گئی ہے۔ جو کہ درست نہیں۔ اسی طرح یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ بھی ہے۔ اللہ نے یتیم پوتے کا دادے کی وراثت میں کوئی حصہ نہیں رکھا، مگر ہمارے عائلی قوانین میں اس کا حصہ بھی رکھا گیا ہے۔ جو کہ قرآن پاک کی صریح خلاف ورزی ہے۔ یہ پرویزیوں کا مشورہ تھا اور اسلامی قانون وراثت کے خلاف ہے بہر حال اس آیت کریمہ میں یہ مسئلہ بیان کیا

ملہ ابوسعود مـ۲۱۵ ج۴ (فیاض)

گیا ہے کہ جس عورت کو مقاربت سے پہلے طلاق مل جائے اس کی کوئی عدت نہیں وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلاً پھر انہیں اچھے طریقے سے رخصت کرو۔ مطلقہ کو اچھے طریقے سے رخصت کرنا ایک ایسی خصوصیت ہے جو اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہ حسنِ معاشرت کا اسلامی اصول ہے کہ اگر بوجوہ میاں بیوی کا نباہ نہیں ہو سکتا تو پھر مجبورًا ایک دوسرے کے ساتھ چمٹے رہ کر زندگی کو اجیرن بنا لینا۔ اچھی بات نہیں بلکہ طلاق کے ذریعے علیحدگی اختیار کر لو۔ اور اس موقع پر بھی کسی گالی گلوچ یا تشدد کی ضرورت نہیں بلکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ طلاق جیسے ناپسندیدہ فعل کے باوجود مطلقہ کو عزت و احترام کے ساتھ احسن طریقے سے رخصت کرو۔ اگر مہر مقرر ہے اور قابلِ ادائیگی ہے تو ادا کرو۔ ایک جوڑا کپڑے دو۔ دورانِ عدت عورت کو گھر سے نہ نکالو اور ہر ممکنہ سہولت بہم پہنچاؤ۔ اسلام نے تو اپنے مخالف کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کی تعلیم دی ہے اور کسی برائی کی اجازت نہیں دی۔ طلاق کا معاملہ ہی دیکھ لیں۔ جب میاں بیوی کا اختلاف بڑھ جاتا ہے تو بعض لوگ غصے میں آکر ناک کاٹ ڈالتے ہیں مگر اسلام نے ایسی چیزوں کی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا کہ تمام فرائض اور حقوق ادا کرو۔ پوری ذمہ داری کا ثبوت دو اور قرآن و سنّت کے بتائے ہوئے ضابطے پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اسلام کی بہترین تعلیم ہی اس کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے باوجود اگر لوگ بھٹکتے پھریں اور معاشرتی قوانین کے لیے اغیار کی طرف دیکھتے پھریں، تو یہ ان کی بدبختی کی علامت ہے۔

اچھے طریقے سے رخصتی

انسانی ہمدردی کا اصول

آج کل دنیا میں انسانی ہمدردی کی بڑی تشہیر ہو رہی ہے۔ دنیا کی ترقی یافتہ قوموں نے انسانی ہمدردی کے بڑے بڑے اصول وضع کیے ہیں۔ اقوام متحدہ (U.N.O.) کا چارٹر بھی موجود ہے۔ انسانی ہمدردی کے عالمی ادارے دنیا بھر میں مستحقین کو مالی امداد فراہم کرتے ہیں۔ کہیں قحط پڑ جائے، زلزلہ آ جائے، جنگ لگ جائے یا طوفان آ جائے تو یہ ادارے حتی المقدور متاثرین کی امداد کرتے ہیں مگر کوئی بھی ادارہ خود غرضی سے خالی نہیں یہ ادارے اس امداد کے ذریعے مذہبی یا سیاسی مفاد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بعض عیسائی

مشنریاں ہیں جو امداد کے نام پر لوگوں کو عیسائیت کی طرف مائل کرتی ہیں۔ بعض ملک اپنی سیاسی برتری کے لیے امداد دیتے ہیں مگر جونہی انہیں سیاسی مفاد حاصل ہونے میں شک ہوا فوراً ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان اداروں اور ملکوں میں انسانی ہمدردی کا خالص جذبہ موجود نہیں ہے۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو سیاسی، معاشرتی اور مذہبی وابستگی سے بالاتر ہو کر صرف انسانی ہمدردی کی بنیاد پہ امداد فراہم کرنے کا درس دیتا ہے۔

اسلام اور غیر مذاہب کا تقابلی مطالعہ

اسلام ایک نہایت ہی اعتدال پسند دین ہے جو کہ افراط و تفریط سے پاک ہے یہی طلاق اور عدت کا مسئلہ لیں، اگر یہودیوں میں کسی عورت کو طلاق ہو جائے تو وہاں عدت گزارنے کا کوئی اصول نہیں بلکہ عورت اسی وقت نکاح ثانی کر سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نسل کی طہارت کیسے قائم رہ سکتی ہے عیسائیوں اور ہندوؤں میں طلاق کا تصور ہی نہیں ہے۔ زوجین کی زندگی خواہ کتنی ہی اجیرن ہو جائے، اُن کو موت ہی جدا کر سکتی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک اگر کوئی ہندو عورت بیوہ ہو جاتی تھی تو وہ خاوند کے ساتھ ہی آگ میں جل کر راکھ ہو جاتی تھی۔ عیسائیوں میں طلاق کی بنیاد صرف ایک ہی وجہ بن سکتی ہے کہ عورت زنا کی مرتکب ہو جائے۔ مگر اب ترقی یافتہ عیسائیوں نے اس اصول کو بھی ترک کر دیا ہے اب وہ دنیاوی قانون کے تحت قانونی طلاق حاصل کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ یورپی ممالک اور امریکہ میں کم و بیش اسی ۸۰ فیصد طلاقیں واقع ہو رہی ہیں۔ ذرا سا اختلاف رائے پیدا ہوا تو عورت نے طلاق کے لیے عدالت کی طرف رجوع کر لیا۔ ہم اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں کہ کسی عورت نے محض اس بناء پہ طلاق حاصل کر لی کہ اس کا شوہر خراٹے بہت لیتا ہے۔ کسی نے یہ وجہ بیان کی کہ اس کا شوہر اس کے کُتے کو پیار نہیں کرتا۔ ایک عورت نے اس لیے طلاق حاصل کر لی کہ اس کا شوہر اس کے دوستوں کو پسند نہیں کرتا۔ غرضیکہ جس دین میں طلاق کا تصور تک نہیں تھا وہاں پر اسّی فیصد طلاقیں واقع ہو رہی ہیں۔

اسلام ایک سچا مذہب ہے جس کے اصول دائمی اور قابلِ عمل ہیں۔ اسلام نے نکاح کو مرد وزن کی ضروریات کی تکمیل اور بقائے نسلِ انسانی کے لیے ضروری قرار دیا ہے اور اس عقدِ نکاح کو قائم رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ اس کے باوجود اگر حالات کا تقاضا ہو تو پھر اس سے گلو خلاصی کی گنجائش بھی رکھی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے، کہ اگر میاں بیوی کا آپس میں نباہ نہ ہو سکے تو وہ طلاق یا خلع کے ذریعے علیحدگی اختیار کر سکتے ہیں مگر طلاق کو غیر پسندیدہ فعل قرار دیا گیا ہے تاکہ حتیٰ الامکان طلاق تک نوبت نہ پہنچے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان [۱] ہے ابغض المباحات الی اللہ الطلاق یعنی اللہ کے نزدیک مباح چیزوں میں مبغوض ترین چیز طلاق ہے۔ تاہم اگر زوجین کی زندگی میں مزید خرابیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو طلاق کی اجازت ہے۔

---

[۱] جامع صغیر ص ۱۴۲/ج ۲ و مستدرک ص ۱۹۶/ج ۲ (فیاض)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِنَّآ أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَٰجَكَ ٱلَّٰتِيٓ
ءَاتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّآ
أَفَآءَ ٱللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّٰتِكَ
وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَٰلَٰتِكَ ٱلَّٰتِي هَاجَرْنَ
مَعَكَ وَٱمْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِن وَهَبَتْ نَفْسَهَا
لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ ٱلنَّبِيُّ أَن يَسْتَنكِحَهَا خَالِصَةً
لَّكَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۗ قَدْ عَلِمْنَا مَا
فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيٓ أَزْوَٰجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ
أَيْمَٰنُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ
وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥٠﴾

ترجمہ :۔ اے پیغمبر! بے شک ہم نے حلال قرار دی ہیں، آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں جن کے مہر آپ نے ادا کر دیے ہیں، اور وہ جو آپ کی ملکیت میں ہیں جو اللہ نے آپ پر لوٹائی ہیں۔ اور آپ کی چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ ایماندار عورت بھی جو اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کر دے اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ آپ کے

لیے خاص ہے۔ دیگر مومنوں کے علاوہ۔ تحقیق ہم جانتے ہیں جو ہم نے مقرر کیا ہے۔ ایمان والوں پر ان کی بیویوں کے بارے میں اور انکی لونڈیوں کے بارے میں تاکہ تم پر کوئی حرج نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے (۵۰)

ربط آیات

گذشتہ آیت میں مطلقہ عورت کی عدت کا مسئلہ بیان ہوا تھا کہ اگر کسی عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی جائے تو اس کے لیے کوئی عدت نہیں، وہ جس وقت چاہے نکاح ثانی کر سکتی ہے۔ پھر اللہ نے حسن معاشرت کے ضمن میں فرمایا کہ طلاق شدہ عورت کو کپڑوں کا ایک جوڑا دیکر اچھے طریقے سے رخصت کرو۔ اور اگر مہر مقرر ہے اور ابھی ادا نہیں کیا تو وہ بھی ادا کرو۔ اگر مہر مقرر نہیں ہوا تو کپڑوں کا جوڑا دینا واجب ہوگا، بصورت دیگر مستحب ہوگا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نکاح کے سلسلے میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سات خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے چار خصوصیات اس آیت کریمہ میں آگئی ہیں۔ اور باقی تین آمدہ درس میں بیان ہوں گی۔

تعدد ازواج کی اجازت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی خصوصیت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ اے نبی علیہ السلام إِنَّآ أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الّٰتِىٓ اٰتَيْتَ أُجُوْرَهُنَّ ہم نے آپ کے لیے وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جن کے مہر آپ ادا کر چکے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ازواج جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے کہ آپ نے جتنی بھی عورتوں کے مہر ادا کر دیے ہیں وہ سب آپ کے لیے حلال ہیں چاہے اُن کی تعداد کتنی بھی ہے۔ یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ وگرنہ عام مسلمانوں کے لیے بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ جیسا کہ سورۃ النساء میں اللہ کا فرمان موجود ہے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (آیت۔ ۳) پس اپنی طاقت کے مطابق دو۔ تین یا چار عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ ان کے حقوق ادا کر سکو اور اُن کے درمیان انصاف کر سکو۔ اور اگر ایسا نہ کر سکو تو محض ایک عورت

پر ہی اکتفا کرو۔

کثرت ازواج پر اعتراض

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعدد ازواج پر لوگ اعتراض کرتے آئے ہیں، خاص طور پر ہندو اور عیسائی اس اعتراض میں پیش پیش رہے ہیں بلکہ بعض غلط کار لوگوں نے اس پر کتابیں لکھی ہیں۔ ہندوؤں میں سے لاہور کا راجپال نامی شخص "رنگیلا رسول" نامی کتاب لکھ کر اپنی خباثت کا اظہار کیا تھا۔ اس کو غازی علم الدین شہیدؒ نے کیفر کردار تک پہنچایا اور خود بھی تختۂ دار پر چڑھ گیا۔ لوگ اس کے جذبہ ایمانی کے معترف ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام کی کثرتِ ازواج پر اعتراض کرنے والے انصاف سے کام نہیں لیتے۔

حضور علیہ السلام نے ۲۵ سال کی عمر میں ایک ۴۰ سالہ بیوہ عورت حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا اور پہلی پچیس سالہ ازدواجی زندگی نہایت اچھے طریقے سے بسر کی۔ گویا پچاس سال کی عمر تک تو آپ نے اسی ایک عورت پر اکتفا کیا۔ تو کیا باون سال کی عمر میں نعوذ باللہ آپ کو عیاشی کی ضرورت پیش آگئی تھی؟ حضرت خدیجہؓ کی فوتیدگی کے بعد آپ نے ایک دوسری معمر عورت حضرت سودہؓ سے نکاح کیا۔ اور چار سال تک وہی اکیلی آپ کے نکاح میں رہی۔ تیسری خاتون جس سے آپ نے نکاح کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی حضرت عائشہؓ تھی۔ اُن کے ساتھ نکاح مکے میں نابالغ عمر میں ہوا۔ اور رخصتی مدینہ میں آکر ہوئی۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ جوانی کا زمانہ تو آپ نے بوڑھی عورتوں کے ساتھ گزار دیا تو بڑھاپے میں آپ کو زیادہ بیویاں کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟

آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کثرت ازواج کا حکم حضور علیہ السلام کو خود اللہ نے دیا تھا اِنَّآ اَحۡلَلۡنَا لَکَ یعنی ہم نے آپ کے لیے حلال کر دیں۔ اور اس میں مصلحت یہ تھی کہ دینِ اسلام کی تبلیغ کو عام کیا جا سکے۔ چونکہ عورتوں کے مسائل عورتوں سے ہی دریافت کیے جا سکتے تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ عورتیں حضور علیہ السلام کی صحبت میں

رہ کر احکامِ دین سیکھیں اور پھر اُن کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کریں چنانچہ آپکی تمام ازواجِ مطہرات عالمہ فاضلہ اور نہایت پاکباز تھیں، لہٰذا انہوں نے تبلیغِ دین کے لیے بڑا کام کیا۔ اس کام میں اُن کا حصہ بعض اوقات مردوں سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

کثرتِ ازدواج کا دوسرا بڑا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت کو حتیّٰ الامکان دُور کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بہت حدتک کامیابی بھی ہوئی۔ ابُوسفیانؓ اگرچہ قریش خاندان سے تھے مگر حضور علیہ السلام اور دین کے سخت دشمن تھے، مگر جب اُن کی بیٹی ام حبیبہؓ کا نکاح حضور کے ساتھ ہو گیا تو ابُوسفیانؓ کی دشمنی بہت حدتک کم ہوگئی تھی۔ یاد رکھیے آپ پہلے ہی اسلام لا چکی تھیں اور مہاجرین حبشہ میں بھی شامل تھیں۔ وہیں آپ کا نکاح حضور علیہ السلام کے ساتھ غائبانہ طور پر ہوا تھا۔ حضرت صفیہؓ بطور لونڈی آپکے پاس آئی تھیں مگر آپ نے انہیں آزاد کر کے اُن سے نکاح کر لیا۔ اس طرح یہودیوں کی نفرت بھی کم ہوگئی۔ اسی نکاح کی وجہ سے یہودیوں کو حضور علیہ السلام کے قریب آنے کا موقعہ ملا۔ اور اُن میں سے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے، عربوں میں یہ عام دستور تھا کہ جس خاندان میں کسی شخص کا نکاح ہو جاتا وہ سارا خاندان اس شخص کو اپنا داماد سمجھتا۔ اور حتیّٰ الامکان اُس سے حسنِ سلوک سے پیش آتا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ کثرتِ ازواج کی وجہ سے آپ کی دشمنی بہت کم ہوگئی۔ اسی طرح باقی نکاحوں کی وجہ سے بھی اسلام کو بہت فائدہ پہنچا۔

لونڈیوں کی حلت

حضور علیہ السلام کی پہلی خصوصیت تو اللہ نے یہ بیان فرمائی کہ آپ کو کثرتِ ازواج کی اجازت فرما دی۔ اور آپ کی دوسری خصوصیت یہ ہے وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ اور وہ لونڈیاں بھی آپ پر ہم نے حلال قرار دی ہیں جو اللہ نے آپ پر لوٹائی ہیں۔ مثلاً حضرت صفیہؓ کا تعلق یہودی خاندان سے تھا اور وہ آپ کے ہاں بحیثیت لونڈی آئی تھیں۔ یہودیوں کی ایک اور عورت ریحانہ بھی بطور لونڈی آپ کی تحویل میں آئی تھی۔ اسی

طرح مصر کے بادشاہ مقوقس نے ماریہ قبطیہؓ نامی لونڈی آپ کی خدمت میں بھیجی تھی جس سے اولاد بھی ہوئی۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کے لیے لونڈیاں بھی حلال قرار دی ہیں۔

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ لونڈیاں تو عام مسلمانوں کے لیے بھی حلال ہیں اس میں حضور علیہ السلام کے لیے کیا خصوصیت ہے؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ لونڈیوں کے معاملے میں حضور علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد بھی کوئی اُمتی ایسی لونڈی سے نکاح نہیں کر سکتا جو حضور علیہ السلام کی ملکیت میں رہی ہو۔

خاندانی مہاجر عورتوں سے نکاح

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیسری خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِىْ هَاجَرْنَ مَعَكَ اور آپ کے لیے ہم نے حلال قرار دی ہیں آپ کی چچا کی بیٹیاں اور پھوپھی کی بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں اور خالہ کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ رشتہ کی مذکورہ عورتوں سے نکاح تو عام مسلمانوں کا بھی حلال ہے۔ تاہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کا نکاح مذکورہ عورتوں میں صرف اسی وقت حلال ہے۔ جب کہ انہوں نے ہجرت بھی کی ہو یعنی مکہ چھوڑ کر آپ کے پاس مدینہ طیبہ آگئی ہوں۔ البتہ جن عورتوں نے ہجرت نہیں کی ان کے ساتھ آپ کا نکاح حلال نہیں۔ حالانکہ عام مسلمانوں کے لیے یہ شرط نہیں ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ کی ہمشیرہ ام ہانیؓ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی تھی مگر اللہ نے محض اس لیے منع فرما دیا کہ اس نے ہجرت نہیں کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے خاندان کی غیر مہاجر عورتوں سے شادی سے اس لیے منع کر دیا کہ اس طرح ان عورتوں کو دوہری فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ ایک تو وہ آپ کے خاندان قریش سے تعلق رکھتی تھیں اور دوسرے اگر وہ آپ علیہ السلام کی زوجیت میں آجاتیں تو شاید اس دوہری فضیلت پر اترانے لگتیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ شرط لگا دی کہ ان عورتوں سے نکاح صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ہجرت کی ہو۔ ہجرت چونکہ محض رضائے الٰہی کے

لیے کی جاتی ہے ۔ لہٰذا مہاجر عورتوں میں فخر و خود پسندی کا احتمال بہت کم تھا ۔ ہجرت کے ساتھ مشروط کرنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جس عورت نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہوگی، اس کو دین کی تعلیم و تربیت کا بھی زیادہ موقع ملا ہوگا ۔ اور زیادہ عورتوں سے نکاح کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اسلام کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو لہٰذا اللہ نے ہجرت کی یہ شرط عائد کر دی ۔

بغیر مہر کے نکاح کی اجازت

اللہ نے حضور علیہ السلام کی چوتھی خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے ۔ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا اور ہم نے وہ مومنہ عورت بھی آپ کے لیے حلال کر دی ہے جو اپنے نفس کو نبی کے لیے بخش دے ۔ اگر اللہ کا نبی اس سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت از خود بغیر مہر کے نبی علیہ السلام سے نکاح پر رضامند ہے تو اس کی بھی اجازت ہے ۔ گویا حضور علیہ السلام کو بغیر مہر کے بھی نکاح کی اجازت دیدی گئی ۔ جب کہ عام امتیوں کے لیے مہر کی ادائیگی ضروری ہے ۔ جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ (آیت ۔ ۲۴) اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے چار محرمات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ان کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں بشرطیکہ تم مال خرچ کرو یعنی انہیں حق مہر ادا کرو ۔ یہ ادائیگی اس قدر ضروری ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے نکاح کے بعد مباشرت نہیں کی فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (البقرہ ۔ ۲۳۷) تو پھر بھی اُسے نصف مہر ادا کرنا ہوگا ۔ تاہم اللہ نے نبی علیہ السلام کو مہر کی ادائیگی کے بغیر بھی نکاح کی اجازت دیدی ۔ جب کہ کوئی عورت از خود ایسا کرنے پر رضامند ہو ۔ حضور علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے یہ اجازت تو مل گئی ، مگر آپ کی حیات مبارکہ میں ایسا کوئی موقعہ نہیں آیا کہ آپ نے اس سہولت سے فائدہ اٹھایا ہو ۔ ایک خاتون نے اپنے آپ کو حضور کی خدمت میں پیش کیا تھا ، مگر آپ نے یہ پیشکش قبول نہیں فرمائی تھی بلکہ اس عورت کا نکاح اپنے ایک صحابی سے کرا دیا تھا ۔ یہ بھی حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے ۔ اللہ نے

فرمایا خَالِصَۃً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ یہ سہولت خالص آپ کے لیے ہے۔ باقی مومنوں کے لیے نہیں۔

احکام الٰہی کی حکمت

آگے ارشاد ہوتا ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْٓ اَزْوَاجِهِمْ تحقیق ہم جانتے ہیں جو ہم نے اُن کی بیویوں کے بارے میں مقرر کیا ہے وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ اور اُن کی لونڈیوں کے بارے میں بھی۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے عام نکاح اور لونڈیوں کے بارے میں جو حقوق و مہر مقرر کیے ہیں۔ اُن کی ادائیگی ضروری ہے۔ ہاں اگر کوئی عورت از خود سارا یا مہر کا کچھ حصہ معاف کر دے، تو اس کی اجازت ہے۔ فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَکُلُوْهُ هَنِیْٓئًا مَّرِیْٓئًا (النسآء-۴) یعنی اگر وہ مہر کا کچھ حصہ معاف کر کے تمھیں خوش کر دیں۔ تو پھر تم اُسے خوش گوار اور خوش ہضم کھا سکتے ہو۔ اور اگر تمھاری بیوی مہر لینا چاہتی ہے تو ادا کرنا ہوگا۔ ورنہ آخرت میں مؤاخذہ ہوگا۔

فرمایا، نکاح کے بارے میں ہم نے یہ خصوصی احکام اسلیئے جاری کیے ہیں لِکَیْلَا یَکُوْنَ عَلَیْکَ حَرَجٌ تاکہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو۔ آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دین کو قائم کرنا ہے، اسلام کو پھیلانا ہے، لہٰذا اللہ نے آپ کے لیے بعض سہولتیں پیدا کر دی ہیں تاکہ آپ کو ترویج دین کے سلسلہ میں کوئی دقت محسوس نہ کریں، مثلاً یہ کہ آپ بیک وقت چار سے زیادہ نکاح بھی کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی عورت ایسا چاہے تو آپ بغیر مہر کے بھی نکاح کر سکتے ہیں۔ فرمایا وَکَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا اللہ تعالیٰ نہایت ہی بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ وہ معمولی غلطیوں کوتاہیوں کو معاف کرتا رہتا ہے اور بندوں کو اپنی رحمت سے نوازتا رہتا ہے۔

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُــْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ
تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ
وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ
كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿٥١﴾ لَا يَحِلُّ
لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ
بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ
اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي
كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿٥٢﴾ ع

ترجمہ:- آپ پیچھے ہٹا دیں اپنی بیویوں میں سے جس کو چاہیں اور جگہ دیں اپنے پاس جس کو چاہیں ۔ اور جس کو آپ تلاش کریں اُن میں سے جن کو آپ نے الگ کر دیا ہے، تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے ۔ یہ بات زیادہ قریب ہے کہ ٹھنڈی ہوں اُن کی آنکھیں اور وہ غم نہ کھائیں ، اور وہ راضی ہوں اس چیز پر جو آپ اُن کو دیں ۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تمہارے

دلوں میں ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور
بردبار ہے (۵۱) نہیں حلال آپ کے لیے (اے پیغمبر)
عورتیں اس کے بعد ۔ اور نہ یہ کہ آپ تبدیل کریں
ان کے بدلے میں دوسری بیویاں اگرچہ ان کا حسن آپکو
زیادہ اچھا لگے ۔ مگر وہ کہ مالک ہو آپ کا دایاں ہاتھ
اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے (۵۲)

ربط آیات

گذشتہ درس میں نکاح کے سلسلے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار خصوصیات کا ذکر ہو چکا ہے ۔ آپ کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ مہر کی ادائیگی پر آپ کے لیے چار سے زیادہ بیویاں بھی حلال ہیں ۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی ملک یمین یعنی لونڈیاں بھی آپ پر حلال ہیں اور عام مسلمانوں کے برخلاف نبی کی لونڈیوں سے کوئی اُمتی نکاح نہیں کر سکتا ۔ تیسری بات اللہ نے یہ فرمائی کہ آپ کے لیے آپ کی چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد میں سے صرف وہ عورتیں حلال ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے ۔ اور چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کوئی مومنہ عورت اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کی ذات کے لیے ہبہ کر دے تو آپ اس سے بغیر مہر کے بھی نکاح کر سکتے ہیں ۔ فرمایا یہ حکم صرف آپ کی ذات کے لیے ہے ۔ امتیوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا ۔

ہبہ کیلیے ایمان بطور شرط

اس ضمن میں حضور علیہ السلام کی پانچویں خصوصیت یہ ثابت ہوتی ہے کہ اپنے آپکو نبی کے لیے ہبہ کرنے والی عورت کا مومنہ ہونا ضروری ہے ۔ مفسرینؒ اس سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ اگر کوئی کتابیہ اپنے آپ کو ہبہ کر دے تو اس کے ساتھ بغیر مہر کے نکاح درست نہیں ہے ۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ وہی ہے جو گذشتہ درس میں بیان ہو چکی ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ کی منشا یہ ہے کہ کثرتِ ازواج کے

ؒ معالم التنزیل ص۱۸ ج۴ وخازن ص۲۶۸ ج۵ (فیاض)

ذریعے دین اسلام کی تعلیم کو عام کیا جائے۔ نبی کی بیویاں نبی کی صحبت میں رہ کر زیادہ سے زیادہ دین حاصل کریں گی۔ اور پھر اُسے آگے پہنچائیں گی۔ اور یہ فریضہ وہی عورت انجام دے سکتی ہے جو خود ایمان دار ہو۔ اگر عورت یہودیہ یا نصرانیہ ہوگی۔ تو وہ نہ تو اسلام کی تعلیم حاصل کرے گی۔ اور نہ اُسے آگے پہنچائے گی، لہٰذا اللہ نے یہ شرط عاید کر دی کہ اگر کوئی عورت خود کو نبی کے لیے ہبہ کر دے اور نبی اُس سے بغیر مہر کے نکاح کرنا چاہے تو اُس عورت کا مومنہ ہونا ضروری ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی دینی مدرسہ میں کوئی کافر اُستاد مقرر کر دیا جائے۔ ایسا اُستاد مسلمانوں کو کیا تعلیم دے گا؟ پیغمبر کے گھر کو ایک دینی مدرسہ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، لہٰذا اُس گھر میں آنے والی مومنہ خاتون ہی دین کی کماحقہٗ خدمت انجام دے سکتی ہے۔ البتہ مہر کے ساتھ کتابیہ سے نکاح کرنے کی اجازت اہلِ ایمان کے لیے عام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدۃ - ۵) اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کی پاکدامن عورتوں کے ساتھ بھی تم نکاح کر سکتے ہو۔ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ جب کہ تم اُن کے مہر اُن کو ادا کر دو۔

رم مساوات
ی اجازت

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی چھٹی خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ آپ اپنی بیویوں میں سے جسے چاہیں پیچھے ہٹا دیں وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ اور جس کو چاہیں اپنے قریب کر لیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے بیویوں کے درمیان رہائش رکھنے میں مساوات قائم رکھنا ضروری نہیں ہے۔ اس کے برخلاف عام مسلمانوں کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی متعدد بیویاں ہیں تو ان کے درمیان مساوات کا قیام ضروری ہے یعنی ایسا شخص جتنے روز کے لیے خورد و نوش اور شب باشی ایک بیوی کے ہاں اختیار کرے گا اتنے ہی روز دوسری بیوی کے لیے اختیار کرے گا، مگر پیغمبر علیہ السلام کو اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، گویا آپ اپنی بیویوں کے پاس کم و بیش وقت گزار سکتے ہیں۔ اس استثنیٰ میں یہ مصلحت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام پر مساوات کے سلسلے

میں کسی قسم کا ذہنی بوجھ نہ پڑے۔ اگر یہ پابندی آپ کے لیے برقرار رہتی تو ہو سکتا تھا کہ مساوات برقرار رکھنے کے لیے آپ کے ذہن پر بوجھ رہتا اور دینی خدمات کی انجام دہی میں کوئی رکاوٹ پیدا ہوتی۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ تاہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے اپنی بیویوں کے درمیان ہمیشہ مساوات قائم کرتے تھے۔ اور ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عرض بھی کرتے کہ پروردگار! میں حتی الامکان کوشش کرتا ہوں کہ بیویوں کے درمیان مساوات قائم رہے۔ اس کے باوجود اگر دل کا میلان کسی ایک طرف زیادہ ہو تو یہ میرے بس میں نہیں ہے، اس پر مجھے ملامت نہ کرنا۔ صحیحین[1] میں یہ حدیث بھی موجود ہے کہ جب حضور علیہ السلام سفر پر جاتے تو بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، پھر جس بیوی کے نام قرعہ نکلتا اُس کو سفر پر ہمراہ لے جاتے آپ ایسا بیویوں کی دلجوئی کے لیے کرتے ورنہ آپ کے لیے ایسا کرنا ضروری نہیں تھا۔ البتہ عام مسلمانوں کے لیے بیویوں کے درمیان مساوات کا قیام ضروری ہے۔ اگر اس میں کوتاہی کریں گے تو عنداللہ ماخوذ ہوں گے۔

فرمایا وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ اور اگر آپ طلب کرنا چاہیں جس کو آپ نے پیچھے ہٹایا ہے تو بھی آپ پر کوئی حرج نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی وقت آپ نے کسی بیوی کو کم وقت دیا ہے تو آپ اُسے زیادہ بھی دے سکتے ہیں آپ کو اس ضمن میں پورا پورا اختیار حاصل ہے کیونکہ آپ کو مساوات سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔ فرمایا ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ یہ بات زیادہ قریب ہے کہ ان عورتوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ وَلَا يَحْزَنَّ اور وہ غمگین بھی نہ ہوں۔ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ اور جو آپ ان کو دیں اُس پر راضی ہوں۔ بظاہر عدم مساوات

---

[1] بحوالہ السراج المنیر ص ۶۰۱ ج ۲ (فیاض)

کا اختیار کوئی خوشی کی بات نہیں تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ جب امہات المؤمنین کو معلوم ہوگیا کہ نبی علیہ السلام پر مساوات کا قیام ضروری نہیں ہے، اس کے باوجود آپ اپنی طرف سے حتی الامکان مساوات کا سلوک فرماتے تھے۔ تو یہ بات ان کیلئے باعث مسرت تھی، ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز پر اپنا حق سمجھے اور پھر وہ اُسے نہ ملے تو وہ ناراض ہوگا۔ مگر نبی کی بیویوں کا مساوات کا حق تو اللہ نے نہیں دیا اس کے باوجود حضور علیہ السلام کی طرف سے مہربانی کا سلوک امہات المؤمنین کے خوشی کا سبب تھا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ مساوات کے قانون سے آپ کا استثنیٰ آپ کی بیویوں کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک اور غم سے نجات کا باعث ہوگا۔ ---------- اور پھر آپ اپنی مرضی سے ان کے ساتھ جو بھی سلوک کریں گے۔ وہ اُس پر راضی ہوں گی۔ فرمایا وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی بات کو جانتا ہے وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَلِيمًا اور وہ سب کچھ جاننے والا اور بردبار ہے وہ فوری گرفت نہیں کرتا۔ اگر کوئی کوتاہی ہو جائے، تو وہ اپنے وقت پر پکڑتا ہے یہ اُس کی بردباری کی علامت ہے۔

مزید نکاح کی ممانعت

حضور علیہ السلام کی ساتویں خصوصیت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ اس کے بعد آپ کے لیے کوئی عورت حلال نہیں ہے وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ اور نہ ہی آپ ان کے بدلے میں دوسری بیویاں تبدیل کر سکتے ہیں مطلب یہ کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ مزید بیویاں نہیں کر سکتے۔ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اگرچہ ان کا حسن آپ کو زیادہ اچھا لگے۔ یہ پابندی بھی صرف حضور علیہ السلام کے لیے ہی تھی کہ آپ پہلی بیویوں میں سے کسی کو چھوڑ کر یا موجودہ بیویوں کی موجودگی میں مزید نکاح کر لیں۔

مفسرین کرام اس کی تفسیر دو طرح فرماتے ہیں۔ بعض[1] فرماتے ہیں کہ اس حکم کا

---

[1] خازن صفحہ ۲۷ ج ۵ و تفسیر الثعالبی صفحہ ۲۳۳ ج ۳ (فیاض)

منشاء یہ ہے کہ جتنی قسم کی عورتوں سے حضور علیہ السلام کو نکاح کی اجازت اللہ نے دی تھی، اس کے علاوہ کسی اور قسم کی عورت سے نکاح نہیں کر سکتے۔ مثلاً آپ کو عام مومن عورتوں سے نکاح کی اجازت تھی۔ جن کا آپ مہر ادا کر دیں۔ آپ کے لیے لونڈیاں بھی حلال تھیں۔ آپ کی چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد بھی حلال تھیں۔ جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی۔ آپ کو بغیر مہر ایسی مومنہ عورت سے نکاح کی بھی اجازت تھی جو اپنے آپ کو ہبہ کر دے۔ تو بعض مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ ان اقسام کی عورتوں کے علاوہ آپ کسی دوسری قسم کی عورت سے نکاح نہیں کر سکتے۔ تاہم حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق اس آیت کا سیدھا سادھا مطلب یہ ہے کہ آپ موجودہ بیویوں کے علاوہ مزید نکاح نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کی ازواج نے زیادہ خرچہ کا مطالبہ کیا۔ اور آپ ناراض ہو گئے اور پھر اللہ کے حکم سے ازواج میں یہ اعلان فرمایا کہ اگر دنیا کی عیش و عشرت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کا گھر مطلوب ہے تو پھر اسی خرچہ میں گزارہ کرو۔ تو ازواج مطہرات نے دوسری بات کو پسند کیا اور زندگی بھر عسرت میں وقت گزار دیا۔ حتیٰ کہ دو دو ماہ تک آپ کے گھروں میں چولہا نہیں جلتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے اس قناعت کو قبول کر لیا تو اللہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دے دیا کہ آئندہ ان بیویوں کے علاوہ مزید نکاح نہ کریں۔ چنانچہ آپ نے اس حکم کی پابندی کی۔ آپ کی رحلت کے وقت آپ کی نو بیویاں اور دو لونڈیاں موجود تھیں۔ ان کے علاوہ حضرت خدیجہؓ مکے میں فوت ہو چکی تھیں اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ مدینہ میں فوت ہوئیں۔

قبل از نکاح ملاقات

اس آیت کریمہ میں آمدہ الفاظ وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ سے مترشح

لہ خازن صہ ۲۷/۵ و طبری صہ ۲۸/۲۲ (فیاض)

ہوتا ہے کہ قبل از نکاح مرد اور عورت ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ شکل وصورت، قد بُت اور حسن وغیرہ کا ادراک تو دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے اسی لیے تو اللہ نے فرمایا کہ آپ کو مزید نکاح کی اجازت نہیں ہے۔ اگرچہ آپ کو کسی عورت کا حسن بھلا معلوم ہو۔ اس بات کی تصریح حدیث میں بھی موجود ہے کہ جس عورت کو پیغام نکاح دینا مقصود ہو، آدمی اُسے دیکھ سکتا ہے اور پسند ناپسند کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ البتہ تنہائی میں بیٹھ کر گفتگو کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اس سے کئی قسم کی قباحتیں پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ آج کل نام نہاد مہذب ممالک میں لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کو پسند کرنے کے لیے قبل از نکاح کئی کئی ماہ تک اکٹھے رہ کر ( ) کرتے ہیں، اور اس کے بعد نکاح کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں، یہ تو صریحاً بے حیائی کی بات ہے، تاہم لڑکے اور لڑکی کو ایک دوسرے کو دیکھنے اور بات چیت کرنے کی اسلام نے اجازت دی ہے۔ الغرض! اللہ نے فرمایا کہ آپ کو مزید نکاح کی اجازت تو نہیں ہے اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ البتہ آپ کی ملکہ لونڈیوں کو گھر میں رکھنے کی اجازت ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ احکامِ الٰہی کی پابندی یا اُن کی خلاف ورزی کرنے والے سب لوگ اُس کی نگاہ میں ہیں، اور وہ ہر ایک کے ساتھ اُس کے عقیدہ اور عمل کے مطابق ہی سلوک کرے گا۔

لونڈی غلام کا رواج

اکثر لوگ اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام میں لونڈی غلام رکھنے کی اجازت ہے۔ جو کہ شرفِ انسانیت کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام بھی غلامی کو غیر فطری چیز تصور کرتا ہے اور اس کے حق میں نہیں ہے ظہورِ اسلام کے زمانے میں غلامی کا رواج پوری دنیا میں پھیلا ہوا تھا اور روزمرہ کا زیادہ تر انحصار انہی پر تھا۔ اگرچہ اسلام نے اس رواج کو یکسر ختم نہیں کیا، مگر اُس کو پسند بھی نہیں کیا، بلکہ اس کو ختم کرنے کے لیے کئی اقدام کیے۔ چنانچہ

غلام کی آزادی کو بہت بڑی نیکی قرار دیا اور مسلمانوں نے ہزاروں غلام خرید کر آزاد کیے۔ اس کے علاوہ اسلام نے مختلف جنایات کا کفارہ بھی غلام کی آزادی کو قرار دیا اور اس طرح بھی بہت سے لوگوں کو آزادی نصیب ہوئی۔ پھر آہستہ آہستہ پوری دنیا سے شخصی غلامی کا رواج ختم ہو گیا۔

عورتوں کی غلامی کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ اسلام کے ظہور سے پہلے جب مختلف قبائل آپس میں جنگیں لڑتے تھے تو مرد تو مارے جاتے اور عورتیں اور بچے بے یار و مددگار رہ جاتے۔ جن کی وجہ سے معاشرے میں کئی قسم کی خرابیاں پیدا ہوتیں۔ اسلام نے زمانے کے حالات کے پیش نظر اس رواج کو اس لیے جاری رکھا تاکہ لاوارث عورتیں اور بچے در در کی ٹھوکریں نہ کھاتے پھریں بلکہ لوگوں کے قبضہ میں آکر ان کی خدمت بھی کریں اور اچھے طریقے سے زندگی بھی بسر کریں چنانچہ اسلام نے لونڈی اور غلاموں کے بہت سے حقوق متعین کیے اور مالکوں کو حکم دیا کہ جیسا خود کھاؤ۔ ان کو بھی کھلاؤ اور جیسا خود پہنو ان کو بھی پہناؤ۔ کسی غلام سے اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو۔ اور اگر کوئی مشکل کام ان کے سپرد کرو تو خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ۔

اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ پہلی جنگ عظیم میں جرمنوں کے اکثر مرد تو مارے گئے اور بیس لاکھ عورتیں باقی رہ گئیں جن کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ پھر انہیں فیکٹریوں میں بھرتی کیا گیا تو وہاں بے حیائی اور بدکاری جیسی معاشرتی خرابیاں پیدا ہوئیں اور یہی عورتیں ملک کے لیے مصیبت بن گئیں۔ اس کے برخلاف مسلمان ترکوں نے تعدد ازواج پر عمل کرتے ہوئے ایک سے زیادہ نکاح کر لیے اور اس طرح بے سہارا رہ جانے والی عورتوں کو سہارا مل گیا اور وہ باعزت زندگی گزارنے لگیں۔ بہر حال لونڈی غلام اور تعدد ازواج کے معاملہ میں اسلام نے بہترین راستہ اختیار کیا ہے۔ جس پر لوگ خواہ مخواہ اعتراض کرتے ہیں۔

درس ہشردہم ۱۸ آیت ۵۳ (حصہ اول)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ؗ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْــَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ

ترجمہ :- اے ایمان والو! مت داخل ہو نبی کے گھروں میں مگر یہ کہ تم کو اجازت دی جائے کھانے کی اس حال میں کہ اس کے پکنے کا انتظار کرنے والے نہ ہو لیکن جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ ، اور جب تم کھا چکو تو پھر چلے جاؤ ۔ اور نہ آپس میں بات چیت کے لیے جی لگا کر بیٹھنے والے ہو ۔ بیشک یہ چیز تکلیف دیتی ہے اللہ کے نبی کو ۔ پس وہ حیا کرتا ہے تم سے ۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں حیا کرتا حق بات کو ظاہر کرنے سے ۔ اور جب تم پیغمبر کی بیویوں سے کوئی سامان طلب کرو ، پس مانگو ان سے پردے کے

پیچھے سے ۔ یہ زیادہ پاکیزہ ہے تمھارے دلوں کے لیے اور
ان کے دلوں کے لیے ۔

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے سلسلے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات بیان فرمائیں اور اب اگلی آیت میں اللہ کے نبی کے گھر کے آداب سکھائے ہیں ۔ نیز ازواجِ مطہرات کے متعلق بھی بعض آداب کا تذکرہ کیا ہے ۔ جو عام مومنوں کے لیے ضروری ہیں ۔ ان میں سے بعض چیزیں محض ازواجِ مطہرات کے لیے ہی خاص نہیں بلکہ عام ایمان والوں کے لیے بھی واجب التعمیل ہیں ۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کا ذکر کر کے عام لوگوں کو بھی یہی ادب سکھایا گیا ہے ۔

دعوتِ طعام کے آداب

ارشاد ہوتا ہے يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو ۔ یہاں تک کہ تم کو کھانا کھانے کی اجازت دی جائے ۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ کہ کھانا پکنے کے انتظار میں بیٹھنے والے نہ ہو ۔ مطلب یہ کہ قبل از وقت ہی جا کر نہ بیٹھ جاؤ کہ جب کھانا تیار ہوگا تو کھالیں گے ۔ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا بلکہ نبی کے گھر میں اس وقت داخل ہو جب تمھیں بلایا جائے ۔

کسی گھر میں دعوتِ طعام کے لیے اجازت لے کر جانے کا مطلب یہ بھی ہے کہ کسی کے گھر بلا اجازت طفیلی بن کر نہیں جانا چاہیئے ۔ ایسا کرنا سخت ناپسندیدہ بات ہے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے ۔ کہ بن بلائے مہمان کی مثال ایسی ہے دَخَلَ دَخَلَ سَارِقًا وَّخَرَجَ خَرَجَ مُغِيْرًا کہ داخل ہوتے وقت وہ چور ہوتا ہے اور نکلتے

لے

وقت ڈالو ۔

ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی دعوت کی ۔ آپ کے ساتھ چار آدمی اور بھی تھے ۔ جب وہ میزبان کے گھر کی طرف چلے تو ایک مزید آدمی ساتھ مل گیا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعلقہ مکان پر پہنچ کر صاحب خانہ کو مطلع کیا کہ ہمارے ساتھ ایک بن بلایا مہمان بھی ہے ، اگر ایک زائد آدمی کے لیے کھانے کی گنجائش ہے اور تمہاری اجازت ہو تو وہ آدمی بھی آجائے ورنہ ہم اُسے واپس لوٹا دیں گے ۔ بہر حال اُس شخص نے اجازت دیدی اور اس طرح مسئلہ واضح ہو گیا ۔ باقی رہی یہ بات کہ مہمان قبل از وقت پہنچ کر کھانا پکنے کا انتظار کرتا ہے ، تو مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا اُس وقت معیوب ہو گا جب صاحبِ خانہ حرج محسوس کرے ۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں چونکہ کھانا کھانے کا انتظام عام طور پر گھر کے اندر ہوتا تھا ۔ جہاں عورتیں بھی ہوتی تھیں ، علیحدہ بیٹھک تو نہیں ہوتی تھی ۔ اس لیے بسا اوقات میزبان کو مہمانوں کے قبل از وقت آجانے سے دقت پیش آتی تھی ، اس لیے فرمایا کھانا تیار ہونے سے پہلے ہی نہ آجاؤ مبادا کہ صاحب خانہ دقت محسوس کرے ۔

شانِ نزول

اِن آیات کا شانِ نزول یہ[2] ہے کہ جب حضور علیہ السلام کا نکاح حضرت زینبؓ بنت جحش کے ساتھ ہوا تو آپ نے دعوتِ ولیمہ کا خاص طور پر انتظام کیا تھا تاکہ لوگوں کو اچھی طرح علم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ کے ساتھ نکاح بالکل درست ہے ۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے ایک بکری ذبح کی اور روٹی پکائی ۔ تمام شرکاء نے جن کی تعداد تین سو کے قریب تھی گوشت روٹی کھائی ۔ اس موقع پر اُمِ سلیمؓ نے کچھ حلوہ بنا کر بھیجا ، چنانچہ کھانے کے بعد حلوہ بھی کھایا گیا ۔ اس موقعہ پر آپ نے باقی لوگوں کو بھی بلا لیا ۔ اتنی

لہ

ٹہ ابن کثیر ص۵۰۳ ج۳ و روح المعانی ص۶۷ ج۲۲ و مظہری ص۴۰۳ ج۷
(فیاض)

بڑی دعوتِ ولیمہ حضور علیہ السّلام نے کسی دیگر نکاح کے موقع پر نہیں کی۔ اسی موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی کہ بلا اجازت نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو کہ کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہو۔ پھر جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور بیٹھ کر باتیں نہ کرتے رہو۔

دعوتِ ولیمہ

نکاح کے بعد دعوتِ ولیمہ سنت ہے مگر یہ اپنی حیثیت اور گنجائش کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اگر کسی شخص کے پاس ولیمہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے تو بیشک نہ کرے۔ حضور علیہ السلام نے اپنے متعدد نکاحوں کے مواقع پر دعوتِ ولیمہ کا اہتمام نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی کے وقت گھر میں کچھ نہیں تھا۔ حضرت سعدؓ کے گھر سے دودھ کا ایک بڑا پیالہ آگیا تھا۔ حضور نے لوگوں کو بلا کر وہی پلا دیا تھا اور یہی اس نکاح کا ولیمہ تھا۔ حضرت صفیہؓ کا نکاح دورانِ سفر ہوا۔ آپ کے پاس تھوڑے سے ستو اور کچھ کھجوریں تھیں۔ آپ نے دوسرے لوگوں سے فرمایا کہ جس کے پاس جو کچھ کھانے کی چیز ہے، لے آئے۔ خورد و نوش کی ساری چیزیں جمع کر کے چمڑے کے ایک دسترخوان پر چُن دی گئیں اور سب نے کھائیں۔ حضرت صفیہؓ کا یہی ولیمہ تھا۔ مقصد یہ کہ دعوتِ ولیمہ کوئی ایسی سنّت نہیں ہے جسے لازماً پر تکلف بنا دیا جائے خواہ اس کے لیے آدمی کو قرضہ لینا پڑے۔ ایسی بات نہیں ہے یہ دعوت حیثیت کے مطابق ہونی چاہیئے۔ کہ اسلام میں تکلف کی کوئی گنجائش نہیں۔

گھروں میں داخلے کے آداب

اِس آیت کریمہ میں تو دعوت کے سلسلے میں داخلے کے آداب بیان کیے گئے ہیں، عام حالات میں بھی اللہ نے گھروں میں داخلے کے احکام سورۂ نور میں بیان کیے ہیں۔ آیت ۲۷ میں ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں اس وقت داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ ملے اور تم گھر والوں کو سلام نہ کر لو۔ اور اگر تم گھر میں کسی کو نہ پاؤ تو بھی بغیر اجازت مت داخل ہو، اور اگر تمھیں واپس جانے کے لیے کہا جائے تو

واپس لوٹ جاؤ۔ حدیث شریف[لے] میں آتا ہے کہ کسی کے گھر جاؤ تو دروازے پر کھڑے ہو کر تین دفعہ سلام کہو۔ اگر اجازت مل جائے تو داخل ہو جاؤ اور اگر گھر سے کوئی جواب نہ آئے تو واپس لوٹ جاؤ۔ یہ تو عام گھروں کے لیے احکام ہیں جب کہ پیغمبر علیہ السلام کے گھر سے متعلق تو حکم زیادہ مؤکد ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں بلا اطلاع چلے جاتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے گھر تشریف فرما تھے کہ عربوں کے ایک قبیلے کا سردار آیا، اور سیدھا حضور کے پاس اندر چلا آیا۔ پھر پوچھا تمہارے گھر میں یہ خاتون کون ہے آپ نے فرمایا کہ ابوبکر صدیق رضؓ کی بیٹی، میری بیوی اور مومنوں کی ماں ہے۔ وہ کم فہم تھا کہنے لگا۔ اَلَا نَتَبَادَلُ کیا ہم آپس میں تبادلہ نہ کر لیں یعنی میری بیوی تم لے لو۔ اور یہ مجھے دے دو۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے اس شخص کا نام لے کر فرمایا کہ تم ہمارے گھر میں بلا اجازت کیوں داخل ہوئے تو وہ شخص کہنے لگا کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے کسی مضر والے گھر میں اجازت لے کر نہیں گیا۔ ام المؤمنین رضؓ نے اس شخص کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا یہ احمق ہے۔ مگر اپنی قوم کا سردار ہے۔ غرضیکہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہو جاتے تھے مگر اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔

کھانا کھانے کے بعد

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ اس آیت کی مصداق حضرت زینب رضؓ کے نکاح کے موقع پر دعوت ولیمہ تھی۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو لوگوں کو پیش کیا گیا۔ وہیں گھر میں انتظام تھا۔ ام المؤمنین بھی اسی کمرے میں دیوار کی طرف رُخ کر کے بیٹھی تھیں۔ جب لوگ کھانا کھا چکے تو اُن میں سے بعض وہیں بیٹھے بیٹھے باتیں کرنے

لے

لگے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے دقّت محسوس کی۔ آپ چاہتے تھے کہ اب لوگ چلے جائیں مگر اپنے اخلاق کریمانہ کی بناء پر انہیں کہنے کے لیے تیار نہیں تھے اس دوران میں آپ ایک دفعہ اٹھ کر خود بھی باہر چلے گئے۔ خیال تھا کہ شاید یہ لوگ بھی اٹھ بیٹھیں گے۔ مگر وہ باتوں میں مصروف رہے۔ حضور علیہ السلام واپس اندر آئے اور حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ وہ لوگ ابھی بیٹھے ہیں یا چلے گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ ابھی تک بیٹھے ہیں۔ اس اثنا میں لوگوں کو حضور علیہ السلام کی دقّت کا احساس ہوا تو وہ اٹھ کر چلے گئے۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا پھر جب تم کھانا کھا چکو تو چلے جاؤ۔ وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ اور بات چیت میں مصروف ہو کر بیٹھے نہ رہو۔

مفسرین کرام بیان[1] کرتے ہیں کہ کھانا کھانے کے فوراً بعد چلے جانا اس وقت نافذ العمل سمجھا جائے گا۔ جب کہ صاحب خانہ اس میں حرج محسوس کرے۔ اور اگر صاحب خانہ کو دقت پیش نہیں آ رہی یا اس کی اپنی خواہش ہے۔ کہ لوگ بیٹھے[2] رہیں جیسا کہ آجکل عام طور پر پارٹیوں کے موقع پر تقریر وغیرہ بھی ہوتی ہے اور لوگ بیٹھے رہتے ہیں۔ تو کھانے کے بعد بیٹھے رہنا نامناسب نہیں ہوگا۔

حیا جزو ایمان ہے

آگے ارشاد ہوتا ہے إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ بے شک یہ بات یعنی بلا وجہ بیٹھے رہنا نبی علیہ السلام کو تکلیف دیتی ہے۔ مگر حضور علیہ السلام حیا کی وجہ سے اپنی تکلیف کا اظہار نہیں کرتے اَلْحَيَاءُ[3] مِنَ الْإِيمَانِ حیاء تو انسان کا جزو ایمان ہے جو کہ بہت اچھی صفت ہے۔ لَا إِيمَانَ[4] لِمَنْ لَا حَيَاءَهُ جس میں حیا

---

[1] [2] [3]

[4]

نہیں اُس کا ایمان نہیں - اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بہت زیادہ حیادار تھے۔ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ہم تکلیف دہ چیز کی ناگواری حضور علیہ السلام کے چہرہ مبارک سے معلوم کرتے تھے۔ ورنہ آپ اپنی زبان سے کسی تکلیف کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت[1] میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام ایک دوشیزہ پردہ نشین لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ دوسری روایت میں آتا ہے[2] کہ ایک شخص زرد لباس پہنے ہوئے آیا۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد جب وہ اٹھا تو حضور علیہ السلام نے دوسرے لوگوں سے فرمایا کہ اس شخص کو کہہ دو کہ یہ لباس مناسب نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ حضور علیہ السلام نے خود اپنی زبان سے اُسے یہ کہنا بھی پسند نہ کیا۔

فرمایا وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِ مِنَ الْحَقِّ بے شک اللہ تعالیٰ حق بات کو ظاہر کرنے سے نہیں شرماتا۔ قرآن پاک میں سورۃ البقرۃ میں بھی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا (آیت - ۲۶) اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا اس بات سے کہ وہ مچھر یا اس سے بڑی چیز کی مثال بیان کرے۔ بہر حال اس آیت میں نبی علیہ السلام کے گھر میں جانے کے آداب بیان کیے گئے ہیں اور ان کا اطلاق عام مومنوں پر بھی ہوتا ہے۔

پردے کی پاسداری

آگے اللہ نے ازواج مطہرات کے متعلق یہ ادب بھی سکھایا وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی سامان وغیرہ طلب کرنا چاہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، سامنے نہ آؤ کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ اگر کسی اجنبی عورت سے کوئی کام ہو تو بوقت اشد ضرورت آمنا سامنا ہو سکتا ہے۔ انسان بات بھی کر سکتا

---

[1] ے

[2] ے

ہے مگر یہ عام اجازت نہیں ہے اور نہ ہی یہ بہتر ہے، لہذا نبی کے گھر کے لیے یہ ادب زیادہ ملحوظِ خاطر ہونا چاہیئے۔ اس کی حکمت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے ذٰلِکُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ یہ تمہارے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزگی والی بات ہے اور ازواجِ مطہرات کے دلوں کے لیے بھی کیونکہ سامنے آنے سے دل میں وسوسے پیدا ہو سکتے ہیں، لہذا بہتر یہی ہے کہ پردے کے پیچھے سے بات کی جائے۔ مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ امہات المؤمنین کی طہارت و پاکیزگی کی گواہی تو خود خدا تعالیٰ نے دی ہے وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب۔۳۳)۔ جب ایسی پاکیزہ ہستیوں کے لیے بھی پردے کے احکام دیے جا رہے ہیں۔ تو عام عورتوں کے لیے پردے کی زیادہ ضرورت ہے۔ ایک طرف حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام ہیں۔ جن کا مرتبہ خدا کے نزدیک فرشتوں سے بھی زیادہ ہے اور دوسری طرف امہات المؤمنین ہیں جن کی تطہیر کا اعلان خود اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے تو آجکل کون شخص صحابہ سے زیادہ پاکیزگی کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ یا کون سی عورت امہات المؤمنین کا مقابلہ کر سکتی ہے؟ لہذا اس دور میں پردے کی زیادہ ضرورت ہے تاکہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو جائے۔ مگر آج کی بے حجابی آپ کے سامنے ہے۔ اسلام مغرب کی برباد کرنے والی بے حجابی کو تسلیم نہیں کرتا۔ تمام خرابیاں یہیں سے شروع ہوتی ہیں۔ اسلام کا نظریہ تو یہ ہے کہ اگر نمازی کے آگے سے عورت گزر جائے تو نماز کا خشوع و خضوع خراب ہو جاتا ہے۔ کہ وسوسے پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور اگر گدھا یا کتا گزر جائے تو بے ادبی کا باعث بنتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں جانور فضول حرکات کرتے ہیں۔ حجاب کا حکم اللہ نے سورۃ نور میں بھی نازل فرمایا ہے اور آگے اس سورۃ میں بھی آ رہا ہے۔ بے حجابی ہرگز پسندیدہ فعل نہیں، اس سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لہذا فرمایا کہ پردہ داری تمہارے

ل

دلوں کے لیے بھی اور امہات المؤمنین کے لیے بھی زیادہ پاکیزگی والی بات ہے لہٰذا جب بات کرنا ہو، کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے بات کرو۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ
اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ
ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ
تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ
فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ
وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا
نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾

ترجمہ:- اور نہیں لائق تمہارے کہ تم ایذاء پہنچاؤ اللہ کے رسول کو اور نہ یہ کہ تم نکاح کرو اس کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی بھی۔ بیشک تمہاری یہ بات اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے ﴿۵۳﴾ اگر تم ظاہر کرو گے کسی چیز کو یا چھپاؤ گے تو بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۵۴﴾ نہیں ہے ان (پیغمبر کی بیویوں) میں کوئی حرج ان کے باپوں کے سامنے اور نہ بیٹوں کے سامنے اور نہ بھائیوں کے سامنے،

اور نہ بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے ، اور نہ بہنوں کے بیٹوں کے سامنے ، اور نہ اپنی مسلمان عورتوں کے سامنے اور نہ اُن کے سامنے کہ مالک ہیں اُن کے دلہنے ہاتھ (یعنی لونڈی غلام) اور ڈرتی رہو اللہ تعالیٰ سے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے (یعنی ہر چیز اُس کے سامنے ہے) (۵۵)

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کے گھر کے آداب سکھائے ۔ کہ آپ کے گھروں میں بلا اجازت نہ جاؤ ۔ اگر تمہیں کھانے کی دعوت دی جائے تو قبل از وقت نہ جاؤ اور جب کھانا کھا چکو تو بات چیت کے لیے بیٹھے نہ رہو ۔ بلکہ اٹھ کر چلے جاؤ ۔ اگرچہ نبی کریم علیہ السلام اپنے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں مگر انہیں بلا وجہ رُک جانے سے تکلیف پہنچتی ہے ۔ پھر نبی کی ازواج مطہرات کے متعلق فرمایا کہ تمہیں اُن سے کوئی چیز طلب کرنی ہو تو سامنے نہ آؤ ۔ بلکہ پردہ داری کا خیال رکھتے ہوئے پردے کے پیچھے سے طلب کرو ۔ تمہارے اور اُن کے دلوں کی طہارت کے لیے یہی طریقہ بہتر ہے تاکہ دلوں میں کسی قسم کے وسوسے نہ پیدا ہونے پائیں ۔ عام عورتوں کے برخلاف نبی کی بیویوں سے متعلق زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے ۔

امہات المؤمنین سے نکاح کی ممانعت

اب آج کی آیات بھی حضور نبی کریم علیہ السلام اور آپ کی ازواج مطہرات کے آداب سے متعلق ہی ہیں ۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ یہ بات تمہارے لائق نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو کسی طرح بھی تکلیف پہنچاؤ ۔ بلکہ تمہیں تو ہر وقت نبی کا ادب و احترام قائم رکھنا چاہیئے ۔ اپنے قول و فعل سے کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیئے ۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تکلیف کا باعث ہو وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا اور نہ یہ کہ تم نکاح کرو ۔ اس کی بیویوں سے

اس کے بعد کبھی بھی، بے شک تمھاری یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ بات حضور علیہ السلام کے ادب کے خلاف ہے اور خود امہات المومنین کے حال کے بھی مناسب نہیں کہ نبی کی بیویوں کے ساتھ کوئی دوسرا شخص نکاح کرے نبی علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں تو ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کہ آپ نے کسی بیوی کو طلاق دی ہو اور اس نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کیا ہو۔ صرف ایک بیوی کو حضور علیہ السلام نے قبل از مقاربت طلاق دی تھی۔ اس ضمن میں فقہاء اور علماء کا اختلاف ہے کہ ایسی عورت نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں۔ تاہم زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ بغیر مقاربت کے طلاق شدہ عورت پر نکاح ثانی کی پابندی عاید نہیں ہوتی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مذکورہ عورت کے نکاح کر لینے کی اطلاع پر آپ نے کہا تھا کہ یہ عورت امہات المؤمنین میں شامل نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کے عقد میں نو بیویاں تھیں مگر اس آیت کی رو سے کسی امتی نے کسی عورت کے ساتھ نکاح نہیں کیا۔ آپ کی دو لونڈیاں بھی تھیں مگر انہوں نے بھی نکاح نہیں کیا کہ ایسا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے کے مترادف تھا۔

ممانعت نکاح کی وجوہات

امہات المؤمنین کے نکاح ثانی نہ کرنے کے متعلق مفسرین کرام کئی ایک وجوہات بیان کرتے ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشاعتِ دین کو امہات المؤمنین کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا۔ پیچھے اسی سورۃ میں گذر چکا ہے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (آیت ۔ ۳۴) تمھارے گھروں میں جو آیاتِ الٰہی اور سنت پڑھی جاتی ہے، اُس کو عام کرو۔ اسی مقصد کے لیے اللہ نے حضور علیہ السلام کو چار سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت بھی دی تھی۔ تو اگر آپ کے بعد آپ کی ازواج دوسرا نکاح کر لیتیں تو اس سے اشاعتِ دین کا اہم فریضہ متاثر ہونے کا احتمال تھا، لہٰذا اللہ نے نبی کی بیویوں پر نکاح ثانی کرنے پر پابندی لگا دی۔ اور اگر کوئی شخص ازواجِ مطہرات کی نفسانی

تقاضوں کی بات کرے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اُن پاک نفوس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ نبی کی رفاقت میں امہات المومنین کے دلوں کو وہ سکون اور اطمینان حاصل تھا۔ جو دنیا بھر میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

پیچھے آیت ۔ ۶ میں یہ بھی گذر چکا ہے وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ کہ نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ لہذا جس طرح حقیقی، سوتیلی اور رضاعی ماں کے ساتھ نکاح حرام ہے، اسی طرح امہات المومنین کے ساتھ بھی نکاح حرام ہے۔ البتہ اُن کی اولاد سے امتی کا نکاح ہو سکتا ہے کہ حرمت نکاح صرف ازواجِ مطہرات تک محدود ہے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نکاح کے ضمن میں حقیقی ماں، سوتیلی ماں، رضاعی ماں اور ام المومنین کا ایک ہی حکم ہے، تاہم بعض مسائل مختلف بھی ہیں۔ مثلاً حقیقی یا رضاعی ماں سے پردہ نہیں ہوتا مگر ام المومنین سے پردہ کرنا پڑتا ہے۔ حقیقی ماں کا خرچہ اولاد کے ذمے ہوتا ہے مگر ام المومنین کے خرچہ کی ذمہ داری عام مومن پر عائد نہیں ہوتی بلکہ اُن کا کفیل بیت المال ہوتا ہے۔

امہات المومنین کے ساتھ امتی کے نکاح کی ممانعت کی ایک وجہ مسئلہ تخییر بھی ہے۔ پیچھے گذر چکا ہے کہ جب ازواجِ مطہرات نے نبی علیہ السلام سے خرچہ بڑھانے کا مطالبہ کیا تو اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان کو کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں اچھے طریقے سے علیحدہ کر دوں اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کے گھر کی طلبگار ہو تو پھر اسی پر قناعت کرو۔ ازواجِ مطہرات نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا اور اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئیں۔ چنانچہ اللہ نے اُن کی اس قربانی کے پیشِ نظر اپنے نبی کو یہ حکم بھی دیا کہ آپ مزید نکاح نہیں کر سکتے اور نہ ان کے بدلے میں کوئی دوسری عورت نکاح میں لا سکتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے نبی علیہ السلام کی رفاقت کو پسند کیا۔ اس لیے اللہ نے کسی امتی کو اُن کے ساتھ نکاح کی ہمیشہ کے لیے ممانعت فرما دی۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر معارف القرآن میں ایک

وجہ یہ بھی لکھتے ہیں[1] کہ جس طرح نبی کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی اسی طرح نبی کی بیویوں کے ساتھ نکاح بھی حرام ہے کیونکہ نبی کو حیات حاصل ہے۔ نبی دنیا کی زندگی تو ختم کر چکے ہیں مگر برزخ میں اُن کو مکمل زندگی حاصل ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے کوئی شخص غائب ہو چکا ہو۔ جس طرح غائب شخص کی بیوی کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نبی کی بیوی کے ساتھ بھی نکاح درست نہیں۔

مولانا عبدالحق حقانیؒ اپنی مشہور و معروف تفسیر حقانی کی چھٹی جلد میں لکھتے ہیں[2]۔ کہ نبی پر طبعی موت تو واقع ہوتی ہے کیونکہ نص قرآنی سے ثابت ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران۔ ۱۸۵) ہر شخص کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (الزمر۔ ۳۰) اے نبی آپ پر بھی موت وارد ہونی ہے اور ان پر بھی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس کے باوجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابدی حیات حاصل ہے جو شہیدوں سے بھی ہزار درجہ بڑھ کر ہے۔ آپ کا دنیا کے ساتھ اب بھی ویسا ہی تعلق ہے، جیسا طبعی حیات کے وقت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے جسدِ اطہر کو خاک نہیں کھا سکتی، اور اسی لیے لوگوں نے بہت سے آثار غریبہ مشاہدہ کیے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ زندہ ہیں اور حیات النبیؐ مشہور ہیں۔ چنانچہ زندہ شخص کی بیوی کے ساتھ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔

مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں رقمطراز ہیں[3] کہ ممکن ہے نبی کی بیویوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت اس وجہ سے ہو اَنَّ النَّبِیَّ حَیٌّ فِیْ قَبْرِہٖ کہ اللہ کا نبی قبر میں زندہ ہے، یہ زندگی محض روحانی زندگی نہیں۔ کیونکہ روح تو ابوجہل کی بھی زندہ ہے، بلکہ نبی کی زندگی کمال درجے کی زندگی ہے۔ اس برزخی زندگی کے متعلق سلف کے دو مسلک ہیں۔ اگر آپ کی روح مبارک علییّن میں

---

[1] معارف القرآن ص ۔۔ و مظہری ص ۴۰۸ ج ۷ [2] تفسیر حقانی ص ۸۷ ج ۶
[3] مظہری ص ۴۰۸ ج ۷ (فیاض)

ہے تو اس کا تعلق قبر کے ساتھ بھی ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد[1] ہے۔ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ یعنی جو شخص میری قبر پر آکر درود پڑھیگا تو میں اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے گا تو وہ مجھ تک پہنچایا جائے گا۔ حیات النبیؐ کے مخالف علماء اس حدیث کو ضعیف بتاتے ہیں حالانکہ یہ حدیث سات سندوں سے آئی جن میں بعض ضعیف بھی ہیں یعنی ان میں مروان سُدی صغیر ضعیف راوی ہے مگر امام ابن قیمؒ نے ابن شیخ کے حوالے سے جو روایت نقل کی ہے وہ بالکل صحیح ہے، اس کی سند میں کوئی راوی ضعیف نہیں ہے۔ یہ حدیث امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں بھی نقل کی ہے۔ امام بیہقیؒ نے حیات الانبیاء کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے۔ معراج کے واقعہ والی روایت بھی حیات النبیؐ کی تصدیق کرتی ہے۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا[2] رَاَیْتُ مُوْسٰی یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ قَائِمًا میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ کھڑے ہونا جسم کی صفت ہے نہ کہ روح کی۔ گویا آپ نے موسیٰؑ کو روح اور جسم کے ساتھ زندہ مشاہدہ کیا۔ آپ یہ بھی پڑھتے ہیں کہ قبر کو محض ایک گڑھا نہ سمجھو بلکہ مومن کی قبر تا حدِ نگاہ وسیع ہو جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان[3] ہے کہ میرے منبر اور حجرے کے درمیان والا خطہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ ظاہر ہے کہ قبر کسی کے لیے جنت کا باغ بن جاتی ہے۔ اور کسی کے لیے جہنم کا گڑھا۔ اس لیے بعض علماء[4] نے امہات المومنین سے نکاح کی ممانعت کی یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ آپ حیات ہیں۔ یہ مسلک صرف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نہیں بلکہ آپ سے پہلے بزرگوں نے بھی ایسا ہی کہا ہے خاص

۱؎ مشکوٰۃ ص۸۷ و مظہری ص۲۰۸ ج۷ ۲؎ مسلم ص۲۶۸ ج۲ و نسائی ص۲۴۲ ج۱ و مسند احمد ص۱۴۸ ج۳

۳؎ بخاری ص۱۵۸ ج۱ و مسلم ص۲۴۶ ج۱ ۴؎ حقانی ص۸۷ ج۶ (فیاض)

طور پر قاضی ثناء اللہ پانی پتی تو آپ سے سو سال پہلے گزرے ہیں۔ امام ابوبکر ابن عربیؒ تو چھٹی صدی کے مفسر ہیں، انہوں نے بھی امہات المؤمنین سے نکاح کی حرمت کی یہی وجہ بیان کی ہے۔ بہر حال نبی کی بیویوں کے ساتھ نکاح کی صراحتاً ممانعت آئی ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ کوئی غیرت مند پسند نہیں کرتا کہ اس کی بیوی کسی دوسرے کے پاس جائے تاہم طلاق یا بیوگی کی صورت میں عام مومنین کے لیے اللہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ حضرت حذیفہؓ کی روایت[1] میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر کوئی میاں بیوی دونوں جنت میں گئے تو کسی عورت کے متعدد خاوند ہونے کی صورت میں اس کے ساتھ ابدی زندگی وہ شخص گزارے گا جو دنیا میں اس کا آخری خاوند ہو گا، لہٰذا میری وصیت ہے کہ میرے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرنا۔ اگر اللہ نے ہم پر خاص مہربانی فرمائی تو ہم دونوں جنت میں میاں بیوی کی حیثیت سے رہیں گے اور پیغمبر علیہ السلام کے متعلق تو یہ بات طے ہے کہ جن ازواج مطہرات نے دنیا میں آپ کی رفاقت کو اختیار کیا وہ برزخ میں بھی آپ کی بیویاں ہیں اور آخرت میں بھی وہی بیویاں ہوں گی۔ اس میں پیغمبر علیہ السلام کی طبعی خواہش کا بھی احترام کیا گیا ہے جو ہر غیرت مند آدمی میں پائی جاتی ہے۔

فرمایا اِنۡ تُبۡدُوۡا شَیۡئًا اَوۡ تُخۡفُوۡہُ اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا چھپاؤ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا تو اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ مفسرین[2] کرام بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی زندگی میں ہی بعض منافق اس قسم کی باتیں کرتے تھے کہ حضور علیہ السلام کی فوتیدگی کے بعد میں آپ کی فلاں بیوی سے نکاح کروں گا۔ بعض مخلص مسلمانوں نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ مفسرین[3] حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت طلحہؓ کے متعلق ایسی باتیں

---

[1] در منثور ص ۲۱۵ ج ۵ [2] البحر المحیط ص ۲۴۷ ج ۷
[3] مظہری ص ۴۰۷ ج ۷ (فیاض)

نقل کرتے ہیں حضرت طلحہؓ کے متعلق خاص طور پر آتا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا تھا کیونکہ وہ آپ کی چچازاد بہن تھیں۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت طلحہؓ نے بڑا استغفار کیا، ایک غلام آزاد کیا اور ایک حج پیدل چل کر کیا تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کی زبان سے نکلی ہوئی یہ غلط بات معاف کر دے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تمہاری ظاہر اور باطن سب باتوں کو جانتا ہے نبی کی ازواج امتی کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہیں۔ لہٰذا ایسی بات دل میں ہرگز نہ لاؤ۔

محرم سے پردہ کی ضرورت نہیں

پہلی آیت کے ابتدائی حصے میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے کہ امتیوں کے لیے ضروری ہے کہ امہات المؤمنین سے پردہ کا اہتمام کریں اور اگر ان سے کوئی چیز طلب کرنی ہو تو پردے کے پیچھے سے طلب کریں۔ البتہ سورۃ نور میں محرموں سے عدم حجاب کے احکام گزر چکے ہیں۔ کوئی عورت اپنے محرم کے ساتھ خلوت میں بیٹھ سکتی ہے اور اس کے ساتھ سفر بھی کر سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے یہی قانون امہات المؤمنین کے لیے نافذ العمل رکھا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِىٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ نبی کی بیویوں کو اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں بھتیجوں، بھانجوں، اپنی عورتوں اور غلاموں کے سامنے آنے میں کوئی حرج نہیں ہے عورتیں اور غلام تو ویسے ہی پردے سے مستثنیٰ ہیں۔ باقی تمام رشتہ دار عورت کے محرم بنتے ہیں جن سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے، اس لیے فرمایا اِن سے پردہ ضروری نہیں ہے۔ لونڈی غلام کو تو سورۃ نور میں بھی پردے سے مستثنیٰ قرار دیا جا چکا ہے۔ البتہ باقی غیر محرموں سے پردہ نہایت ضروری ہے فرمایا وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ نبی کی بیویو! اللہ سے ڈرتی رہو۔ اُس کا خوف ہمیشہ تمہارے پیش نظر رہنا چاہیئے کہ کہیں کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے۔ اِنَّ

اللہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدًا بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ اُس کی نگاہ سے کوئی چیز غائب نہیں۔ وہ تمھارے اعمال و کردار کا نگہبان اور محافظ ہے، لہٰذا تمھیں از حد محتاط رہنا چاہیئے۔ یہ امہات المؤمنین کے لیے خصوصی تعلیم ہوگئی۔

درس بستم ۲۰ آیت ۵۶

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۵۶﴾

ترجمہ :- بے شک اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ۔ اے ایمان والو تم بھی رحمت بھیجو اُس پر اور سلام بھیجو پوری اطاعت کے ساتھ ﴿۵۶﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کے گھر میں داخل ہونے کے آداب اور آپ کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں بعض احکام بیان فرمائے تھے ۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ امہات المومنین کے ساتھ کسی امتی کا نکاح نہیں ہو سکتا ۔ امتیوں کو خبردار کیا گیا کہ اللہ کے نبی کو کسی طریقے سے بھی اذیت نہ پہنچائیں ۔ اللہ نے نبی کی ازواج کو پردے کا حکم بھی دیا اور ساتھ ساتھ محرموں کو اس حکم سے مستثنیٰ بھی قرار دے دیا ۔ تاہم ازواجِ مطہرات کو ہر حالت میں اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا ۔

نبی پر درود و سلام

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام بھیجنے کی تلقین فرمائی ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی علیہ السلام پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں ۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا اے ایمان والو ! تم بھی اُس پر صلوٰۃ و سلام بھیجو ، پورے ادب و احترام اور اطاعت کے جذبہ کے ساتھ ۔

اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور فرشتوں کے صلوٰۃ بھیجنے کے ذکر کرنے کے بعد عام مومنوں کو نبی کی ذات پر درود و سلام بھیجنے کی تلقین فرمائی ہے صلوٰۃ کا معنیٰ رحمت بھی ہے اور دعا بھی۔ جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کیطرف کی جاتی ہے تو معنیٰ ہوتا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ اپنے نبی پر رحمت بھیجتا ہے اور جب اُسے فرشتوں کے ساتھ منسوب کیا جائے تو معنیٰ ہوگا کہ اللہ کے فرشتے اللہ تعالیٰ سے نبی علیہ السلام پر نزولِ رحمت کی دُعا کرتے ہیں۔ اس مقام پر فرشتوں کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ وہ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں اور اُن کی اللہ تعالیٰ سے خصوصی رحمت کی دُعا زیادہ مقبول ہوتی ہے اور اللہ کے نبی پر زیادہ سے زیادہ نزولِ رحمت کا سبب بنتی ہے۔ پھر جب صلوٰۃ کی نسبت عام انسانوں کی طرف کی جاتی ہے تو اس کا معنیٰ دُعا اور استغفار ہوتا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے پیغمبر برحق پر نزولِ رحمت کی دُعا کرتے ہیں۔ اس میں پیغمبر علیہ السلام کی تعریف اور تعظیم بھی آگئی ہے۔

درود کی فرضیت

مفسرین کرام[1] بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اہلِ ایمان کو نبی علیہ السلام پر درود و سلام کا جو حکم دیا ہے اُس کے مطابق ہر اہلِ ایمان پر عمر بھر میں کم از کم ایک دفعہ درود بھیجنا فرض ہے۔ بعض علماء اسے واجب قرار دیتے ہیں۔ اور نماز میں امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔ اگر کوئی شخص نماز کے دوران تشہد میں درود شریف نہیں پڑھے گا۔ تو نماز دہرانی ہوگی، ورنہ نماز مقبول نہیں ہوگی۔ البتہ امام مالکؒ اور امام ابُوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر درود شریف پڑھنا سنت ہے۔ لہٰذا اگر درود شریف رہ جائے تو نماز ہو جائے گی مگر ایک سنت فوت ہو جائے گی۔ اکثر علماء اور ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ جب بھی حضور علیہ السلام کا اسم گرامی ذکر کیا جائے تو درود شریف کا پڑھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے

---

[1] مظہری صفحہ ۴۰۹ ج ۷ و ابن کثیر صفحہ ۵۱۲ ج ۳ (فیاض)

کہ ایسے مواقع پر درود پڑھنا مستحب ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد[1] ہے۔ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ فَقَدْ اَخْطَأَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ کہ جس شخص کے سامنے میرا نام ذکر کیا گیا اور اُس نے مجھ پر درود نہ پڑھا تو وہ جنت کے راستے کو خطا کر گیا۔ ایک روایت میں[2] یہ بھی آتا ہے کہ جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے اور نبی علیہ السلام پر درود نہ بھیجا جائے تو یہ مجلسِ شرکار کے لیے قیامت والے دن حسرت کا باعث ہوگی۔

درود کی فضیلت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنے کی فضیلت بہت سی روایات میں آتی ہے۔ مسند احمد کی روایت[3] میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص حضور علیہ السلام پر ایک دفعہ صلوٰۃ و سلام پڑھے گا، میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا، دس غلطیاں معاف کروں گا۔ اور دس درجے بلند کروں گا۔ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا نام ذکر کیا جائے مگر وہ درود نہ پڑھے۔ مفسرین[4] فرماتے ہیں کہ کسی ایک مجلس میں آپ کا نامِ نامی کئی دفعہ ذکر کیا گیا ہو تو صرف ایک دفعہ درود پڑھنے سے بھی حق ادا ہو جائے گا۔ تاہم اگر بار بار پڑھے گا، تو زیادہ بہتر ہے۔ ہر دُعا کے اوّل و آخر میں بھی درود شریف پڑھنا چاہیئے کہ یہ قبولیتِ دُعا کی نشانی ہے۔ حضرت عمرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک درود شریف نہ پڑھا جائے انسان کی دُعا زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔ جب درود شریف پڑھا جاتا ہے تو پھر وہ اُوپر جا کر درجہ قبولیت کو پہنچتی ہے۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت اور باہر نکلتے وقت بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ مسلم شریف[5] میں اذان کے متعلق آتا ہے کہ جب

---

[1] مظہری ص ۴۱۲ ج ۷ و درمنثور ص ۲۱۸ ج ۵ و ابن کثیر ص ۵۱۲ ج ۳ [2] مستدرک ص ۵۵۰ ج ۱ و مشکوٰۃ ص ۱۹۸ ج ۱
[3] مسند احمد ص — و مظہری ص ۴۱۲ ج ۷ و درمنثور ص ۲۱۷ ج ۵ [4] احکام القرآن للجصاص ص ۳۷۰ ج ۳
[5] مسلم ص ۱۶۶، ۱۶۷ ج ۱ و ابوداؤد ص ۸۷ ج ۱ و کتاب الاذکار للنووی ص ۳۷ (فیاض)

مؤذن اذان کہتا ہے تو تم بھی وہی الفاظ دہراتے جاؤ۔ پھر جب وہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے کلمات ادا کرے تو تم لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کے کلمات کہو۔ جب مؤذن اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہے تو تم کہو صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ اور جب مؤذن اذان ختم کرے ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ تو پھر مجھ پر درود پڑھو، اور دعائے وسیلہ مانگو جو شخص اس پر عمل کرے گا اس کے لیے میری شفاعت ضروری ہو جائے گی۔ بعض لوگ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے کلمہ پر درود شریف پڑھتے ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کی تعلیم یہ ہے کہ وہی کلمہ دہراؤ۔ اس طرح اس کلمہ پر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا بھی حضور علیہ السلام کی سنت نہیں ہے۔ یہ فعل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مگر محدثین نے جرح کی ہے کہ ایسی روایات صحیح نہیں ہیں۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی بات بتلائی ہے تو وہ بطور علاج بتلائی ہے کہ اگر کسی شخص کی آنکھوں میں تکلیف ہو تو ایسا کرے۔ یہ عام دستور نہیں ہے۔

ابن ماجہ شریف کی روایت[1] کے مطابق وضو کرنے کے بعد بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ کتابیں شائع کرتے وقت اُن کے اوّل و آخر میں درود شریف لکھنا بھی مستحب ہے۔ جب کوئی شخص رات کے وقت نیند سے بیدار ہو تو اس کے لیے بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ امام سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ احادیث کے مجموعے سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ کسی مصیبت یا تکلیف کے وقت بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ فرمایا جتنا درود شریف گناہوں کو مٹاتا ہے اتنا پانی آگ کو نہیں بجھاتا۔ درود شریف پڑھنا غلام آزاد کرنے سے بھی زیادہ افضل ہے۔ اللہ کے نزدیک پیغمبر کے ساتھ محبت و عقیدت رکھنا اللہ کے راستے میں جان قربان کرنے سے بھی افضل ہے۔ خاص طور پر جمعہ کے دن درود پڑھنا زیادہ باعث اجر ہے۔

---

[1] ابن ماجہ صہ

(فیاض)

درود پڑھنے کا طریقہ

درود شریف مختلف مواقع پر مختلف الفاظ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ البتہ اس کے لیے ایمان، عقیدت، محبت اور صحیح طریقہ شرط ہے۔ اپنی مرضی سے موقع بے موقع یا خود ساختہ الفاظ کے ساتھ درود پڑھنا مفید نہیں ہوگا۔ بعض لوگ اذان سے پہلے تین مرتبہ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہِ پکارتے ہیں حالانکہ حضور علیہ السلام نے اس موقع پر ان الفاظ کا قطعاً حکم نہیں دیا۔ درود شریف پڑھنے کے مختلف مواقع میں نے عرض کر دیے ہیں۔ اُن کے علاوہ بھی جب چاہو پاک صاف ہو کر نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا حضور اسلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ لیکن ہم درود کیسے پڑھیں؟ آپ نے فرمایا۔ اس طرح کہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اس کے لیے اور بھی بہت سے کلمات آتے ہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔[1]

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے جس میں درود شریف کے چالیس قسم کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ اگر حضور علیہ السلام سامنے ہوں تو اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہِ بھی کہہ سکتے ہیں یا قبر شریف پر جا کر یہ الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر دور سے پڑھیں تو پھر اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی ..... حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ پڑھنا چاہیئے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ والے الفاظ بھی

---

[1] درمنثور ص ۲۱۶ ج ۵ (فیاض)

درست ہیں کہ ان میں درود بھی ہے اور سلام بھی، اور دونوں کو اکٹھا کرنا زیادہ بہتر ہے صرف صلوٰۃ پڑھنا یعنی صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ بھی درست ہے اور صرف سلام پڑھنا وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ بھی ٹھیک ہے۔ مشائخ چشت ان الفاظ کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی اس میں حضور علیہ السلام، آپ کے صحابہ اور اہل بیت کا ذکر بھی آگیا۔

السلام علیکم کی فضیلت

دو مومن آپس میں ملتے وقت السلام علیکم کہتے ہیں جو کہ سلامتی کی بہترین دعا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا و آخرت میں ہر قسم کے مصائب و مشکلات سے سلامت رکھے۔ سلام کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا تھا کہ ان الفاظ کے ساتھ فرشتوں کو سلام کرو۔ نیز یہ کہ تمھارا اور تمھاری اولاد کا یہی دستور رہیگا۔ جو شخص السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہتا ہے وہ تیس نیکیوں کا حقدار بن جاتا ہے۔ یہ کمال درجے کی دعا ہے۔ جس میں تعظیم اور ثنا بھی شامل ہے۔

درود شریف پڑھنے کا فائدہ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو اللہ نے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا ہے، آپ کے درجات بلند کیے ہیں۔ آپ کو افضل الانبیاء والرسل بنایا ہے، ساری مخلوق میں سب سے زیادہ شرف اور برگزیدگی بخشی ہے تو ہمارے درود شریف پڑھنے سے حضور والا صفات کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ حدیث کے مفہوم سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ درود شریف کا فائدہ خود درود پڑھنے والے کو حاصل ہوتا ہے، کہ تیس یا ستر نیکیاں حاصل ہوتی ہیں، دس خطائیں مٹتی ہیں اور دس درجات بلند ہوتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ بہت بڑا اجر ہے اللہ کے نبی محسن امت ہیں، روحانی باپ ہیں جس کسی کو کوئی نیکی یا خوبی پہنچی ہے آپ ہی کے طفیل سے پہنچی ہے قرآن پاک، احادیث مقدسہ اور امت کو خدا کی خصوصی مہربانی آپ ہی کی وجہ سے میسر آئی ہے۔ لہذا آپ کو اچھے

الفاظ اور دعائے خیر کے ساتھ یاد کرنا امت کے ہر فرد کا اولین فریضہ ہے ویسے بھی اپنے محسن کو یاد رکھنا اخلاقی فرض ہے۔ تو اس طرح گویا درود پاک پڑھنے سے امتی کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ربط بھی قائم رہتا ہے۔ آپ کے لیے دعائے خیر بھی ہوتی ہے اور خود امتی کو بھی نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ نماز تقرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور درود پاک نماز کا حصہ بھی ہے۔ چنانچہ چوبیس گھنٹے میں کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوگا جس میں حضور علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ پر کوئی نہ کوئی صلوٰۃ وسلام کا ہدیہ نہ پیش کر رہا ہو۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح ۴) ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔

بعض احادیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان[1] بھی آتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے والوں کو قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل ہوگا۔ بشرطیکہ صحیح عقیدت اور ادب واحترام کے ساتھ پڑھا جائے۔ دو چار دفعہ بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا تو محض ریاکاری معلوم ہوتی ہے اور پھر تعصب کا یہ حال کہ جو اس طریقے سے نہ پڑھے اس پر منکرِ درود کا فتویٰ لگا دینا کس قدر ناانصافی ہے۔ درود پاک تو متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ درود پاک ضرور پڑھو، زیادہ سے زیادہ پڑھو، مگر اس طریقے اور ان الفاظ کے ساتھ جو نبی علیہ السلام نے سکھائے اور صحابہؓ نے ان پر عمل کیا۔ بہر حال نبی پر اور فرشتوں پر بھی سلام بھیجنا درست ہے۔ باقی تمام انبیاء پر بھی درود وسلام بھیجا جائے۔ اور پیغمبر کے ساتھ آپ کی آل اور صحابہؓ کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے یہی طریقہ درست ہے۔ انبیاء کے علاوہ کسی پر براہ راست درود بھیجنا درست نہیں جب صحابہؓ کا ذکر آئے تو رضی اللہ عنہ کہنا چاہیئے اور عام مومنین، صلحا اور بزرگانِ دین کا تذکرہ ہو تو رحمۃ اللہ علیہ کہنا چاہیئے یا غفر اللہ لہٗ کہنا چاہیئے۔

---

[1] درمنثور صـ۲۱۸ ج ۵ (فیاض)

جیسا کہ پہلے عرض کیا درود پڑھنے کا فائدہ خود پڑھنے والے کو ہی ہوتا ہے، بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس کا فائدہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ہوتا ہے۔ اگر ہمارا درود بارگاہِ رب العزت میں شرفِ قبولیت حاصل کرے گا تو حضور علیہ السلام کے درجات مزید بلند ہوں گے۔

بہرحال اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ منافق لوگ تو حضور علیہ السلام کی ذات پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، تم اس کی بجائے اللہ کے نبی پر درود پڑھا کرو۔ خداتعالیٰ خود بھی اپنے نبی پر رحمت نازل فرماتا ہے، فرشتے نزولِ رحمت کی دعائیں کرتے ہیں، لہٰذا تم بھی اللہ کے نبی پر صلوٰۃ و سلام بھیجو یعنی آپ کے لیے نزولِ رحمت کی دعا کیا کرو۔ جہاں تک ادب و احترام کا تعلق ہے تو یہ چیز لفظ تَسْلِیْمًا میں پائی جاتی ہے کہ پوری اطاعت اور جذبہ عزت و احترام کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھو کہ درود پڑھنے کا یہی صحیح طریقہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥٧﴾
وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ
مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا
مُّبِينًا ﴿٥٨﴾ ع

ترجمہ:- بیشک وہ لوگ جو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، اللہ نے اُن پر لعنت بھیجی ہے دنیا اور آخرت میں۔ اور تیار کر رکھا ہے اُن کے لیے ذلت ناک عذاب ﴿٥٧﴾ اور وہ لوگ جو ایذا پہنچاتے ہیں۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر اُن کے کسی گناہ کے۔ پس تحقیق اٹھایا ہے انہوں نے بہتان اور صریح گناہ ﴿٥٨﴾

ربط آیات

گذشتہ درس میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا ذکر تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنے نبی پر خصوصی رحمت فرماتا ہے اور فرشتے اُس کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں، لہٰذا اے ایمان والو! تم بھی اپنے نبی پر درود و سلام کے پھول نچھاور کیا کرو۔ اور اس کام کے لیے نبی کے ادب و احترام اور خلوصِ نیت کو ملحوظ خاطر رکھو۔ اس سے پہلے حضور علیہ السلام کے گھر میں داخلے اور کھانا کھانے کے آداب بیان ہوئے تھے اور ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ اُمتی کا نکاح ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیا گیا، اور نبی علیہ السلام کو قولی، فعلی، ذہنی، جسمانی ہر قسم کی اذیت پہنچانے سے منع کیا گیا۔

اب آج کی آیات بھی اِسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ اِن میں اللہ اور اُس کے رسُول کی ایذاء رسانی پر سخت وعید سنائی گئی ہے۔ پھر دوسرے درجے میں عام مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیف پہنچانے سے منع کیا گیا، اور اس فعل کو صریح گناہ اور زیادتی قرار دیا گیا ہے

اللہ تعالیٰ کو ایذا رسانی

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو قادر مطلق اور طاقت کا سرچشمہ ہے بھلا اُسے کون تکلیف پہنچا سکتا؟ یہاں پر ایذاء رسانی کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اُس کی شانِ رفیع میں کوئی گستاخی کی جائے۔ مثلاً جو شخص کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے کوئی بیٹا بنا لیا ہے یا معاذ اللہ خدا کی بیوی ہے، یا اس کی اولاد ہے یا اُس کا کوئی شریک ہے تو اُس نے گویا اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچائی۔ ایک حدیث[1] میں یوں آتا ہے کہ اللہ نے فرمایا یُؤْذِیْنِیْ اِبْنُ اٰدَمَ آدم کے بیٹے نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، حالانکہ یہ اُس کا حق نہیں تھا۔ اور پھر اس بات کی تشریح اس طرح کی کہ لوگ حالات کو زمانے کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ زمانہ خراب ہے حالانکہ زمانہ تو میرے اختیار اور قبضے میں ہے۔ میں جس طرح چاہوں کروں، اس میں زمانے کا کیا قصور ہے؟ نیز فرمایا کہ انسان مجھے جھٹلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔ اور قیامت برپا نہیں ہوگی، اس طرح لوگ مجھے اذیت پہنچاتے ہیں۔ لوگ میری طرف اولاد کو منسوب کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام کو بیٹا بنا لیا ہے، اور یہ بھی کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اس قسم کی باتیں کرنا خدا کو اذیت پہنچانے کے مترادف ہے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اُس کی ذات وصفات کا انکار کرنا، خدا کی قدرت کا

---

[1] معالم التنزیل ص ۱۸۴ ج ۳ و خازن ص ۲۷۶ ج ۵ (فیاض)

انکار کرنا یا وقوعِ قیامت کو تسلیم نہ کرنا، سب ایذا رسانی کی باتیں ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

نبی کو ایذا رسانی

وَرَسُوْلَهٗ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ رسول کو اذیت پہنچانے کی صورت یہ ہے کہ اس کی رسالت کا انکار کیا جائے آپکے مشن کا انکار کیا جائے آپکی لائی ہوئی کتاب کی تکذیب کی جائے اور آپ کے لائے ہوئے دین اور آپ کی سنت کی مخالفت کی جائے۔ اسی طرح آپ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کرنا ایذا رسانی بلکہ کفر کی بات ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ نے مشرکوں اور کافروں کا حال بیان کیا ہے، کوئی آپ کو شاعر کہتا، کوئی مجنون اور کوئی نعوذ باللہ کذاب کہتا۔ آپ کی صفت میں طعن کیا جاتا۔ اور آپ کے نسب میں طعن کیا جاتا۔ یہ سب ایذا رسانی کی باتیں ہیں۔ بعض یہود و نصاریٰ نے حضور علیہ السلام کی سیرت پاک کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلہ میں چھ لاکھ سے زیادہ کتب اور رسائل شائع کئے ہیں۔ آپکی ازواج پہ اعتراض کیا اور کثرتِ ازواج کو نشانہ بنایا۔ غرضیکہ کفار، مشرکین اور اہلِ کتاب نے ہر طرح سے حضور علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی۔

ایذا رسانی کی سزا

تو یہاں پہ اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اس کے رسول کی ایذا رسانی کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اللہ نے ان پہ دنیا اور آخرت میں پھٹکار بھیجی ہے۔ ایسے لوگ ملعون ہیں، وہ دنیا میں بھی رسوا ہوں گے اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ دنیا میں تو مسلمانوں کی جماعت ان کا مقابلہ کر کے انہیں ذلیل و خوار کریگی، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے، فرمایا وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ○ اللہ نے ان کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے جس میں مبتلا ہو کر ہمیشہ کے لیے ناکام و نامراد ہو جائیں گے۔

عام مومنوں کو ایذا رسانی

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا رسانی کا ذکر کرنے کے بعد عام مومنین کے متعلق بھی فرمایا وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور وہ لوگ جو

مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اور وہ بھی بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا بغیر اُن کے کسی گناہ کے یعنی ناحق۔ ایک مومن کا دوسرے مومن کو تکلیف پہنچانا جبکہ اس کی وجہ بھی کوئی نہ ہو، نہایت ہی بری بات ہے۔ ترمذی شریف کی روایت[1] میں مومن کی تعریف اس طرح کی گئی ہے وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یعنی مومن حقیقت میں وہ ہے کہ لوگ اپنی جانوں اور مالوں میں امن میں ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی مومن کو دوسرے مومن سے کوئی خطرہ نہ ہو کہ وہ اس کی جان یا مال کے درپے ہے۔ مومن کی ایک صفت یہ بھی بیان[2] کی گئی ہے۔ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ مومن وہ ہے، جو اپنی شرارتوں سے اپنے پڑوسی کو ایذا نہیں پہنچاتا۔ اسی طرح مسلمان کی تعریف اس طرح بیان[3] فرمائی مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں مگر آج ان چیزوں پر کون عمل کرتا ہے۔ آج زبان اور ہاتھ ہی ایک دوسرے کی ایذا رسانی کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ عام لوگوں کی بات تو چھوڑیئے۔ خود علماء کا حال یہ ہے کہ سٹیج پر کھڑے ہو کر جب تک ایک دوسرے پر کیچڑ نہ اچھالیں صبر نہیں آتا، الا ماشاء اللہ آجکل اخبارات میں ایک دوسرے کے کارٹون چھپتے ہیں، یہ کس قدر بری بات ہے اور دوسروں کو ایذا پہنچانا ہے۔ عورتوں کے خلاف ناحق طعن و تشنیع ہوتی ہے تہمت، اتہام، گالی گلوچ، غیبت غرضیکہ ہر طریقے سے بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ سب چیزیں مومن مردوں اور عورتوں کے لیے تکلیف کا باعث ہیں، اگر کسی مرد یا عورت نے واقعی کوئی جرم کیا ہے تو اس کی سزا دلائی جائے۔ اور بغیر ثبوت کسی کی از خود تضحیک کرنا اخلاقی گراوٹ کی علامت ہے۔

---

[1] بحوالہ مظہری ص۴۱۷ ج ۷ [2]

[3] بخاری ص۶ ج ۱ و مظہری ص۴۱۷ ج ۷ (فیاض)

اِس کے بعد پردے کے احکام والی آیت چھوڑ کر اللہ نے اس قسم کی ایذا رسانی کے تعزیری قانون کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، اگر کوئی شخص کسی بے گناہ مسلمان کو ستاتا ہے، اس پر تہمت لگاتا ہے اور پھر اُس کو ثابت نہیں کر پاتا تو اُس پر حد قذف جاری ہو گی یا وہ تعزیر کا مستحق بنے گا، چنانچہ ترمذی شریف کی روایت[1] میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو یہودی کہہ کر مخاطب کرتا ہے تو وہ شخص عدالت کی طرف رجوع کر سکتا ہے اور عدالت ایسا الزام لگانے والے آدمی کو بیس کوڑے مارنے کی سزا دے سکتی ہے، فقہ کی کتابوں میں یہ تمام تشریحات موجود ہیں۔ کہ کس قسم کے غلط الفاظ استعمال کرنے سے کوئی شخص تعزیر کا حقدار بن جاتا ہے۔ تو اس مقام پر اُن مومن مردوں اور مومن عورتوں کا ذکر ہو رہا ہے، جن کو بلا وجہ کوئی ایذا پہنچائی جائے

بہتان اور صریح گناہ

فرمایا کسی بے گناہ مرد یا عورت کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانا سخت معیوب ہے۔ یہ تکلیف خواہ گالی گلوچ کے ذریعے پہنچائی جائے یا مار پیٹ یا تہمت لگا کر، ایسا کرنے والوں کے متعلق فرمایا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا انہوں نے بہت بڑا بہتان اٹھایا ہے، جھوٹ باندھا ہے وَاِثْمًا مُّبِيْنًا اور صریح گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اس قسم کے احکام سورۃ نور میں بھی بیان ہوئے جہاں حدِ قذف کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً آیت۔ ۴ میں ہے جو لوگ پاکباز عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر چار عینی گواہ پیش نہیں کر پاتے انہیں اسی ۸۰ کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ تاہم اس مقام پر فرمایا کہ مومن مرد یا عورت کو کسی بھی طریقے سے ایذا پہنچانا صریح گناہ ہے۔

بہرحال پہلے درجے میں اللہ اور اُس کے رسول کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والوں کو ملعون قرار دیا گیا اور دنیا و آخرت کی سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا۔ اور دوسرے درجے میں اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں کی ایذا رسانی کے متعلق فرمایا کہ یہ بہتان اور صریح گناہ ہے۔ اس کا ارتکاب کرنے والے خدا کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ اگر خود مسلمان ہی ان آداب کی پابندی نہیں کریں گے تو اُن کی سوسائٹی پاک

[1] ترمذی ص

(فیاض)

نہیں رہ سکتی۔ اسلامی معاشرے میں ہر ایک کی عزت و آبرو اور مال وجان محفوظ ہونا چاہیئے۔ اگر لوگوں کو ناکردہ گناہوں کی وجہ سے تکلیف پہنچائی جائے تو معاشرے میں امن قائم نہیں ہوسکتا۔

يَاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ
الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ط
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ط وَكَانَ
اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ
الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِى الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ
بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ ج صلے
مَّلْعُوْنِيْنَ ج اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا
تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيْنَ خَلَوْا
مِنْ قَبْلُ ج وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾

ترجمہ:- اے نبی! آپ کہہ دیجئے اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مومنوں کی عورتوں سے کہ وہ نیچے لٹکا لیا کریں اپنی چادریں۔ یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں اور ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا از حد مہربان ہے ﴿۵۹﴾ اگر باز نہیں آئیں گے منافق لوگ اور وہ جن کے دلوں میں روگ ہے، اور جھوٹی خبریں اڑانے والے مدینہ میں تو ہم

آپ کو ابھاریں گے اُن کے خلاف۔ پھر وہ نہ رہیں گے آپ کے پڑوس (مدینہ) میں مگر بہت کم (۶۰) وہ پھٹکارے ہوئے ہوں گے جہاں بھی پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے، اور ان کو بڑے طریقے سے جان سے مارا جائے گا (۶۱) یہ اللہ کا دستور ہے اُن لوگوں میں جو پہلے گزرے ہیں۔ اور نہ پاؤ گے تم اللہ کے دستور میں تبدیلی (۶۲)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں پہلے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و تکریم اور آپ کے گھر کے آداب بیان فرمائے۔ پھر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا مسئلہ بیان ہوا اس کے بعد اللہ اور اس کے رسول کی ایذا رسانی پر وعید سنائی گئی کہ ایسا کرنا دنیا و آخرت میں لعنتی بنتا ہے، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ذلت ناک عذاب کی وعید سناتا ہے۔ پھر فرمایا جس طرح اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچانا بہت بُری بات ہے۔ اسی طرح عام بے گناہ اہلِ ایمان کی ایذا رسانی بھی صریح بہتان اور کھلا گناہ ہے۔ اللہ نے ایسی چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

پردے کا حکم

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات، بیٹیوں اور عام مومن عورتوں کو پردے کا حکم دیا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ اے نبی علیہ السلام! اپنی ازواج مطہرات، بیٹیوں اور اور مومنوں کی عورتوں کو کہہ دیں یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ کہ وہ (باہر نکلتے وقت) اپنی چادریں نیچے لٹکا لیا کریں۔ یعنی کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا پڑے تو باپردہ نکلیں۔ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ یہ بات زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں فَلَا یُؤْذَیْنَ اور ان کو تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ زمانہ جاہلیت میں عام طور پر لونڈیاں بے پردہ باہر آتی جاتی تھیں۔ کیونکہ انہیں اپنے مالکوں کی خدمت کرنا ہوتی تھی، سودا سلف لانا یا کوئی پیغام رسانی کا کام کرنا ہوتا تھا۔ اور پھر اوباش قسم کے لوگ اُن سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے

بھی باز نہیں آتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ لونڈیاں ہیں نہ کہ گھر گرہستی باقاعدہ منکوحہ اور باعزت عورتیں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ جب آزاد عورتیں باہر نکلیں تو باپردہ نکلیں تاکہ پہچانی جاسکیں کہ یہ باعزت عورتیں ہیں اور کوئی بدکن آدمی اُن سے تعرض نہ کر سکے۔ اُن کو تکلیف پہنچانے کا یہی مطلب ہے کہ اُن کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرے، کوئی آواز سے نہ کسے۔

پردے کا تفصیلی حکم تو سورۃ نور میں آچکا ہے تاہم اس مقام پر نبی کے اہلِ خانہ کی عزت و احترام کے طور پر ان کو پردے کا حکم دیا گیا ہے۔ صحیح حدیث[1] میں آتا ہے کہ ازواج مطہرات بالعموم رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے گھروں سے باہر جاتی تھیں کیونکہ اُس زمانے میں گھروں میں تو اس قسم کا انتظام نہیں ہوتا تھا۔ بعض دیگر ضروریات کے لیے بھی گھر سے باہر جانا پڑتا تھا۔ چونکہ اُس وقت منافق قسم کے لوگوں کی طرف سے کسی تعرض کا خطرہ تھا۔ اس لیے حضرت عمرؓ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی ممکنہ بدسلوکی سے بچنے کے لیے ازواج مطہرات کو باپردہ باہر نکلنا چاہیئے۔ چنانچہ ۵ھ میں اللہ نے پردے کے یہ احکام نازل فرما دیے۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے فرمایا[2] اُذِنَ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ تم اپنی حاجتوں کے لیے باہر جاسکتی ہو لیکن پردے کے ساتھ تاکہ کوئی بداخلاقی کا واقعہ پیش نہ آئے۔ تو اس سلسلے میں سب سے پہلے امہات المومنین کو خطاب کیا گیا، پھر نبی علیہ السلام کی بیٹیوں کو اور پھر عام مومن عورتوں کو۔ پردے سے متعلق پہلے اسی سورۃ کے چوتھے رکوع میں گزر چکا ہے۔ کہ ازواج مطہرات گھروں میں رہیں وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ اور جاہلیتِ اولیٰ کی طرح کھلے عام بے پردہ نہ پھریں۔ اس وقت

---

[1] مظہری ص ۴۱۸ ج ۷ و درمنثور ص ۲۲۱ ج ۵

[2] مظہری ص ۴۱۹ ج ۷ و درمنثور ص ۲۲۱ ج ۵

بھی شریف عورتیں جلابیب یعنی بڑی چادریں استعمال کرتی تھیں جس سے سارا جسم ڈھانپ لیا جاتا تھا اور بدن کے نشیب و فراز نظر نہیں آتے تھے۔ برقع بھی اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ بہرحال مقصد پردہ ہے خواہ برقع پہن کر ہو یا بڑی چادر سے لی جائے۔

حضور علیہ السلام کا فرمانِ مبارک[لے] ہے کہ عورت کا سارا جسم ستر ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان لوگوں کو متوجہ کرتا ہے۔ لہٰذا عورتوں کو بھڑکیلا لباس پہن کر باہر جانے سے منع کیا گیا ہے حتیٰ کہ اگر وہ نماز کے لیے بھی جائیں تو سادہ لباس پہن کر نکلیں اور زیور نہ پہنیں، نہ خوشبو لگائیں، ایسی چیزیں فتنے کا باعث بنتی ہیں۔ لہٰذا ان سے منع کیا گیا ہے۔ عورتوں کی پردہ داری کی خاطر ان پر نہ جمعہ فرض کیا گیا ہے اور نہ عید کی نماز واجب ہے۔ عام نمازوں میں بھی اُن کے لیے جماعت کی پابندی نہیں کہ وہ ضرور مسجد میں ہی جا کر نماز ادا کریں۔ اُن کو مسجد میں جانے کی صرف اجازت ہے۔ بشرطیکہ راستہ پرامن ہو اور کسی قسم کا خطرہ نہ ہو۔ تاہم عورتوں کے لیے گھر میں نماز ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔

اس آیت سے شیعہ حضرات کے اُس غلط نظریہ کی بھی تردید ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام کی صرف ایک ہی بیٹی حضرت فاطمہؓ تھی۔ لفظ بَنٰتِكَ جمع کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے کہ حضور علیہ السلام کی متعدد بیٹیاں تھیں۔ حضور علیہ السلام کی چار بیٹیاں تھیں جن کے نام زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ ہیں۔ شیعہ حضرات کی معتبر ترین کتاب اصولِ کافی میں بھی چار بنات کا ذکر صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ لہٰذا جو لوگ آپ کی تین بیٹیوں کا انکار کرتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔

پردے کی حکمت

پردے کا حکم دراصل انسدادِ فواحش کے لوازمات میں سے ہے شریعت نے یہ حکم اس لیے دیا ہے تاکہ برائی کا موقعہ پیدا نہ ہو سکے۔ مثال کے طور پر

لے

شریعت نے شراب کو حرام قرار دیا ہے تو اس کی مبادی یعنی کشید کرنا اور اس کی تجارت بھی حرام قرار دیدی ہے تاکہ شراب نوشی کا موقع ہی پیدا نہ ہو۔ اس طرح شریعت نے نکاح کی ترغیب دی ہے تاکہ برائی کی طرف رغبت نہ ہو اور پردے کا حکم دیا ہے تاکہ بے حیائی کے اسباب کو ہی روک دیا جائے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ جدید تہذیب کے دلدادہ پردے کو عورت کی حق تلفی قرار دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ پردہ مضر صحت اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ عورتوں کو سر عام برہنہ کر دیا گیا ہے۔ اب وہ برقع یا بڑی چادر تو درکنار معمولی دوپٹے کو بھی سر پر لینا بار سمجھتی ہیں اور محض گلے میں لٹکا لینا ہی کافی سمجھتی ہیں۔ اس بے پردگی سے یورپی ممالک کے شریف الطبع انگریز بھی نالاں ہو چکے ہیں۔ اب اخلاق بگڑ رہے ہیں اور نسلیں خراب ہو رہی ہیں۔ پچھلی صدی میں ڈاکٹر اسپنسر بہت بڑا فلاسفر ہوا ہے جس نے جدید تہذیب کے خلاف سخت ریمارکس دیے تھے۔ کہتا ہے کہ یورپ کی پینتالیس کروڑ کی آبادی میں سے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ پینتالیس بچے بھی حلالی ہوں۔ فحاشی کا اس قدر دور دورہ ہے کہ حلال و حرام کی تمیز ہی اٹھ چکی ہے۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے فحاشی سے بچنے کے لیے سخت قانون دیے ہیں جن کی پابندی سے انسانی اخلاق درست رہ سکتے ہیں اور انسانی سوسائٹی پاک رہ سکتی ہے۔ اسی لیے شریعت نے پردے کے احکام نازل فرما کر عورتوں کے غیر محرم مردوں سے میل جول بغیر محرم کے سفر کرنے اور کھیل تماشے پر پابندی عائد کر دی ہے۔ اسلام نے تصویر کشی کو بھی اسی لیے حرام قرار دیا ہے کہ یہ فحاشی کے مبادی میں سے ہے۔ چہ جائیکہ کہ سٹیج پر نیم برہنہ رقص ہو اور مرد و زن کا عام اختلاط ہو۔

بہر حال شریعت مطہرہ نے پردے کے احکام نازل فرما کر مسلمان سوسائٹی کو ہر قسم کی قباحتوں سے پاک رکھنے کا درس دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی کوتاہی ہو جائے یا خامی رہ جائے تو فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا تو اللہ تعالیٰ

بخشنے والا مہربان ہے۔ مطلب یہ کہ اگر پردے کے اہتمام کے باوجود کچھ کوتاہی رہ جائے تو اللہ معاف کر دے گا۔ خدا کے قانون کی پابندی کا جذبہ اور اہتمام ہونا چاہیئے۔ نیت نیک ہے تو اللہ تعالیٰ بلاوجہ کسی کو مطعون نہیں کرنا اور نہ وہ گرفت کرے گا۔

تعزیری قانون

چونکہ خواتین سے چھیڑ چھاڑ کے واقعات منافقین کی وجہ سے پیش آتے رہتے تھے۔ اس لیے اگلی آیت میں اللہ نے اس قباحت کے لیے تعزیری قانون بھی بیان فرما دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ اگر منافق لوگ ان شرارتوں سے باز نہیں آئیں گے۔ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اور وہ لوگ بھی جن کے دلوں میں شہوانی بیماری ہے وَالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ اور شہر میں جھوٹی خبریں پھیلانے والے لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ تو ہم آپ کو ان کے خلاف ابھاریں گے۔ یعنی ایسے لوگوں پر آپ کو غالب کر دیں گے۔ آپ ان پر تعزیر لگائیں۔ یا تو وہ شریف شہری بن کر رہیں گے یا پھر مدینہ سے چلے جائیں گے، امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ یہ تعزیری قانون کی طرف اشارہ ہے۔ بعض جرائم کی حدود تو اللہ نے مقرر کر دی ہیں کہ اس سے کم یا زیادہ سزا نہیں دی جا سکتی مگر تعزیری قانون میں سزا کی حد بندی نہیں کی گئی، بلکہ اسے حاکم وقت کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جرم کی نوعیت کے پیش نظر کم و بیش سزا دے۔ تعزیرات میں معمولی سزا سے لے کر جرم کے مطابق سزائے موت تک کی سزا دی جا سکتی ہے۔ قاضی مجرم کو قید کی سزا دے سکتا ہے یا ملک بدر کرنے کے احکام جاری کر سکتا ہے یا مجرم کو کوڑے لگوا سکتا ہے۔ یہاں پر مُرْجِفُوْنَ کا لفظ خاص طور پر توجہ طلب ہے۔ قوم کی پست حوصلگی کے لیے زمانۂ امن و جنگ میں جھوٹی خبریں یعنی افواہیں پھیلانا دشمن کا ہمیشہ سے حربہ رہا ہے۔ یہاں پر چونکہ پردے کے احکام بیان ہو رہے ہیں تو اس مقام پر مرجفون

لہ احکام القرآن للجصاص جلد ۳ صفحہ ۴۵۸ (فیاض)

سے مراد بے حیائی اور فحاشی کی جھوٹی خبریں پھیلانا بھی ہو سکتا ہے۔ جس سے سوسائٹی میں انتشار پھیلانا مقصود ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جھوٹی خبریں پھیلانے والوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، اور اگر کوئی ایسا شخص گرفت میں آجائے تو پھر قاضی اپنی صوابدید کے مطابق اُسے زیادہ سے زیادہ سزا بھی دے سکتا ہے۔

پھر جب ایسے بد طینت لوگوں کا محاسبہ ہوگا تو فرمایا ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا تو وہ آپ کے پڑوس یعنی شہر مدینہ میں نہیں رہ سکیں گے۔ مگر بہت کم دنوں تک۔ اس قسم کے بد اخلاق لوگ خود بخود شہر سے بھاگ جائیں گے۔ اور سوسائٹی پاک ہو جائے گی۔ فرمایا مَلْعُونِينَ یہ لعنتی لوگ ہیں، ان پر پھٹکار پڑے گی۔ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا پھر جہاں بھی یہ پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے۔ یہ شہر میں چھپ چھپا کر اپنی قبیح حرکات جاری نہیں رکھ سکیں گے بلکہ قانون کی گرفت میں آئیں گے وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا اور سخت طریقے سے مارے جائیں گے، ایسے لوگ تعزیری لحاظ سے واجب القتل ہیں اور ان کے ساتھ نہایت سختی سے نپٹا جائے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ تعزیری طور پر ان کے سر قلم کیے جا سکتے ہیں۔ جو لوگ معاشرے میں فحاشی، بے حیائی اور بد اخلاقی پھیلانے کے مرتکب ہوتے ہیں، وہ کسی ہمدردی کے لائق نہیں، انہیں سخت ترین سزا ملنی چاہیئے۔

اللہ کا اٹل دستور

ارشاد ہوتا ہے سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ اللہ کا یہ دستور پہلے لوگوں یعنی سابقہ امتوں میں بھی بدستور جاری رہا ہے۔ پہلی شریعتوں میں بھی بخنڈے بد معاش قسم کے لوگوں کی سرکوبی کے لیے قوانین موجود تھے۔ اب آخری شریعت میں بھی اللہ نے یہی قانون رکھا ہے لوگوں

لے

کی عزت و ناموس کی حفاظت ضروری ہے، لہذا حکومتِ وقت کو اس کا مناسب انتظام کرنا چاہیئے، صدر، وزیر اور مشیر بن کر محض دولت جمع کرنا مطمع نظر نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ کارپردازانِ حکومت کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کے مذہب اخلاق عزت کاروبار کی حفاظت کرے، حکومت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر فرد کے لیے روزگار کے مواقع فراہم کرے تاکہ لوگ گلیوں بازاروں میں بیٹھ کر برائی کی طرف مائل نہ ہوں بلکہ سب اپنے اپنے کام میں مصروف رہیں۔ فرمایا اللہ کا یہ قانون ابتدا سے جاری ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا اور تم اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ اس قسم کے قوانین تورات میں بھی موجود تھے اور قرآن میں بھی ہیں، ان پر عمل درآمد کرنا حکومتِ وقت کے فرائض میں شامل ہے۔

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا
عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ
قَرِيْبًا ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ
سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ
وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ
فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا
الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا
وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ
ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا
كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾ ع ٨ ١٠ ٥

ترجمہ :- لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں قیامت کے
بارے میں ۔ آپ کہہ دیجئے، بیشک اس کا علم اللہ کے
پاس ہے ۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب
ہی ہو ﴿٦٣﴾ بیشک اللہ تعالیٰ نے پھٹکار کی ہے کافروں
پر اور تیار کی ہے اُن کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ ﴿٦٤﴾
ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں ۔ نہ پائیں گے کوئی
حمائتی اور نہ مددگار ﴿٦٥﴾ جس دن کہ پلٹے جائیں گے اُن

کے چہرے دوزخ کی آگ میں، تو کہیں گے، اے افسوس ہمارے لیے کہ ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ کی اور اطاعت کی ہوتی رسول کی (٦٦) اور وہ کہیں گے، اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی تو انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا سیدھے راستے سے (٦٧) اے ہمارے پروردگار! اُن کو دگنا عذاب دے۔ اور اُن پر لعنت کر بہت بڑی لعنت (٦٨)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کے گھر کے آداب اور ازواج مطہرات کے بارے میں احکام بیان فرمائے۔ پھر پیغمبر علیہ السلام پر درود و سلام پڑھنے کا مسئلہ بیان کیا۔ اس کے بعد اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچانے والوں کو ملعون ٹھہرایا۔ اور انہیں عذاب کا مستحق قرار دیا۔ اسی طرح ایمان دار مردوں اور عورتوں کو تکلیف پہنچانے والوں کی مذمت بیان فرمائی کہ ایسے لوگ بہتان طرازی کرتے ہیں اور بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ پھر اللہ نے ازواج مطہرات، حضور علیہ السلام کی بیٹیوں اور عام مومنہ عورتوں کے لیے پردے کا حکم دیا۔ اور غنڈہ گردی کرنے والے منافق قسم کے لوگوں کو تنبیہ کی گئی کہ اگر وہ شرارتوں سے باز نہ آئے تو اُن پر تعزیر لگائی جائے گی، وہ ملعون ہوں گے اور اُن کو بُرے طریقے سے قتل کیا جائے گا۔ فرمایا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ پرانا دستور ہے جو سابقہ انبیاء کے زمانے سے چلا آرہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے دستور کو تبدیل نہیں کرتا۔

وقوع قیامت کا علم

بعض منافق لوگ قیامت پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے اور اس نظریے کا تمسخر اڑاتے تھے۔ اللہ نے اُن کی اس قبیح حرکت کے متعلق فرمایا یَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ اے پیغمبر! لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی۔ یہ لوگ تو قیامت کا

انکار کرتے تھے مگر جب اللہ کے پیغمبر اُن کو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈراتے تو پھر استہزائیہ پوچھتے اچھا بتائیے قیامت کب آئے گی؟ اُس کے جواب میں اللہ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ ان سے کہہ دیں اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وقوعِ قیامت کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے جو اُس نے کسی کو نہیں بتایا، ایک روایت[1] میں آتا ہے اَمَّا وَجَبْتَهَا فَلَا يَعْلَمُهَا اِلَّا اللّٰهُ یعنی عینِ وقوعِ قیامت کی گھڑی کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ یہ علم اُس نے نہ کسی نبی مرسل کو دیا ہے اور نہ ملک مقرب کو۔ البتہ قیامت سے پہلے پیش آنے والے بعض واقعات کا ذکر ضرور کیا ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان[2] ہے اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ یعنی میں اور قیامت اس طرح آگے پیچھے آنے والے ہیں جس طرح یہ دو انگلیاں۔ آپ نے دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جس طرح دو انگلیاں متصل ہیں اسی طرح قیامت بھی بالکل قریب ہے، اب میرے بعد نہ کوئی نبی آئیگا اور نہ کوئی نئی شریعت، بلکہ اب تو قیامت ہی آنے والی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصدیق کی ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر-۱) قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا

شاہ عبدالقادرؒ فرماتے[3] ہیں کہ منافقوں نے یہ سوال محض ہٹ دھرمی کی بنا پر کیا ہوگا۔ جس چیز کا جواب دُنیا میں کسی کے پاس نہیں ہے اُس کا بار بار سوال کرنا بے معنی بات ہے۔ ہاں! اگر کسی سادہ لوح آدمی نے محض علم حاصل کرنے کے لیے ایسا سوال کیا تو حضور علیہ السلام نے اُسے دوسرے طریقے سے سمجھایا۔ جیسے ایک دیہاتی نے عرض کیا تھا حضور! یہ بتائیے مَتَى السَّاعَةُ

۱ے
۲ے قرطبی ص۲۴۸ ج ۱۴ ۳ے موضح القرآن ص۵۱۱
۴ے

(فیاض)

کہ قیامت کب آئے گی ؟ تو آپ نے جواباً فرمایا مَا اَعْدَدْتَ لَھَا بھلا یہ تو بتاؤ کہ تم نے قیامت کے لیے تیار کیا کر رکھا ہے، جو ایسا سوال کرتے ہو۔ مطلب یہ کہ تم نے کون سے نیک اعمال کیے ہیں جن کے صلہ کے لیے قیامت کے منتظر ہو ؟ اُس شخص نے عرض کیا، حضور ! میں نے کوئی زیادہ نمازیں نہیں پڑھیں، نہ زیادہ روزے رکھے ہیں اور نہ کوئی زیادہ نیکی کے کام کیے ہیں، البتہ میں اللہ اور رسول کے ساتھ محبت ضرور رکھتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا[1] اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ تم آخرت میں انہی کے ساتھ ہو گے، جن کے ساتھ تمھیں محبت ہے، گویا آپ نے اُس شخص کو جنت کی بشارت بھی دے دی۔

اس کے برخلاف جو لوگ طعن و تشنیع کے طور پر ایسے سوال کرتے تھے، اللہ نے ان کے رد میں فرمایا وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا آپ کو کیا معلوم شاید کہ قیامت قریب ہی ہو۔ ایک تو قیامت کبریٰ ہے جو پوری کائنات پر یکبارگی وارد ہو گی جب صور اسرافیل پھونکا جائے گا۔ اور اس کے متعلق بھی فرمایا کہ یہ قریب ہی ہے۔ البتہ ایک قیامتِ صغریٰ بھی ہے جو ہمارے سامنے ہر شخص پہ وارد ہو جاتی ہے اور وہ ہر شخص کی انفرادی موت ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے[2] مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ جس کو موت آگئی اُس کے لیے تو قیامت واقع ہو گئی۔ قیامت سے مراد جزائے عمل ہے اور یہ ہر شخص کے لیے عالم برزخ میں ہی شروع ہو جاتی ہے، جب کسی شخص کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو فوراً قبر کے سوال جواب شروع ہو جاتے ہیں اور پھر اس اولین امتحان کے نتیجے میں یا تو راحت پہنچنا شروع ہو جاتی ہے یا انسان تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تو اس لحاظ سے قیامت تو برپا ہو گئی، لہٰذا اس کے متعلق الٹ پلٹ سوالات کرنا بے معنی ہے

---

[1] ـــ

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۳۴/۱۰ بحوالہ دیلمی عن انسؓ مرفوعاً (فیاض)

اس کی بجائے انسان کو اپنی دوسری زندگی کے لیے تیاری کرنا چاہیئے تاکہ وہ اُس زندگی میں عذاب الٰہی سے بچ جائے۔

اس آیت کریمہ میں مَا یُدْرِیْكَ کے الفاظ ہیں جس کا معنیٰ ہے کہ آپ کو کس نے بتلایا بعض مقامات پر اسی کے ہم معنی الفاظ مَآ اَدْرٰىكَ بھی آتے ہیں جیسے سورۃ القدر میں ہے وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ اور آپ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا چیز ہے؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس چیز کے متعلق یُدْرِیْكَ آتا ہے، وہاں مذکورہ چیز کو ظاہر نہیں کیا جاتا اور جہاں اَدْرٰىكَ استعمال ہوتا ہے وہاں بات کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ امام سفیان ابن عیینہؒ جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور امام شافعیؒ کے استاد ہیں، وہ بھی مذکورہ حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ نے قیامت کے ساتھ یُدْرِیْكَ کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس کی تفصیلات نہیں بتائیں مگر لیلۃ القدر کے لیے اَدْرٰىكَ استعمال کیا ہے تو آگے کچھ تفصیل بھی بتائی ہے کہ لیلۃ القدر ایک ہزار مہینے سے بہتر ہے اور اس میں روح الامین اور فرشتے نازل ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

کفار پہ لعنت

آگے ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پہ پھٹکار بھیجی ہے، لعنت کا معنیٰ ہے رحمت سے بعید کر دینا سورۃ بقرہ میں ہے، جو لوگ کفر کی حالت میں مر گئے اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (آیت ۔ ۱۶۱) ان پہ اللہ، اُس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اس مقام پر فرمایا ہے وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِیْرًا اُن کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے سعیر جہنم کے ناموں میں ایک نام بھی ہے۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ یہ لوگ دنیا میں کفر اور شرک میں مبتلا رہے اور اسی پروگرام کو غالب کرنے کی کوشش کرتے رہے، ایمان اور توحید کی مخالفت

کرتے رہے، انبیاء کا مقابلہ کیا، اُن پر بیہودہ اعتراضات کیے، دین کا تمسخر اڑایا اور وقوع قیامت کا انکار کیا، لہٰذا اب یہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيرًا اور پھر کوئی حمایتی اور مددگار بھی نہیں پائیں گے جو اُس اڑے وقت میں اُن کی مدد کو پہنچے۔

افسوس کا اظہار

فرمایا يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ جس دن اُن کے چہرے دوزخ کی آگ میں اوندھے منہ ڈالے جائیں گے۔ تقلیب کا لفظی معنیٰ تو پلٹنا ہوتا ہے۔ تاہم حدیث میں اوندھے منہ گرائے جانے کا ذکر بھی آتا ہے۔ اُس وقت وہ لوگ سخت افسوس کا اظہار کریں گے اور يَقُولُونَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا کہیں گے کاش کہ ہم نے اللہ اور اُس کے رسُول کی اطاعت کی ہوتی تو کیا اچھا ہوتا اور آج ہم اس سزا میں گرفتار نہ ہوتے، اس وقت تأسف کریں گے کہ ہم نے دُنیا کی زندگی کو یونہی برباد کر دیا اور آخرت کے لیے کچھ سامان نہ کیا۔ اگر ہم نے اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانا ہوتا تو آج یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا، مگر اس دن اُن کا افسوس کسی کام نہ آئے گا اور انہیں عذابِ الٰہی کا مزا چکھنا پڑے گا۔

پیشواؤں کے خلاف شکایت

اس کے ساتھ ساتھ مجرم لوگ یہ بھی کہیں گے وَقَالُوا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی۔ دنیا میں ان کے کہنے پر چلتے رہے فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا پس انہوں نے ہمیں صراطِ مستقیم سے بہکا کر غلط راستے پر ڈال دیا۔ سردار اور بڑے حکومت کے آدمی بھی ہو سکتے ہیں اور مذہبی پیشوا بھی جو قوم کی صحیح راہنمائی نہیں کرتے۔ وہ اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے لوگوں سے من مانی کرواتے رہتے ہیں۔ اور ایمان و توحید کی بجائے کفر اور شرک کا درس دیتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کرنے والے اور اُن کی تکذیب کرنے والے اکثر بڑے لوگ ہی ہوتے ہیں، دولت مند، ملوک، سردار، چوہدری اور سرمایہ دار لوگ، لوگوں کو سبز باغ دکھا کر اپنے پیچھے لگا لیتے ہیں اور پھر نہ صرف اُن کی دُنیا بلکہ عاقبت بھی خراب کر دیتے ہیں۔ اس دن لوگ اپنے بڑوں اور پیشواؤں کی شکایت کریں گے، مگر اس کا کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے تمہیں انسان بنایا تھا، عقل فہم اور شعور عطا کیا تھا مگر تم بغیر سوچے سمجھے لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں کے پیچھے چلتے رہے۔ وہ تمہیں عیاشی اور فحاشی کا سبق دیتے رہے، شرکیہ اور بدعتیہ امور کا ارتکاب کراتے رہے۔ مشرک مولوی لوگوں سے جھنڈے بازی اور قمقمے بازی پر ہی مال خرچ کراتے رہے اور عوام کو بیوقوف بناتے رہے۔ اُس دن افسوس کا اظہار کریں گے کہ ہم نے ان لیڈروں کو ووٹ دے کر ممبر بنایا۔ مگر انہوں نے ہمیں غیر اسلامی نظام دے کر برباد کر دیا۔ ہم نے پیر، مولوی اور بزرگ سمجھ کر اپنا ایمان تک اُن کے ہاتھ میں دے دیا مگر انہوں نے ہمیں جہنم کے راستے پر ڈال دیا۔ اُس دن لوگ اپنے پیشواؤں کو خطاب کر کے کہیں گے اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ (الصّٰفّٰت - ۲۸) تم ہمارے دائیں بائیں سے آکر ہمیں سبز باغ دکھاتے تھے، وہ آگے سے جواب دیں گے کہ تم خود اُس وقت سوچتے کہ تم کدھر جا رہے ہو۔ تم آنکھیں بند کر کے ہمارے پیچھے چلتے رہے، لہٰذا اس گمراہی کے تم خود ذمہ دار ہو۔

جب مجرم لوگ نا اُمید ہو جائیں گے تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کریں گے رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ اے ہمارے پروردگار ان پیشواؤں کو دگنا عذاب دے کیونکہ یہ خود بھی گمراہ تھے اور ہمیں بھی گمراہ کرتے رہے وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا اور ان پر بڑی لعنت بھیج۔ مگر اللہ فرمائے گا۔ کہ تم سب تابع اور متبوع پر ڈبل عذاب ہوگا کیونکہ جس طرح انہوں نے تمہیں گمراہ کیا تھا، اسی طرح تم نے بھی آگے لوگوں کو گمراہ کیا۔ لہٰذا ایک سزا تمہیں گمراہ ہونے کی ملے گی اور دوسری سزا دوسروں کو گمراہ کرنے کی ملے گی۔ اس طرح جاہل پیر اور مرید دوہری سزا میں مبتلا کیے جائیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا
مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ
عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ
لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَ
مَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا
عَظِيمًا ﴿٧١﴾

ترجمہ:- اے ایمان والو! نہ ہو تم اُن لوگوں کی طرح جنہوں
نے ستایا موسیٰ علیہ السلام کو۔ اللہ نے اُن کو بری قرار دیا
اُس چیز سے جو انہوں نے کہی تھی۔ اور موسیٰ علیہ السلام اللہ
کے نزدیک بڑی عزت والے تھے ﴿٦٩﴾ اے ایمان والو!
ڈرو اللہ سے اور کہو بات سیدھی ﴿٧٠﴾ وہ درست
کر دے گا تمہارے لیے تمہارے اعمال اور بخش دے گا
تمہارے لیے تمہارے گناہ۔ اور جو شخص اطاعت کرے گا
اللہ اور اُس کے رسول کی۔ پس بیشک وہ کامیاب
ہو گیا بڑی کامیابی سے ﴿٧١﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی ایذا رسانی سے منع فرمایا تھا اور بتایا کہ ایسا کرنے والے لعنتی ہیں۔ اسی طرح کسی عام مومن مرد یا عورت کو تکلیف پہنچانا

بھی ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے۔ پھر اللہ نے اہلِ ایمان کو خبردار کیا کہ وہ منافقوں مشرکوں اور یہود و نصاریٰ کی طرح اللہ کے نبی کے متعلق کوئی ایسی بات زبان پر نہ لائیں جو آپ کے لیے اذیت کا باعث ہو۔ اگر کوئی مومن ایسا کرے گا تو اس کے ایمان میں خلل واقع ہو جائے گا لہٰذا ایسی بات سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

موسیٰ علیہ السلام کو ایذا رسانی

اب اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے اور مومنوں کو خبردار کیا ہے کہ تم بھی موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح اپنے پیغمبر کی ایذا رسانی کا باعث نہ بنا۔ جن لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ستایا وہ بھی ملعون ٹھہرے اور مستحق عذاب ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی اے ایمان والو! تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ستایا۔ اُن پر طعن و تشنیع کی اور طرح طرح کے عیب لگائے فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو بَری کر دیا ان باتوں سے جو وہ لوگ کہتے تھے۔ وَکَانَ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْھًا اور موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے نزدیک بڑی وجاہت والے یعنی باعزت تھے۔ آپ اللہ کے عظیم الشان رسُول اور صاحبِ کتاب نبی تھے، اور اس کے ساتھ اللہ نے آپ کو خلافت بھی بخشی۔

حضور علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں کسی قدر مماثلت پائی جاتی ہے کہ اِن کی قوموں نے اپنے جلیل القدر رسولوں کو کس طرح ستایا اور ذہنی کوفت پہنچائی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دیکھا، کہ ایک شخص حضور علیہ السلام سے کہہ رہا ہے یا محمد اعدل۔ اے محمدؐ! انصاف کرو۔ مالِ غنیمت تقسیم ہو رہا تھا تو اُس شخص نے اعتراض کیا کہ مال کی تقسیم صحیح طریقے سے نہیں ہو رہی ہے۔ یہ سُن کر حضور علیہ السلام کو سخت پریشانی ہوئی۔ غصے سے آپ کا چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا رَحِمَ اللّٰہُ مُوْسٰی لَقَدْ

لہ ابن کثیر ص۵۲۱ ج۳ و قرطبی ص۲۵۰ ج۱۴ و مظہری ص۴۲۳ ج۷ (فیاض)

اُوْذِیَ بِاَکْثَرَ مِنْ ھٰذَا فَصَبَرَ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچائی گئی مگر انہوں نے صبر کیا۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ میں بھی اس ایذاء رسانی پر صبر کا مظاہرہ ہی کروں گا۔ بہرحال حضور علیہ السلام نے اُس معترض کو جواب دیا لَقَدْ خِبْتَ فَاِنْ لَمْ اَعْدِلْ فَمَنْ یَّعْدِلُ ـــــــ اے شخص! تو یہ بات کر کے ناکام ہوگیا۔ اگر میں بھی انصاف نہیں کروں گا تو پھر اور کون انصاف کے تقاضے پورے کرے گا؟ آپ نے مزید فرمایا کہ آسمان والے تو مجھے امین سمجھتے ہیں اور تم مجھے بددیانت سمجھ رہے ہو، بڑے افسوس کا مقام ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے پیروکاروں میں سے ایسے لوگ نکلیں گے جو دین سے اس طرح خارج ہو جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے۔ تو فرمایا تم اپنے نبی کو ایسی اذیت نہ پہنچانا جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی گئی۔

جہاد سے گریز

موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء رسانی کی ایک مثال سورۃ المائدہ میں موجود ہے۔ آپ نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے وطن شام و فلسطین کو آزاد کرانے کے لیے وہاں پر آباد کافر لوگوں کے ساتھ جہاد کرو، اللہ تمہیں فتح عطا کریگا مگر قوم کہنے لگی کہ اے موسیٰ! اِنَّ فِیْھَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ (آیت-۲۲) وہاں پر تو بڑے سخت قسم کے لوگ ہیں، ہم اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے فَاذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا ھٰھُنَا قٰعِدُوْنَ (آیت-۲۴) لہٰذا تم اور تمہارا خدا دونوں جا کر اُس قوم سے جنگ کرو، ہم تو یہیں بیٹھیں گے، اس صاف انکار سے موسیٰ علیہ السلام کو سخت کوفت ہوئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا، مولا کریم! اس ناہنجار قوم پر میرا بس نہیں چلتا، میں تو صرف اپنے بھائی کو ہی کہہ سکتا ہوں، لہٰذا تو ہمارے اور اس فاسق قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔ اللہ نے فرمایا، اچھا!

یہ سرزمینِ شام و فلسطین ان لوگوں پر حرام کر دی گئی ہے۔ اب یہ چالیس سال تک سرگرداں پھرتے رہیں گے اس عرصہ میں اس نسل کے اکثر لوگ ختم ہو جائیں گے تو یہ سرزمین اگلی نسل کو منتقل کریں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا مطلب یہ کہ قوم نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچائی اور خود بھی خدا کی طرف سے معتوب ہوئے۔

جسمانی عیب کا شاخسانہ

صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نہایت حیادار آدمی تھے۔ جب آپ غسل فرماتے تو سخت پردے کی حالت میں تاکہ کسی شخص کی نظر آپ کے برہنہ جسم پر نہ پڑے۔ اس سے مخالفین نے یہ پراپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ آپ کا جسم عیب دار ہے جس کی وجہ سے یہ اپنے جسم کے کسی حصہ کو ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ بعض کہتے کہ آپ کو اُدرہ کی بیماری ہے جس سے جسم کے فوطے پھول جاتے ہیں۔ یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے لیے تکلیف دِہ بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اتہام سے بری قرار دینے کے لیے یہ سبب پیدا کیا کہ ایک دفعہ آپ نے پتھروں کے درمیان تنہائی میں غسل کرنے کے لیے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیے۔ اتنے میں اللہ کا حکم ہوا تو پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ بھی اُس کے پیچھے پیچھے دوڑے حتیٰ کہ وہ پتھر لوگوں کی مجلس کے قریب جا کر رک گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے کپڑے لینے کے لیے برہنگی کی حالت میں ہی وہاں پہنچ گئے، جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ آپ کا جسم بالکل بے داغ ہے، اور اس طرح اللہ نے آپ کو اس اتہام سے چھٹکارا دلایا۔

بدکاری کا الزام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات[1] میں آتا ہے کہ جب آپ نے اپنی قوم کے صاحبِ حیثیت لوگوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کہا تو وہ بگڑ گئے۔ ان میں قارون سب سے پیش پیش تھا جس کے پاس بے شمار دولت تھی اور اُس کی زکوٰۃ

---

[1] بحوالہ ابن کثیر صفحہ ۵۲۰ ج ۳ ومعالم التنزیل صفحہ ۱۸۵ ج ۳ ومظہری صفحہ ۴۳۱ ج ۷ (فیاض)

ص ۲

کی مقدار کبھی اچھی خاصی بنتی تھی۔ اُس شخص نے موسیٰ علیہ السلام کو بدنام کرنے کا ایک منصوبہ بنایا اور اس کام کے لیے ایک فاحشہ عورت کو لالچ دے کر اپنا آلہ کار بنایا۔ ایک موقع پر موسیٰ علیہ السلام مجمع کے سامنے بدکاری کی مذمت بیان کر رہے تھے تو اس فاحشہ عورت نے سرِعام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگایا کہ انہوں نے میرے ساتھ بدکاری کی ہے لہٰذا بدکاری کی سزا سب سے پہلے اِن کو ملنی چاہیئے۔ اس اتہام سے موسیٰ علیہ السلام کو سخت ذہنی اذیت پہنچی۔ تاہم آپ نے لوگوں کے سامنے اُس عورت کو قسم دلائی کہ اُس وحدہٗ لاشریک کی قسم اٹھا کر بات کرنا جس نے سمندر کو پھاڑ کر اسرائیلیوں کو پار کر دیا اور فرعونیوں کو اُسی سمندر میں غرق کر دیا اور جس خداوند تعالیٰ نے تورات جیسی عظیم الشان کتاب نازل فرمائی، اُس خدا کی قسم اٹھا کر بتاؤ کہ کیا تمہارا الزام درست ہے وہ عورت مرعوب ہو گئی، اور اُس نے اقرار کیا کہ اُسے قارون نے پیسے دے کر یہ الزام لگانے پر آمادہ کیا تھا، پھر موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں قارون کے حق میں بد دعا کی تو اللہ نے اُس سے سخت انتقام لیا۔ سورۃ القصص میں ہے فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ (آیت ۸۱) ہم نے اُس کو خزانوں سمیت اور اُس کی رہائش گاہ کو بھی زمین میں دھنسا دیا۔ بہرحال موسیٰ علیہ السلام پر طرح طرح کے الزامات لگا کر آپ کو اذیت پہنچائی گئی مگر اللہ نے آپ کو ہر اتہام سے بری کیا۔

اہل ایمان کو تلقین

تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تنبیہہ کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح تم بھی اپنے نبی کی شان میں کوئی گستاخی نہ کر بیٹھنا کہ آپ کو تکلیف پہنچے آپ کی ذات پر بھی لوگ طرح طرح کے اعتراض کرتے تھے۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ منافقوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آپ نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا۔ بعض آپ پر تعدد ازواج کی وجہ سے عیاشی کا الزام لگاتے تھے جس سے آپ کو سخت اذیت پہنچتی تھی۔ سورۃ البقرہ میں ہے کہ یہودی لوگ آپ کے لیے رَاعِنَا کے لفظ کو بگاڑ کر راعینا کہہ کر پکارتے تھے جس کا معنیٰ چرواہا ہوتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ

نے حکم دے دیا کہ آپ کی ذاتِ مبارکہ کے لیے یہ لفظ سرے سے استعمال ہی نہ کیا کرو وَلَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا بلکہ اس کی بجائے اُنْظُرْنَا کا لفظ استعمال کیا کرو تاکہ کسی بگاڑ کا احتمال ہی باقی نہ ہے۔ اس سورۃ کی ابتدا میں بھی اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام، آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کے گھر کے آداب بیان کیے ہیں تاکہ آپکی شانِ اقدس میں کسی ممکنہ کمی کے تمام دروازے بند ہو جائیں اور آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچائی مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہر اتہام سے پاک قرار دیا۔

قولِ سدید کی ترغیب

آگے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے ایک اور قانون بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا اور ہمیشہ سیدھی بات کہو۔ ظاہر ہے کہ اگر سیدھی اور سچی بات کرو گے تو اس میں اذیت کا کوئی امکان نہیں ہوگا، اور اگر اُلٹی پُلٹی باتیں کرو گے تو نبی کو تکلیف پہنچنے کا احتمال ہوگا۔ مفسر عکرمہؓ سے[1] منقول ہے کہ قولِ سدید سے مراد کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ قولِ سدید ہر سچی بات کا نام ہے، ہر بات واقعہ کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اپنی زبان سے کوئی غلط، غلیظ اور جھوٹی بات مت نکالو۔ شرک کی بات، گالی گلوچ، کفر، نفاق وغیرہ قولِ سدید کے منافی ہیں، لہٰذا ایسی کوئی بات نہیں ہونی چاہیئے حضور علیہ السلام نے زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کا خاص طور پر حکم دیا ہے۔ گناہ اور بے احتیاطی کی باتوں سے منع فرمایا ہے، غرضیکہ فرمایا کہ ہمیشہ سیدھی بات کرو

سچائی کا فائدہ

فرمایا اگر تم زبان کی حفاظت کرو گے تو اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ یُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو سنوار دے گا۔ درست

---

[1] ابن کثیر ص۵۲۱ ج۳ و معالم التنزیل ص۱۸۵ ج۳ و قرطبی ص۲۵۳ ج۱۴ (فیاض)

کر دے گا۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا
شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں[1] کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دنیوی اور اُخروی
سارے کام درست ہوں گے۔ آخرت میں انسان کے اعمال اللہ کے ہاں مقبول
ہو کر اُس کی نجات کا ذریعہ بنیں گے اور وہ رحمت کے مقام میں پہنچیں گے۔ اور
دنیا میں اُس کے حالات درست رہیں گے، ہمیشہ سچائی کا ہی بول بالا ہوتا ہے۔
کوئی شخص تاجر ہے، ملازم ہے، کارخانہ دار ہے یا مزدور ہے، وہ جس مقام پہ
بھی ہے۔ اگر درست بات کرتا ہے اور اپنی زبان سے کوئی غلط بات نہیں کرتا
تو دنیا میں بھی اُس کی حوصلہ افزائی ہوگی، لوگوں میں عزت بڑھے گی اور لوگ اس پہ
اعتماد کرنے لگیں گے۔ اور پھر ساتھ اللہ نے گناہوں کی معافی کا ذمہ بھی لے
لیا ہے۔ جب انسان خود اپنے اعمال اور زبان کو درست رکھے گا تو اللہ تعالیٰ
اس کی چھوٹی موٹی کوتاہیوں کو خود ہی معاف کرتا رہے گا۔ اور اس طرح وہ کامیابی کی
منزل تک پہنچ جائے گا۔

اطاعت کا اصول

آگے اللہ نے ایک اصولی بات بھی بتا دی ہے وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
جو شخص اللہ اور اُس کے رسُول کی اطاعت کرے گا۔ اور اس کے احکام کی تعمیل کرے
گا۔ زبان کی سچائی اور اعمال کی درستگی بھی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تحت
ہی ہوگی۔ لہٰذا فرمایا فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ایسے شخص کو یقیناً کامیابی حاصل
ہوگی، کامیابی کا مدار اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت پر ہے جس نے اس کو
اختیار کر لیا۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ کامیاب ہوگا۔ اُس کی دُنیوی
زندگی بھی پاکیزہ ہو گی اور آخرت میں تو یقیناً نجات حاصل ہو جائے گی جو ہمیشہ ہمیشہ
کے لیے کامیابی ہے۔ اللہ کی رحمت کے مقام پر پہنچنے سے بڑی کوئی کامیابی نہیں
جو اللہ اور اُس کے رسول کے اطاعت گزاروں کو حاصل ہوگی۔

---

[1] موضح القرآن صـ (فیاض)

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا
جَهُوْلًا ۝٧٢ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ
وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ۝٧٣ ع ۹ ۵ ۶

ترجمہ :۔ بیشک ہم نے پیش کی امانت آسمانوں ، زمین اور پہاڑوں پر ۔ پس انکار کیا انہوں نے کہ اٹھائیں اس کو اور اُس سے ڈر گئے ۔ اور اُٹھا لیا اُس کو انسان نے ۔ بیشک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے ﴿۷۲﴾ تاکہ سزا دے اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو ، اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو ، اور اللہ تعالیٰ رجوع فرمائے (مہربانی کے ساتھ) مومن مردوں اور مومن عورتوں پر ۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور نہایت مہربان ہے ﴿۷۳﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اُس کے رسول اور عام مومنوں کو ایذا پہنچانے سے منع فرمایا ۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال دے کر سمجھایا

کہ اُن کو بھی لوگوں نے طرح طرح کے الزامات عائد کر کے تکلیف پہنچائی مگر اللہ نے آپ کو تمام الزامات سے پاک کیا۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نزدیک بڑے باعزت تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔ اور ہمیشہ سیدھی اور سچی بات کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو درست فرمادیگا اور اُن کی غلطیوں کو معاف کر دے گا۔ پھر اللہ نے حتمی طور پہ اعلان فرمایا کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی۔ وہ یقیناً کامیاب ہو گیا۔

انسان کا حمل امانت

اب انسان کی کامیابی یا ناکامی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اس بار امانت کا ذکر کیا جو انسان نے اپنے کندھوں پہ اٹھا رکھا ہے ارشاد ہوتا ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ بیشک ہم نے امانت پیش کی آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا پس انہوں نے اُس کو اٹھانے سے انکار کر دیا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا اور اس سے ڈر گئے وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا بیشک وہ بہت بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

اس آیت میں مذکورہ امانت کی تشریح مفسرین کرامؒ نے مختلف طریقوں سے کی ہے اور امانت کا مصداق مختلف چیزوں کو ٹھہرایا ہے۔ عام طور پر امانت سے اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی لیے جاتے ہیں۔ جن کی پابندی ہر انسان پہ لازم ہے تاہم محدثین اور فقہائے کرام نے امانت کے مختلف معانی متعین کیے ہیں۔

امام شافعیؒ اور آپ کے پیروکار کہتے ہیں کہ امانت سے مراد تکلیف ہے جس کی وجہ سے انسان پہ قانون کی پابندی لازم آتی ہے اور اس طرح وہ مکلف بن جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں امانت سے مراد فرائض، واجبات، احکام،

لہ مظہری صفحہ ۲۳۳ ج ۷ و معالم التنزیل صفحہ ۱۸۵ ج ۳ و ابو سعود صفحہ ۲۳۱ ج ۴ (فیاض)

شرع اور حدود وغیرہ کی پابندی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان احکام کی تعمیل کی صلاحیت نہ آسمان میں ہے، نہ زمین میں، نہ پہاڑوں میں اور نہ شجر وحجر میں، لہذا انہوں نے اس بارِ امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا، اور انسان میں چونکہ یہ استعداد پائی جاتی ہے، لہذا اس نے اس بار کو اٹھا لیا۔ امام ابوحنیفہؒ کے پیروکار بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں کہ اس امانت سے مراد وہ استعداد اور صلاحیت ہے جس کی بنا پر انسان مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ اگرچہ جنات بھی پابندیٔ قانون کے مکلف ہیں مگر اُن کی صلاحیت انسان کی نسبت کمزور ہے، اس لیے جنات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں امام غزالیؒ، امام بیضاویؒ[1] خواجہ محمد پارساؒ اور بعض دیگر مفسرین اس عہدۂ تکلیف کا قلادہ اپنے گلے میں ڈالنا مراد لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قانون کی پابندی کو اپنے ذمے لے لیا جائے اور پھر اطاعت کی صورت میں اجر و ثواب اور معصیت کی صورت میں عتاب کو قبول کر لینے کا نام امانت ہے۔

عرض اور ابی کا مفہوم

اس آیت کریمہ میں آمدہ الفاظ عَرَضْنَا اور اَبَيْنَ خاص طور پر توجہ طلب ہیں۔ عرض کا معنی عام طور پر کسی چیز کو زبانی یا تحریری طور پر پیش کرنا ہوتا ہے اسی لیے تحریری طور پر پیش کی جانے والی درخواست کو عرضی بھی کہتے ہیں۔ تاہم امام بیضاویؒ فرماتے ہیں[2] کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت پیش کرنے کا مفہوم زبانی یا تحریری طور پر پیش کرنا نہیں بلکہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کی استعداد اور صلاحیت کی طرف نسبت کرتے ہوئے پیش کرنا مراد ہے چونکہ ان میں اس عہدۂ تکلیف کو اٹھانے کی صلاحیت نہیں تھی لہذا انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح یہاں پر اِبَا یا انکار کا معنی بھی زبان کے ذریعے انکار نہیں جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے بلکہ اس سے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں

---

[1] بیضاوی ص ۲۵۴ ج ۲

[2] بیضاوی ص ۲۵۴ ج ۲

کا طبعی انکار مراد ہے۔ اُن میں قابلیت ہی نہیں تھی، کہ وہ بارِ امانت اٹھا سکتے، لہذا اُن کی حالت یہ بتا رہی تھی، کہ انہوں نے حمل امانت سے انکار کر دیا ہے۔ اِن اشیاء کے برخلاف انسان میں استعداد اور صلاحیت موجود تھی کہ وہ احکام و شرائع کی پابندی کر کے اس امانت کا بوجھ اٹھا سکے، لہذا اُس نے اس بوجھ کو اٹھا لیا یعنی اقرار کر لیا کہ دنیا کی زندگی مکلف بن کر گزارے گا۔ اور پھر اس کے نتیجے میں جزا یا سزا کے لیے تیار ہے۔

حملِ امانت کی علت

اِس آیت میں بارِ امانت کے اٹھانے کی علت اللہ نے یہ بیان کی ہے کہ انسان ظالم اور جاہل ہے۔ ظلوم اور جہول مبالغے کے صیغے ہیں یعنی انسان بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے جس نے ایسی امانت کو اٹھا لیا جس کو آسمان، زمین اور پہاڑوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں[1] کہ ظلوم اور جہول کے الفاظ انسان کی مذمت کے لیے نہیں آئے، بلکہ اِن کو حمل امانت کی علت کے طور پہ لایا گیا ہے ظلوم سے مراد وہ شخص ہوتا ہے۔ جس میں عدل کی صلاحیت موجود ہو۔ مگر وہ بالفعل انصاف نہ کرے، اس طرح جہول کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں حصولِ علم کی استعداد تو موجود ہو مگر وہ بالفعل علم کے ساتھ موصوف نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ انسان اگر عملی طور پہ عدل نہیں کرتا یا علم حاصل نہیں کرتا تو اس میں اِن چیزوں کا مصداق بننے کی صلاحیت تو موجود ہے اور یہی استعداد و صلاحیت انسان کو مکلف بناتی ہے زمین، آسمان، پہاڑ، دریا شجر و حجر وغیرہ عدل و علم کے حصول کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے، لہذا وہ مکلف نہیں ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے ظلم اور جہالت کو حملِ امانت کی علت کے طور پہ بیان فرمایا ہے۔

عہدۂ تکلیف

امام بغویؒ[2]، صاحب تفسیر مظہری[3] اور بعض دوسرے مفسرین[4] نے حملِ امانت کو مثالی طور پر بیان کیا ہے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت نقل کی

---

[1] فتح الخبیر ص۲۱ [2] معالم التنزیل ص۱۸۶ ج۳ [3] مظہری ص
[4] قرطبی ص۲۵۷ ج۱۴ (فیاض)

ہے کہ تخلیق کے بعد آدم علیہ السلام جنت میں آزادی سے اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے تھے۔ انہوں نے وہاں ایک بڑی چٹان پڑی ہوئی دیکھی۔ فرشتے اس چٹان کے قریب سے گزر جاتے تھے مگر اس کے حجم اور بوجھ کے پیشِ نظر کوئی بھی اٹھانے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کی کم ہمتی پر حیرت ہوئی اور انہوں نے بغیر کسی کے کہے اس پتھر کو خود اٹھانے کی پیشکش کی۔ آپ نے اس چٹان کو گھٹنوں تک اٹھا کر پھینک دیا، پھر دوبارہ کوشش کی تو کندھوں تک لے گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے اس پتھر کو اٹھالیا ہے۔ تو اب یہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی گردن پر قیامت تک رہے گا۔ یہ عہدۂ تکلیف ہے جس کو تم نے برضا و رغبت اٹھالیا ہے لہٰذا اب اسے زندگی بھر اٹھائے رکھنا ہوگا۔ اور اس بارِ امانت کو نیچے نہیں پھینکنا۔ چنانچہ صحیح حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد[1] بھی آتا ہے اِنَّ الْاَمَانَۃَ نَزَلَتْ فِیْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالسُّنَّۃِ یعنی تکلیف کی یہ امانت لوگوں کے دلوں میں اتاری گئی تھی، پھر انہوں نے دنیا میں آکر اس کی تفصیلات قرآن و سنت سے معلوم کیں۔

جنید بغدادیؒ کی توضیح

حضرت جنید بغدادیؒ نے اِس بارِ امانت کی توضیح اپنے انداز میں اس طرح بیان کی ہے کہ انسان نے ازل میں یہ امانت اٹھا تو لی تھی مگر دنیا میں آکر وہ عرض میں مبتلا ہوگیا۔ اور اس کی توجہ فرض کی ادائیگی کی طرف نہ رہی۔ خدا تعالیٰ نے یہ بارِ امانت پیش کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی پیشکش بہت بڑی چیز تھی جس میں انسان کو بڑا ہی لطف و سرور آیا۔ اور اس نے فیصلہ کیا۔ خدا کی پیشکش کو ٹھکرانا نہیں چاہیے، چنانچہ وہ اسی سرور میں مست رہا، مگر یہ نہ سوچا کہ یہ ذمہ داری یا فرض مجھ سے پورا بھی ہوسکے گا یا نہیں۔ اب جو شخص اس ذمہ داری کو نہیں نبھائے گا۔ وہ قابلِ مؤاخذہ ہوگا۔

---

[1] خازن صـ۲۸ ج ۵ (فیاض)

مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ

اس ضمن میں حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے[1] ہیں کہ امانت سے مراد اللہ تعالےٰ کی ذاتی تجلیات کو برداشت کرنے کی صلاحیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتی تجلیات تو بہت سی ہیں۔ جن سے اللہ کے فرشتے اور باقی مخلوقات بھی مستفید ہوتی رہتی ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی ذاتی تجلیات کا مورد صرف خاکی انسان ہی ہے خاک میں اللہ نے ان تجلیات کو برداشت کرنے کی وہ صلاحیت رکھی ہے جو کسی دوسری مخلوق میں نہیں غالب نے یہ بات اپنے شعر میں اس طرح سمجھائی ہے ؎

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ باد بہاری کا

کہتے ہیں کہ شیشے میں سے اُس وقت تک عکس نظر نہیں آتا جب تک کہ اس کے پیچھے زنگار یعنی تانبے کی آکسائیڈ نہ لگائی جائے۔ اسی طرح موسم بہار کی ہوا سے لطف اٹھانے کے لیے اُس کے پیچھے چمن کا ہونا ضروری ہے۔ بادبہاری جب چمن سے ہو کر آئیگی تو پھول، خوبصورت پتے اور اُن کی خوشبو نظر آئے گی۔ اور اگر اُس کے پیچھے باغ کا زنگار ہی نہ ہو تو یہ ہوا بیکار محض ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق مٹی سے کی ہے اور یہی وہ کثافت ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذاتی تجلیات کو برداشت کرنے کی استعداد بخشتی ہے، لہٰذا انسان کا خاکی ہونا ہی اُسے بار امانت اٹھانے کی صلاحیت عطا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی اور مخلوق نے اس امانت کو نہ اٹھایا مگر انسان نے سے اٹھالیا۔

امانت بصورت اوامر و نواہی

عام مفسرین[2] امانت سے مراد اوامر و نواہی لیتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اعضاء آنکھیں، زبان، کان، ناک، دل، اعضائے مستورہ اور دیگر قویٰ انسان کے پاس اللہ کی امانت ہیں۔ اگر ان اعضاء کو صحیح طریقے سے استعمال کرے گا۔

---

[1]

[2] روح المعانی صہ ۹۶ ج ۲۲ (فیاض)

تو اس امانت کا حق ادا ہو گا، ورنہ نہیں۔ اعضاء کے علاوہ بہت سے احکام بھی امانت سے تعلق رکھتے ہیں۔ غسل جنابت، حفاظتِ ناموس، فرائض کی ادائیگی، عہد و پیمان اور اوامر و نواہی کی پابندی اسی امانت سے متعلق ہیں۔ اس امانت میں خیانت کرنا یعنی احکام و فرائض سے غفلت اور اوامر و نواہی کی عدم پابندی انسان کے لیے وبالِ جان ہو گی۔ اور اس امانت کی حفاظت کرنے پر اللہ نے درجات کی بلندی اور گناہوں کی معافی کا وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا اس امانت کی پاسداری کرنی چاہیئے۔ اس امانت کا حق نہ ادا کرنے والا آدمی منافق ہو گا۔ یا مشرک اور ہمیشہ کے لیے مبتلائے عذاب ہو گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی[1] ہے کہ اگر انسان سے چار چیزوں کے علاوہ باقی ساری بھی فوت ہو جائیں تو اُسے فکر مند نہیں ہونا چاہیئے۔ اُن میں سر فہرست امانت کی ادائیگی ہے۔ اگر اُس کے پاس کوئی مال بطور امانت ہے تو اُس کو واپس کرے، کوئی وصیت ہے تو پوری کرے، کوئی عہد و پیمان کیا ہے تو اُس کو نبھائے، یہ سب چیزیں امانت کا حصہ ہیں۔ فرمایا دوسری چیز سچائی ہے تیسری اخلاقِ حسنہ، اور چوتھی رزقِ حلال جو شخص ہمیشہ سچ بولتا ہے دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا ہے اور وہ حلال روزی کماتا ہے اور استعمال کرتا ہے، تو پھر اگر اس کے پاس اور کچھ بھی نہ رہے تو بھی فکر کی کوئی بات نہیں، کیونکہ دنیا میں ان چار چیزوں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

شاہ عبد القادرؒ کی تفسیر

شاہ عبد القادرؒ[2] نے حملِ امانت کی بات چند جملوں میں بڑے اچھے طریقے سے سمجھا دی ہے، فرماتے ہیں کہ انسان نے اپنی جان پر ترس نہ کھایا اور اس بارِ امانت کو اٹھا لیا۔ نیز فرماتے ہیں کہ اپنی خواہش کو روک کر حکم کی تعمیل کرنا گویا امانت کا حق ادا کرنا ہے۔ انسان کے اپنے دل میں کوئی خواہش ہے اور اللہ کا حکم اُس کے خلاف

---

[1] ابن کثیر ص۵۲۴ ج۳ [2] موضح القرآن ص۵۱۲ (فیاض)

ہے تو اگر وہ اپنی خواہش کے خلاف حکم پر عمل کرے گا تو اس نے امانت کی پاسداری کی، اور ایسا کرنا بہت بڑا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کا ذکر کیا ہے مگر اُن میں تو خواہش پائی ہی نہیں جاتی۔ یا اگر طبعی طور پر کوئی ہے، تو وہ اُس سے اِدھر اُدھر جانے کی طاقت ہی نہیں رکھتے اور اُسی پر قائم رہتے ہیں۔ یہ انسان ہی ہے جو خواہش بھی رکھتا ہے۔ اور پھر احکامِ الٰہی کی تعمیل بھی کرتا ہے، اسی کا نام امانت کی ادائیگی ہے۔ امانت کا قانون بھی یہی ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی کی امانت کو جان بوجھ کر ضائع کرے گا تو اُسے اس کا بدلہ دینا پڑے گا۔ اور اگر کوئی امانت کسی شخص کے اختیار کے بغیر ضائع ہو جائے تو اس کا بدلہ نہیں دینا پڑتا۔ بہر حال شاہ صاحبؒ کے نزدیک حملِ امانت سے مراد احکام و شرائع کی پابندی ہے۔

مولانا عثمانیؒ کی تشریح

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے مسلم شریف کی شرح میں اور یہاں حاشیے[1] پر بھی حملِ امانت کی نہایت عمدہ تشریح کی ہے۔ لکھتے ہیں "رستم کر دیا۔ جو بوجھ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں سے نہ اٹھ سکا، اُس کو اس نادان انسان نے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا" اسی لیے تو شاعر لوگ کہتے ہیں۔ ؎

آسماں بارِ امانت نتوانست کشی

قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدن

یعنی امانت کے جس بوجھ کو آسمان و زمین نہ اٹھا سکے اُس کو اٹھانے کا قرعہ مجھ نادان کے نام پر نکلا ہے۔

مولانا عثمانیؒ فرماتے ہیں[2] کہ اصل بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ایک خاص امانت مخلوق کی کسی نوع میں رکھنے کا ارادہ کیا تاکہ اگر وہ چاہے تو اپنی کوشش اکسب اور قوتِ بازو کے ذریعے اس امانت کو محفوظ رکھ کر اسے ترقی دے سکے اور اس سلسلہ میں اللہ کی ہر قسم کی شئون اور صفات کا ظہور ہو۔ پھر اُس نوع کے جو افراد

۱ے تفسیر عثمانی صہ ۵۵۴ ۲ے تفسیر عثمانی صہ ۵۵۴ (فیاض)

اس امانت کو پوری طرح محفوظ رکھیں اور ترقی دیں تو اُن پر انعام واکرام ہو، اور جو غفلت اور شرارت سے اس امانت کو ضائع کر دیں اُن کو سزا دی جائے۔ اور جو لوگ اس بارے میں قدرے کوتاہی کریں۔ اُن سے معافی کا معاملہ ہو۔ علامہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ امانت ایمان اور ہدایت کا تخم ہے جو قلوبِ بنی آدم میں بکھیر اگیا ہے اور جس کی وجہ سے انسان مکلف بنتا ہے۔ اسی لیے حدیث شریف[1] میں آتا ہے لَآ اِیْمَانَ لِمَنْ لَآ اَمَانَۃَ لَہٗ جو امانت کا پاسدار نہیں وہ ایمان سے خالی ہے۔ انسانوں کے دلوں میں موجود ایمان کے بیج کی حفاظت اور نگہداشت کی جائے گی تو ایمان کا درخت اُگے گا۔ گویا بنی نوع انسان کے قلوب اللہ کی زمینیں ہیں جن میں امانت کا بیج ڈال دیا گیا ہے۔ پھر بارش برسانے کے لیے رحمت کے بادل بھی وہی بھیجتا ہے۔ اور جن کے سینوں میں وحی الٰہی کی بارش ہوتی ہے اُن کا ایمان پھلتا پھولتا ہے۔ لہٰذا ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ امانتِ الٰہی یعنی ایمان کے تخم کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے اور اسے ضائع نہ ہونے دے ایسا نہ ہو کہ امانت کا پودا اگنے کی بجائے اس کا بیج ہی سوختہ ہو جائے۔ اِس بات کی تصدیق حضرت حذیفہؓ کی روایت[2] سے بھی ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ امانت آسمان سے لوگوں کے قلوب پر نازل کی گئی ہے۔ پھر اس کی تشریح وتفسیر قرآن وسنت سے معلوم ہوئی ہے۔ یہ امانت وہی تخمِ ہدایت ہے جو اللہ کی طرف سے قلوبِ رجال میں تہ نشین کیا گیا ہے۔ پھر علومِ قرآن وسنت کی بارش ہوئی۔ اگر اس سے ٹھیک طور پر فائدہ اٹھایا جائے گا۔ تو ایمان کا درخت اُگے گا، پھلے پھولے گا تو انسان کو اس کے ثمرِ شیریں سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے گا۔ اور اگر اس سے فائدہ اٹھانے میں انسان کوتاہی کرے گا، تو ایمان کے درخت کو ابھرنے اور پھلنے پھولنے میں نقصان ہو گا۔ اور اگر اس

---

[1] مظہری ص۲۲۳ ج ۷ و خازن ص۲۷۹ ج ۵

[2] ابن کثیر ص۵۲۴ ج ۳ (فیاض)

معاملہ میں بالکل ہی غفلت برتی گئی تو سرے سے تخم ہی ضائع ہوجائے گا۔ آدمی کی استعداد خراب ہوجائے گی اور وہ کفر اور شرک کی طرف چلا جائے گا۔ یہ امانت تھی جو اللہ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پہ پیش کی مگر کسی میں بھی اس کو اٹھانے کی استعداد نہ تھی۔ ان میں سے ہر چیز بلسانِ حال کہہ رہی تھی یعنی اس کی حالت بتلا رہی تھی کہ وہ اس کی اہل نہیں ہے۔ یہ صرف انسان ہی تھا جو اپنی استعداد کے مطابق اس عظیم بار کو اٹھانے کا حوصلہ کر سکتا تھا۔ درحقیقت اس عظیم امانت کا حق ادا کرنا اور مالک کی تخم ریز شدہ افتادہ زمین کو خون پسینہ ایک کر کے باغ و بہار میں تبدیل کر لینا، اس ظلوم و جھول انسان کا ہی حصہ ہو سکتا تھا۔

سزا و جزا

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس بار امانت کو اٹھوانے کی غایت یہ ہے لِّيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ تاکہ اللہ تعالیٰ سزا دے منافق مردوں اور منافق عورتوں کو جنکے دل میں بیماری ہے اور وہ اس امانتِ الٰہی کی حفاظت نہیں کر سکے وہ بلاشبہ سزا کے مستحق ہیں وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ اور وہ مشرک مرد اور مشرک عورتیں بھی سزا کی مستحق ہیں جنہوں نے اللہ کی صفات اور عبادت میں دوسروں کو شریک کیا۔ اور دلوں میں امانت کے بیج کو خراب کر دیا۔ فرمایا وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اور اللہ تعالیٰ مہربانی کے ساتھ رجوع فرمائے گا، مومن مردوں اور مومن عورتوں پر۔ جب اللہ کا کوئی بندہ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی مہربانی کے ساتھ اُس کی طرف رجوع فرماتا ہے، اسی چیز کا نام توبہ ہے فرمایا وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور از حد مہربان ہے، اگر انسان سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ چھوٹی موٹی کوتاہیوں کو معاف کر دیتا ہے کیونکہ وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔

سُورَةُ
السَّبَأ
مكّيّة

درس اوّل ۱ — آیت ۱ تا ۶

سُوْرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ سبا مکی ہے اور یہ چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت رحم کرنیوالا اور بڑا مہربان ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ط وَهُوَ
الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۱ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي
الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ
السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ط وَهُوَ الرَّحِيْمُ
الْغَفُوْرُ ۝۲ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا
السَّاعَةُ ط قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ لا عٰلِمِ
الْغَيْبِ ج لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ
ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۳ لا
لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ط

أُولَٰٓئِكَ لَهُم مَّغۡفِرَةٞ وَرِزۡقٞ كَرِيمٞ ④ وَٱلَّذِينَ
سَعَوۡ فِيٓ ءَايَٰتِنَا مُعَٰجِزِينَ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمۡ
عَذَابٞ مِّن رِّجۡزٍ أَلِيمٞ ⑤ وَيَرَى ٱلَّذِينَ
أُوتُواْ ٱلۡعِلۡمَ ٱلَّذِيٓ أُنزِلَ إِلَيۡكَ مِن رَّبِّكَ
هُوَ ٱلۡحَقَّ وَيَهۡدِيٓ إِلَىٰ صِرَٰطِ ٱلۡعَزِيزِ
ٱلۡحَمِيدِ ⑥

ترجمہ:۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں
کہ اُسی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو
کچھ ہے زمین میں، اور اُسی کی تعریف ہے آخرت میں
اور وہ حکمتوں والا اور سب چیزوں کی خبر رکھنے والا
ہے ① وہ جانتا ہے جو چیز داخل ہوتی ہے زمین
میں اور جو خارج ہوتی ہے اس سے، اور جو آسمان کی طرف سے
نازل ہوتی ہے اور جو اسکی طرف چڑھتی ہے اور وہ نہایت رحم کرنے
والا، اور بخشش کرنیوالا ہے۔ ② اور کہا ان لوگوں نے جنھوں نے
کفر کیا کہ نہیں آئیگی ہمارے پاس قیامت۔ آپ کہہ دیجئے کیوں نہیں؟
اور میرے رب کی قسم البتہ ضرور آئے گی وہ تمہارے
پاس وہ جاننے والا ہے غائب کا۔ نہیں غائب اُس
سے ایک ذرہ برابر بھی کوئی چیز نہ آسمانوں میں اور
نہ زمین میں، اور نہ اُس سے کوئی چھوٹی چیز اور نہ بڑی
چیز مگر وہ ایک کھُلی کتاب میں درج ہے ③ تاکہ

بدلہ دے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے ④ اور وہ لوگ جنہوں نے کوشش کی ہماری آیتوں میں عاجز کرنے کے لیے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے ⑤ اور دیکھتے ہیں وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے، وہ چیز جو اتاری گئی ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے، وہ برحق ہے اور وہ راہنمائی کرتی ہے عزیز اور حمید خدا تعالیٰ کے راستے کی طرف ⑥

نام اور کوائف

اس سورۃ کا نام سورۃ سبا ہے جو کہ اِس کی آیت -۱۵ میں آمدہ لفظ سے ماخوذ ہے۔ سبا ایک شخص، قبیلے، شہر اور ملک کا نام تھا جس کا ذکر اس سورۃ مبارکہ کے دوسرے رکوع میں آیا ہے۔ اِس سے پہلے سورۃ نور سے لے کر سورۃ سجدہ تک ساری مکی سورتیں تھیں۔ اس کے بعد پچھلی سورۃ الاحزاب مدنی تھی اور یہ سورۃ پھر مکی ہے۔ آگے پھر تین سورتیں متواتر مدنی ہیں اور اس کے بعد مکی اور مدنی مخلوط سورتیں آئیں گی۔

اس سورۃ کی چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں یہ سورۃ مبارکہ ۸۸۳ الفاظ اور ۱۵۱۲ حروف پر مشتمل ہے، یہ سورۃ مکی دور کے زمانہ وسطیٰ میں سورۃ لقمان کے بعد نازل ہوئی۔

سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط

سابقہ سورۃ احزاب کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے امانت کی حفاظت کا قانون نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا مگر انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے مگر انسان نے اس بارِ امانت کو اٹھا لیا کیونکہ اللہ نے انسان میں حملِ امانت کی پوری پوری صلاحیت اور استعداد رکھ دی ہے۔ چونکہ انسان نے از خود اس بارِ امانت کو اٹھا لیا ہے لہٰذا اب یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ اس امانت کی حفاظت کرے لہٰذا جو شخص اس امانت کا حق ادا

نہیں کرے گا یا اس میں سستی کرے گا۔ وہ منافق ہو گا یا مشرک اور سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ البتہ جو شخص اس امانت کو پورے طریقے سے ادا کرے گا، وہ کامل درجے کا مومن ہو گا۔ اور خدا کی بخشش و رحمت کا مستحق ہو گا۔ اب اس سورۃ کے ساتھ ربط یہ ہے کہ اعظم الامانۃ یعنی سب سے بڑی امانت انسان کے پاس توحید خداوندی ہے اگر وہ توحید پر کاربند رہیگا۔ تو گویا اس نے امانت کا حق ادا کر دیا اور کفر اور شرک کرے گا تو اس امانت کو ضائع کرنے والا ہو گا۔ چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں توحید کا بطور خاص ذکر آرہا ہے۔

مضامین سورۃ

مکی سورتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید باری تعالیٰ، رسالت، وقوع قیامت اور قرآن کی صداقت وحقانیت کا ذکر ہی زیادہ تر آتا ہے۔ اس کے علاوہ اخلاق کی اصلاح اور انسانوں کی تہذیب پر زور دیا گیا ہے۔ توحید کے ساتھ ساتھ اس سورۃ میں ضمناً شرک کی تردید بھی آگئی ہے، قیامت کا انکار کرنے والوں کو مدلل جواب دیا گیا ہے۔ توحید کے عقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں اور قرآن حکیم کی صداقت کو واضح کیا گیا ہے۔ اسی طرح رسولوں کی بعثت اور ان کا انکار کرنے والوں کا ذکر بھی آگیا ہے۔ سابقہ سورتوں کی طرح اس سورۃ میں شکر گزاری اور ناشکری کا مسئلہ بیان ہوا ہے اور اس ضمن میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکر گزاری کو بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس سورۃ مبارکہ میں شفاعت کا مسئلہ بھی بیان ہوا ہے۔ مشرک لوگ جبری سفارش کے قائل ہیں۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی۔

حمد باری تعالیٰ

قرآن پاک کی پانچ سورتوں یعنی فاتحہ، انعام، کہف، سبا اور فاطر کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد سے ہوتی ہے۔ ان سورتوں میں دنیوی اور اخروی نعمتوں کا ذکر ہے لہٰذا ان کی ابتداء حمد باری تعالیٰ سے ہوئی ہے۔ خود انسان کا وجود اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، اس جسم کی بقا کے لیے اللہ نے بہت سے سامان مہیا کیے ہیں، لہٰذا انسان کو ان سب نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اور آخرت کی نعمتیں تو خدا

کی شکر گزاری اور ایمان کی بدولت ہی نصیب ہوں گی۔ انسان کے لیے جس طرح ہوا، پانی، خوراک اور دیگر ضروریاتِ زندگی مطلوب ہیں، اسی طرح اُس کے لیے ہدایت کی بھی ضرورت ہے جو وحی الٰہی، کتاب، شریعت یا دین کے پاکیزہ اصولوں کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرنے کے لیے اِس سورۃ مبارکہ کی ابتداء حمد باری تعالیٰ سے ہو رہی ہے، ارشاد ہوتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہیں کہ اُسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کائنات کی ہر چیز اُسی کی ملکیت ہے وہی ہر چیز کا خالق، مدبر اور متصرف ہے۔ اِن امور میں کوئی بھی اُس کا شریک نہیں، نہ کوئی پیدا کر سکتا ہے، نہ تدبیر کر سکتا ہے اور نہ کسی کو تصرف حاصل ہے۔ جب یہ بات ہے تو مستحق عبادت بھی اُس کے سوا کوئی نہیں۔ مشرک لوگ خواہ مخواہ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں، اور اُن کو نذر و نیاز پیش کر کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

یہ تو دنیوی نعمتوں کا دنیا ہی میں شکریہ ادا ہوا، فرمایا وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ اور آخرت میں بھی اُسی کے لیے تعریف ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو جو نعمتیں آخرت میں عطا کرے گا تو وہاں اُن نعمتوں کا شکریہ بھی ادا کیا جائے گا۔ جب مومن لوگ خدا کی رحمت کے مقام بہشت میں پہنچ جائیں گے، انہیں ہر طرح کا آرام و آسائش حاصل ہو گا تو بے اختیار پکار اُٹھیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (الاعراف۔۴۳) اُس خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ سب تعریفیں اُس کے لئے ہیں جس نے ہماری راہنمائی کر کے اس مقام تک پہنچایا۔ اگر وہ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم یہاں کیسے پہنچ سکتے تھے۔ جنت میں پہنچ کر اگرچہ حمد و ثنا ضروری نہیں ہو گا، مگر وہاں پر اہلِ ایمان بے اختیار اللہ کی تعریف و حمد کے گیت گائیں گے

حدیث[1] میں آتا ہے کہ جنت والوں کو خدا تعالیٰ کی تسبیح الہام کی جائے گی اور وہ اُن سے اس طرح بے اختیار سرزد ہوگی جس طرح انسان سے سانس بے اختیار سرزد ہوتا رہتا ہے۔ گویا آخرت میں بھی اسی کے لیے حمد و ثنا ہے۔

خدا تعالیٰ کا علم محیط

فرمایا وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ اور وہ حکمتوں والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ کائنات کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور مصلحتیں کار فرما ہیں جن کو انسان نہیں جانتے۔ مخلوق میں سے جس کو جس قدر اللہ کی حکمتوں کا علم ہوتا ہے، وہ اسی قدر حیران ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کس قدر بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں اور اس کا نظامِ قدرت کس عجیب و غریب طریقے سے چل رہا ہے۔

فرمایا اُس کے خبیر ہونے کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وہ زمین میں داخل ہونے والی اور اس سے خارج ہونے والی ہر چیز کو جانتا ہے۔ زمین میں داخل ہونے والی اشیاء میں بارش، بیج، کیڑے مکوڑے اور جانور ہیں۔ اس کے علاوہ مردے بھی زمین میں داخل ہوتے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ (سورۃ المرسلٰت) کیا ہم نے زمین کو زندہ اور مُردوں کو سمیٹنے والا نہیں بنایا؟ اسی طرح زمین سے باہر نکلنے والی چیزوں میں پودے درخت، سبزہ، کھیتیاں اور پھر معدنیات میں سونا، چاندی، گیس، پٹرول اور ہر قسم کی دھاتیں ہیں۔ یہ تمام چیزیں انسانی زندگی کی ضروریات میں داخل ہیں اور اللہ نے انہیں زمین سے پیدا کیا ہے۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ ہر اُس چیز کو بھی جانتا ہے وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا جو آسمان کی طرف سے نازل ہوتی ہے اور جو اُس کی طرف چڑھتی ہے۔ آسمان کی طرف سے اترنے والی چیزوں میں بارش ہے جس پر انسانی زندگی کا انحصار ہے۔ پانی کے بغیر نہ کھیتی باڑی ہو سکتی ہے اور نہ پھل پھول اور اناج پیدا ہو سکتا ہے جو کہ انسانی زندگی کا لازمی جزو ہے۔ خود پانی

[1] خازن صفحہ ۲۸۱ ج ۵ (فیاض)

کے بغیر کوئی جاندار زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ انسانی جسم میں دوڑنے والے خون میں اسی فیصدی پانی کا عنصر ہے، لہذا پانی کا نزول بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے علاوہ وحی الٰہی بھی عالمِ بالا سے آتی ہے اور قضا و قدر کے فیصلے بھی اللہ کے فرشتے آسمان کی طرف سے لاتے ہیں۔

پھر آسمان کی طرف چڑھنے والی اشیاء میں انسان کی دعائیں ہیں، اس کے اعمال ہیں۔ فرشتے بھی آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بے شمار چیزیں ہیں جو آسمان کی طرف چڑھتی ہیں۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے علمِ محیط کا مالک ہے کہ وہ زمین میں داخل ہونے والی اور اس سے خارج ہونے والی، نیز آسمان سے نازل ہونے والی اور آسمان کی طرف چڑھنے والی ہر ہر چیز سے باخبر ہے۔ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ وہ بڑا مہربان اور بخشنے والا ہے دنیا کی ساری چہل پہل اس کی مہربانی اور رحمت کا ظہور ہے۔ انسان تو ناحق شناس ہیں جو اس کے انعامات کی قدر دانی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بخشش و رحمت کی وجہ سے انسانوں کو بہت سا موقع دیتا ہے، ورنہ وہ فوراً گرفت کرلے تو بندے کا کہاں ٹھکانا ہے؟

وقوعِ قیامت

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ کافر لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس قیامت نہیں آئیگی۔ مکے کے مشرک بھی کہتے تھے کہ لات اور عزیٰ کی قسم کوئی قیامت نہیں آئیگی نہ کوئی جزائے عمل واقع ہوگا۔ چنانچہ جس طرح کافر اور مشرک قیامت کا سختی کے ساتھ انکار کرتے تھے اسی طرح جواب بھی اللہ نے سخت دیا۔ فرمایا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کیوں نہیں، مجھے میرے رب کی قسم قیامت تمہارے پاس ضرور آئے گی۔ تم کیسے انکار کرتے ہو، اللہ نے نہایت تاکید کے ساتھ فرمایا ہے۔ آگے بھی اسی سورۃ میں آرہا ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ انسان مرکر مٹی میں مل جاتے ہیں ان کے اجسام ریزہ ریزہ ہوکر منتشر ہوجاتے ہیں تو یہ کیسے دوبارہ جی اٹھیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ تم قیامت کو بعید سمجھتے ہو حالانکہ یہ بالکل قریب ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ منتشر ذرات کو اللہ تعالیٰ کیسے اکٹھا کرے گا۔ اور پھر اُن کو ویسے ہی جسم کی شکل دے گا، جیسے وہ مرنے سے پہلے تھا، تو فرمایا عٰلِمِ الْغَیْبِ وہ تمام غیب کی چیزوں کو جاننے والا ہے لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ آسمان اور زمین میں کوئی ذرہ برابر چیز بھی اُس سے غائب نہیں ہے۔ ذرہ چیونٹی کو بھی کہتے ہیں اور روشندان سے اندر آنے والی دھوپ میں جو چھوٹی چھوٹی چیزیں نظر آتی ہیں وہ بھی ذرات کہلاتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی نظروں سے اوجھل نہیں ہے۔ گویا اس کا علم ذرے ذرے پر محیط ہے۔ یہ اس کی صفت خاصہ ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے، وہ ہر شے پر قادر ہے، انسانی جسم کے اجزاء جہاں کہیں بھی ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور وہ انہیں جمع کرنے پر بھی قادر ہے۔ یہ تمام چیزیں لوح محفوظ یعنی خدائی رجسٹر میں بھی درج ہیں لہٰذا اُن کی گمشدگی کا کوئی امکان نہیں۔ اللہ تعالےٰ قیامت والے دن سب کو اکٹھا کر لے گا۔ فرمایا وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِی كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ اس سے چھوٹی اور بڑی کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔ ہر چیز ایک کھلی کتاب یعنی لوح محفوظ میں درج ہے۔ قیامت ضرور واقع ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس دن سب چیزوں کو حاضر کرلے گا۔

جزائے عمل کی منزل

فرمایا وقوع قیامت اس لیے ضروری ہے لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیے۔ اس دنیا میں ہر چیز خلط ملط ہو رہی ہے۔ لہٰذا یہاں کسی شخص کو اس کے اچھے یا بُرے اعمال کا پورا پورا بدلہ نہیں مل سکتا۔ یہاں اس دنیا کا قانون تو یہ ہے ایک عدالت فیصلہ کرتی ہے اور اس سے اُوپر والی عدالت اس کو کالعدم قرار دیتی ہے پھر اس سے اُوپر والی سپریم کورٹ اُس فیصلے کو مزید بدل دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کسی شخص کو اُس کے جرم کی ٹھیک ٹھیک سزا ملی ہے یا نہیں۔ اسی لیے قیامت کا واقع ہونا ضروری ہے۔ تاکہ ہر نیک و بد کا کام

بالکل ممتاز ہو جائے اور پھر اس کے مطابق جزا یا سزا کا فیصلہ ہو۔ یہی جنتی اور صحیح فیصلہ ہوگا جو اللہ کی بارگاہ میں ہوگا۔ اور اسی کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جا سکے گا۔

پھر اہلِ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے مرتکبین کی جزا کے متعلق فرمایا أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور باعزت روزی ہوگی۔ بخشش سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف کر کے اپنی رحمت کے مقام میں داخل کرے گا۔ جہاں انہیں ہر نعمت بغیر کسی محنت و مشقت کے حاصل ہوگی۔ دنیا میں تو رزقِ حلال حاصل کرنے کے لیے بڑی تگ و دو کرنی پڑتی ہے مگر وہاں کسی کام کاج کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بغیر کسی محنت کے ہر چیز مہیا کرے گا۔ امام سرخسیؒ نے اپنی کتاب المبسوط میں یہ روایت[1] نقل کی ہے اِبْتَغُوا الرِّزْقَ فِي خَبَايَا الْأَرْضِ اس دنیا میں زمین کے کونوں سے رزق تلاش کرو یعنی بیشک سفر اختیار کرنا پڑے کتنی ہی محنت کی ضرورت ہو حلال راستے سے روزی تلاش کرو۔ مگر آخرت میں اللہ تعالیٰ ہر جنتی کو اس کی خواہش کے مطابق بغیر کسی مشقت کے ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائے گا۔ باعزت روزی سے یہی مراد ہے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ جنت میں کسی چیز کی کبھی بھی کمی واقع نہیں ہوگی۔ اس دنیا میں تو کئی چیزیں نایاب ہو جاتی ہیں اور بعض میں کمی واقع ہو جاتی ہے مگر وہاں ایسی کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ وہاں ہر چیز بلاقیمت اور بافراط میسر ہوگی۔

فرمایا وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ جو لوگ کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں کے بارے میں کہ انہیں نیچا دکھا دیں یعنی قرآن کے پروگرام کو ناکام بنانے کی سعی کرتے ہیں۔ فرمایا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ایسے لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہوگا۔ یہاں تو ایسے

---

[1] المبسوط صـــ (فیاض)

بدبختوں کو پوری سزا نہیں مل سکی، لہٰذا قیامت کو ان کے جرائم کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

قرآن کی حقانیت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اور جن لوگوں کو علم عطا کیا گیا ہے وہ دیکھتے ہیں الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اُس چیز کو جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کی گئی ہے وہ کتاب الٰہی شریعت اور دین ہے جو بذریعہ وحی آیا ہے وَهُوَ الْحَقَّ وہ ہے بھی برحق، انسان کو اسی کے مطابق زندگی گزارنی چاہیئے کہ یہی اُس کے لیے لائحہ عمل ہے۔ ہر شخص کو کوشش کرنی چاہیئے کہ اللہ کا پروگرام دنیا میں غالب ہو کیونکہ فلاح کا دارومدار اسی پروگرام پر ہے اور یہ ایسا پروگرام ہے وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ جو عزیز اور حمید خدائے برتر کے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ یہ اللہ کی کتاب قرآن پاک ہے جو بالکل سچا ہے اور اسی کے بتلائے ہوئے راستے پر چل کر انسان دنیا و آخرت میں کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ فرمایا اہل علم پر یہ بات عیاں ہے، لہٰذا قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔

درس دوم ۲ — آیت ۷ تا ۹

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ
يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ
خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۷﴾ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ
جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي
الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿۸﴾ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى
مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ
السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ
الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ
ع ۲ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۹﴾

ترجمہ :- اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا ، کیا ہم بتلائیں تمہیں ایسا شخص جو تمہیں خبردار کرتا ہے کہ جب تم پارہ پارہ کر دیے جاؤ گے پورے طریقے سے پارہ پارہ کیا جانا تو بے شک تم نئی مخلوق میں ہو گے ﴿۷﴾ اس نے افترا باندھا ہے اللہ پر جھوٹ یا اس کو جنون ہے ۔ (فرمایا یہ بات نہیں) بلکہ وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر ، وہ عذاب میں ہوں گے ، اور گمراہی میں دور پڑے ہوئے ﴿۸﴾ کیا

اِن لوگوں نے نہیں دیکھا جو کچھ اِن کے سامنے ہے ،
اور جو کچھ اِن کے پیچھے ہے آسمان اور زمین میں
اگر ہم چاہیں تو دھنسا دیں ان کو زمین میں یا ہم گرادیں
اِن پر کوئی ٹکڑا آسمان سے ۔ بیشک اس میں البتہ
نشانی ہے ہر اُس بندے کے لیے جو رجوع رکھتا ہے
خدا تعالیٰ کی طرف ⑨

ربطِ آیات

سورۃ سبا کی ابتداء خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا سے ہوئی ۔ دنیا و آخرت میں اُسی کے لیے تعریف ہے ۔ اللہ تعالیٰ علیم کل ہے اور وہ ذرّے ذرّے کو جانتا ہے پھر اللہ نے قیامت کے متعلق فرمایا کہ کافر لوگ پختہ قسمیں اٹھا کر کہتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی مگر اللہ نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ میرے رب کی قسم قیامت ضرور وارد ہوگی ۔ خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے آسمان و زمین کی ہر چھوٹی بڑی چیز اُس کے علم میں ہے اور کوئی ذرہ برابر چیز بھی اس سے مخفی نہیں ۔ اس کے علاوہ ہر چیز خدائی رجسٹر میں بھی محفوظ ہے ، لہٰذا کسی چیز سے صرفِ نظر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ فرمایا قیامت کی آمد اس لیے ضروری ہے تاکہ اہلِ ایمان کو اُن کے عقیدے ، نیکی اور اخلاص کا پورا پورا بدلہ مل سکے ۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اہلِ علم لوگ جانتے ہیں کہ آپ کی طرف نازل کردہ کتاب قرآن حکیم برحق ہے جو کہ سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتی ہے ، اللہ نے اُن شکوک و شبہات کا بھی ردّ فرمایا جو کفار و مشرکین توحید ، رسالت ، قرآن اور معاد کے متعلق رکھتے تھے ، خاص طور پر قیامت کے متعلق زور دے کر کہا کہ وہ ضرور آئیگی اور جزائے عمل ضرور واقع ہوگا ۔

بعث بعد الموت

اب آج کے درس میں بھی اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت کے متعلق منکرین کے شبہات کو دور کیا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے ۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور کفر کا شیوہ اختیار کرنے والوں نے کہا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ

يُنَبِّئُكُمْ کیا ہم بتلائیں تمہیں ایک ایسے شخص کے متعلق جو تمہیں خبردار کرتا ہے۔ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ کہ جب تم پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ تو پھر نئی پیدائش میں اٹھائے جاؤ گے، یہ وہ اعتراض ہے جو کافر لوگ اسلام کے نظریۂ معاد کے متعلق اٹھاتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو بطور تمسخر کہتے تھے کہ ذرا اس شخص (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف دیکھو، جس کا دعویٰ ہے کہ جب تم مر کر مٹی میں مل جاؤ گے، تمہارے اجسام کے ذرات منتشر ہو جائیں گے تو ایک وقت آئے گا، جب تمہیں دوسری زندگی عطا کی جائیگی، وہ بعث بعد الموت کی خبر پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے تھے کہ ایسا کیونکر ممکن ہو گا۔ انہوں نے تو اپنے آباؤ اجداد میں سے کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔

جیسا کہ گذشتہ درس میں گزر چکا ہے اللہ نے اس اعتراض کا جواب تو ایک جملے میں دیدیا عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ کہ اللہ تعالیٰ تمام غیوب کو جاننے والا ہے زمین و آسمان کی ذرہ بھر چیز بھی اُس سے مخفی نہیں ہے۔ ہر انسان، اس کا عقیدہ، اعمال، اخلاق غرضیکہ ہر چیز اللہ کے ہاں محفوظ ہے لہٰذا اُس کے لیے تمام ذرات کو جمع کر کے انسان کو نئی زندگی دے دینا کون سا مشکل کام ہے؟ یہ مشکل تو مخلوق میں سے کسی کو پیش آسکتی ہے، جس کا نہ تو علم ذرے ذرے پر محیط ہو، اور نہ وہ قدرت رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ تو سمندر کی تہہ اور جانوروں کے پیٹ سے بھی اجزاء کو نکال کر جمع کر لے گا، لہٰذا کافروں کو بعث بعد الموت کے نظریہ سے تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ پھر اللہ نے وقوع قیامت کی علت بھی بیان کر دی کہ ہر شخص کو اپنے عقیدے اور عمل کا پورا پورا بدلہ دینا مقصود ہے جو اس دنیا میں ممکن نہیں یہاں تو نیکی بدی خلط ملط ہوتی ہوتی ہے اور بسا اوقات دنیا میں حق و باطل اور جائز و ناجائز کا امتیاز نہیں ہو پاتا جس کی وجہ سے اکثر مجرم سزا سے بچ جاتے ہیں۔ اسی طرح

بسا اوقات نیکوکار لوگ دنیا میں عسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور انہیں اُن کی نیکی کا پورا صلہ نہیں ملتا، مگر آخرت میں ہر چیز کھل کر سامنے آجائے گی، نیکی اور بدی میں امتیاز ہوگا، مجرم اور بے گناہ الگ الگ ہو جائیں گے تو اُس وقت ہر شخص کو اُس کی محنت و کاوش اور جرم و گناہ کا پورا پورا بدلہ مل سکے گا۔

کفار کا انکار

بہر حال جب اللہ کا نبی کفار و مشرکین کو وقوعِ قیامت اور جزائے عمل سے خبردار کرتا تو وہ کہتے اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا کہ اس نے افتراء باندھا ہے اللہ پر جھوٹ۔ کہتے تھے کہ اللہ کا نبی وقوعِ قیامت کو اللہ کی طرف غلط طور پر منسوب کرتا ہے (العیاذ باللہ) مگر اللہ نے نبی کو حکم دیا کہ قسم اٹھا کر کہیں کہ قیامت ضرور آنے والی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (الانبیاء - ۱۰۴) یہ ہمارا پکا وعدہ ہے جسے ہم پورا کر کے رہیں گے۔

محدثین فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی کی طرف کوئی جھوٹ بات منسوب کرتا ہے کہ یہ بات اللہ کے نبی نے کہی ہے، حالانکہ وہ نبی کا قول نہیں ہوتا تو ایسا شخص کبیرے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور جو شخص نبی پر افتراء باندھتا ہے وہ اُسے حقیر سمجھ کر اُس کی توہین کا مرتکب ہوتا ہے، لہٰذا وہ کافر ہو جاتا ہے۔

دیوانگی کا اتہام

فرمایا کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اللہ پر افتراء باندھا ہے۔ اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ یا پھر یہ شخص یعنی اللہ کا نبی معاذ اللہ دیوانہ ہے جو اس قسم کی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے کہ قیامت آنے والی ہے، سب لوگ قبروں سے اٹھیں گے، حساب کتاب کی منزل آئے گی اور پھر جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ کہتے تھے لات اور عزیٰ کی قسم نہ کوئی قیامت ہے اور نہ کوئی جزائے عمل کی منزل آئے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں نبی سے بڑھ کر کوئی عقلمند نہیں ہوتا مگر حضور علیہ السلام تو تمام انبیاء کے بھی سردار ہیں جن کا کوئی قول و فعل خلاف عقل نہیں۔ آپ کو

سلہ

دیوانہ کہنا تو محض ضد، عناد اور تعصب کی بنا پر ہی ہو سکتا ہے۔ یہ ایسے بدبخت لوگ تھے کہ کبھی آپ کو دیوانہ کہتے، کبھی شاعر اور کبھی کذاب کہتے، کفار کا یہ سلوک صرف حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص نہیں تھا کہ لوگوں نے پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھی ایسے ہی خطاب دیے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو ذلیل اور کذاب کہا بعض جادوگر کہتے تھے اور بعض مسحور کہتے یعنی اس پر جادو کا اثر ہو چکا ہے کہتے تھے اس کا کلام جادو کا اثر رکھتا ہے۔ بہر حال کافروں نے کہا کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا پھر یہ مجنون ہے۔

اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ یہ کافر و مشرک لوگ اپنی باتوں میں سچے نہیں ہیں۔ یہ وقوع قیامت کا انکار کر رہے ہیں مگر بالآخر یہ پکڑے جائیں گے فرمایا بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ وہ سزا کے مستحق ہیں اور وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب کوئی شخص دور کی گمراہی میں جا پڑتا ہے تو پھر اس کا راہ راست پر آنا محال ہو جاتا ہے، وہ اسی کفر، شرک کی نجاست کے ساتھ ہی دنیا سے جاتا ہے اور لامحالہ سزا کا مستحق بنتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کیا انہوں نے آسمان و زمین میں نہیں دیکھا جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ پیچھے ہے؟ کائنات میں ذرا غور کرو اور پھر بتلاؤ کیا یہ کسی انسان کا پیدا کردہ ہے یا کسی لات اور عزیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے سورۃ العنکبوت میں ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (آیت۔ ۶۱) ذرا کفار و مشرکین سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کیے ہیں، اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے تو وہ جواب دیں گے کہ ہر چیز اللہ ہی نے پیدا کی ہے اور وہی ہر چیز کا متصرف ہے۔ جب ہر چیز کا خالق، مالک، مدبر اور متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر یہ غیروں کو اس کے ساتھ کیوں شریک بناتے ہیں۔

توحید کے درجات

یہ تو بڑی حماقت کی بات ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ توحید کے چار درجات ہیں جن میں سے دو درجات تو متفق علیہ ہیں اور دو میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ واجب الوجود ہے یعنی اُس کا وجود خود بخود ہے۔ کسی کا عطا کردہ نہیں۔ لفظ اللہ اور خدا اسی مفہوم کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس میں کسی مذہب و ملت والے کو اختلاف نہیں۔ دوسرا درجہ خلق کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے اُس کے خالق ہونے میں بھی کسی کو اختلاف نہیں۔ البتہ دوسرے دو درجوں یعنی تدبیر اور عبادت میں آکر دو گروہ بن جاتے ہیں۔ اہل ایمان مدبر بھی صرف اللہ کو مانتے ہیں یعنی ہر کام کی تدبیر وہ خود کرتا ہے اور اس ضمن میں اُسے کسی دوسرے کی معاونت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے مشرک لوگ دوسروں کو بھی مدبّر مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دوسرے بھی کچھ نہ کچھ تدبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض ستاروں کو مدبر مانتے ہیں اور بعض شجر و حجر کو۔ بعض مخلوق کی جبری سفارش کے قائل ہیں کہ خدا تعالیٰ راضی ہو یا ناراض یہ سفارش کر کے ہمیں عذاب سے بچا لیں گے۔ یہ بھی باطل عقیدہ ہے اچھر چوتھا درجہ عبادت کا ہے۔ ایمان والے عبادت بھی صرف اللہ کی کرتے ہیں۔ جب کہ مشرک لوگ دوسروں کی نذر و نیاز بھی دیتے ہیں، اُن کے نام کا چڑھاوا چڑھاتے ہیں اور ان کو سجدہ کرتے ہیں۔ بعض لوگ شمس و قمر کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ بعض شجر و حجر کو معبود مانتے ہیں اور بعض بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ غرضیکہ اس درجہ میں بھی مومن اور مشرک الگ الگ ہیں۔ بہرحال فرمایا کہ کائنات کا خالق، مالک، مدبر اور متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے، کیا یہ سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے نہیں دیکھتے۔

مشرک کے لیے سزا

اس کے باوجود اگر یہ لوگ شرک سے باز نہیں آتے تو فرمایا اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِہِمُ الۡاَرۡضَ اگر ہم چاہیں تو سزا کے طور پر انہیں زمین میں دھنسا دیں۔ دنیا میں خسف کے واقعات مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ اللہ نے کئی قوموں

ا؎ حجۃ اللہ البالغہ ص۵۹ ج۱ (فیاض)

کو یہی سزا دی۔ قارون کا واقعہ تو قرآن پاک میں موجود ہے کہ اللہ نے اس کو اس کے گھر اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ سورۃ القصص میں موجود ہے فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ (آیت - ۸۱) اس قسم کے واقعات اب بھی کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں جاپان میں زبردست زلزلہ آیا تھا جس میں ڈیڑھ لاکھ آدمی زمین میں دھنس گئے تھے۔ ابھی بیس سال پہلے بدرتہ کی بارہ ہزار کی پوری بستی زمین میں دھنس گئی تھی ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ کا واقعہ بھی ایسا ہی تھا جس میں زمین میں بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئی تھیں اور ہزاروں لوگ لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسے نابکاروں کو زمین میں دھنسا دیں۔

اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ یا اگر چاہیں تو ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں۔ کچھ عرصہ پہلے امریکہ کے کسی علاقہ میں شہاب گرا تھا جس میں سے آگ برستی تھی۔ اس حادثہ میں چار پانچ سو آدمی ہلاک ہو گئے تھے۔ قوم لوط پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی تھی اور ان کی پوری بستی بھی الٹ دی گئی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ایسی سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ بیشک اس میں نشانی ہے خدا کی طرف رجوع رکھنے والے ہر بندے کے لیے۔ جس شخص کے دل میں ایمان کی ذرا سی رمق بھی باقی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کو ہی اپنا مرجع و ماویٰ سمجھتا ہے وہ جان لے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور علیم کل ہے۔ اس کے انبیاء اور کتابیں برحق ہیں۔ وقوع قیامت برحق ہے۔ اور جزائے عمل کی منزل آنے والی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سزا دینے پر بھی قادر ہے۔ بلاشبہ ایسے شخص کے لیے جگہ جگہ نشانات قدرت پھیلے ہوئے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر وہ ایمان کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کر سکتا ہے۔ البتہ جس شخص کے دل میں غرور و تکبر ہے اور جو کفر و شرک سے پاک نہیں اسکی سمجھ میں یہ بات نہیں آئے گی اور وہ اسی طرح اندھیروں میں سرگرداں پھرتا رہے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق دی ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے بڑی فضیلت۔ (اور ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! لوٹاؤ اُس کے ساتھ اپنی آواز کو۔ اور پرندوں کو بھی (ہم نے مسخر کر دیا اس کے لیے) اور ہم نے نرم کر دیا اس کے لیے لوہے کو ⑩ (اور ہم نے کہا) کہ بناؤ (کامل درجے کی) زرہیں، اور اندازہ ٹھہراؤ کڑیاں جوڑنے میں، اور عمل کرو نیک۔ بیشک میں، جو کچھ تم کرتے ہو، اس کو دیکھنے والا ہوں ⑪

ربط آیات

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد کا ہی ذکر ہے یعنی توحید، رسالت، معاد اور قرآن کریم کی حقانیت وصداقت۔ خاص طور پر توحید کے عقلی اور نقلی دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بھی اس سورۃ کا خاص موضوع ہے۔

گذشتہ درس میں توحید کے دلائل ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ کہ بیشک ان چیزوں میں رجوع الی اللہ رکھنے والے بندے کے لیے نشانی ہے۔ سورۃ الزمر میں اللہ تعالیٰ

کا فرمان ہے وَاَنِیْبُوْۤا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ (آیت، ۵۴) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اُس کی فرمانبرداری اختیار کرو۔ اس ضمن میں آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف رجوع رکھنے والے اپنے دو بندوں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر فرمایا ہے اور اُن کو انابت الی اللہ رکھنے والے بندوں میں بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ اللہ نے دونوں باپ بیٹا کو بڑی فضیلت عطا فرمائی بے مثال حکومت دی، اس کے باوصف اُن میں کمال درجے کی انابت پائی جاتی تھی۔

داؤد علیہ السلام کے فضائل

ارشاد ہوا ہے وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے بڑی فضیلت عطا فرمائی۔ آپ صاحب شریعت نبی ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب زبور بھی عطا فرمائی جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (آیت۔ ۵۵) فرمایا یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (صٓ۔ ۲۶) اے داؤد علیہ السلام! ہم نے آپکو زمین میں خلافت عطا فرمائی تاکہ تم لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے کام لو۔ نبوت بجائے خود بہت بڑی فضیلت ہے کہ انسان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر سورۃ الانبیاء اور نمل میں آچکا ہے اور آگے سورۃ صٓ میں بھی آرہا ہے جہاں اللہ نے اُن کی فضیلت اور برتری کو بیان کیا ہے۔ رسول اور خلیفہ ہونے کے باوجود آپ کمال درجے کے عبادت گزار بھی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان[۱] ہے کَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ آپ اپنے دور کے سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

---

[۱]

یہ بہت بڑی سعادت ہے جس کو نصیب ہو جائے۔ ہماری امت کے لوگ اگر دو دن چھوڑ کر بھی روزہ رکھ لیں تو بہت بڑی بات ہے مگر داؤد علیہ السلام ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھتے تھے۔

داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی

حضرت داؤد علیہ السلام کو جو کتاب زبور عطا کی گئی اس میں زیادہ تر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے۔ آپ اس کتاب کی تلاوت نہایت خوش الحانی سے کرتے حتیٰ کہ آپ کی آواز سن کر پہاڑ اور پرندے بھی آپ کے ساتھ تلاوت میں شریک ہو جاتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک[1] ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو کتاب الٰہی کی تلاوت کا اس قدر ذوق و شوق تھا کہ آپ اپنے خادم کو اصطبل سے گھوڑا لانے کا حکم دیتے اور جب تک گھوڑا پیش کیا جاتا آپ پوری زبور کی تلاوت مکمل کر لیتے۔ آپ ہی کی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی بڑے خوش الحان تھے۔ آپ رات کو قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے، حضور علیہ السلام نے یہ آواز سنی تو فرمایا[2] لَقَدْ اُوْتِیَ مِزْمَارًا مِّنْ مَّزَامِیْرِ دَاؤدَ یعنی اللہ نے تمھیں داؤدی گلا عطا فرمایا ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ تیری تلاوت کو سنتا رہوں۔

خوش الحانی خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جسے عطا ہو جائے یہ غیر اختیاری چیز ہے مگر جسے مل جائے اُسے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور اس کو اچھے مصرف میں لانا چاہیئے، اس آواز کے ساتھ اللہ کی حمد و ثنا بیان کرے، اور قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ اکثر لوگ خوش الحانی سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اور فلمی اور غیر فلمی گانے گا کر اس نعمت خداوندی کی ناشکری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اکثر عشقیہ اور غیر اخلاقی اشعار پڑھے جاتے ہیں جو بالآخر انسان کے لیے وبال جان بن جاتے ہیں۔

---

[1]

[2] ابن کثیر صہ ۵۲۶ ج ۳ و قرطبی صہ ۲۶۵ ج ۱۴ (فیاض)

بہر حال جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی میٹھی اور پرسوز آواز میں تلاوت فرماتے، تو ارد گرد کے پہاڑ، شجر و حجر اور پرندے بھی آپ کے ہمنوا ہو جاتے، یہ کوئی مبالغے کی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو بھی آپ کے تابع کر دیا تھا، اور خرقِ عادت کے طور پر اُن سے بھی ویسی ہی آواز نکلتی تھی، جیسے آپ تلاوت فرماتے تھے۔ سورۃ نمل میں ہے — عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (آیت-۱۶) اللہ نے دونوں باپ بیٹے کو پرندوں کی بولیاں بھی سکھا دی تھیں۔ اور آپ کے تابع بھی کر دیے تھے۔ وہ بھی آپ کی آواز کے ساتھ آواز ملانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

معجزہ اور کرامت

اگر اللہ تعالیٰ عادت کے خلاف کسی چیز کو پیغمبر کے تابع کر دے یا کوئی دیگر خرقِ عادت واقعہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو یہ معجزہ کہلاتا ہے اور یہی چیز اگر ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔ معجزہ اور کرامت انسان کا اپنا فعل نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ کا فعل ہوتا ہے جسے جب چاہے اور جہاں چاہے ظاہر کر دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (المومن-۷۸) کسی نبی اور رسول کے لائق نہیں ہے کہ وہ اذنِ الٰہی کے بغیر کوئی نشانی پیش کر سکے۔ ہاں اگر ایسی ہی کوئی خرقِ عادت چیز کافر، مشرک یا نافرمان کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو وہ استدراج کہلاتا ہے یعنی ایسے شخص کو بغاوت کی مہلت ملتی رہتی ہے۔ پھر جب وہ مہلت پوری ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت آجاتی ہے۔ قربِ قیامت کے واقعات میں دجال کا ذکر بھی آتا ہے جو خدائی دعویٰ کرے گا اور اُس کے ہاتھ پر بڑے بڑے عجیب و غریب واقعات پیش آئیں گے جنہیں دیکھ کر لوگ دنگ رہ جائیں گے اور اس طرح وہ اکثریت کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوگا مگر یہ سب استدراج ہوگا، جو مقررہ وقت پر ختم ہو جائے گا۔

پہاڑوں اور پرندوں کی ہمنوائی

حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس مقام پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حکم دیا يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ اے پہاڑو حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کے ساتھ اپنی آواز کو لوٹاؤ یعنی اُن کے ساتھ حمد باری تعالیٰ

میں شریک ہو جاؤ۔ اور ہم نے پرندوں کو بھی آپ کے لیے مسخر کر دیا، وہ بھی آپ کے ساتھ نغمہ سرائی کرتے تھے، یہ بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو معجزہ عطا فرمایا تھا۔ پہاڑ اور پرندے واقعی آپ کے ساتھ ہمنوا ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے تھے

پرویز اور سرسید قسم کے گمراہ لوگوں نے معجزات کا انکار کیا ہے، اور قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی معجزات کا ذکر آیا ہے، انہوں نے الٹی سیدھی تاویلیں کی ہیں۔ مثلاً یہی تسخیر طیور کے متعلق ایسے لوگ کہتے ہیں کہ طیور سے مراد جنگلی آدمی ہیں، نہ کہ پرندے، پرویز نے تو اللہ کا معنیٰ قانون اور عالم کا معنیٰ سائنسدان کیا ہے۔ قرآنِ پاک میں آتا ہے اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر-۲۸) اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے وہی خوف کھاتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔ پرویز کے نزدیک علماء سے مراد قرآن و سنت اور حدیث و فقہ کے علماء نہیں بلکہ سائنسدان ہیں خواہ وہ ملحد اور دہریہ ہوں یا ہندو اور سکھ ہوں۔ اسی طرح اس نے حُوْرٌ عِيْنٌ کا معنیٰ پاکیزہ فکر کیا ہے اور ابل کا معنیٰ اونٹ کی بجائے بادل کیا ہے۔ بہرحال یہ لوگ تو معجزات کے منکر ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے بیشمار مقامات پر معجزات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے تھے۔

لوہے کی تسخیر

پہلے پہاڑوں اور پرندوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ آگے اللہ نے تیسری چیز لوہے کا ذکر فرمایا ہے۔ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اور ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا۔ اللہ کے کارخانۂ قدرت میں لوہا ایک اہم چیز ہے۔ اس کے نام پر قرآن پاک میں ایک مستقل سورۃ الحدید بھی ہے جس میں اللہ نے فرمایا ہے وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (آیت-۲۵) اور ہم نے لوہا اتارا، اس میں سخت لڑائی کا سامان ہے اور لوگوں کے لیے اور بہت سے فائدے ہیں۔ لوہا ابتدائے زمانہ سے ہی کارآمد دھات کے طور پر استعمال ہوتا چلا آرہا ہے۔ چنانچہ حضرت ادریس علیہ السلام نے اس سے سوئی تیار کی جس سے آپ

نے کپڑے سینے کا آغاز کیا۔ اس قریبی زمانہ میں موجودہ دور تو ایٹمی دور کہلاتا ہے جب کہ پچھلی صدی کو لوہے کا دور (IRON AGE) کہا جاتا تھا۔ اس زمانے میں لوہے سے بڑا کام لیا گیا اور بڑی مشینیں سارکی گئی جس کے ذریعے دنیا میں صنعتی انقلاب آیا اور آلاتِ حرب و ضرب میں بھی بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ آج چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر دیوہیکل مشین، ٹینک، ہوائی جہاز، بحری جہاز اور ریل گاڑیاں لوہے کی مرہونِ منت ہیں۔

لوہا ایک سخت دھات ہے جسے تیز آگ میں ہی نرم کیا جا سکتا ہے۔ بحکمِ اللہ نے اس کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر معجزانہ طور پہ نرم کر دیا تھا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آپ کے لیے لوہا آٹے یا موم کی مانند تھا جس کو بغیر گرم کیے جس طرف چاہتے توڑ موڑ کر اس سے اشیاء بنا لیتے۔ لوہے سے کام لینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ آپ اس سے زرہیں بنائیں۔ وہی لوہے کی قمیض جو دورانِ جنگ میں بچاؤ کے لیے پہن لی جاتی ہے۔ یہ چیز لوہے کی چھوٹی موٹی کڑیوں کو ملا کر تیار کی جاتی ہے۔ سابقہ زمانے میں زرہ انسانی جسم کی حفاظت کا ایک مؤثر ذریعہ تھی۔ اب زمانہ ترقی کر گیا اور جنگی ہتھیار کے طور پر بڑے بڑے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں ایجاد ہو چکی ہیں۔ بہرحال اللہ نے آپ کو زرہیں بنانے کا حکم دیا۔

شانِ نزول

امام بغوی رح نے اپنی تفسیر "معالم التنزیل"[1] میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام خلیفۃ اللہ تھے۔ آپ بھیس بدل کر عام شہریوں میں گھل مل جاتے اور پھر ان سے پوچھتے کہ تمہارا خلیفہ کیسا ہے۔ اکثر لوگ آپ کی تعریف کرتے کہ بڑا نیک اور عادل حکمران ہے۔ ایک موقع پر اسی طرح آپ نے کسی شخص سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ ہمارا خلیفہ تو بڑا اچھا ہے، صرف ایک ہی نقص ہے کہ وہ

---

[1] معالم التنزیل صہ ۱۸۷ ج ۳ (فیاض)

ذاتی اخراجات کے لیے بیت المال سے وظیفہ لیتا ہے۔ یہ سن کر آپ سخت پریشان ہوئے کیونکہ آپ واقعی اپنے بال بچوں کے اخراجات بیت المال سے پورے کرتے تھے۔ اگرچہ حاکم کے لیے بیت المال سے خرچہ لینا ناجائز نہیں ہے۔ مگر آپ نے اسے تقویٰ کے خلاف تصور کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مولا کریم! کوئی ایسا سبب پیدا کر دے کہ میرے ہاتھ سے یہ داغ بھی دھل جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہم نے تمہارے لیے لوہے کو نرم کر دیا ہے، اس کی کڑیاں جوڑ کر زرہیں بناؤ اور انہیں بیچ کر اپنے اور اہل خانہ کے اخراجات پورے کر لیا کرو۔

ہاتھ کی کمائی

حدیث شریف[1] میں آتا ہے کہ انسان کے لیے بہتر روزی وہ ہے جو وہ اپنے ہاتھ سے کماتا ہے، اور اللہ کے نبی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ ہاتھ کی کمائی سے مراد صرف مزدوری یا صنعت وحرفت ہی نہیں بلکہ محنت کا ہر کام مراد ہے جس میں کاشتکاری، ملازمت، تعلیم وغیرہ بھی آجاتے ہیں۔ جو شخص ہاتھ کی بجائے دماغی کام کرتا ہے۔ ذہن کے ذریعے سوچتا سمجھتا اور منصوبہ سازی کرتا ہے وہ بھی اس مد میں آتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو آدمی اپنے ظاہری اور باطنی قویٰ کو استعمال میں لا کر کوئی کام کرتا ہے وہ ہاتھ کی کمائی والوں میں شامل ہے اور اللہ کے نبی نے اسے بہتر روزی قرار دیا ہے۔

تفسیری روایات[2] میں آتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کی تیار کردہ زرہ اتنی عمدہ ہوتی تھی کہ چھ چھ ہزار درہم قیمت پاتی تھی۔ آپ اس میں سے چار ہزار درہم صدقہ کر دیتے اور دو ہزار درہم گھر میں استعمال کر لیتے۔ اسلامی تاریخ میں بعض ایسی ہستیوں کا ذکر ملتا ہے جو بیت المال سے وظیفہ نہیں لیتے تھے بلکہ خود ہاتھ کی کمائی سے اخراجات پورے کرتے تھے۔ ہندوستان میں آخری دور کے سب سے بڑے حکمران اورنگ زیب عالمگیرؒ کتابت کر کے اپنے لیے روزی کماتے تھے

---

[1] قرطبی ص ۲۶۷ ج ۱۴ [2] درمنثور ص ۲۲۶ ج ۵ و ابن کثیر ص ۵۲۷ ج ۳ (فیاض)

اسی طرح ناصر الدین التمشؒ ہرات سے برما تک کی سلطنت کے مالک تھے ۔ مگر اپنے ہاتھ کی کمائی سے گزر اوقات کرتے تھے ۔ بعض دوسرے حضرات بھی کوشش کرتے تھے کہ بیت المال پر بوجھ نہ ڈالیں ۔ اگر ایسا ہو جائے تو افضل ہے ، ورنہ بیت المال سے حسب ضرورت لینا جائز ہے ۔

پیشہ وری

ایک دوسرا مسئلہ پیشہ وری کا ہے اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام قائم کر رکھا ہے ۔ کہ ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے مختلف لوگ مختلف پیشے اختیار کرتے ہیں ۔ کوئی لوہے کا کام کرتا ہے تو کوئی لکڑی کا ، کوئی برتن بناتا ہے تو کوئی کپڑا بنتا ہے ، کوئی رنگ ساز ہے تو کوئی جوتا سازی کرتا ہے ، ہاتھ سے کوئی بھی جائز کام کیا جائے ، معیوب نہیں ہے ، ہمارے ہاں ہندوؤں کی طرف سے آنے والی ذات پات نے بعض پیشوں کو حقیر بنا دیا ہے جو کہ غلط ہے ۔ کام کوئی بھی کرتا ہو انسان کا اخلاق اور کردار اچھا ہونا چاہیئے ، دین دار ہو ، برائی سے بچنے والا اور نیکی کرنے والا ہو ۔ ہر جائز پیشہ درست ہے ۔ خود حضور علیہ السلام نے تجارت بھی کی ہے اور بکریاں بھی چرائی ہیں ۔ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے ادریس علیہ السلام مشین اور سوئی بناتے تھے ، الغرض محض پیشے کی بناء پر کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے اور نہ ہی کوئی پیشے کی بناء پر زیادہ باعزت ہوتا ہے ۔ بلکہ عزت کا اصل معیار تقویٰ ہے ۔

اعتدال پسندی

اللہ نے فرمایا کہ لوہے سے زرہیں بناؤ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ اور کڑیوں کے جوڑنے میں اندازہ ٹھہراؤ ۔ زرہ سازی میں کڑیوں کی موٹائی اور لمبائی کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے اور ان کو جوڑتے وقت تناسب کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے ، اسی لیے فرمایا کہ اس کام کو اندازے کے مطابق ٹھیک ٹھیک انجام دو ۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں[1] کہ کسی بھی کام کے کرنے میں وقت کا انضباط بھی

---

[1] بیان القرآن صــــ (فیاض)

بڑا ضروری ہے: ہر کام کی نوعیت کے پیش نظر اس کے لیے وقت مقرر رکھنا چاہیئے کسی ایک کام میں اندازے سے زیادہ وقت لگنے کی صورت میں دوسرا کام متاثر ہو سکتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان اپنا سارا وقت کاروبار اور کھیل تماشے میں لگا دے اور اللہ کی عبادت کے لیے وقت ہی نہ نکال سکے، آخرت کی فکر ہی نہ کر سکے۔ فرمایا ہر کام کو اندازے کے مطابق کرو وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اور اچھے کام کرو۔ برے افعال سے اجتناب کرو۔ یہ خطاب اگرچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے ہے مگر پوری نوع انسانی کے لیے بھی حکم ہے کہ نیکی کا راستہ اختیار کرو اور برائی سے بچ جاؤ۔ فرمایا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ میں تمھارے ہر کام کو دیکھ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم کون سا کام کس خلوص اور نیت کے ساتھ کر رہے ہو۔ میں اسی کے مطابق بدلہ بھی عطا کروں گا۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ
وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ
بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ
عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾
يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ
وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا
اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

ترجمہ:- اور سلیمان علیہ السلام کے لیے (ہم نے مسخر کر دیا) ہوا کو۔ اس کا پہلا پہر ایک ماہ کی مسافت طے کرنا اور پچھلا پہر بھی ایک ماہ کی۔ اور بہا دیا ہم نے اُس کے لیے تانبے کا چشمہ۔ اور وہ جنات میں سے تھے جو محنت کرتے تھے اُس کے سامنے اُس کے رب کے حکم سے۔ اور جو کوئی اُن میں سے کجی (سرکشی) اختیار کرتا تھا ہمارے حکم کے سامنے، ہم چکھاتے تھے اُس کو آگ کا عذاب (۱۲) وہ (جنات) کام کرتے تھے اس کے لیے جو وہ چاہتا تھا، یعنی قلعے، مجسمے، حوض نما پیالے اور جمی ہوئی دیگیں۔ (ارشاد ہوا) کام کرو اے آلِ داؤد۔ شکر گزاری کے لیے۔ اور بہت تھوڑے ہیں میرے بندوں میں سے

شکر ادا کرنے والے (۱۳)

ربط آیات

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر کئی ایک سورتوں میں آیا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ نمل میں آپ کا تذکرہ تھا، اب یہاں آرہا ہے اور آگے سورۃ صٓ میں بھی آئے گا۔ یہ دونوں باپ بیٹا اللہ کے جلیل القدر اور صاحب کتاب پیغمبر تھے اس سورۃ میں پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید کے عقلی اور نقلی دلائل بیان فرمائے اور آخر میں فرمایا اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ کہ اس میں اللہ کی طرف رجوع رکھنے والے ہر بندے کے لیے نشانی ہے۔ اللہ نے عبدِ منیب کے طور پر پہلے داؤد علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور اب اُن کے فرزند ارجمند حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے۔

سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ

حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹوں میں سے حضرت سلیمان علیہ السلام سب سے چھوٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ میں وہ صلاحیت اور استعداد رکھی تھی جو دوسرے کسی بیٹے میں نہیں تھی، چنانچہ داؤد علیہ السلام کے بعد مسندِ خلافت پر بھی سلیمان علیہ السلام ہی متمکن ہوئے، اسی لیے اللہ نے فرمایا وَوَرِثَ سُلَیۡمٰنُ دَاوٗدَ (النمل - ۱۶) ہم نے سلیمان علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کا خلافت میں وارث بنایا گویا سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے باپ کی طرح نبوت و رسالت بھی عطا فرمائی اور خلافت و نیابت بھی۔ آپ نے تیرہ سال کی عمر میں عنانِ حکومت سنبھالا اور چالیس سال تک بے مثال حکومت کی۔ آگے سورۃ صٓ میں آرہا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کی تھی پروردگار! هَبۡ لِیۡ مُلۡکًا لَّا یَنۡۢبَغِیۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ (آیت - ۳۵) مولا کریم! مجھے ایسی حکومت نصیب فرما جو میرے بعد کسی کو میسّر نہ ہو۔ آپ کی یہ دُعا قبول ہوئی اور اللہ نے آپ کو بے مثال حکومت عطا فرمائی۔ آپ نہ صرف انسانوں کے حکمران تھے بلکہ اللہ نے جنوں اور پرندوں کو بھی آپ کے تابع کر دیا تھا آپ کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا گیا تھا جو آپ کو نہایت تیز رفتاری کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتی تھی۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ دنیا میں چار شخصیتوں کو تقریباً پوری دنیا پر غلبہ حاصل رہا ہے۔ ان میں سے دو ہستیاں اہلِ ایمان میں سے ہیں یعنی سکندر ذوالقرنین اور سلیمان علیہ السلام اور دو کافروں میں سے ہیں۔ ایک بابل کا بادشاہ بخت نصر اور دوسرا آشوریوں کا بادشاہ نمرود ان میں سے سلیمان علیہ السلام کی حکومت سب سے ممتاز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو وسائل حکومت عطا فرمائے تھے اُن کا تھوڑا سا تذکرہ آج کے درس میں آرہا ہے۔

ہوا کی تسخیر

ارشاد ہوتا ہے وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ ہوا ایک ایسی ضروری چیز ہے جس پر ہر جاندار بلکہ نباتات کی زندگی کا انحصار بھی ہے۔ یونانی دور میں ہوا کو بسیط مانا جاتا تھا لیکن بعد کی تحقیق کے مطابق ہوا مرکب ہے، اس میں آکسیجن، نائٹروجن اور ہائیڈروجن وغیرہ گیسیں ملی ہوئی ہیں۔ ہوا کا سب سے ضروری عنصر آکسیجن ہے جو ہر سانس کے ساتھ ہر جاندار کے اندر جاتا ہے اس کے ذریعے جاندار کا خون صاف ہوتا رہتا ہے۔ درخت دن کے وقت پتوں کے ذریعے آکسیجن کھینچتے رہتے ہیں اور رات کو کاربن ڈائی آکسائیڈ جیسی زہریلی گیس باہر نکالتے ہیں۔ آکسیجن ہوا کا لطیف ترین حصہ ہے جس پر زندگی کا انحصار ہے۔ اگر پانچ منٹ کے لیے بھی سانس رُک جائے تو کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ چونکہ یہ اس قدر ضروری چیز ہے، اس لیے اللہ نے اسے بالکل فری مہیا کیا ہے، ہوا پر کسی طاقت کی اجارہ داری نہیں اور یہ ہر ایک کو بلا محنت اور بلا قیمت میسّر ہے، ہوا کے بعد دوسری ضروری چیز پانی ہے، یہ بھی فری ہونا چاہیئے اور ہر حکومت کو بلا ٹیکس پانی کی بہم رسانی کا انتظام کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد خوراک کا نمبر آتا ہے جو انسان محنت کر کے حاصل کرتے ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ آپ

لے

نے جب کہیں دور دراز کے سفر پر جانا ہوتا آپ اپنا تخت ہوا پر بچھا دیتے، اس پر خود بھی بیٹھ جاتے اور دیگر درباریوں اور لشکریوں کو بھی بٹھا لیتے اور پھر حکم دیتے تو ہوا آپ کو اٹھا کر منزلِ مقصود تک لے جاتی۔ اس ہوا کی رفتار کا یہ عالم تھا غُدُوُّهَا شَهْرٌ جب وہ صبح کے وقت چلتی تو دن کے تھوڑے سے حصے میں مہینے بھر کا سفر طے کر لیتی وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ اور اس کا پچھلا پہر بھی ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتا۔ مطلب یہ کہ عام سواری گھوڑے، اونٹ وغیرہ پر کوئی شخص جتنا سفر دن کے پہلے حصے میں یا پچھلے حصے میں طے کر سکتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے عرصہ میں مہینہ بھر کی مسافت طے کر لیتے۔

اس وقت تو تیز رفتاری کی یہ صورت بغیر آلات کے معجزانہ طور پر پیش آتی تھی، تاہم اس زمانہ میں جتنی بھی تیز رفتار سواریاں ہیں، وہ بھی ہوا ہی کی مرہونِ منت ہیں آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ زمانے کی تیز ترین سواری ہوائی جہاز ہے جو کہ ہوا میں تیر رہا ہے، تاہم اب ہوا کو آلات کے ذریعے مسخر کیا جاتا ہے۔ ہوائی جہاز کے علاوہ پٹرول، ڈیزل اور کوئلہ وغیرہ سے چلنے والی تمام گاڑیاں اسی اصول کے تحت چلتی ہیں۔ گاڑی میں ایندھن جل کر سٹیم پیدا کرتا ہے جو کہ ہوا ہی کی ایک قسم ہے، اور وہ سٹیم گاڑی کو دوڑاتا پھرتا ہے۔ بہر حال ہوا کی تسخیر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیات میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی تھی اور آپ اس سے بڑے بڑے کام لیتے تھے۔ آج تو ہوائی جہاز یا سڑکوں اور پانی میں چلنے والی گاڑیوں کو ہر آن حادثہ پیش آجانے کا خطرہ بھی لاحق رہتا ہے مگر سلیمان علیہ السلام کی ہوا کے دوش پر چلنے والی گاڑی کو ایسا کوئی خطرہ درپیش نہیں ہوتا تھا۔ آپ جہاں چاہتے بلا خوف و خطر ہوا کے کندھے پر سوار ہو کر پہنچ جاتے۔ یہ آپ کی اُس دُعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا کہ پروردگار! مجھے ایسی حکومت نصیب فرما جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو۔

بظاہر ہوا ایک کمزور سی چیز ہے جس کے متعلق سعدی صاحبؒ نے کہا ہے ؎

اے من غلامِ آں کہ دِل بر کسے نہ نہاد ۔۔۔ ۔اں بر آب نہادست زندگی بر باد

جہان کی بنیاد تو خدا تعالیٰ نے پانی پر رکھی ہے کہ کرۂ ارض کے ارد گرد پانی احاطہ کیے ہوئے ہے مگر زندگی کی بنیاد اللہ نے ہوا پر رکھی ہے انسانی زندگی کی یہ بنیاد بڑی کمزور ہے تھوڑی دیر کے لیے سانس رُک جائے تو زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ کرۂ ارض کے ارد گرد پانچ سو میل تک ہوا محیط ہے۔ اگر ہوا کا یہ احاطہ نہ ہو تو اُوپر سے آنے والے کروڑوں شہاب زمین پر گر کر اسے تباہ و برباد کر دیں اور انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ ہوا کا احاطہ ہے جو شہاب کے زمین تک پہنچنے میں رکاوٹ ہے، کوئی پندرہ بیس سال پہلے کی بات ہے کہ ایک شہاب امریکہ کے کسی علاقے پر گرا تھا جس سے مکانات کو آگ لگ گئی اور سینکڑوں جانیں تلف ہو گئیں تھیں۔

تانبے کا چشمہ

فرمایا ایک تو ہم نے ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا اور دوسری چیز یہ کہ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ہم نے آپ کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا تانبہ ایک مفید اور قیمتی دھات ہے، ابھی کچھ عرصہ پہلے تک اس کے بڑے بڑے برتن بنائے جاتے تھے۔ یہ دھات بجلی کی تاروں میں خاص طور پر استعمال ہوتی ہے کیونکہ یہ بجلی کی منتقلی میں بہترین تار ثابت ہوئی ہے۔ جس طرح اللہ نے داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا اور آپ بغیر تپائے اس سے زرہیں وغیرہ بناتے تھے، اسی طرح سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ نے تانبے کے چشمے جاری کر دیے تھے۔ وہاں سے تانبہ نکال کر آپ ظروف بناتے تھے۔ اب بھی صنعت و حرفت میں تانبے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

جنات کی تسخیر

ہوا اور تانبے کی تسخیر کے علاوہ اللہ نے فرمایا وَمِنَ الْجِنِّ اور ہم نے جنات کو بھی سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ یہ جنات اپنے پروردگار کے حکم سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے کام کرتے تھے۔ جنات سے مراد وہی غیر مرئی مخلوق ہے جو انسانوں کی طرح مکلف ہے مگر درجے میں ان سے کمتر ہے۔ جنات کی مختلف شکلیں

ہوتی ہیں جنہیں وہ حسبِ منشا تبدیل بھی کر سکتے ہیں۔ اُن کی تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے ہوئی تھی تو انہی کے ایک فرد ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بہکایا۔ جنوں کے بھی انسانوں کی طرح خاندان ہوتے ہیں۔ یہ کاروبار کرتے ہیں۔ انسانوں کی طرح اُن میں بعض مومن اور بعض کافر ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ نے سورۃ جن میں اِن کا اپنا بیان نقل فرمایا ہے۔ وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ (آیت ۱۴) ہم میں سے بعض فرمانبردار ہیں اور بعض نافرمان۔

شاہ رفیع الدینؒ فرماتے ہیں کہ انسان اور جن مکلف مخلوق ہے۔ اسی لیے تو اللہ نے سورۃ الرحمٰن میں دونوں انواع کو خطاب فرمایا یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! اگر تمہیں قدرت ہو تو آسمان و زمین کے کناروں سے نکل جاؤ۔ جن کے نام سے ایک مستقل سورۃ بھی ہے جس میں جنوں کے قرآن سننے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انسانوں کی طرح جن بھی غور و فکر کرتے ہیں اور روزمرہ کی زندگی میں آلات استعمال کرتے ہیں۔ البتہ انسان خاکی ہیں اور جنات ناری۔ انسان کی تخلیق میں مٹی کا زیادہ دخل ہے، جب کہ جنوں کی تخلیق میں ہوا اور آگ کا عنصر غالب ہے۔

فرمایا جنات اپنے پروردگار کے حکم سے سلیمان علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کرتے تھے وَمَنْ یَّزِغْ مِنْھُمْ پھر اُن میں سے جو کوئی کجی یا سرکشی اختیار کرتا تھا عَنْ اَمْرِنَا ہمارے حکم سے نُذِقْہُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ تو ہم انہیں آگ کا عذاب چکھاتے تھے۔ مطلب یہ کہ اللہ نے جنات کو سلیمان علیہ السلام کی خدمت پر مامور کر رکھا تھا۔ آپ جو بھی کام اُن کو بتاتے وہ کرنے پر مجبور ہوتے تھے اور اگر اُن میں سے کوئی جن حکم عدولی کی کوشش کرتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس پر آگ کے کوڑے برسائے جاتے۔

محرابوں کی تعمیر

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بعض کاموں کا ذکر فرمایا ہے جو جنات سلیمان علیہ السلام کے حکم پر انجام دیتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ جنات سلیمان علیہ السلام کے لیے ان کی حسب منشا کام کرتے تھے۔ ان میں سے ایک کام قلعوں کی تعمیر تھا۔ محاریب محراب کی جمع ہے۔ ہمارے ہاں تو محراب مسجد کے اس حصے کو کہا جاتا ہے، جہاں پر امام کھڑا ہوتا ہے، مگر یہ اس لفظ کا صحیح مفہوم نہیں ہے کیونکہ ابتدائے اسلام میں تو مسجدوں کے محراب نہیں ہوا کرتے تھے۔ یہ تو پہلی صدی کے آخر میں بننے شروع ہوئے۔ محراب خلفاء کی حفاظت کے لیے بنانے شروع ہوئے تاکہ نماز کے دوران کوئی حملہ آور نہ ہو۔ اب یہ رواج عام ہو چکا ہے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ امام کسی حد تک محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ مسجد میں ایک صف کی مزید گنجائش نکل آتی ہے۔ تاہم فقہائے احناف کہتے ہیں کہ امام کو محراب کے بالکل اندر نہیں کھڑا ہونا چاہیئے کہ وہ مقتدیوں کو نظر ہی نہ آئے بلکہ تھوڑا سا باہر نکل کر کھڑا ہونا چاہیئے۔ ویسے محراب کا عام لغوی معنی عمدہ قسم کا کمرہ ہے جس کا اطلاق عبادت خانے پر بھی ہوتا ہے۔ تاہم اس مقام پر محاریب سے مراد عمدہ قسم کے قلعے اور مکانات ہیں جو جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر تعمیر کرتے تھے، اور جن میں سرخ و سفید نفیس قسم کے پتھر لگائے جاتے تھے اس کی ایک مثال سورۃ النمل میں بھی گزر چکی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے حکم پر جنات نے پانی کے حوض پر شیشے کا خوبصورت فرش لگا دیا تھا۔ بلکہ سبا نے سمجھا کہ یہ پانی ہے حالانکہ وہ شیشے کا نفیس فرش تھا جس کے نیچے پانی تھا۔

قدیم مجسمہ سازی

فرمایا ایک تو جنات محراب بناتے تھے اور دوسرا وَتَمَاثِيْلَ وہ مجسمے (STATUES) بھی بناتے تھے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ پہلے ادیان میں مجسمہ سازی ممنوع نہیں تھی مگر ہمارے دین میں کسی لکڑی، پتھر یا دھات کا مجسمہ بنانا یا ہاتھ سے تصویر بنانا یا کیمرے سے فوٹو لینا سب حرام ہے۔ قدیم زمانے میں کسی آدمی کی شکل پر کوئی بت تراش لیتے تھے، اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس

کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے تھے۔ یہی شرک ہے جس کی اللہ نے سختی سے تردید فرمائی ہے۔ مجسمہ سازی بدھوں کی تہذیب میں بھی ملتی ہے۔ مہنجو دھاڑو اور ٹیکسلا کے کھنڈرات سے بھی بت برآمد ہوئے ہیں اور دکن حیدر آباد کی قدیم تہذیب ایلیفنٹا اور ایلورا میں بھی مجسمہ سازی کے بہت سے آثار ملے ہیں۔ مفسرین میں سے امام زمخشری[1] اور صاحب تفسیر قرطبی[2] نے لکھا ہے کہ ہر مجسمہ حرام ہے خواہ وہ کسی بھی جاندار کا ہو۔ بعض لوگ قرآن کے اسی لفظ تماثیل سے مجسمہ سازی کا جواز پیش کرتے ہیں جو کہ غلط ہے تصویر کشی اور مجسمہ سازی کی حرمت میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اور یہ لفظ تماثیل واضح بھی نہیں ہے کہ اس سے کس قسم کے مجسمے مراد ہیں، تاہم ہماری شریعت میں اس کی بہر حال ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے یہ روایت[3] بھی آئی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اُن سے فرمایا لَا تَدَعْ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ کوئی مجسمہ ایسا نہ چھوڑو جسے مٹا نہ دو۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان[4] ہے کہ جس گھر میں تصویر یا کتا ہو وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ فرمایا[5] اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَشَدَّ الْعَذَابِ یعنی تصویریں بنانے والوں کو قیامت کے دن سخت سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ مصوروں سے فرمائے گا کہ پانی پر نقشہ کھینچی تو میری صفت ہے هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ (آل عمران-٦) وہی اللہ کی ذات ہے جو ماؤں کے رحموں میں جیسی چاہتا ہے تصویر کشی کرتا ہے۔ تو اللہ فرمائے گا تم نے میری صفت اختیار کر کے تصویر تو بنائی اب اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ اب ان تصویروں کو زندہ بھی کرو، مگر وہ نہیں کر سکیں گے اور سخت عذاب کا شکار ہوں گے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان[6] ہے۔ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

---

[1] کشاف ص ۵۴۲ ج ۳، [2] قرطبی ص ۲۷۲ ج ۱۴ [3]

[4] مسند احمد ص ۲۸ ج ۴ و احکام القرآن للجصاص ص ۳۷۲ ج ۳ [5] [6]

(فیاض)

اَلْمُصَوِّرُوْنَ تصویر کشی کرنے والوں کو سخت سزا ملے گی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں تصویر کشی کا کام کرتا ہوں۔ آپ نے اُس شخص کو قریب بلا کر فرمایا کہ تمہیں علم ہے کہ تصویر کشی حرام ہے۔ حضور نے جاندار چیزوں کی تصویر بنانے سے منع فرمایا ہے، وہ شخص کہنے لگا کہ یہ تو میرا پیشہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ افسوس اگر تم نے یہی پیشہ اختیار کرنا ہے تو کم از کم جانداروں کی تصویریں تو نہ بناؤ۔ بہرحال تمثیل کا لفظ صریح نہیں ہے۔ اس میں جاندار بھی آتے ہیں اور غیر جاندار پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اگر قدیم زمانے میں لوگ جانداروں کے مجسمے بناتے تھے تو یہ ان کی شریعت میں تو مباح ہو سکتا ہے۔ ہماری شریعت میں قطعی حرام ہے۔

حوض نما پیالے اور دیگیں

تیسری چیز جس کا اللہ نے یہاں ذکر کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے حکم پر جنات بناتے تھے، وہ ہے وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ حوضوں کی مانند بڑے پیالے تھے۔ چونکہ سلیمان کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہوتا تھا، اس لیے وہ لشکر کو کھانا انہی حوض نما پیالوں میں کھلاتے تھے۔ اس کے علاوہ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ایک جگہ پر جمی رہنے والی بڑی بڑی ہانڈیاں بھی بناتے تھے۔ ظاہر ہے کہ نفری کی کثرت کے پیش نظر ان کے لیے وافر کھانے کی ضرورت پیش آتی تھی جسے بڑی بڑی دیگوں میں پکایا جاتا تھا اور حوض نما پیالوں میں ڈال کر کھایا جاتا تھا۔ یہ کام بھی جنات کے سپرد تھا کہ وہ اتنی بڑی بڑی تانبے وغیرہ کی دیگیں تیار کریں۔ جن میں بڑی مقدار میں کھانا تیار کیا جا سکے۔ یہ اتنی بڑی بڑی دیگیں ہوتی تھیں، جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتی تھیں بلکہ جہاں ایک دفعہ رکھ دی گئیں وہیں پڑی رہتی تھیں اور وہیں اُن میں کھانا تیار کر لیا جاتا تھا۔ اس کی بعض مثالیں آج بھی ملتی ہیں۔ مثلاً اجمیر شریف میں ایک بہت بڑی دیگ ہے جو سوہن کی دیگ کے نام سے مشہور ہے۔ ایک دوسری دیگ بھی ہے

لے

جس میں بیک وقت ساٹھ من کھانا تیار ہوجاتا ہے۔ یہ بھی ایک جگہ پر نصب ہیں اور ناقابلِ انتقال ہیں۔ بہر حال جنات کے ذمے ایک کام بھی تھا کہ وہ بڑی بڑی دیگیں تیار کرتے تھے

شکر گزاری کے کام

سلیمان علیہ السلام کی اس بے مثال حکومت کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا اے داؤد علیہ السلام کے گھر والو! شکر گزاری کے لیے عمل کرو۔ یعنی ایسے اعمال انجام دو جن سے اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ادا ہوتی ہو۔ چنانچہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام اللہ کے بے حد شکر گزار بندے تھے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز داؤد علیہ السلام کی ہوتی تھی۔ آپ کبھی صرف تہائی حصہ سوتے اور دو تہائی عبادت میں گزارتے اور کبھی چھٹا حصہ سوتے اور باقی سارا وقت عبادت الٰہی میں گزار دیتے۔ ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے گھر کا نظام اس طرح بنا رکھا تھا کہ آپ کے عبادت خانہ میں چوبیس گھنٹے عبادت ہوتی رہتی تھی اور وہ کسی وقت بھی خالی نہیں ہوتا تھا۔ آپ خود یا آپ کی کوئی نہ کوئی بیوی ضرور محوِ عبادت رہتی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ بھی اللہ کو بڑا پسند تھا، آپ ایک دن روزہ رکھتے اور دوسرے دن چھوڑ دیتے آپ بہادر اس قدر تھے کہ لَا یَفِرُّ اِذَا لَاقٰی جب دشمن سے مٹھ بھیڑ ہوتی تو آپ پشت پھیر کر نہیں بھاگتے تھے بلکہ خوب مقابلہ کرتے تھے۔

ابن ماجہ شریف کی روایت[1] میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو نصیحت کی کہ اے بیٹے! رات کو زیادہ نہ سویا کرو کیونکہ کثرت النّوم باللیل تترك الرجل فقیرًا یعنی رات کو زیادہ نیند آدمی کو محتاج بنا دیتی ہے۔ ایک موقع پر حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی، پروردگار! میں تیری نعمتوں کا کس طرح شکریہ ادا کروں کیونکہ جب میں تیری کسی نعمت

---

[1] ابن کثیر $\frac{529}{3}$ (فیاض)

کا شکریہ ادا کرتا ہوں تو یہ بھی تیری توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہوتا اور یہ مجھ پر ایک مزید انعام ہوتا ہے۔ اللہ نے خوش ہو کر فرمایا کہ اے داؤد! جب تم سمجھ گئے کہ ساری نعمت میری جانب سے ہے تو تم نے شکر کا حق ادا کر دیا ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ آلِ داؤد کی مانند وہ شخص ہو گا، جو خوشی اور غصے میں عدل کو تھامے رکھے گا، دولت مندی اور احتیاجی میں میانہ روی کو اختیار کرے گا، اور جس کے دل میں پوشیدہ اور ظاہر ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی خشیت ہو گی۔ ان تین خصوصیات کا حامل شخص آلِ داؤد کی طرح شکر گزاروں میں شامل ہو گا۔

مگر اللہ نے ساتھ یہ بھی فرما دیا وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ میرے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔ اکثر لوگ میری نعمتیں تو استعمال کرتے ہیں مگر نہ زبان سے شکر ادا کرتے ہیں اور نہ اعضاء و جوارح یعنی ہاتھ پاؤں اور قلب سے جب آدمی ان تین اعضاء کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا ہے تو گویا وہ اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ اسی طرح جب زبان سے اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ جب دل میں خشیت الٰہی آ جائے تو یہ قلب کا شکر ہوتا ہے۔ ایک[1] روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک شخص دعا کیا کرتا تھا۔ کہ پروردگار! مجھے قلیل لوگوں میں سے بنائے رَبِّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْقَلِیْلِ حضرت عمرؓ نے پوچھا تم یہ کیسی دعا مانگتے ہو کہ کثرت سے قلت میں آنا پسند کرتے ہو؟ کہنے لگا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ میرے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں اور میں قلت میں شامل ہونا اس لیے پسند کرتا ہوں کہ اللہ کے شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤں۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ عمرؓ سے تو سارے لوگ ہی زیادہ سمجھ رکھتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ لوگوں کی اکثریت ناشکر گزار ہی ہے۔

---

[1] درمنثور ص ۲۲۹ ج ۵ (فیاض)

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِۦٓ إِلَّا دَآبَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُۥ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِى الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿١٤﴾

ترجمہ:- پس جب ہم نے فیصلہ کر لیا اس (سلیمان علیہ السلام) کے بارے میں موت کا تو نہیں تبلایا اُن لوگوں کو آپ کی موت کا حال مگر زمین کے ایک کیڑے نے جو کھا رہا تھا آپ کی لاٹھی کو۔ پس جب وہ گر پڑے تو معلوم کر لیا جنات نے کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو نہ ٹھہرتے وہ ذلت ناک تکلیف میں ﴿١٤﴾

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کے دو منیب بندوں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں باپ بیٹے کو بڑی نعمتیں عطا فرمائی تھیں۔ دنیا میں خلافت، حکومت اور عزت عطا فرمائی اور نبوت و رسالت سے بھی سرفراز فرمایا۔ اللہ نے داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوش الحانی عطا فرمائی تھی حتیٰ کہ جب آپ اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے تو پہاڑ اور پرندے بھی آپ کے ہمنوا ہو جاتے۔ آپ اللہ کے بڑے ہی عبادت گزار اور شکر گزار بندے تھے۔ اللہ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہواؤں، پرندوں اور جنات کو مسخر کر دیا تھا۔ جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ جنات سے بڑے بڑے کام لیتے تھے۔ اگر وہ آپ کے حکم سے ذرا بھی

بیت المقدس کی تعمیر

سرتابی کرتے تو ان پر آگ کے کوڑے برستے تھے۔

گذشتہ درس میں جنات کے ذریعے بڑے بڑے قلعوں اور دیگر عمارات کی تعمیر کا ذکر آیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر بھی جنات کے سپرد کر رکھی تھی۔ وہ دور دور سے بڑے بڑے پتھر اٹھا کر لاتے اور پھر انہیں تراش تراش کر عمارت میں لگاتے۔ اس عمارت کا نقشہ بھی بہت خوبصورت تھا اور اس پر میٹیریل بھی بہت نفیس لگایا گیا۔ بیت المقدس کی تعمیر کا آغاز تو حضرت[1] داؤد علیہ السلام نے کیا تھا مگر وہ آخری وقت میں بقیہ کام حضرت سلیمان علیہ السلام کے سپرد کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ نے یہ کام اپنی خلافت کے چوتھے سال میں جنات کے ذریعے شروع کیا، اور بعض روایات[2] کے مطابق اپنے دورِ خلافت میں اسے مکمل کر لیا۔ تاہم بعض کہتے ہیں[3] کہ عمارت کا کام تو آپ کی زندگی میں ہی مکمل ہو گیا تھا البتہ اس کی آخری زیب وزیبائش باقی تھی۔ بعض کا خیال ہے[4] کہ ابھی سال بھر کا کام باقی تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا آخری وقت آ گیا۔ بعض[5] یہ بھی کہتے ہیں کہ تعمیر کا تھوڑا سا کام باقی تھا کہ آپ نے صخرہ پتھر پر کھڑے ہو کر بارگاہِ رب العزت میں دعا کی کہ مولیٰ کریم تو نے مجھے جو نعمت عطا فرمائی ہے اور جو فضیلت بخشی ہے مجھے اس کا شکریہ ادا کرنے کی بھی توفیق عطا فرما۔ آپ نے بیت المقدس کے بارے میں یہ دعا بھی کی کہ پروردگار! جو شخص تیرے اس عبادت خانے میں داخل ہو، اس کو یہ پانچ چیزیں عطا فرما۔ یعنی

(۱) اگر اس مسجد میں کوئی گنہگار داخل ہو تو اُسے توبہ کی توفیق عطا فرما کیونکہ مومن کے مقاماتِ عالیہ میں سے پہلا مقام توبہ کا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلتَّائِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ ... الخ (التوبہ-۱۱۲) اللہ کے نیک بندوں

۱؎ مدارک ص ۳۲۱ ج ۳   ۲؎   ۳؎ قرطبی ص ۲۲۸ ج ۱۴

۴؎   ۵؎ قرطبی ص ۲۸۱ ج ۱۴   (فیاض)

میں سب سے پہلا نمبر توبہ کرنے والوں کا ہے۔ گویا انسان کفر، شرک اور ہر قسم کی معاصی سے توبہ کرے اور اس کے بعد عبادت کی طرف قدم اٹھائے۔

(۲) اگر کوئی خوف والا آدمی اس ہیکل میں داخل ہو تو اُس کو امن عطا کر

(۳) بیمار آدمی داخل ہو تو اُسے شفا دے۔

(۴) اگر محتاج آجائے تو اُسے مستغنی کر دے۔ غنی سے مراد دل کا غنی[1] ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کا فرمان[1] ہے لَیْسَ الْغِنیٰ عَنْ کَثْرَۃِ الْعَرَضِ یعنی غنی مال و دولت اور جاہ و حشمت کی فراوانی کا نام نہیں بلکہ اِنَّ الْغِنیٰ غِنیَ النَّفْسِ اصل غنی تو دل کا غنی ہے۔

(۵) جب تک کوئی آدمی تیرے اس گھر میں موجود رہے تو اس پر اپنی رحمت کی نظر ڈالے رکھ۔

سلیمان علیہ السلام کی وفات

جب بیت المقدس کی تعمیر تکمیل کے قریب تھی تو سلیمان علیہ السلام کی وفات کا وقت آن پہنچا۔ اب اُن کو فکر لاحق ہوئی کہ وفات کے ساتھ جن کام ادھورا چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ حکومتی سرگرمیوں کے باوجود آپ کا معمول تھا کہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لیے وقت نکال لیتے تھے۔ آپ لمبے عرصہ تک عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ بعض[2] کہتے ہیں کہ کئی کئی ہفتوں کا توشہ لے کر عبادت خانے میں جاتے اور تنہائی میں اللہ اللہ کرتے رہتے۔ چنانچہ آپ نے اپنی اسی عادت کو بیت المقدس کی تکمیل کے لیے بطور بنیاد استعمال کیا۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ حاشیہ[3] پر لکھتے ہیں کہ جب سلیمان علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آپہنچا تو آپ نے تعمیر کے باقی ماندہ کام کا نقشہ بنا کر جنوں کو دے دیا، اور خود شیشے کے کمرے میں بند ہو کر عبادت الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ جنات

---

[1] ۔۔۔ [2] مظہری صفحہ ۱۷ جلد ۸

[3] تفسیر عثمانی صفحہ ۵۵۷ (فیاض)

دیکھ رہے تھے کہ آپ عبادت میں مصروف ہیں، لہٰذا وہ اپنا کام کرتے رہے سلیمان علیہ السلام اپنی لاٹھی کے سہارے کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر عبادت کر رہے تھے کہ اسی حالت میں آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ موت ہر ذی روح کے لیے لازمی ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (الانبیاء - ۳۵) اس سے پیغمبر بھی مستثنیٰ نہیں ہیں، لہٰذا سلیمان علیہ السلام بھی اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ یاد رہے کہ پیغمبروں کا یہ خاصا ہے کہ اُن کو وفات سے پہلے اطلاع دے دی جاتی ہے اور دریافت کیا جاتا ہے کہ آپ کا کیا ارادہ ہے۔ اس کے بعد جب اُن کی طرف سے "ہاں" ہو جاتی ہے تو جان قبض کر لی جاتی ہے۔

سلیمان[1] علیہ السلام شیشے کے کمرے میں بند ٹیک لگائے کھڑے تھے یا بیٹھے تھے۔ جنات کام کر رہے تھے اور آپ کو دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ آپ مصروفِ عبادت ہیں مگر اندر جانے کی کوئی جرأت نہیں کرتا تھا۔ سلیمان علیہ السلام اسی حالت میں اللہ کو پیارے ہو چکے تھے مگر جنات انہیں زندہ سمجھتے ہوئے اپنے کام میں مصروف تھے۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام ہو رہا تھا تاکہ جنات کام نہ چھوڑ بیٹھیں لہٰذا کسی کو سلیمان علیہ السلام کے کمرے میں نہیں جانے دیا۔ اس کی مثال عزیر علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ملتی ہے۔ اللہ نے ان پر سو سال تک کے لیے موت طاری کر دی۔ آپ کا گدھا تو فنا ہو گیا اور اس کی ہڈیاں بھی بکھر گئیں مگر آپ کا کھانا بالکل تروتازہ رہا۔ اصحابِ کہف کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔ وہ تین سو سال تک غار میں پڑے رہے مگر اللہ نے کسی کو وہاں جانے نہیں دیا۔ جب خود اللہ نے بیدار کیا تو حقیقتِ حال واضح ہوئی۔

جنات کو وفات کا علم

جنات اسی حالت میں کام کرتے رہے حتیٰ کہ ایک سال کا عرصہ گزر گیا اور اُدھر بیت المقدس کی تعمیر کا کام بھی مکمل ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام

---

[1] مظہری صـ۱۷ ج ۸ (فیاض)

کی موت کو ظاہر کر دیا جس کے لیے ایک خاص سبب بھی خود ہی پیدا کیا۔ ارشاد ہوتا ہے فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ جب ہم نے سلیمان علیہ السلام کی موت کا فیصلہ کر لیا مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ تو اس کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ مگر زمین کا ایک کیڑا جو آپ کی لاٹھی کو کھا رہا تھا۔ منسأ حبشی زبان کا لفظ ہے جو عربی میں بھی استعمال ہوا ہے اور اس کا معنیٰ لاٹھی ہے ——— اس لکڑی کی لاٹھی کو کھانے والا کیڑا دیمک تھا جسے فارسی میں دیوک کہتے ہیں۔ سال بھر تک سلیمان علیہ السلام ایک ہی جگہ پہ کھڑے رہے، اس دوران میں دیمک نے لکڑی کو کھانا شروع کر دیا۔ جب لاٹھی کمزور ہو کر گر پڑی تو سلیمان علیہ السلام کا جسم بھی زمین پہ آ رہا۔

یہ عجیب بات ہے کہ دیمک لکڑی کو کھاتا ہے اور اُس جگہ پر مٹی اور پانی بھی ہوتا ہے حالانکہ ان چیزوں کے وہاں پہنچنے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ مشہور ہے کہ مٹی اور پانی دیمک کو جنات پہنچاتے ہیں کیونکہ دیمک نے سلیمان علیہ السلام کی لاٹھی کو توڑ دیا تھا جس کی وجہ سے جنات کو آپ کی موت کا علم ہو گیا اور وہ کام چھوڑ کر چلے گئے گویا جنات دیمک کا احسان مانتے ہیں۔ تاہم یہ بے حقیقت بات ہے جس کی کوئی سند نہیں۔

مسئلہ علم غیب

ارشاد ہوتا ہے فَلَمَّا خَرَّ لاٹھی کے ٹوٹ جانے سے جب سلیمان علیہ السلام زمین پر گر پڑے تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ تو اُس وقت جنات پہ واضح ہوا کہ سلیمان علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہیں اور ہم خواہ مخواہ اُن کے کام میں لگے رہے۔ پھر انہوں نے یہ بھی کہا أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ اگر وہ غیب جانتے ہوتے مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ تو اتنی دیر تک ذلت ناک سزا میں مبتلا نہ رہتے۔ یعنی اگر ہمیں بذریعہ غیب علم ہو جاتا کہ سلیمان علیہ السلام وفات پا چکے ہیں تو فوراً کام چھوڑ کر بھاگ جاتے اور سال بھر تک مشقت برداشت نہ کرتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں سے بڑا کام لیتے تھے، چنانچہ انسانوں کے ساتھ اُن کے

اختلاط کی وجہ سے کئی غلط چیزیں بھی مشہور ہو گئیں جنہیں لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ مثلاً سورۃ البقرہ میں موجود ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل نے اللہ کی کتاب تورات کو تو پس پشت ڈال دیا، اور اس کے بجائے جنات کے بتلائے ہوئے جادو پر چل نکلے اور کفریہ اور شرکیہ باتوں میں ملوث ہو گئے۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ انہوں نے ان غلط چیزوں کو شیاطین کا کارنامہ قرار دینے کی بجائے انہیں سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔ اسی لیے اللہ نے وہاں وضاحت فرمائی وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (البقرہ ۔۱۰۲) کہ یہ کفر یعنی جادو سلیمان علیہ السلام کا تعلیم کردہ نہیں بلکہ یہ تو شیاطین لوگوں کو سکھاتے تھے

بہر حال اس طرح کے غلط عقائد میں سے بنی اسرائیل میں ایک یہ عقیدہ بھی راسخ ہو گیا کہ جنات علم غیب جانتے ہیں۔ یہ تصور آج بھی کسی حد تک جہال میں پایا جاتا ہے چنانچہ جنات سے غیب کی خبریں دریافت کی جاتی ہیں۔ جو کہ صریح کفر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنات چونکہ لطیف مخلوق ہے اور ان کی رفتار بھی بہت تیز ہے اس لیے وہ بعض چیزوں کو دیکھ کر ان کا علم رکھتے ہیں مگر بے وقوف لوگ اسے غیب پر محمول کرتے ہیں جو کہ بالکل غلط ہے۔ غیب کا علم اللہ نے مخلوق میں سے کسی مقرب سے مقرب ہستی کو بھی نہیں دیا۔ اسی چیز کی تصدیق اس آیت کریمہ میں خود جنات کی زبان سے ہو رہی ہے کہ اگر ہم غیب دان ہوتے تو سلیمان علیہ السلام کی وفات کے باوجود سال بھر تک مشقت میں نہ پھنسے رہتے۔ الغرض [1] اللہ نے اس باطل عقیدہ کا رد فرما دیا ہے۔

جنات کی تسخیر بذریعہ عملیات

ایک مسئلہ اور رہ جاتا ہے کہ بعض لوگ عملیات کے ذریعے جنات کو تسخیر کر کے ان سے بعض کام لیتے ہیں، ہماری شریعت میں اس فعل کے متعلق کیا حکم ہے اس ضمن میں مولانا شاہ اشرف علی تھانوی [1] اور بعض دوسرے [2] حضرات فرماتے ہیں

---

[1] بیان القرآن ص۷۵ ج ۹ [2] (فیاض)

کہ اگر جنات کی تسخیر منجانب اللہ ہو جیسا کہ سلیمان علیہ السلام کے لیے تھی تو پھر تو بلاشبہ جائز ہے، یا اگر کوئی جن اپنی مرضی سے کسی انسان کے تابع ہو جائے تو بھی درست ہے۔ بعض صحابہ کرامؓ کے متعلق آتا ہے کہ جنات بخوشی اُن کے کام انجام دیتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کا نام لیا جاتا ہے کہ بعض جنات از خود اُن کے حکم کی تعمیل کرتے تھے، یہ بھی درست ہے، البتہ عملیات کے ذریعے جنات کی تسخیر کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا، اگر جائز کلام پڑھ کر ایسا کیا جائے، تو پھر تو جواز بنتا ہے اور اگر کفریہ یا شرکیہ کلام پڑھ کر جنات کو تسخیر کیا جائے تو یہ حرام ہے جنات بھی اللہ کی آزاد مخلوق ہے مگر اُن کو زبردستی غلام بنا لینا کسی طور بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے[1] کہ کسی آزاد آدمی کو غلام بنا لینا جائز نہیں ہے۔ ایسا کرنے والا شخص سخت مجرم ہوگا۔ اسی طرح آزاد جنات کو زبردستی غلام بنا لینا بھی جائز نہیں ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ اگر کلام شرک و کفر اور بدعات سے پاک ہو، اور کرنے کا کام بھی خلاف شرع نہ ہو تو جنات کو محض اس لیے مسخر کیا جائے کہ اس طرح کسی بیمار کا علاج کیا جائے گا یا کسی کا جائز طریقے پر دفاع کیا جائے گا، اگر کوئی جن کسی انسان کو تکلیف دے رہا ہے اور اس کے علاج وغیرہ کے لیے جنات کی تسخیر مطلوب ہے تو فرماتے ہیں کہ اس حد تک تسخیر شاید جائز ہو، ورنہ غیر شرعی اور ناجائز کام کرنے کے لیے یا کسی دوسرے انسان کو ایذا پہنچانے کے لیے جنات کو قابو کیا جائے تو یہ قطعی ناجائز اور حرام ہے، اسلاف میں سے حضرت مولانا تھانویؒ اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے پاس اگر کوئی ایسا شخص بیعت کے لیے آتا۔ جس نے جنات کو مسخر کر رکھا ہو تو یہ حضرات ایسے شخص کو کہتے کہ پہلے جن کو آزاد کرو اس کے بعد ہماری بیعت کرنا، آپ اس فعل کو اس قدر معیوب سمجھتے تھے۔

---

[1] ـــه

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ
عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۥ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ
رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ
غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ
الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ
اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾
ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ
اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ :- البتہ تحقیق قوم سبا کے لیے اُن کی بستی میں نشانی تھی۔ دو باغات دائیں اور بائیں جانب ۔ کھاؤ اپنے پروردگار کی عطا کردہ روزی میں سے اور اُس کا شکر ادا کرو ۔ یہ شہر ہے پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش کرنے والا ﴿۱۵﴾ پس اعراض کیا اُن لوگوں نے ، پھر چھوڑ دیا ہم نے اُن پر نالہ زوردار سیلاب کا ۔ اور ہم نے تبدیل کر دیے اُن کے لیے دو باغوں کے بدلے دو ایسے باغ جن کا پھل کسیلا تھا ، اور کچھ جھاؤ کے درخت اور کچھ تھوڑے سے بیر ﴿۱۶﴾ یہ ہم نے بدلہ دیا اُن کو اس وجہ سے کہ انہوں نے کفرانِ نعمت کیا اور ہم نہیں ایسا

بدلہ دیتے مگر ناشکر گزاروں کو (۱۷)

ربطِ آیات

گذشتہ دروس میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات، کفر کے ردّ و تردید، قیامت اور نبوت و رسالت کے سلسلے میں کئی دلائل ذکر کیے۔ پھر اللہ کی طرف انابت رکھنے والے دو انبیاء حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر فرمایا۔ ان دو انبیاء کے واقعات میں قدرت کے نمونے بتلائے تاکہ لوگ رسالت اور قیامت کا انکار نہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کو خصوصی معجزات عطا فرمائے تھے۔ ان کی سلطنت بے مثال تھی جس میں عجیب و غریب قسم کا نظام تھا، اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر لوہے کو نرم کر دیا تھا اور آپ اس سے بغیر مشقت کے زرہیں بناتے تھے، آپ کو نہایت عمدہ آواز سے نوازا تھا۔ چنانچہ جب آپ اپنی پرسوز آواز میں زبور کی تلاوت فرماتے تو ارد گرد کے پہاڑ اور پرندے بھی حمد باری تعالیٰ میں آپ کے ہمنوا ہو جاتے۔ اُدھر سلیمان علیہ السلام کے لیے ہواؤں اور جنات کو مسخر کر دیا۔ آپ جنات سے بڑے بڑے کام لیتے تھے۔ دونوں باپ بیٹا اللہ کے نہایت ہی شکر گزار بندے تھے۔ پھر اللہ نے گلہ کیا کہ اس کے شکر گزار بندے بہت ہی تھوڑے ہیں۔

قومِ سبا

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ناشکر گزار قوم کے طور پر قومِ سبا اور اس کے انجام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ البتہ تحقیق قومِ سبا کے لیے اُن کی رہائش گاہ (بستی) میں نشانی تھی۔ سبا قوم کا نام ہے اور اسی نام سے ایک بستی بھی تھی۔ اس قوم کا دارالسلطنت مأرب تھا اور وہاں پر آبپاشی کے لیے ایک سو پچاس فٹ لمبا اور پچاس فٹ چوڑا ایک ڈیم بھی بنایا گیا تھا جو سدِ مأرب کے نام سے مشہور تھا۔

ترمذی شریف کی روایت[1] میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

---

[1] در منثور ص ۲۳۱ ج ۵ و قرطبی ص ۲۸۲ ج ۱۴ (فیاض)

ایک صحابی حضرت فروہ ابن مسیکؓ یمن کے رہنے والے تھے، اور ان کا تعلق وہاں کے قبیلہ مراد سے تھا۔ یہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا، حضور! مجھے اجازت دیں کہ میں اپنی قوم کے ایماندار آدمیوں کو ساتھ لے کر اپنی ہی قوم کے کفار و مشرکین سے جنگ کروں۔ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے اجازت مرحمت فرما دی۔ اور ساتھ ہی اپنی قوم کا امیر بھی مقرر کر دیا۔ پھر جب میں آپ کی مجلس سے چل دیا تو میرے پیچھے آدمی بھیج کر مجھے بلایا اور فرمایا کہ پہلے تم اپنی قوم کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو جو شخص اسلام قبول کر لے تم بھی اُس کو قبول کرو، اور جو شخص ایمان نہ لائے تم اُس کے ساتھ جلد بازی نہ کرنا بلکہ میری طرف سے مزید ہدایات کا انتظار کرنا

حضرت عروہؓ مزید بیان کرتے ہیں کہ جب قرآن کی سورۃ سبا نازل ہوئی اور اس بات کا چرچا ہوا کہ اللہ نے قرآن میں قوم سبا کا ذکر کیا ہے تو آپ کی مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! وَمَا سَبَا یعنی سبا کیا ہے۔ کیا یہ کسی خطے کا نام ہے یا کسی مرد یا عورت کا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک آدمی کا نام تھا۔ اُس کے دس بیٹے تھے۔ اِن میں سے چھ تو یمن میں آباد ہو گئے، اور چار شام کے علاقے میں چلے گئے اس شخص کے نام پر اِس قوم کا نام سبا مشہور ہوا اور پھر ملک کا بھی یہی نام پڑ گیا۔ سبا کی اولاد میں سے جو یمن میں آباد ہوئے اُن قبیلوں کے نام ازد، اشعر، حمیر، کندہ، مزحج اور انمار ہیں۔ اسی طرح شام میں آباد ہونے والے قبیلوں کے نام لخم، جذام، غسان اور عاملہ ہیں، ایک شخص نے عرض کیا، حضور! یہ انمار کیا ہے۔ فرمایا انمار وہی قبیلہ ہے جس سے آگے خثعم اور بجیلہ کے قبیلے آباد ہوئے گویا یہ قبیلہ انمار کی مزید شاخیں ہیں۔ سبا کا سلسلہ نسب اِس طرح ہے۔ سبا ابن یشجب ابن قحطان۔ اسی[1] لیے اِس علاقے کے لوگ قحطانی عرب کہلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی عرب

---

[1] خازن ص۲۸۷/۵ و ابن کثیر ص۵۳۱/۳ و طبری ص۷۶/۲۲ و جمل ص۴۶۶/۳ (فیاض)

عدنانی عرب کہلاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا خاندان مضر بھی انہی میں سے ہے۔

سبا عرب کے جنوبی حصہ میں واقع ہے جو سطح سمندر سے ۳۹۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے، آب و ہوا کے لحاظ سے یہ معتدل خطہ ہے، ملکہ سبا جس کا ذکر سورۃ نمل میں ہے، وہ بھی اسی علاقہ کی رہنے والی تھی۔ قوم تبع کا ذکر بھی قرآن میں آیا ہے۔ اُن کا خاندان تبابعہ بھی اسی قوم سبا سے تعلق رکھتا تھا۔

سدِ مارب

قوم سبا کا علاقہ پہاڑی اور ریگستانی علاقہ تھا۔ پانی نہ ہونے کی وجہ سے کاشتکاری بہت معمولی قسم کی تھی۔ پہاڑوں پر ہونے والی بارش کا پانی یا تو ریت میں جذب ہو جاتا یا سمندر میں بہہ جاتا تھا۔ یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً آٹھ سو سال قبل کی بات ہے کہ اس قوم نے اپنی زمینوں کی آبپاشی کے لیے بارش کے پانی کو ذخیرہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ دو پہاڑی دروں کے درمیان ۱۵۰ فٹ لمبا اور ۵۰ فٹ چوڑا بند بنا کر[1] بارشی پانی کو روک لیا۔ اس طرح وہ اس ڈیم سے حسب ضرورت سارا سال پانی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اُن کی زمینیں سیراب ہونے لگیں اور پورے علاقے میں باغ لگ گئے اور کھیتیاں لہلہا اٹھیں۔ یہ ڈیم انھوں نے اپنے دارالخلافہ مارب کے قریب ہی تعمیر کیا اور یہ سدِ مارب کہلانے لگا۔ اس پانی کی وجہ سے مارب کے مشرق و مغرب میں تین سو مربع میل کے رقبہ پر باغات ہی باغات تھے جن میں وافر پھل پیدا ہوتا تھا اور لوگوں میں خوشحالی آگئی تھی۔ انہی باغات کے کے متعلق اللہ نے یہاں فرمایا ہے جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّ شِمَالٍ اُن کے دائیں اور بائیں باغات تھے جن میں ہر قسم کے پھل اور اناج پیدا ہوتے تھے

سیرتِ نبوی اور ارض القرآن کے مصنف مولانا سید سلیمان ندوی رح اس خطے کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی عمارات میں سے یہ ڈیم بھی تھا جسے سدِ مارب کہا جاتا تھا۔ عرب میں کوئی دائمی دریا نہیں ہے۔ بارش کا پانی پہاڑوں

---

[1] ارض القرآن ص ۲۵۰ ج ۱ (فیاض)

سے بہہ کر ریگستان میں خشک ہو جاتا ہے۔ اور کاشتکاری کے لیے استعمال نہیں ہو پاتا۔ قوم سبا نے پہاڑوں اور وادیوں میں بڑے بڑے بند باندھ کر پانی کو روک لیا اور اسے کھیتی باڑی کے لیے استعمال کرنے لگے۔ یہ کئی چھوٹے چھوٹے بند تھے مگر ان میں سب سے بڑا اور مشہور بند سدِ مارب تھا جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ یہ بند دو پہاڑوں کے درمیان تعمیر کیا گیا تھا۔ اب اس کا ایک حصہ افتادہ ہے، تاہم تقریباً ایک تہائی ٹوٹی پھوٹی دیوار اب بھی نظر آتی ہے۔

یورپ کے ایک ارناڈ نامی سیاح کا مجلہ "فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی" میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں اس نے سدِ مارب کا نقشہ عمدگی کے ساتھ تیار کیا ہے۔ اس کے مطابق بند کی دیوار پر جابجا کتبے لگے ہوئے تھے، جو کہ پڑھے گئے۔ بند کے اوپر نیچے کھڑکیاں تھیں جن کے ذریعے ڈیم کا پانی کھولا جا سکتا یا بند کیا جا سکتا تھا۔ اس بند کے دائیں اور بائیں یعنی مشرق و مغرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر چپ و راست زمینوں کو سیراب کرتا تھا۔ اس نظامِ آبپاشی کے ذریعے دائیں بائیں جانب اس ریگستانی اور شور زدہ ملک میں تین سو مربع میل تک بہشت زار تیار ہو گئی جس میں انواع و اقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے۔ اُن کو قرآن پاک میں جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ کہا گیا ہے۔[1]

ایک یونانی مؤرخ جو مسیح علیہ السلام سے ۴۵ سال قبل ہوا ہے اور قومِ سبا کا ہم عصر تھا، وہ بیان کرتا ہے کہ سبا عرب کے سرسبز و شاداب حصے میں رہتے ہیں۔ جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں۔ دریا کے کنارے پر خوبصورت درخت ہیں اور اندرونِ ملک بخورات، دارچینی اور چھوہارے کے بلند و بالا درختوں کے جنگلات پائے جاتے ہیں۔ جن سے نہایت شیریں خوشبو مہکتی ہے۔ کہتا ہے کہ درختوں کی اقسام اور تنوع کی کثرت کے سبب اُن

---

[1] ارض القرآن ص ۲۵۵ ج ۱ (فیاض)

میں سے ہر قسم کا نام اور وصف بیان کرنا مشکل ہے۔ البتہ ان سے جو خوشبو اٹھتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں۔ جو لوگ کشتیوں پر ساحل سے دور گزرتے ہیں وہ بھی اس خوشبو سے لطف اندوز ہوتے ہیں گویا کہ وہ آبِ حیات سے لطف اندوز ہوتے ہیں اگرچہ یہ تشبیہ بھی اس خطے کی لطافت کے مقابلہ میں ناقص ہے، اس نے صنعا کے مقام پر قصر غمدان کا ذکر بھی کیا ہے جو کہ بیس منزلہ فلک شگاف عمارت تھی۔

سبا کے آخری دور کا ایک مؤرخ آرٹی میڈورس لکھتا ہے[1] کہ سبا کے بادشاہ کے ایوان مارب میں ہیں جو کہ پُر اشجار پہاڑی پر عیش و مسرت میں واقع ہے۔ بہر حال یہ ساری سرسبز و شادابی مارب ڈیم کی وجہ سے تھی۔ قدیم مصر کے فرعونی بھی اس قسم کے ڈیم بنا کر زمینیں آباد کرتے تھے۔ اس دور میں بھی یہ بند دنیا میں رائج ہیں بلکہ اب تو جدید ٹیکنالوجی کی بدولت پانی کے اس محفوظ ذخیرے سے نہ صرف آبپاشی کا کام لیا جاتا ہے بلکہ اس سے بجلی بھی پیدا کی جاتی ہے۔ ڈیم کے پانی کو بلندی سے گرا کر نیچے جنریٹر لگا دیے جاتے ہیں۔ پانی جنریٹروں کے تختوں پر گر کر انہیں حرکت دیتا ہے، جس سے بجلی پیدا ہوتی ہے جو روشنی اور بڑی بڑی مشینوں کو چلانے کے کام آتی ہے، ہمارے ملک میں بھی کئی چھوٹے چھوٹے بند باندھ کر ان سے مذکورہ کام لیے گئے ہیں، ان میں تربیلا ڈیم، منگلا ڈیم اور وارسک ڈیم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ملک میں بجلی کی ترسیل کا انحصار انہی ڈیموں پر ہے۔

بلدہ طیبہ — الغرض! خوشحالی، سرسبزی و شادابی اور معتدل آب و ہوا کے اعتبار سے مارب اس قابل تھا کہ اللہ نے اس کے متعلق فرمایا۔ کہ یہ پاکیزہ شہر تھا جس میں ہر چیز کی فراوانی تھی۔ لہٰذا فرمایا کُلُوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ اپنے پروردگار کی عطا کردہ

[1] ارض القرآن ص۲۵۳ ج ۱ (قیاض)

روزی میں سے کھاؤ وَاشْکُرُوْا لَہٗ اور اس کا شکریہ ادا کرو۔ اس کا عام قانون یہی ہے۔ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ (ابراہیم۔ ۷) اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں مزید عطا کروں گا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بھی بڑی سخت ہے: اللہ نے فرمایا بَلْدَۃٌ طَیِّبَۃٌ یہ ایک پاکیزہ شہر ہے۔ وَرَبٌّ غَفُوْرٌ اور تمھارا پروردگار گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔

"یہ پاک شہر" کا لفظ بہت بڑی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے اور اس میں ہمارے لیے بھی بڑی تعلیم ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یاد رکھو ملک کی بہتری اور پاکیزگی اُس وقت ہوگی جب ملک فتنہ و فساد سے پاک ہوگا، اگر شہروں میں شریر لوگوں کا غلبہ ہو۔ اتباع ہوا کی وجہ سے لوگ بدامنی میں مبتلا ہوں تو ایسا شہر یا ملک ہرگز پاکیزہ نہیں کہلا سکتا۔ اگر کسی ملک یا شہر پر ظالم لوگ چھا جائیں تو وہ لوگوں کو ظلم و جور کا نشانہ بنائیں گے۔ ملک میں چوری، ڈاکہ، بدکاری اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوگا۔ اور ملک و شہر برباد ہو جائیں گے۔ اگر شہر میں اعمالِ ضارہ کا دور دورہ ہو یعنی نقصان دہ کام ہوتے ہوں، جادوگر اپنا کام دکھاتے ہوں، تخریب کار پوشیدہ طور پر لوگوں کی زندگیوں سے کھیلتے ہوں، خوراک اور پانی میں زہر ملانے سے بھی دریغ نہ کرتے ہوں، جگہ جگہ دھماکے کرتے ہوں، اغوا برائے تاوان کی وارداتیں ہوں، علی الاعلان قتل کا بازار گرم ہو، بنک لوٹے جاتے ہوں تو ایسے ملک یا شہر کو پاکیزہ کیسے کہہ سکتے ہیں، جہاں اصلاح کی بجائے فساد کی تعلیم دی جاتی ہو، مالک کو لوکر کے ساتھ اور کارخانے دار کو مزدور کے ساتھ برسرِ پیکار کر دیا جائے تو امن کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اسی طرح لوگ عاداتِ قبیحہ یعنی شراب نوشی، زنا، لواطت اور جانوروں سے بدفعلی جیسے امورِ انجام دینے لگیں تو شہروں میں بربادی ہی آئے گی اسکون نصیب نہیں ہو سکتا۔ جوا، سود، رشوت اور ماپ تول میں کمی بیشی جیسی قبیح حرکات بھی شہروں کی اصلاح کی بجائے تباہی کا باعث بنتی ہیں اور ایسے شہر اور ملک پاکیزہ کہلانے کے مستحق نہیں بلکہ

کسی ملک میں اگر پیشوں کی تقسیم غلط ہو جائے تو بھی امن قائم نہیں ہو سکتا۔ جہاں زراعت کو اولیت حاصل ہو۔ وہاں صنعت وحرفت شروع کر دی جائے اور جہاں کارخانے لگانے کی ضرورت ہو اُسے نظر انداز کر دیا جائے تو ملک ترقی نہیں کر سکتا۔
اسی طرح اگر کسی علاقے میں انتشار السباع الضاریۃ ہو جائے نقصان دہ درندے از قسم سور، گیدڑ، بھیڑیے، جنگلی ریچھ وغیرہ عام ہو جائیں تو فصلوں اور انسانوں کا نقصان ہو گا، کہیں کیڑے مکوڑے از قسم دیمک وغیرہ پھیل جائیں تو بھی نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ ان کا قلع قمع بھی ضروری ہے مکھی، مچھر، چیچڑیاں، سانپ، بچھو بھی نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ موجودہ دور میں کیمیکل اجزا سے بڑا کام لیا جاتا ہے اگر ان سے نکلنے والی زہریلی گیس پھیل جائے تو جانی اور مالی نقصان کا خطرہ ہوتا ہے بھوپال میں گیس کا سلنڈر پھٹنے سے ہزاروں آدمی ہلاک ہو گئے تھے اور پورے علاقے میں افراتفری پھیل گئی تھی، روس میں ایٹمی پلانٹ کے پھٹنے سے گیس پھیل گئی تھی، جس سے تین لاکھ آدمی متاثر ہوئے اور سینکڑوں لقمہ اجل بن گئے تھے۔
تابکاری کے اثرات نہایت ہی مہلک ہوتے ہیں، ان کا مناسب انتظام ہونا چاہیے
صفائی ہمارے شہروں کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اکثر شہروں کی گلیاں اور بازار گندے ہیں۔ پانی کا نکاس معقول نہیں جس کی وجہ سے جگہ جگہ جوہڑ بنے ہوتے ہیں جن سے تعفن پیدا ہو کر بیماری پھیلاتا ہے۔ نیز مکھیوں اور مچھروں کی آماجگاہ بن کر وبال جان بنتا ہے۔ ٹوٹی پھوٹی سڑکوں پر گندگی کے ڈھیر ہوں تو لوگوں کی صحت کیسے برقرار رہ سکتی ہے۔ اس معاملہ میں گوجرانوالہ کا شہر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ان حالات میں شہر اور ملک کو بلدۃ طیبۃ کیسے کہا جا سکتا ہے۔ بہرحال قوم سبا کی بستی اور ملک کو اللہ نے پاکیزہ شہر قرار دیا۔ جہاں ہر طرح کی خوشحالی تھی، امن وامان کا دور دورہ تھا اور شہر وملک میں کوئی ضرر رساں چیز نہ تھی۔

فرمایا، اللہ نے تو قوم سبا کو پاکیزہ شہر عطا کیا تھا، جہاں ہر چیز کی فراوانی تھی اور ان کا پروردگار اُن کی خطائیں معاف کرنے والا ہے مگر انہوں نے انعامات الٰہی

کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے فَاَعْرَضُوْا اپنے پروردگار سے اعراض کیا۔ اس کی طرف رجوع کرنے کی بجائے اُس سے دوری اختیار کی اس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ کہ ہم نے اُن پر زوردار سیلاب بھیج دیا۔ وہی سدِ مارب جو اُن کی خوشحالی کا باعث بنا ہوا تھا، اُن کے لیے تباہی کا باعث بن گیا۔ بند کی دیوار میں گھاس وغیرہ اُگ آئی جسے چوہوں نے کھا کھا کر دیوار کو کھوکھلا کر دیا۔ بند میں شگاف پڑ گیا اور ایسا زبردست سیلاب آیا جس نے پورے ملک میں تباہی پھیلا دی کھیتیاں تباہ ہو گئیں، باغات اجڑ گئے۔ مکانات اور خورد و نوش کے تمام ذخیرے بہہ گئے اور اس طرح ایک خوشحال ملک کھنڈرات کا ڈھیر بن گیا۔ گذشتہ آیت میں جن دو پھل اور باغات کا ذکر کیا گیا ہے اُن کے متعلق اللہ نے فرمایا وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ہم نے اُن دو باغات کو دو دوسرے ایسے باغوں سے تبدیل کر دیا ذَوَاتَىْ اُكُلٍ خَمْطٍ جن کا پھل کسیلا ہوتا ہے وَّاَثْلٍ اور جھاؤ کے درختوں ہوتے ہیں جن میں پھل آتا ہی نہیں وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ اور کچھ جنگلی بیر رہ گئے باقی پھل دار درخت سارے تباہ ہو گئے۔

فرمایا ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ہم نے اُن کو یہ بدلہ اُنکی ناشکری کی وجہ سے دیا۔ انہوں نے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا بلکہ اپنی خوشحالی پر اترانے لگے تو اللہ نے اُن کو یہ صلہ دیا۔ فرمایا وَهَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ اور ہم ایسا بدلہ نہیں دیتے مگر ناشکر گزاروں کو۔ اہلِ سبا کو تو اُن کی ناشکری کی سزا مل گئی۔ اللہ نے دوسرے لوگوں کو بھی سمجھایا کہ اگر توحید، رسالت، کتابِ الٰہی اور قیامت کا انکار کرو گے تو ناشکر گزاروں میں شمار ہو گے اور تمہارا حشر بھی قومِ سبا سے مختلف نہیں ہو گا۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا
قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ؕ سِيرُوا فِيهَا
لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ﴿١٨﴾ فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ
أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ
وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٩﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ
عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ
الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن
سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ
مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلَىٰ
كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٢١﴾ ع — ع ۲ ۱۲ ۸

ترجمہ:- اور بنائی تھیں ہم نے اُن (سبا والوں) کے درمیان
اور برکت والی بستیوں (شام و فلسطین) کے درمیان نمایاں
بستیاں ۔ اور ٹھہرائی تھی ہم نے اُن کے درمیان موزوں مسافت
(حکم تھا) چلو ان میں راتوں کو اور دِن کو پُر امن ﴿۱۸﴾ پس
کہا انہوں نے اے ہمارے پروردگار! دوری ڈال دے
ہمارے سفروں میں ۔ اور زیادتی کی انہوں نے اپنی جانوں

پر۔ پس بنا دیا ہم نے اُن کو قصے کہانیاں اور ہم نے اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر اور شاکر شخص کے لیے (۱۹) اور البتہ تحقیق سچ کر دکھایا اُن پر ابلیس نے اپنے گمان کو، پس انہوں نے اس کا اتباع کیا سوائے مومنین کے ایک چھوٹے سے گروہ کے (۲۰) اور نہیں تھا اُس (ابلیس) کا ان پر کوئی غلبہ مگر تاکہ ہم ممتاز کر دیں اُس کو جو ایمان رکھتا ہے آخرت پر اُس شخص سے جو اس سے شک میں پڑا ہوا ہے اور تیرا پروردگار ہر چیز کی نگہبانی کرنے والا ہے (۲۱)

ربطِ آیات

اِس رکوع میں اللہ نے قومِ سبا کا ذکر فرمایا ہے۔ گذشتہ آیات میں پہلے اس قوم پر کیے جانے والے انعامات کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ہم نے اُن کو شہروں کی پرامن زندگی اور ہر طرح کی خوشحالی عطا فرمائی تھی مگر انہوں نے خدا تعالیٰ کی اِن نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنے سے اعراض کیا تو اللہ نے تاریخی ڈیم میں سے تباہ کن سیلاب بھیج کر اُن کے باغات اور شہری آبادیاں تباہ و برباد کر دیں اور اُن کی زمین سے زرخیزی کی صلاحیت ہی ختم کر دی۔ اب پھلدار درختوں کی بجائے وہاں جنگلی جھاڑ بوٹ اگتا تھا جو یا تو بے پھل ہوتا تھا یا اس کا پھل کڑوا کسیلا تھا۔ البتہ بہت کم مقدار میں بعض جگہ جنگلی بیر ہو جاتے تھے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قومِ سبا کے کچھ مزید حالات بیان فرمائے ہیں۔

نمایاں بستیاں

ارشاد ہوتا ہے وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً اور بنا دیں ہم نے اُن سبا والوں کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی ہے۔ نمایاں بستیاں بابرکت بستیوں سے مراد شام اور فلسطین کی بستیاں ہیں جنکو اللہ نے ظاہری اور باطنی برکات سے نوازا ہے یہ سرسبز و شاداب علاقہ اللہ کے نبیوں کا مرکز رہا ہے اللہ نے اس خطہ میں بہت سے نبیوں کو مبعوث فرمایا جن میں حضرت

ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی اولاد شامل رہے اور وہیں ان کی قبریں بھی ہیں اس سے مراد وہی بیت المقدس اور ارد گرد کی بستیاں ہیں جن کے متعلق اللہ نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِي بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ (بنی اسرائیل-۱) مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا جس کے ارد گرد کو ہم نے بابرکت بنایا ہے۔ نمایاں بستیوں سے مراد متمدن، خوشحال اور دور سے نظر آنے والی واضح بستیاں ہیں۔ یہ ایسی بستیاں تھیں وَقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ جن کے درمیان ہم نے خاص انداز کے مطابق مسافت رکھی تھی۔

مذکورہ نمایاں بستیاں یمن سے لے کر شام و فلسطین تک آباد تھیں۔ اس زمانے میں سڑکیں وغیرہ تو نہیں تھیں، تجارتی اور دوسرے قافلے خچروں یا اونٹوں پہ سفر کرتے تھے، سواری کے لیے گھوڑے بھی استعمال ہوتے تھے۔ تاہم باربرداری کے لیے زیادہ اونٹوں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ یمن سے شام تک چالیس دن کی مسافت تھی۔ عام طور پہ ریگستانی علاقوں میں آبادی بہت کم ہوتی ہے مگر اس علاقے میں موزوں مسافت پہ جگہ جگہ بستیاں آباد تھیں۔ جن کی وجہ سے مسافروں کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ ان آبادیوں میں مسافروں کو خوراک اور دیگر ضروریات زندگی میسر آجاتی تھیں۔ راستہ پُرامن تھا اور دن اور رات کے سفر میں مسافروں کو کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔ اللہ نے اپنے اسی انعام کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے اس لق و دق صحرا میں مناسب فاصلے پہ نمایاں بستیاں آباد کر دی تھیں تاکہ تمہیں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔ فرمایا اس راستے کے متعلق تمہیں حکم تھا سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ کہ یہاں پہ دن رات پُرامن سفر کرو۔

صاحب تفسیر مظہری[1] تاریخی روایتوں سے بیان کرتے ہیں کہ یمن سے

---

[1] مظہری ص ۲۲/۸ (فیاض)

سے لے کر شام تک اس شاہراہ پر چار ہزار سات سو شہر، قصبے اور دیہات تھے۔ اس راستے سے مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت ہوتی تھی۔ یمن کے ساحل کے بالمقابل ہندوستان (موجودہ پاکستان) کا ساحل ہے لہٰذا ہندوستان کا تجارتی مال یمن کے ساحل پر اُتر کر اونٹوں کے ذریعے شام و فلسطین پہنچتا اور وہاں سے مصر اور دوسرے افریقی ممالک تک جاتا۔ اسی طرح افریقہ کا مال سبا اور یمن کے راستے ہندوستان واپس جاتا۔ چنانچہ یہ شاہراہ سارا سال مصروف رہتی اور یہ نمایاں بستیاں بھی پُر رونق رہتیں۔ چاین تک کا تجارتی مال اسی راستے سے آتا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ حج اور عمرہ کرنے والے لوگ بھی اسی راستے سے آتے جاتے تھے اور ان نمایاں بستیوں کی وجہ سے انہیں بڑا آرام تھا۔ ٹھہرنے کے لیے سرائیں تھیں اور ضروریات کی اشیاء بھی مل جاتی تھیں۔ سبا کی یہ آبادی مسیح علیہ السلام سے آٹھ سو سال قبل اپنے جوبن پر تھی، پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے اس علاقے کو ملیامیٹ کر دیا گیا جیسا کہ گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے۔

"ارض القرآن" کے مصنف لکھتے ہیں[1] کہ سبا کی دولت کا انحصار زیادہ تر تجارت پر تھا۔ یہ لوگ کاشتکاری بھی کرتے تھے اور ان کے باغات سینکڑوں مربع میل پر پھیلے ہوئے تھے۔ اس علاقے کے ایک طرف ہندوستان کا ساحل اور دوسری طرف افریقہ کا ساحل ہے۔ دونوں براعظموں کے درمیان خوب تجارت ہوتی تھی، سونا، قیمتی پتھر، مصالحے، خوشبو، ہاتھی دانت وغیرہ کا لین دین ہوتا تھا۔ برصغیر کا مال یمن کے ساحل پر اترتا اور پھر وہاں سے خشکی کے راستے حجاز سے ہوتا ہوا، شام و فلسطین اور آگے افریقہ تک جاتا تھا۔ اور پھر اسی راستے سے واپسی تجارت ہوتی۔ اس شاہراہ کو قرآن پاک میں "امام مبین" سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی سفر کو سورۃ قریش میں رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِ یعنی موسم گرما اور

---

[1] ارض القرآن ص ۲۶۸/۱۷ (فیاض)

سرما کے سفر کا نام دیا گیا ہے۔ مسیح علیہ السلام سے ۴ ۹ ۱ سال قبل کا ایک یونانی مؤرخ لکھتا ہے کہ حضر موت سے لے کر سبا تک چالیس روز کا راستہ تھا۔ وہاں سے مالِ تجارت شتروں پر ایلا یعنی عقبہ تک پہنچتا تھا اور اس طرح اہلِ سبا مشرق کا مال مغرب کو اور مغرب کا مال مشرق کو پہنچا دیتے تھے۔

لمبے سفر کی دعا

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اہلِ سبا کو بڑی آسودگی بخشی تھی، ان کا فرض تھا کہ وہ ہماری نعمتوں کی قدر دانی کرتے۔ اس کے برخلاف فَقَالُوۡا رَبَّنَا بٰعِدۡ بَیۡنَ اَسۡفَارِنَا کہنے لگے پروردگار! ہمارے سفروں کو لمبا کردے ہم سنتے ہیں کہ دوسرے ممالک میں دورانِ سفر بڑی مشکلات پیش آتی ہیں، مگر ہمارے سفر تو نہایت پُرامن اور پُر سہولت ہیں اور ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہمارے سفروں کو بھی اتنا طویل کر دیا جائے کہ ہم بھی مصائب کا مزہ چکھیں۔ شاہ عبدالقادرؒ اس موقع پر لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کو آرام میں مستی آئی اور یہ خود اپنے لیے تکلیف مانگنے لگے۔ انہوں نے بالکل بنی اسرائیل والی بات کی کہ صحرا نوردی کے دوران اچھے خاصے من و سلویٰ کی بجائے لہسن پیاز اور سبزی ترکاری طلب کرنے لگے۔ فرمایا انہوں نے خود اپنے لیے بددعا کر کے وَظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ اپنی جانوں پر خود ظلم کیا۔ اُن کی اس دُعا کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایک تو سیلاب نے اُن کے باغات، کھیتیاں، مکان اور ذخائر تباہ کر دیے اور دوسرے وہاں کی زمین کی نشو و نما کی قوت ہی ختم ہو گئی اور وہاں جھاڑیوں کے علاوہ کچھ ہوتا ہی نہیں تھا۔ گھر بھی تباہ ہو گئے اور مال و دولت بھی جاتا رہا۔ اب اُن کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اس سرزمین کو خیرباد کہہ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔

اہلِ سبا کی مکمل تباہی

جیسا کہ میں نے گذشتہ درس میں عرض کیا تھا۔ سیلاب کی تباہ کاریوں کے

لہ موضح القرآن صہ ۵۱۵ (فیاض)

بعد اہلِ سبا کے کچھ خاندان یمن میں اور چار شام و فلسطین میں جا آباد ہوئے، اور اس طرح یہ مصروف ترین شاہراہ بھی بند ہو گئی۔ فرمایا اس سرسبز و شاداب علاقے سے قومِ سبا کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ہم نے ان کو افسانے بنا کر رکھ دیا۔ ایسی بربادی آئی کہ ان کا نام صرف تاریخ تک محدود ہو کر رہ گیا۔ لوگ اُن کی خوش حالی، جاہ و حشمت، تاریخی ڈیم اور پھر اُن کی تباہی کی داستانیں عبرت کے طور پر سنتے سناتے تھے۔ فرمایا وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اور ہم نے اُن کا شیرازہ اس طرح بکھیر کر پارہ پارہ کر کے رکھ دیا، کوئی کدھر چلے گئے اور کوئی کسی دوسری جگہ جا آباد ہوئے۔ ارض القرآن[1] کے مصنف یہ بھی لکھتے ہیں، کہ اہلِ سبا کے زوال کے بعد یونانیوں اور رومیوں نے مصر اور شام پر قبضہ کر لیا، اور ہندوستان اور افریقہ کے درمیان تجارت کو بری راستے سے بحری راستے پر ڈال دیا اب تجارتی مال بحر احمر کے راستے سواحلِ مصر و شام پر اُترنے لگا۔ اس طریقِ تجارت نے یمن سے شام تک بری راستے کی خاک اڑا دی اور سبا کی تمام بستیاں ویران ہو گئیں۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ بے شک اس میں ہر صابر و شاکر آدمی کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو شخص یا قوم خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا کرتی ہے اور مصائب پر صبر کا اظہار کرتی ہے وہ سمجھ سکتی ہے کہ ناشکر گزاری کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور خدا کی ناراضگی کس طرح شاملِ حال ہوتی ہے۔ اس قسم کے واقعات بلاشبہ نشاناتِ عبرت ہیں۔

شیطان کی کارگزاری

اللہ نے ارشاد فرمایا ہے وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ، اور البتہ تحقیق شیطان نے ان لوگوں پر اپنا گمان سچا کر دکھایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت ہی شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ تو نے آدم کو مجھ پر برتری عطا کی ہے لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗ (بنی اسرائیل - ۶۲) میں اس کی اولاد کے منہ میں ضرور لگام ڈالوں گا۔ اور انہیں گمراہ کروں گا۔ چنانچہ ابلیس نے اہلِ سبا کو گمراہ کر کے ناشکری پر مائل کیا۔ جو اُن کی تباہی کا سبب بن گیا اور اس طرح

[1] ارض القرآن ص ۲۶۹ ...

ابلیس نے انسان کے متعلق اپنا گمان سچا کر دکھایا۔ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ پس اہلِ سبا نے شیطان کا اتباع کیا۔ سوائے ایمان والوں کے ایک گروہ کے جس نے شیطان کا اتباع نہ کیا بلکہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی قدردانی کرتے رہے، اُس کی وحدانیت اور نبیوں کے بتائے ہوئے راستے پر قائم رہے۔

آگے اللہ نے مزید وضاحت فرمائی وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اور شیطان کا ان لوگوں پر کوئی غلبہ نہیں تھا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ مگر اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ ہم جان لیں کہ کون آدمی آخرت پر یقین رکھتا ہے، اور کون اس بارے میں شک میں پڑا ہوا ہے۔ اگرچہ نَعْلَمَ کا معنیٰ جاننا ہی ہے مگر خدا تعالیٰ تو ہر چیز کو ازل سے ابد تک جانتا ہے۔ لہٰذا یہاں پر جاننے کا مطلب ظاہر کرنا یا ممتاز کرنا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کا مقصد یہ تھا کہ اہلِ ایمان اور منکرین کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے اور دونوں گروہوں کو الگ الگ کر دے تاکہ ہر ایک کا جزائے عمل اس کی کارگزاری کے مطابق واقع ہو سکے۔ یہ تو محض لوگوں کا امتحان تھا ورنہ شیطان کے بس کی یہ بات نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے زبردستی کوئی غلط کام کروا سکے۔ یہ تو لوگوں کے امتحان کے لیے شیطان کو ذرا چھوٹ دی گئی ہے کہ وہ وسوسہ اندازی کر لے، پھر ہم دیکھ لیں گے، کہ کون اُس کے جھانسے میں آتا ہے اور کون ایمان پر قائم رہتا ہے۔

فرمایا، یاد رکھو! وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ آپ کا پروردگار ہر چیز کی نگہبانی کرنے والا ہے۔ ہر چیز کی حفاظت اللہ کے اختیار میں ہے۔ اُس کی اجازت کے بغیر انسان کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر جب انسان خود ہی اپنی تباہی کو دعوت دے رہا ہو تو پھر اس کے بچ نکلنے کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ اللہ نے سرکشی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو تنبیہ بھی فرما دی۔

درس ہشتم ۸ آیت ۲۲ تا ۲۳

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ
فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾
وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ
حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ
رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾

ترجمہ:- آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) پکارو تم ان کو جن کو تم گمان کرتے ہو (معبود) اللہ کے سوا۔ نہیں مالک وہ مقدار ایک ذرے کے آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ اور نہیں ان کے لیے ان دونوں میں کسی قسم کی کوئی شراکت۔ اور نہیں ہے اس (اللہ) کے لیے ان میں سے کوئی مددگار ﴿۲۲﴾ اور نہیں کام دے گی سفارش اس (اللہ) کے پاس مگر اس کے لیے جس کے لیے وہ اجازت دے۔ یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے ان (فرشتوں) کے دلوں سے تو کہتے ہیں کیا فرمایا تمہارے پروردگار نے؟ وہ کہتے ہیں کہ اس نے حق بات فرمائی ہے، اور وہ بلند ہے اور بڑائی والا ہے ﴿۲۳﴾

ربط آیات

اِس سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے جو مضمون ذکر کیا تھا۔ اُس کو لوٹایا جا رہا ہے۔ وہاں پہ اللہ نے توحید کے عقلی اور نقلی دلائل بیان کیے تھے اور شرک کا رد فرمایا تھا۔ درمیان میں اپنے شکر گزار بندوں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا حال ذکر کیا۔ پھر قوم سبا کا ذکر ہوا کہ اللہ نے اُن کو آسودہ زندگی اور ہر قسم کے انعامات سے نوازا تھا۔ مگر انہوں نے اِن نعمتوں کی ناشکری کی، غرور و تکبر میں مبتلا ہوئے تو اللہ نے اُن پہ تباہ کُن سیلاب بھیج کر اُن کے باغات کو اکھیڑ دیا۔ کھیتیاں ویران ہو گئیں، مکانات زمین بوس ہو گئے اور اس طرح وہ سزا کے مستحق ٹھہرے۔ اللہ نے فرمایا کہ اُس کے ناشکر گزاروں کو دنیا میں بھی سزا ملتی ہے اور آخرت میں تو وہ دائمی عذاب کے مستحق ہوں گے

اب آج کی آیات کا ربط سورۃ کے ابتدائی مضمون توحید کے اثبات اور شرک کے رد سے ہے۔ اِن کا تعلق گذشتہ آیات کے ساتھ بھی ہے کہ انسان کے لیے سب سے بڑی ناشکر گزاری یہ ہے کہ وہ اپنے معبودِ حقیقی کے حق کو نہ پہچانے اور اس کی توحید پر ایمان لانے کی بجائے کفر و شرک کا راستہ اختیار کرے۔

توحید خداوندی

اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی شکر گزاری یہ ہے کہ انسان اللہ کی وحدانیت کو صحیح طریقے پر تسلیم کرے، اُس کے حق کو پہچانے اور اُس کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرے۔ شرک کی بہت سی صورتیں ہیں۔ لوگ اللہ کی ذات کے ساتھ بھی شرک کرتے ہیں، اس کی صفات میں بھی شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کی عبادت میں بھی شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بعض نذر و نیاز کی صورت میں شرک کرتے ہیں اور بعض گلے میں صلیب لٹکا کر یا دھاگہ باندھ کر شرک فی العادت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بعض لوگ تصویروں کی تعظیم کرتے ہیں جو کہ شرک ہی کی علامات ہے اللہ نے سورۃ انعام میں شرک کی مختلف صورتیں بیان کر کے اُن کی تردید فرمائی ہے۔ الغرض! اللہ نے شرک کا رد کرتے ہوئے اس مقام پہ فرمایا ہے قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اے پیغمبر آپ

ان سے کہہ دیں کہ پکارو تم اُن کو جن کو تم اللہ کے سوا گمان کرتے ہو کہ یہ ہماری حاجتیں پوری کرتے ہیں یا ہماری مشکلات حل کرتے ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ ان میں بھی الوہیت کی کوئی چیز پائی جاتی ہے۔ ذرا ان کو پکار کر تو دیکھو کہ یہ تمہاری کون سی حاجت براری کرتے ہیں۔ یہودی عزیر علیہ السلام کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور عیسائی مسیح علیہ السلام کو الٰہ مانتے ہیں۔ مشرکین مکہ و عرب، لات، منات اور عزیٰ وغیرہ سے مشکلات حل کرواتے تھے، یہ سب شرکیہ باتیں ہیں۔ جو نزول قرآن کے زمانہ میں پائی جاتی تھیں اور آج بھی بدستور موجود ہیں۔ اللہ نے انہی کا رد فرمایا ہے

شرک فی التدبیر و العبادت

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے اور خالق ہونے میں کوئی بھی شرک نہیں کرتا خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ البتہ مشرک لوگ تیسرے اور چوتھے درجے یعنی تدبیر اور عبادت کے معاملہ میں آکر پھنس جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ دوسرے بھی تدبیر کرکے ہمارا کام بنا دیتے ہیں، حالانکہ اہلِ ایمان کا پختہ عقیدہ وہی ہے جو قرآن پاک نے بیان کیا ہے يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ (السجدة - ۵) آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی تدبیر خود اللہ تعالیٰ کرتا ہے جس میں کسی کو دخل نہیں نجومی لوگ قسمت کے بناؤ بگاڑ کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کہ اس میں ان کا بھی کوئی دخل ہوتا ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے اختیار عیسیٰ علیہ السلام کو سونپ رکھے ہیں لہٰذا وہ بھی لوگوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے ہیں بعض لوگ دوسری ہستیوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ خدا تو نہیں مگر اللہ نے ان پر الوہیت کی چادر ڈال رکھی ہے اور ان کو تصرف کا اختیار دے رکھا ہے۔ یہ شرک فی التدبیر ہے۔ اس مقام پر بھی اللہ نے شرک کی اسی قسم کا ذکر کیا ہے کہ مشرک لوگ جن ہستیوں کو اللہ کے سوا کارساز مانتے ہیں لَا يَمْلِكُونَ

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وہ تو آسمان وزمین میں ذرہ بھر کے بھی مالک نہیں ہیں۔ خالق بھی اللہ ہے مالک بھی وہی ہے اور تصرف بھی اُسی کو حاصل ہے۔ گویا خلقاً و ملکاً و تصرفاً اللہ تعالیٰ ہی مختار کل ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ توحید کا چوتھا درجہ عبادت کا ہے۔ لوگ عبادت میں بھی دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ کسی کو نذر و نیاز پیش کرتے ہیں اور کسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور اس طرح وہ شرک فی العبادت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ مشرکین کے لیے زمین و آسمان کی کسی چیز میں خدا کے ساتھ کوئی شراکت نہیں ہے۔

بعض مشرکین کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز کو پیدا تو اللہ نے کیا ہے۔ مگر ان ہستیوں کو اختیار دے رکھا ہے کہ جس کا کام چاہیں کر دیں اور جس کا چاہیں روک لیں۔ کوئی اس فعل کو نبیوں کی طرف منسوب کرتا ہے اور کوئی دیوی دیوتاؤں کی طرف اور کوئی ستاروں کی طرف۔ اللہ نے اس کی صاف نفی کی ہے، کہ خدا کے ساتھ ارض و سما میں کسی قسم کی کوئی شراکت نہیں ہے۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ اور ان میں سے اللہ کا مددگار بھی کوئی نہیں۔ بعض ہستیاں بعض کی معاون بھی ہوتی ہیں۔ مخلوق میں سے تو ایک دوسرے کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاص طور پر نیکی کے کاموں میں تو اللہ نے تعاون کا حکم بھی دیا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (المائدہ - ۲) نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ مگر خدا تعالیٰ تو خود قادرِ مطلق ہے، اُسے کسی کے تعاون یا مدد کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ گویا یہ عقیدہ بھی مشرکانہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی کی مدد کی ضرورت ہے

جبری سفارش کا عقیدہ

شرک کی ایک صورت جبری یا قہری سفارش بھی ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ "الفوز الکبیر" میں فرماتے ہیں کہ اکثر مشرک لوگ خدا تعالیٰ کی ذات کو دنیا کے

بادشاہوں پر قیاس کر کے شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح کسی بادشاہ، صدر، امیر یا وزیر تک رسائی حاصل کرنے کے لیے درمیان میں واسطے اور سفارش کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح خدا تک پہنچنے کے لیے بھی سفارش کی ضرورت پڑتی ہے۔ پھر وہ مخلوق میں سے اپنے سفارشی ڈھونڈتے ہیں جو اُن کی بات کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا سکیں، قرآن پاک نے ان کا بیان نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس-۱۸) اللہ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں جو سفارش کر کے دنیا میں ہماری بگڑی بنوا دیں گے اور آخرت میں عذاب سے چھڑا دیں گے۔ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اِن خود ساختہ معبودوں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ اِن پر چڑھاوے کیوں چڑھاتے ہو اِن کے نام کی منتیں کیوں مانتے ہو۔ اور ان کے سامنے سجدہ ریز کیوں ہوتے ہو تو جواب دیتے ہیں۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر-۳) کہ ہم اِن کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔ ہماری دُعا تو وہ قبول نہیں کرتا یہ سفارش کر کے خدا تعالیٰ کو منا لیتے ہیں خواہ وہ راضی ہو یا ناراض ہو۔ مگر اللہ کے ہاں ایسی سفارش کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اللہ نے یہاں بھی اسی بات کا اعادہ کیا ہے وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ اللہ کے ہاں کوئی سفارش مفید نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ خود کسی کو سفارش کرنے کی اجازت نہ دے دے۔ الغرض یہ کہ جبری سفارش والا عقیدہ بالکل باطل ہے۔

جائز سفارش

البتہ دین میں جائز سفارش کا تصور واضح طور پر موجود ہے۔ آپ حدیث [1] میں پڑھتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت والے دن مقام محمود پر فائز ہوں گے تو شفاعت صغریٰ بھی کریں گے اور شفاعت کبریٰ بھی۔ شفاعت کبریٰ تو تمام بنی نوع انسان کیلئے ہوگی اللہ تعالیٰ حساب کتاب شروع کریں گے اور شفاعت صغریٰ صرف امت کے حق میں ہوگی حضور علیہ السلام

---

[1]

خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ تفسیری روایات[1] کے مطابق حضور علیہ السلام دس سال تک سجدہ میں پڑے رہیں گے اللہ کی حمد و ثنا بیان کریں گے۔ پھر حکم ہوگا اِرْفَعْ رَاْسَكَ یَا مُحَمَّدُ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر اٹھایئے آپ سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ اس کے بعد آپ سفارش کریں گے۔ تو مطلب یہ کہ اللہ کی اجازت کے بغیر تو اس کی قریب ترین ہستی بھی سفارش کی جرأت نہیں کرے گی، وہاں باقی ہستیوں کا کیا شمار ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سفارش کی اجازت اس کو دیں گے، جس کا عقیدہ درست ہوگا وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا (طٰہٰ - ۱۰۹) اور جس کی بات بھی اللہ کو پسند ہوگی، کسی کافر مشرک یا منافق کے حق میں کوئی نبی سفارش نہیں کرے گا۔ اور اللہ کی رضا کی بنیاد یہ ہے وَاِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ (الزمر - ۷) اگر شکر کرو گے اور ایمان قبول کرو گے تو اللہ راضی ہو جائے گا اور پھر تمہارے حق میں سفارش کی اجازت بھی دے دیگا۔ جس پر خدا ناراض ہوگا اس کے لیے سفارش کی اجازت نہیں ملیگی۔

فرشتوں کی بے بسی

بعض لوگ فرشتوں کو سفارشی یا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ اور یا جبرائیل یا میکائیل لکھ کر تعویذ دیتے ہیں، گویا اللہ نے ان کو اختیارات تفویض کر رکھے ہیں۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عالمِ بالا میں کوئی فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے اپنے پر بچھا دیتے ہیں، ان پر غشی سی طاری ہو جاتی ہے اس کی آواز اس طرح نکلتی ہے جیسے کسی چٹان پر زنجیر کو رکھ کر کھینچا جائے۔ گویا وہ اللہ کے خوف سے اس قدر خوف زدہ ہوتے ہیں۔ اسی سلسلے میں اللہ نے یہاں فرمایا ہے حَتّٰۤی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے کسی حد تک گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو نچلے طبقے والے فرشتے اوپر والوں سے مخاطب ہوتے ہیں قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۳۶ ج ۳ (فیاض)

اور کہتے ہیں کہ تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ پھر اُوپر کے طبقے والے فرشتے بتلاتے ہیں قَالُوا الْحَقَّ کہ اللہ نے حق بات فرمائی ہے وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ اور وہ ذات بہت بلند اور بڑی عظمت وبڑائی والی ہے۔ مطلب یہ کہ فرشتے تو خود اس قدر بے بس اور اللہ کے خوف سے بے خود ہونے والے ہیں، وہ کسی کی کیا سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا تم نے لوگوں کو کہا تھا کہ ہمیں اللہ کا شریک بنالینا۔ تو فرشتے صاف کہہ دیں گے کہ پروردگار! ہم تو خود تیرے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتے، کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا ماننے کے لیے تیار نہیں۔ سُبْحٰنَكَ تیری ذات پاک اور منزہ ہے، ہم کیسے کہہ سکتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی کسی صفت یا اُس کی عبادت میں شریک بنالو۔

الغرض! اس مقام پر شرک کی تردید میں اللہ نے دو باتیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کے ہاں جبری سفارش کا کوئی تصور نہیں ہے اور دوسری یہ کہ تدبیر اور تصرف میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ آگے توحید کے مزید دلائل اور قیامت کا ذکر آئے گا۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ
اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِىْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا
نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا
رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ
الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِىَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ
كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ وَمَاۤ
اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ
مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ
لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً
ع ۳ ۹ وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

ترجمہ :- (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے ، کون ہے جو تم کو
روزی پہنچاتا ہے آسمانوں سے اور زمین سے ۔ آپ کہہ دیجئے
کہ اللہ ہی ہے (جو روزی پہنچاتا ہے) اور بیشک ہم
یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ﴿۲۴﴾ آپ کہہ
دیجئے ۔ اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا ان گناہوں کے

بارے میں جو ہم نے کیے ہیں۔ اور ہم سے نہیں پوچھا
جائے گا اُن کاموں کے بارے میں جو تم کرتے ہو (۲۵)
آپ کہہ دیجئے، جمع کرے گا ہم سب کو ہمارا پروردگار
پھر فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق کے ساتھ۔ اور وہ
فیصلہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (۲۶) آپ
کہہ دیجئے، مجھے بتلاؤ وہ جن کو تم نے ملایا ہے اُس کے
ساتھ شریک بنا کر۔ خبردار، بلکہ وہ اللہ ہی ہے جو کمال
قدرت کا مالک اور حکمتوں والا ہے (۲۷) اور نہیں بھیجا
ہم نے آپ کو مگر تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے
والا اور ڈر سنانے والا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (۲۸)
اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ کہ کب پورا ہو گا یہ وعدہ اگر
تم سچے ہو (۲۹) آپ کہہ دیجئے تمہارے لیے وعدہ
ہے ایک دن کا۔ نہیں پیچھے ہٹو گے تم اُس سے
ایک گھڑی بھر بھی اور نہ اُس سے آگے ہو گے (۳۰)

ربطِ آیات

ابتدائے سورۃ میں اللہ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے۔ پھر درمیان میں شکر گزاروں اور ناشکر گزاروں کا حال ذکر کیا اس کے بعد شرک اور مشرکوں کا رد کیا۔ اُن کے تدبیر اور تصرف میں غلط عقائد کی نفی کی اور ساتھ ساتھ جبری اور قہری سفارش کے مزعومہ نظریات کی تردید کی۔ فرمایا بعض لوگ فرشتوں کو اپنا کارساز اور سفارشی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ تو خود خدا تعالیٰ کے سامنے خوفزدہ رہتے ہیں اور اللہ کے حضور ہمیشہ عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ صادر فرماتا ہے تو فرشتے پر پھیلا دیتے ہیں۔ اُن پر مدہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ پھر جب اُن کی دہشت کسی حد تک دُور ہوتی ہے تو نیچے طبقے والے فرشتے اوپر والوں سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے، وہ آگے سے جواب دیتے ہیں کہ اللہ نے

کچھ فرمایا ہے ایر حق فرمایا ہے۔ وہ بڑی بلند و برتر ذات ہے۔ خدا تعالیٰ بڑی عظمتوں کا مالک ہے۔

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے پھر توحید کے عقلی دلائل پیش کیے ہیں۔ اور مشرکین کا رد کیا ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کی صفات اور قیامت کا ذکر ہے اور پھر رسالت کا بیان بھی آرہا ہے۔

روزی بذریعہ آسمان و زمین

ارشاد ہوتا ہے اے پیغمبر! قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آپ ان سے دریافت کریں کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون پہنچاتا ہے۔ یہ تو عام مشاہدہ کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کی طرف سے بارش برساتا ہے جس سے زمین میں روئیدگی پیدا ہوتی ہے پھر پھل، اناج، سبزیاں اور چارہ پیدا ہوتا ہے جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتا ہے۔ نزولِ بارش کے متعلق سائنس دان تو کہتے ہیں کہ سمندروں سے بخارات اٹھ کر بادلوں کی شکل اختیار کرتے ہیں اور پھر اُن بادلوں سے بارش برستی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اسبابِ بارش کی قرآن میں پوری کیفیت بیان فرمائی ہے اور استفہامیہ انداز میں فرمایا ہے۔ بھلا بتاؤ تو سمندر سے بھاپ کو کون اٹھاتا ہے، پھر ہواؤں کو کون چلاتا ہے، اور بادلوں کو مطلوبہ جگہ پر ہانک کر کون لے جاتا ہے اور حکمت و مصلحت کے مطابق بارش کون برساتا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ بارش کے یہ تمام لوازمات کسی خودکار نظام کا حصہ نہیں ہیں بلکہ ان سب کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت ہوتی ہے۔ اور پھر پیداوار کا انحصار محض پانی پر نہیں ہے بلکہ اس میں بہت سے دیگر عوامل بھی دخیل ہوتے ہیں۔ اللہ نے سورۃ عبس میں اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے کی طرف توجہ کرے اور دیکھے کہ بیشک ہم نے پہلے پانی کو بہایا۔ پھر زمین کو پھاڑا اور اس میں سے اناج اگایا۔ مطلب یہ کہ پانی تو زمین تک پہنچ

گیا، اب زمین کو پھاڑ کر اس سے نہایت ہی نرم و نازک پودے کو نکالا اور پھر اسے حد کمال تک پہنچا کر انسانوں اور جانوروں کی روزی کا سامان مہیا کیا۔ اللہ نے سورۃ البقرہ میں بھی فرمایا وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ (آیت - ۲۲) ہم نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا اور پھر اس کے ذریعے تمہاری خوراک کے لیے پھل پیدا کیے۔ عربی میں سماء ہر اوپر والی چیز کو کہتے ہیں۔ بادل بھی چونکہ اوپر ہی ہوتے ہیں اسلئے بارش کے نزول کے لیے سما کا لفظ ہی عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ تاہم اوپر سے مراد اوپر سے نازل ہونے والا حکم الٰہی بھی ہے۔ دراصل اسی حکم کے ذریعے بارش نازل ہوتی ہے وگرنہ لبا اوقات بادل بھی آتے ہیں مگر بارش بالکل نہیں ہوتی یا کسی دوسری جگہ ہو جاتی ہے۔

رزق بدست خدا

دراصل روزی رسانی مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (الروم - ۳۷) جس کیلئے چاہتا ہے روزی کو کشادہ کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اسکا واضح فرمان ہے وَفِى السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (الذریٰت - ۲۲) تمہاری روزی اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اس کا تعلق آسمان سے ہے اوپر سے حکم آتا ہے تو تمہیں اس حکم کے مطابق کم و بیش روزی مہیا ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان میں موجود ہے فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ (العنکبوت - ۱۷) روزی ہمیشہ اللہ سے مانگو کیونکہ اسباب رزق کا مالک وہی ہے اللہ نے خود بھی بار بار اعلان فرمایا کہ روزی رسانی اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہ ہر جاندار کی روزی کا ذمہ دار ہے۔ فرمایا وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ کتنے ہی جانور، چرند، پرند ہیں جو اپنی روزی پشت پر نہیں اٹھائے پھرتے۔ بلکہ اللہ ہی انہیں روزی پہنچاتا ہے اور تمہیں بھی۔ جس طرح خشکی پر رہنے والے ہر جاندار کیڑے مکوڑے، انسان، مویشی، پرند، چرند اور درند کی روزی اللہ کے ذمے ہے اسی طرح سمندروں کی تہ میں

رہنے والی مخلوق کا روزی رساں بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ فرمایا وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود-۶) زمین میں بسنے والے ہر جاندار کی روزی اللہ کے ذمے ہے۔

ایک روزی تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف سے بارش برسا کر زمین سے پیدا کرتا ہے، اس کے علاوہ زمین کی تہ سے نکلنے والی معدنیات سونا، چاندی، لوہا، تانبہ، ہیرے، کوئلہ، تیل وغیرہ بھی روزی کا بہت بڑا سبب ہیں۔ بلکہ آج کی دنیا میں ان اشیاء کی اہمیت بڑھ چکی ہے۔ اگر زمین سے یہ چیزیں برآمد نہ ہوتیں تو دنیا متمدن نہ بن سکتی اور نہ ہی انسانی زندگی کے آرام و آسائش کی موجودہ سہولتیں میسر آتیں، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے وسائل رزق جگہ جگہ پھیلا رکھے ہیں۔ اب یہ خود انسان کا کام ہے کہ وہ انہیں تلاش کر کے ان سے فائدہ اٹھائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان[1] ہے اُطْلُبُوا الرِّزْقَ فِي خَبَايَا الْاَرْضِ یعنی زمین کے گوشوں سے رزق تلاش کرو، الغرض اللہ نے آسمان و زمین کے وسائل کو روزی کا ذریعہ بنایا ہے۔

دلیلِ توحید

مذکورہ حقائق کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ ذرا ان سے پوچھیں کہ تمہیں آسمان و زمین سے روزی کون پہنچاتا ہے۔ فرمایا، یہ کافر، مشرک، ملحد اور بے دین لوگ اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکیں گے، لہٰذا آپ خود ہی فرما دیں قُلِ اللّٰهُ کہ روزی رساں تو اللہ ہی ہے اور کون ہے جو وسائل رزق مہیا کر کے جانداروں کی خوراک کا بندوبست کر سکے؟ جب روزی رساں صرف اللہ ہے تو پھر یہ مشرک لوگ دوسروں کو حاجت روا اور مشکل کشا کیوں سمجھتے ہیں اور خدا کی الوہیت میں ان کو کیوں شریک کرتے ہیں؟ ان کے خود ساختہ الٰہ یا تو بے جان شجر و حجر ہیں جن کی ویسے ہی کوئی حیثیت نہیں نہ یہ بول سکتے ہیں، نہ چل پھر سکتے ہیں، نہ کسی کے کام آ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ

---

[1] ۔

اگر یہ لوگ انسانوں، جنوں یا فرشتوں پر بھروسہ کیے بیٹھے ہیں تو وہ بھی بے اختیار ہیں، اللہ کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔ اُن میں سے نہ کوئی خالق ہے، نہ مالک ہے اور نہ مدبر و متصرف ہے، تو یہ تمہاری کون سی مشکل حل کریں گے۔

مفسرین کرام[1] فرماتے ہیں کہ اگر مخاطب کو اس بہترین انداز میں تبلیغ کی جائے کہ اُسے سوچنے سمجھنے کا موقع مل سکے تو اس کے بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اسی اصول کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے دلیل توحید پیش کرنے کے بعد فرمایا۔ وَاِنَّآ اَوْ اِیَّاکُمْ لَعَلٰی ھُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ بے شک ہم یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔ مقصد یہ کہ مشرک اور موحدین جو نظریات کا اختلاف ہے اس کی وجہ سے ایک فریق یقیناً ہدایت پر ہے اور دوسرا گمراہ ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں فریق نہ صحیح راستے پر ہو سکتے ہیں اور نہ دونوں کا عقیدہ غلط ہوگا بلکہ ان میں سے ایک ضرور صراط مستقیم پر ہے۔ اب یہ ہمارا اور تمہارا فرض ہے کہ اچھی طرح سوچ سمجھ لیں اور پھر فیصلہ کریں کہ کون حق پر ہے اور کون گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید کو سمجھانے کا یہ بہترین انداز اختیار فرمایا ہے۔

مشرکین کو اعتراض تھا کہ اہلِ ایمان ان کے بتوں کی مذمت بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی مسلمانوں کو بُرا بھلا کہتے تھے اور یہ بھی کہ بتوں کی برائی بیان کر کے تم نے غلط راستہ اختیار کر رکھا ہے۔ یہ اللہ کے مقرب ہیں اور اُن کی توہین لامحالہ اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا قُلْ لَّا تُسْئَلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر توحید خداوندی کا اثبات اور شرک کا رد جرم ہیں تو پھر ہم اِن کا اقرار کرتے ہیں ———— اور اِن مفروضہ جرائم کے بارے میں تم سے

[1] ـــه

کوئی سوال نہیں ہوگا، بلکہ ان کی ذمہ داری ہم پر عاید ہوتی ہے۔ اور ہم ہی جوابدہ ہیں۔ اور دوسری طرف جو کچھ تم کفریہ، شرکیہ اور معاصی کے کام کر رہے ہو۔ اِن کا الزام تمہارے سر پر ہے وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور تمہارے ان جرائم کے متعلق ہم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ گویا ہم اور تم اپنے اپنے افعال کے ذمہ دار ہیں، تم ہم پر نکتہ چینی کرنے کی بجائے اپنی فکر کرو۔ آخرت میں تمہیں اپنے اعمال کا خود ہی جواب دینا ہوگا۔ فرمایا یَوْمَ تَاْتِیْ کُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (النّحل - ۱۱۱) قیامت والے دن ہر شخص کو اپنے اعمال کا خود بھگتان کرنا ہوگا انہیں ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی

آگے اللہ نے قیامت کا ذکر صراحتاً بھی فرمایا ہے قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا آپ کہہ دیں کہ ہمارا پروردگار ہم سب کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرمائے گا، ہر شخص کو اُس کے عقیدے، عمل، کردار اور اخلاق کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ اور وہ فیصلہ کرنے والا اور مشکلات کو کھولنے والا ہے اور ہر بات کو جاننے والا بھی ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں لہٰذا وہ ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کا بھی ضرور محاسبہ کرے گا۔

شرک کی تردید

آگے اللہ نے شرک کی واضح طور پر تردید فرمائی ہے اور مشرکوں کو چیلنج کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ آپ اِن مشرکوں سے کہہ دیں کہ جن شریکوں کو تم نے خدا کے ساتھ ملا رکھا ہے، مجھے بتلاؤ کہ وہ کیا ہیں؟ وہ کون سا کام انجام دیتے ہیں؟ کیا وہ خالق، مالک یا متصرف فی الامور ہیں؟ اس کا جواب تو بھلا کون دیتا۔ اللہ نے خود ہی فرمایا كَلَّا خبردار! اللہ کے سوا کوئی بھی مذکورہ صفات کا حامل نہیں۔ ہر چیز کا مالک و مختار صرف اللہ ہے بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ

الحکیم بلکہ وہ اللہ ہی ہے جو کمالِ قدرت کا مالک ، ہر چیز پہ غالب اور کمال حکمتوں والا ہے ۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ۔

عالمی نبی

اگلی آیت میں اللہ نے رسالت کے بیان میں فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرسانے والا بنا کر کافۃ للناس کا مطلب دنیا بھر کے لوگوں کے لیے ہے خواہ اُن کا تعلق کسی ملک ، قوم ، نسل سے ہو، آپ سب کی طرف رسول ہیں۔ عربی ترتیب کے لحاظ سے یہ لفظ بشیر و نذیر کے بعد آنا چاہیئے تھا مگر مضمون کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے اسے پہلے لایا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ صرف عرب کے خطے یا عرب قوم کے لیے نبی اور رسول بن کر نہیں آئے بلکہ آپ کی رسالت کا دائرہ زمین پر بسنے والے ہر انسان تک وسیع ہے۔ اب اس میں کسی زمانے کی قید بھی نہیں ہے۔ بلکہ قیامت تک آنیوالی نسلیں آپ ہی کی امت کا حصہ ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا، اللہ نے مجھے دوسرے انبیاء کے مقابلے میں بعض خصوصیات عطا فرمائی ہیں اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ بُعِثْتُ اِلَى كَآفَّةِ لِّلنَّاسِ یعنی میں تمام بنی نوع انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ اور میری یہ خصوصیت بھی ہے[1] وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ کہ مجھ پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا ہے۔ اب قیامت تک میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے[2] بُعِثْتُ اِلَى الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ میں ہر کالے اور گورے کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، اس میں کسی قوم، رنگ اور نسل کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ فرمایا اللہ نے مجھے عالمی نبی بنا کر بھیجا ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

---

[1] مظہری ص۳۰ ج ۸ [2] مظہری ص۳۰ ج ۸
[3] ابن کثیر ص۵۳۹ ج ۳ (فیاض)

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے اور نہ ہی وہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، لہٰذا گمراہی میں پڑے رہتے ہیں۔

وقوع قیامت

مشرک اور کافر لوگ وقوعِ قیامت کا بھی انکار کرتے تھے۔ اللہ نے ان کے اس باطل عقیدہ کی طرف توجہ دلائی وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یہ کہتے ہیں کہ جس قیامت سے ہمیں ڈراتے ہو وہ کب آئے گی۔ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اس کے وقوع کی تاریخ بتلاؤ۔ اللہ نے جواباً فرمایا قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ تمہارے لیے قیامت کا وعدہ ایک دن کا وعدہ ہے لَا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ جب وہ مقررہ دن آجائے گا تو پھر نہ تو تم گھڑی بھر پیچھے ہو گے اور نہ آگے، بلکہ عین وقت پر قیامت برپا ہو جائے گی۔ اور پھر حساب کتاب کے لیے جمع کیا جائے گا آج تو تم استہزا کرتے ہو مگر اس دن تمہیں حقیقت کا پتہ چل جائے گا۔ سورۃ انعام میں اس دن کے لیے اَجَلٌ مُّسَمًّى کا لفظ آیا ہے کہ وہ ایک مقررہ وقت ہے جو ہر انسان کی انفرادی زندگی کے لیے بھی ہے اور مجموعی طور پر تمام عالم کے لیے بھی۔ جب یہ وقت آجاتا ہے تو آگے پیچھے نہیں ہوتا

درس دہم ۱۰ آیت ۳۱ تا ۳۳

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ
وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ
مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ
اِلٰى بَعْضِۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا
لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾
قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا
اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَاۗءَكُمْ
بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ
اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ
وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا
رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ:۔ اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر اختیار کیا کہ ہم
ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ان کتابوں پر

جو اس سے پہلے آئی ہیں۔ اور (اے مخاطب) اگر تو دیکھے جب کہ ظالم لوگ کھڑے کیے جائیں گے اپنے پروردگار کے سامنے، اور لوٹائیں گے بعض ان میں سے بعض کی طرف بات کو۔ کہیں گے وہ لوگ جو کمزور خیال کیے جاتے تھے ان لوگوں سے جنہوں نے تکبر کیا، اگر نہ ہوتے تم تو البتہ ہم ہوتے ایمانداروں میں ۳۱ کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے تکبر کیا ان لوگوں سے جو کمزور خیال کیے جاتے ہیں، کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت سے بعد اس کے کہ وہ تمہارے پاس آچکی تھی بلکہ تم خود مجرم تھے ۳۲ اور کہیں گے وہ لوگ جو کمزور خیال کیے جاتے ہیں۔ ان لوگوں سے جنہوں نے تکبر کیا، نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ رات دن کے فریب میں تم ہی ہمیں گمراہ کرتے تھے جب کہ تم حکم دیتے تھے ہمیں کہ ہم کفر کریں اللہ کے ساتھ اور بنائیں ہم اس کے لیے شریک، اور پوشیدہ رکھیں گے۔ ندامت کو جب دیکھیں گے عذاب کو سامنے۔ اور ڈال دیں گے ہم طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ نہیں بدلہ دیے جائیں گے وہ مگر اس کا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے ۳۳

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک اور مشرکین کا رد فرمایا اور توحید کی عقلی دلیل بیان کی، پھر رسالت کے تذکرے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت عامہ کا ذکر کیا کہ ہم نے آپ کو کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ یعنی تمام بنی نوع انسان کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور اس میں رنگ و نسل یا زمان و مکان کی کوئی قید نہیں۔ پھر اللہ نے منکرین قیامت کو جواب دیا کہ جس طرح تمہاری انفرادی زندگی کا ایک دن مقرر ہے، اسی طرح مجموعہ عالم کا بھی ایک دن مقرر ہے۔

قیامت کا وعدہ اُس مقررہ دن پر پورا ہو جائے گا۔ اور اس میں گھڑی بھر کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہو گی۔

قرآن پاک کی حقانیت

اب قرآن پاک کی حقانیت کے ضمن میں قیامت والے دِن اس کے منکرین کے دو گروہوں کے درمیان مکالمے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس دنیا میں اس کا انکار کرنے والے آخرت میں پچھتائیں گے اور پھر ایک دوسرے پر الزام دھریں گے ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کہا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ کہ ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے اس قرآن پر وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے پہلے آئی ہیں۔ مشرکین کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتا تھا۔ اس کی وجہ بھی آگے آ رہی ہے کہ اللہ کی کتابوں میں مذکور پروگرام ان لوگوں کے خود ساختہ رسم و رواجی پروگرام سے مطابقت نہیں کھاتا تھا۔ چونکہ وہ اپنی فرسودہ رسوم کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے لہٰذا وہ آسمانی کتابوں کا سرے سے انکار ہی کر دیتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ کبھی خدائی پروگرام پر شکوک و شبہات کا اظہار کرتے اور کبھی اسے بالکل ناقابلِ عمل قرار دے دیتے۔ اللہ نے دوسری جگہ قرآن میں فرمایا ہے کہ اِن لوگوں کو قیامت اور محاسبۂ اعمال کا تصور نہیں تھا، ورنہ یہ قرآن اور توحید کا انکار نہ کرتے۔

ظاہر ہے کہ قرآنِ پاک تو ہر شخص کے عقیدے، عمل اور اخلاق پر پابندیاں عاید کرتا ہے، حلال و حرام کے درمیان امتیاز پیدا کرتا ہے، ظلم و تعدی سے منع کرتا ہے، قومی و ملکی رسم و رواج کی مخالفت کرتا ہے، اس لیے مشرک لوگ نہ تو قرآن کو تسلیم کرنے کے لیے تیار تھے اور نہ وہ اپنی آزادی کی راہ میں کوئی پابندی قبول کرنا چاہتے تھے، لہٰذا وہ سرے سے انکار ہی کر دیتے تھے۔

انگریز بھی قرآنِ پاک کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ یہ قوم جس عیاشی، فحاشی، زنا، لواطت، گندی ذہنیت، گندی فکر اور کفر و شرک میں مبتلا

ہے قرآن اس کی تردید کرنا ہے مگر یہ آزاد منش لوگ کوئی پابندی قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ یہ تو مادر پدر آزادی چاہتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اللہ کی آخری کتاب کا صاف انکار کر دیا۔ اور تعصب و عناد میں اس حد تک بڑھ گئے کہ ملکہ وکٹوریہ کے زمانے کے وزیر اعظم گلیڈسٹون نے پارلیمنٹ میں کھڑے ہو کر یہ ہرزہ سرائی کی تھی۔ کہ جب تک قرآن دنیا میں موجود ہے دنیا متمدن نہیں ہو سکتی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے پروگرام پر عمل کیے بغیر دنیا میں امن و امان قائم نہیں ہو سکتا۔ مغرب کی نام نہاد ترقی اور ظاہری چمک دمک درحقیقت جہنم کا گڑھا ہے۔ اس کی وجہ سے نہ اُن کی ذہنی اصلاح ہو سکتی ہے، نہ اطمینان و سکون نصیب ہو سکتا ہے۔ اور نہ آخرت میں فلاح نصیب ہو سکتی ہے۔

قرآن ہر چیز کی پاکیزگی کا قائل ہے۔ اس کے بے مثال پروگرام کے متعلق ہم خطبۂ جمعہ میں سنتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ (النحل - ۹۰)
بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے، قرابت داروں سے حسنِ سلوک کی تلقین کرتا ہے اور فحاشی، معصیت اور بغاوت سے منع کرتا ہے۔ قرآن کا یہی پروگرام منکرین کی ساری گندی امیدوں پر پانی پھیر دیتا ہے، لہٰذا وہ اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

اس کے برخلاف قرآن پاک اپنے پروگرام کی صداقت پر اس قدر پختہ ہے کہ اس نے پوری دنیا کو چیلنج کر رکھا ہے اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (البقرہ-۲۳)
اگر تمہیں اس پروگرام میں کوئی شک و شبہ ہے تو اس سے بہتر پروگرام والی کوئی ایک ہی سورۃ بنا کر لے آؤ، پھر موازنہ ہو جائے گا۔ کہ کون سا پروگرام بہتر ہے۔ مگر اس چیلنج کا جواب گذشتہ چودہ صدیوں میں نہیں دیا جا سکا۔ اس سے عیاں ہے کہ پوری دنیا کی مخلوق قرآن سے بہتر پروگرام پیش کرنے سے عاجز ہے۔

تابع اور متبوع کی کشمکش

آگے اللہ تعالیٰ نے آخرت کی ایک کیفیت کو بیان کیا ہے۔ فرمایا آج تو منکرین توحید، منکرین رسالت، منکرین قرآن اور منکرین معاد دندناتے پھرتے ہیں اور تمسخر اڑاتے ہیں مگر قیامت والے دن ان کی حالت قابلِ دید ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے اے مخاطب وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ اگر آپ دیکھیں جب کہ ظالم لوگ کھڑے کیے جائیں گے اپنے پروردگار کے سامنے يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ نِ الْقَوْلَ اس وقت ان میں بعض بات کو دوسروں کی طرف لوٹائیں گے، یعنی ایک دوسرے پر الزام تراشی کریں گے اللہ تعالیٰ کے جلال کے سامنے جب اپنے اعمال پر نظر ماریں گے تو سخت مایوسی ہوگی اور پھر وہ اپنی بدبختی کے لیے ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔ پھر يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا پیچھے چلنے والے کمزور لوگ متکبر اور مغرور لوگوں سے کہیں گے لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ اگر تم نہ ہوتے تو ہم یقیناً ایماندار ہوتے اور یہ رسوائی نہ اٹھانا پڑتی۔ مطلب یہ کہ ہم دنیا میں تم سے کمزور تھے، تم ہمارے لیڈر، پیشوا، مِل مالک اور جاگیردار تھے۔ ہم ہر کام میں تمہارا اتباع کرتے رہے جس کا نتیجہ آج یہ نکلا ہے کہ تم خود بھی جہنم میں جا رہے ہو اور تمہارے پیچھے پیچھے ہم بھی اسی راستے پر جا رہے ہیں۔ یہ عام محاورہ بھی ہے اَلنَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ لوگ اپنے بادشاہوں یا بڑوں کے دین پر ہوتے ہیں، انہی کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں تو قیامت والے دن تابع لوگ متبوعین سے کہیں گے کہ ہمارا بیڑا تم نے غرق کر دیا ہے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا اس کے جواب میں متکبر لوگ کمزور لوگوں سے کہیں گے اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ کیا ہدایت آجانے کے بعد ہم نے تمہیں اس سے روکا تھا؟ مطلب یہ کہ ہم نے تمہیں ہاتھ سے پکڑ کر تو صراطِ مستقیم سے نہیں روکا تھا بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ بلکہ تم خود ہی مجرم تھے یعنی غلط

راستے کا انتخاب تم نے خود کیا، اس وقت تمھاری عقل کہاں گئی تھی ؟ اللہ تعالیٰ نے تمھیں آنکھیں، کان اور دل عطا کیا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بخشی تھی، پھر تم خواہ مخواہ ہمارے پیچھے کیوں چلتے رہے ؟ تمھیں تو ہدایت کا راستہ قبول کرنا چاہیئے تھا۔ بالکل یہی بات قیامت والے دن شیطان بھی کہے گا۔ لوگ اس کا گریبان پکڑیں گے کہ دنیا میں تو نے ہمیں بہکا کر گمراہ کیا اور آج ہمیں ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ آگے سے جواب دیگا۔ کہ مجھے تم پر کوئی غلبہ تو حاصل نہیں تھا۔ میں نے تمھیں ایک غلط راستے کی دعوت دی جسے تم نے برضا و رغبت قبول کر لیا۔ اس میں میرا کیا قصور ہے ؟ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (ابراہیم۔ ۲۲) اب مجھے ملامت نہ کرو بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو۔ تم اپنے فعل کے خود ذمہ دار ہو۔ یہی بات متبوعین بھی کہیں گے کہ دنیا میں تم فعل مختار تھے۔ تم نے خود اپنے لیے غلط راستے کا انتخاب کیا۔ اب اس کی سزا بھگتو۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا کمزور گمراہ اتباع کرنے والے لوگوں کا جواب درجواب یہ ہوگا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ کہ تم شب و روز اسی دھوکے اور فریب میں لگے رہتے تھے کہ لوگوں کو گمراہ کیا جائے اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ جب کہ تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں۔ تمھی نے ہمیں ورغلا کر توحید کو تسلیم کرنے کی بجائے کفر کرنے پر مجبور کیا اور ہم تمھارے جھانسے میں آ گئے۔ اب تم اپنے آپ کو کیسے بری الذمہ قرار دے سکتے ہو ؟

عیسائیت کا حال

آج دنیا میں عیسائیت بھی مکر و فریب پر ہی چل رہی ہے۔ عیسائیوں نے ہر طریقے سے دین اسلام کے راستے میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی ہے عیسائیت کی تبلیغ کے لیے نئے نئے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ ان کے مشنری ادارے یہی کام کر رہے ہیں۔ کبھی سکول کے نام پر اور کبھی فری ہسپتال کے نام پر لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ کبھی ایڈ دے کر مسلمانوں کے ضمیر کو خریدنے کی کوشش

کی جاتی ہے۔ اس کام کے لیے دنیا بھر میں بڑا روپیہ صرف کر رہے ہیں وہ عیسائیت کو اسلام پر غالب کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ (آل عمران - ۱۱۶) کافروں کے مال ان کے کچھ کام نہ آئے بلکہ اس مال کا وبال انہی پر پڑے گا۔ جب اللہ کی گرفت آئیگی تو لعنت میں مبتلا ہو جائیں گے

امیر شکیب ارسلانؒ نے لکھا ہے کہ یورپ کے عیسائیوں اور یہودیوں نے قرآن پاک اور حضور علیہ السلام کی سیرت کے خلاف چھ لاکھ کتابیں اور رسالے شائع کیے ہیں تاکہ لوگ اسلام کی طرف مائل نہ ہوں اور جو ہو چکے ہیں۔ وہ بدظن ہو جائیں مشرقی علوم کے ماہر مغربی دانشور (مستشرقین) ایسا سبق پڑھاتے ہیں اور ایسے طریقے سے گمراہ کرتے ہیں کہ سادہ لوح لوگ اُن کے دام میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ہاں ایوب کے زمانے میں فضل الرحمان نے ایک قبیح شوشہ چھوڑا تھا کہ قرآن سارے کا سارا خدا کا کلام نہیں ہے۔ اُس شخص کو حکومت میں بڑا عہدہ ملا ہوا تھا۔ اور بڑے انعام و اکرام ملے تھے۔ مگر اس نے اس قسم کا شوشہ چھوڑا، تو ملک بھر میں احتجاج ہُوا۔ جس کی بناء پر اُسے حکومت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ یہ شخص مولانا شہاب الدینؒ کا فرزند تھا جو کہ خود بڑے صالح اور نیک آدمی تھے حضرت مولانا شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے مگر مغرب والوں نے ایسا چکمہ دیا کہ الٹی سیدھی باتیں کرنے لگا۔

ابھی کچھ عرصہ پہلے بہاولپور کا ایک پروفیسر مغربی تعلیم حاصل کر کے آیا تو اُس نے ایک مقالہ لکھا تھا جس میں حضور علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ پر بڑے غلط قسم کے اعتراضات کیے تھے، اس سے حضور علیہ السلام کی زندگی کو عام سیاستدانوں جیسی زندگی ثابت کرنا مقصود تھا۔ یہ اور اس قسم کے لوگ عیسائی اور یہودی لابی سے متاثر ہو کر اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ اُن کے پاس کثیر فنڈ ہوتے ہیں جنہیں خرچ کر کے وہ اپنے قبیح مقصد میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہی اُن کا شب و روز کا فریب ہے، وہ حدیث کی تحقیق کے نام پر گمراہ کن کتابیں شائع

کرکے دنیا بھر میں پھیلاتے ہیں اور گمراہ کن پراپگنڈا کے ذریعے اسلام کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عیسائی ہوں یا یہودی یا اشتراکی اسلام دشمنی میں سب یکساں بلکہ ایک دوسرے کے مدد و معاون ہیں۔ ابھی قریب زمانے میں ایک بڑے آدمی نے یہ بیان دیا تھا کہ حکومتوں کو یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہیئے کہ جدید دور میں اسلام ایک خطرناک طاقت ہے، چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا بھر میں جہاں بھی کوئی مسلمان حکومت اُبھرتی ہے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرتی ہے اسے یا تو لالچ دے کر دبا دیا جاتا ہے۔ یا طاقت استعمال کر کے اُسے کمزور کر دیا جاتا ہے۔

شرک کا وبال

بہر حال تابع لوگ اپنے متبوعین سے کہیں گے کہ تم ہمیں اللہ کے ساتھ کفر کرنے کا حکم دیتے تھے اور یہ بھی وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا کہ ہم اس کے ساتھ شریک بنائیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو چھوڑ کر اُس کی مخلوق میں سے اُس کے ساتھ شریک بنائیں، اُن کی تعظیم کریں، اُن کی نذر و نیاز دیں اور ان کے سامنے سجدے کریں۔ فرمایا اس وقت اُن کی یہ حالت ہوگی وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ کہ عذاب کو اپنے سامنے دیکھ کر اپنی ندامت کو چھپانے کی کوشش کریں گے۔ مگر وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْٓ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ہم کفر کرنے والوں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے۔ مجرموں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں بھی ہوں گی، طوق چونکہ سب سے زیادہ ذلت ناک چیز ہے، اس لیے یہاں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث شریف[1] میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنی گردن میں طوق پڑا ہوا دیکھے تو یہ اچھا خواب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ذلت کی علامت ہے اس وقت دنیا میں جتنے بھی مشرک اور بدعتی لوگ ہیں ان کی گردنوں میں رسومات

---

[1]

باطلہ کے طوق پڑے ہوئے ہیں مگر یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی وجہ سے ہماری گمراہی اونچی ہو رہی ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہی چیزیں قیامت والے دن اِن کے لیے ذلت کا سبب بن جائیں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص خواب میں اپنے آپ کو ہتھکڑی یا بیڑی پہنے ہوئے پائے تو یہ اس کے لیے اچھی علامت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دین میں پختہ ہے۔

قبر پرستی

اب دیکھ لیں کس کس قسم کی بدعات کا طوق گلے میں ڈال رکھا ہے۔ قبروں کو پختہ بنایا جا رہا ہے۔ اُن پر گنبد تعمیر ہوتے ہیں، سنگ مرمر لگتا ہے، پھر انہیں عرق گلاب سے دھویا جاتا ہے اور اُوپر چادریں چڑھائی جاتی ہیں، آخر یہ کہاں کی نیکی ہے اور صاحب قبر کو اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ خانہ کعبہ کو غسل دینا اور اس پر غلاف چڑھانا تو بجا طور پر جائز ہے مگر قبروں کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا جا رہا ہے۔ کیا یہ چادریں مساکین کی تن پوشی کے لیے استعمال نہیں ہو سکتیں؟ فرمایا هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اِن کو ان کے خود کردہ اعمال ہی کا بدلہ ملے گا، اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہو گی۔ کفر کے راستے پر چلانے والوں کا انجام بھی اللہ نے بیان فرما دیا۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَاۤ
اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوۡا نَحۡنُ اَكۡثَرُ
اَمۡوَالًا وَّاَوۡلَادًا ۙ وَّمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِیۡنَ ﴿۳۵﴾ قُلۡ اِنَّ
رَبِّیۡ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ وَلٰكِنَّ
اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۶﴾ وَمَاۤ اَمۡوَالُكُمۡ وَلَاۤ ع ۴ ۱۰
اَوۡلَادُكُمۡ بِالَّتِیۡ تُقَرِّبُكُمۡ عِنۡدَنَا زُلۡفٰۤی اِلَّا مَنۡ
اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۫ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ جَزَآءُ الضِّعۡفِ
بِمَا عَمِلُوۡا وَهُمۡ فِی الۡغُرُفٰتِ اٰمِنُوۡنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِیۡنَ
یَسۡعَوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیۡنَ اُولٰٓئِكَ فِی الۡعَذَابِ
مُحۡضَرُوۡنَ ﴿۳۸﴾ قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ
یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ وَیَقۡدِرُ لَهٗ ؕ وَمَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ
مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ یُخۡلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ :- اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا مگر کہا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے کہ بیشک ہم اُس چیز کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں جو تمھارے ساتھ بھیجی گئی ہے ﴿۳۴﴾ اور کہا انہوں نے کہ ہم زیادہ

ہیں مال اور اولاد میں اور نہیں ہم سزا دیے جانے والے (۳۵)
آپ کہہ دیجئے بے شک میرا پروردگار کشادہ کرتا ہے۔
روزی جس کے لیے چاہے، اور تنگ کر دیتا ہے (جس
کے لیے چاہے) لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے (۳۶) اور
نہیں ہیں تمہارے مال اور نہ تمہاری اولادیں کہ تم کو
قرب دلائیں ہمارا، مگر وہ شخص کہ جو ایمان لایا اور جس
نے اچھا عمل کیا، پس یہی لوگ ہیں جن کے لیے دُگنا اجر
ہوگا اس وجہ سے جو انہوں نے کیا۔ اور وہ بالاخانوں میں
امن سے رہنے والے ہوں گے (۳۷) اور وہ لوگ جو کوشش
کرتے ہیں ہماری آیتوں میں اُن کو کمزور کرنے کے لیے
یہ لوگ عذاب میں پکڑ کر حاضر کیے جائیں گے (۳۸) آپ
کہہ دیجئے، بیشک میرا پروردگار کشادہ کرتا ہے روزی جس
کے لیے چاہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کر
دیتا ہے جس کے لیے چاہے، اور جو تم خرچ کرتے ہو
پس وہ اس کا بدلہ دیتا ہے، اور وہ بہتر روزی دینے
والا ہے (۳۹)

ربطِ آیات

پہلے توحید اور اس کے دلائل بیان ہوئے۔ پھر اللہ نے قرآن کی حقانیت و صداقت کو واضح کیا اور منکرین کا رد فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے رسالت کا ذکر بھی کیا۔ اور پھر مجرمین کا حال بیان کیا اور حشر میں پیش آنے والے بعض حالات سے آگاہ کیا۔ اب آج کے درس میں اللہ نے نبوت و رسالت کے ضمن میں فرمایا کہ جب بھی کوئی نبی یا رسول کسی بستی شہر یا علاقے میں مبعوث ہوا۔ اور اس نے لوگوں کو کتاب، شریعت، ایمان اور توحید کی دعوت دی تو سب سے پہلے اُس بستی کے آسودہ حال لوگوں نے ہی مخالفت کی۔

مترفین کا انکارِ رسالت

ارشاد ہوتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اور ہم نے نہیں بھیجا کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا یعنی نبی اور رسول اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْھَا مگر یہ کہ اس بستی کے آسودہ حال لوگوں نے کہا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِہٖ کٰفِرُوْنَ تمھارے ساتھ جو کچھ بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرتے ہیں اللہ کے سارے نبی بشیر اور نذیر ہوتے ہیں۔ وہ نیک اعمال اور عقیدے پر خوشخبری دیتے ہیں اور بُرے اعمال و عقائد سے ڈراتے ہیں۔ خاص طور پر انذار کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے کیونکہ پہلے لوگ بُرائی سے باز آئیں گے تو نیکی کی طرف راغب ہوں گے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ نے ابتدائے نبوت میں یہی حکم دیا قُمْ فَاَنْذِرْ (المدثر-۲) آپ کھڑے ہو جائیں اور لوگوں کو اُن کے بُرے انجام سے ڈرائیں۔

اس آیت کریمہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہے کہ اگر آپ کی قوم کے خوشحال اور متمول لوگ آپ کی مخالفت کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ہر نبی کے ساتھ مترفین نے ایسا ہی سلوک کیا۔ آپ گھبرائیں نہیں اور اپنا کام جاری رکھیں، نبیوں کا مقابلہ کرنے والے بدبخت اکثر صاحبِ ثروت لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ انہیں اپنی دولت پہ ناز ہوتا ہے اس لیے وہ کسی غریب اور نادار کو اپنے پاس بٹھانا بھی پسند نہیں کرتے۔

مال و اولاد پر فخر

اُن کے غرور و تکبر کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ صاف کہتے ہیں۔ وَقَالُوْا نَحْنُ اَکْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ہمارے پاس مال اور اولاد کی فراوانی ہے۔ ہمارا خاندان بڑا ہے، اللہ نے ہمیں ہر چیز دی ہے۔ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ بھلا ہمیں کون سزا دے سکتا ہے اللہ ہم سے راضی ہے جس نے مال و اولاد سے نوازا ہے۔ اگر وہ ہمارے اعمال سے ناراض ہوتا تو ہمیں خوشحال کیوں بناتا۔ تم ہمیں خواہ مخواہ ڈراتے ہو

ہو ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔ مالدار لوگوں کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے انہیں مال و اقتدار پر فخر ہوتا ہے۔ اللہ نے اس چیز کو گمراہی کے اسباب میں بیان کیا ہے۔

قرآن پاک میں جن انبیاء کا حال بیان کیا گیا ہے اُن میں سے کوئی خال ہی ہوگا جس کی مخالفت نہ کی گئی ہو۔ ابتدائی دور میں نبیوں پر ایمان لانے والے عام طور پر غرباء اور مساکین ہی ہوتے رہے ہیں۔ صاحبِ حیثیت لوگ ابتداء میں اکثر مخالفت کرتے رہے اور پھر جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہا۔ تو آخر میں چل کر ایمان لائے ہرقل کے واقعہ میں[1] موجود ہے کہ اُس نے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور ان کی دعوت کے متعلق سوال جواب کیے۔ پھر مکے کے رہنے والے کسی دوسرے آدمی کو طلب کیا تو ابوسفیانؓ کو پیش کیا گیا جو اس وقت ایمان نہیں لائے تھے۔ ہرقل والی روما نے دیگر سوالات کے علاوہ ابوسفیانؓ سے یہ بھی پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار کیسے لوگ ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ کمزور اور غریب لوگ ہیں جب کہ بڑے بڑے رؤسا مخالف ہیں۔ ہرقل پہلی کتابوں کا علم رکھتا تھا، کہنے لگا کہ ہر نبی کے اولین متبعین کمزور لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔

شانِ نزول

اس آیت کی شانِ نزول میں امام ابن کثیرؒ[2] نے ابن ابی حاتمؒ کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ بعثت میں دو تاجر آپس میں شراکت دار تھے، اُن میں ایک دور کہیں ساحلی علاقے میں تجارت کے سفر پر تھا جب کہ دوسرا اپنے گھر میں تھا۔ مسافر تاجر نے وہیں یہ خبر سنی کہ مکے کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو اُس نے اپنے شراکت دار کو لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ مکے میں کوئی مدعی نبوت پیدا ہوا ہے، اگر ہے تو مجھے

---

[1] بخاری صفحہ ۵ ج ۱ [2] ابن کثیر صفحہ ۵۴ ج ۳ (فیاض)

اُس کے متعلق حالات سے باخبر کریں۔ مقیم تاجر نے جواب دیا کہ ہاں واقعی مکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے مگر اُس کے پیروکار غریب غربا ہی ہیں، کسی بڑے آدمی نے ایمان قبول نہیں کیا، یہ خط پا کر مسافر تاجر اپنا کاروبار چھوڑ کر فوراً مکے آیا۔ براہ راست حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں، مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے، میں توحید اور ایمان کی دعوت دیتا ہوں برائیوں سے خبردار کرتا ہوں، تو وہ شخص اُسی مجلس میں مشرف بہ اسلام ہو گیا کہنے لگا آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا کہ تم نے مجھے کس طرح پہچانا، کہنے لگا کہ اس علامت سے کہ آپ کو ماننے والے غریب لوگ ہیں، دولت مند اعراض کر رہے ہیں۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ اسی موقع پر نازل ہوئی

رزق کی کشادگی اور تنگی

آسودہ حال لوگوں کا حال اللہ نے بعض دوسرے مقامات پر بھی بیان فرمایا ہے جیسے سورۃ الواقعہ میں جہاں اللہ نے مجرمین کا حال بیان کیا ہے۔ وہاں فرمایا ہے اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾ یہ لوگ پہلے بھی آسودہ حال تھے اور بڑے گناہوں پر اصرار کرتے تھے، یہ لوگ کفر و شرک میں مبتلا تھے اور مال و دولت کے نشے میں کسی دوسرے کی بات سننے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے۔ یہی لوگ اصلاح کے راستے میں رکاوٹ بنتے رہے ہیں تاکہ ان کا استحصالی دھندا چلتا رہے اور انہیں کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔

اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ ان پر راضی ہے جو اس قدر مال و دولت دے رکھا ہے مگر یہ چیزیں رضائے الٰہی کی علامت نہیں ہیں۔ رزق کی کشادگی یا تنگی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت پر مبنی ہوتی ہے۔ فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ بے شک میرا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے رزق

کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ رزق کی کی فراوانی اچھائی کی علامت نہیں ہے، بہت سے شریر، نافرمان، ملحد اور دہریے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں جب کہ بعض اہلِ ایمان اور خدا پرست لوگ تنگی کی حالت میں ہوتے ہیں حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک مقبول بندے ہوتے ہیں۔ لہٰذا آسودہ حالی کوئی پسندیدگی کی علامت نہیں ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے اور وہ ظاہری خوشحالی کو ہی اپنی مقبولیت کی نشانی سمجھتے ہیں، یہ تنگی اور فراخی تو اللہ کی حکمت پر مبنی ہوتی ہے کبھی وہ کسی کو مال و دولت دے کر آزماتا ہے اور کبھی ان چیزوں سے محروم کر کے امتحان لیتا ہے، پھر جو بندے اس کے امتحان میں پورے ہوتے ہیں۔ وہی مقبولِ بارگاہ ہوتے ہیں۔

امام شافعیؒ کا قول[1] ہے۔

وَمِنَ الدَّلِيْلِ عَلَى الْقَضَاءِ وَحُكْمِهٖ
بُؤْسُ اللَّبِيْبِ وَطِيْبُ عَيْشِ الْاَحْمَقِ

اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر یہ دلیل ہے کہ بااوقات عقلمند اور دانا لوگ نہایت تنگدستی میں وقت گزارتے ہیں۔ جب کہ بیوقوف لوگ عیش و راحت میں ہوتے ہیں۔ سعدی صاحبؒ کا قول[2] بھی ہے۔

اگر روزی بدانش بر فزودے
ز ناداں تنگ تر روزی نہ بودے

اگر رزق کی وسعت محض عقل و دانش کی بنیاد پر ہوتی تو بیوقوف بیچارے بھوکوں مر جاتے۔ بہر حال تنگی و فراخی اللہ کی حکمت اور منشار کے مطابق ہوتی ہے۔ مگر اکثر لوگ اس کی حقیقت کو نہیں پاتے۔

---

[1] نفحۃ العرب ص۱۱۴ [2] (فیاض)

خوشحالی ذریعہ قرب نہیں

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق بھی فرمایا ہے وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ (التوبہ۔ ۸۵) اے پیغمبر! ان کے مال اور اولاد پر آپ تعجب نہ کریں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے، اس آزمائش میں ناکامی پر ہی اللہ تعالیٰ ان کو سخت سزا دے گا۔ اس مقام پر بھی فرمایا وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى تمہارے مال اور اولاد تمہیں ہمارا قرب نہیں دلا سکتے اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا قرب الٰہی تو اس شخص کو حاصل ہوگا جو ایمان لایا اور جس نے نیک اعمال انجام دیے۔ ہاں اگر مالداروں میں بھی کوئی ایمان لانے کے بعد اچھے کام کرتا ہے تو وہ بھی قرب الٰہی کا حقدار ہے ایسے شخص کے حق میں اس کا مال ضرور مفید ہوگا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے نِعْمَ صَاحِبُ الْمُسْلِمِ لِمَنْ اَدّٰى ایک مسلمان کے لیے اس کا مال ایک اچھا ساتھی ہے بشرطیکہ اس نے مال کا حق ادا کیا ہو۔ غرباء اور مساکین کا خیال رکھا ہو، قرابت داروں کا حق ادا کیا ہو، اور زکوٰۃ و صدقات دیتا ہو۔ مگر جو لوگ مال کا حق ادا نہیں کرتے ان کے لیے یہ وبال جان بن جاتا ہے۔ جب کوئی شخص کسب میں حلال و حرام کی تمیز نہیں کریگا، نہ خرچ میں جائز اور ناجائز جگہ میں امتیاز کریگا، تو اس کا مال اُسے ہرگز فائدہ نہیں دے گا۔

فرمایا جو کوئی ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا ایسے لوگوں کے لیے ان کے اعمال کا دگنا بدلہ ہوگا، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام۔ ۱۶۱) جو کوئی ایک نیکی کرے گا اُسے دس گنا بدلہ ملے گا۔ ہر نیک عمل کا بدلہ سات سو گنا تک ہے یا جس قدر چاہے عطا کر دے۔ تاہم ہر نیک عمل کی جزا ڈبل تو

لازماً ہے وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ اور ایسے نیکوکار لوگ جنت کے بالاخانوں میں نہایت امن وسکون کے ساتھ گزر اوقات کریں گے، ان کے عالیشان مکان ہوں گے جن کی دیواریں اتنی شفاف ہوں گی کہ باہر کا نظارہ اندر بیٹھے ہو سکے گا، وہاں انہیں کوئی غم اور پریشانی نہیں ہوگی، کسی محنت و مشقت کی ضرورت نہ ہوگی، اور نہ کسی نعمت کے چھن جانے کا خطرہ ہوگا۔

مجرمین کے لیے سزا

فرمایا وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ جو لوگ ہماری آیتوں میں کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں ہرادیں، کمزور کردیں اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ وہ عذاب میں پکڑ کر حاضر کیے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ آیات الٰہی کا تمسخر اڑاتے ہیں اور اس کے پروگرام کو ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ بالآخر عذاب میں پکڑے جائیں گے اور ان کی رہائی کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

آگے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ بیشک میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے۔ اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ یہ اُس کی حکمت ہے جسے کوئی نہیں جان سکتا۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق روزی تقسیم کرتا ہے۔ پھر جس کو زیادہ دیتا ہے۔ اس کو بھی امتحان میں ڈالتا ہے کہ وہ میرے احکام کی کس حد تک پاسداری کرتا ہے۔ اور جس کو کم دیتا ہے۔ اس کے صبر و شکر کا بھی امتحان لیتا ہے اور پھر ان کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ کرتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

چونکہ اکثر مالدار لوگ کنجوس واقع ہوئے ہیں لہٰذا آگے اللہ نے انفاق فی سبیل اللہ کا قانون بھی بتلا دیا۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ تم جو چیز بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا ضرور بدلہ دیتا ہے لہٰذا مال کو ہمیشہ صحیح جگہ میں خرچ کرنا چاہیئے۔ اپنی جائز ضروریات بھی پوری کرو مگر حقداروں کے حقوق بھی ادا کرو۔ جس نے مال کا حق ادا نہیں کیا۔ اس کے لیے

یہی مال مصیبت بن جائے گا۔ مال کے بدلے کی کئی صورتیں ہیں۔ بعض اوقات دنیا میں اللہ تعالیٰ اس مال میں خیر و برکت ڈال دیتا ہے اور مال میں زیادتی ہو جاتی ہے، کاروبار میں نفع حاصل ہوتا ہے یا فصل اچھی ہو جاتی ہے، کسی تاوان، بیماری یا مقدمہ وغیرہ سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور اللہ کی مخلوق بھی مستفید ہوتی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک [1] ہے کہ ہر صبح اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرشتے زمین پر اترتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا اے اللہ صحیح جگہ پر خرچ کرنے والے کو مزید عطا فرما۔ اور دوسرا فرشتہ کہتا ہے کہ اے اللہ! کنجوس آدمی کو تباہ و برباد کر۔ بہر حال فرمایا کہ تم جو بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا عوض دیتا ہے وَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ اور اللہ تعالیٰ بہتر روزی رساں ہے۔ روزی کا فیصلہ وہی کرتا ہے۔ دنیا میں تو اللہ کی منشاء کے مطابق رزق ملتا ہے اور آخرت میں وہ ایمان اور نیکی کی بنیاد پر افضل روزی عطا کرے گا۔

---

[1] ابن کثیر ص ۵۴۱/۳ (فیاض)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ
اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٤٠﴾ قَالُوا سُبْحٰنَكَ
اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُوْنَ
الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا
تُكَذِّبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ
قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا
كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ
مُّفْتَرًى ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا
جَاۗءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٣﴾ وَمَآ
اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ
اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿٤٤﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ
ع ۵ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٥﴾

ترجمہ:- اور جس دن وہ (اللہ تعالیٰ) اکٹھا کرے گا ان سب کو، پھر فرمائے گا، فرشتوں سے، کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ (۴۰) وہ کہیں گے پاک ہے تیری ذات، تو ہی ہمارا کارساز ہے اُن کے سوا۔ بلکہ یہ لوگ جنّوں کی عبادت کرتے تھے، ان میں سے اکثر اُن پر اعتقاد رکھتے تھے (۴۱) پس آج کے دن نہیں مالک ہوگا تم میں سے بعض بعض کیلئے کسی نفع اور نقصان کا۔ اور ہم کہیں گے ان لوگوں سے جنہوں نے ظلم کیا، چکھو آگ کا عذاب جس کو تم جھٹلاتے تھے (۴۲) اور جب ان پر پڑھی جاتی ہیں ہماری واضح آیتیں تو کہتے ہیں، نہیں ہے یہ مگر ایک شخص جو ارادہ کرتا ہے کہ روک دے تم کو اُن چیزوں سے جن کی تمہارے آباء و اجداد عبادت کرتے تھے۔ اور کہا انہوں نے کہ نہیں ہے یہ مگر جھوٹ افتراء کیا ہوا۔ اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا حق کے ساتھ جب کہ وہ اُن کے پاس آیا نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو (۴۳) اور نہیں دیں ہم نے اِن کو کوئی کتابیں جن کو یہ پڑھتے ہوں اور نہیں بھیجا ہم نے ان کی طرف، تجھ سے پہلے کوئی ڈرسنانے والا (۴۴) اور جھٹلایا اُن لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں، اور نہیں پہنچے یہ لوگ اُس کے عشر عشیر کو بھی جو ہم نے اُن کو دیا۔ پس جھٹلایا انہوں نے میرے رسولوں کو، پس کس طرح ہوئی میری گرفت (۴۵)

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ رسالت کا انکار عام طور

پر آسودہ حال لوگ ہی کرتے تھے کیونکہ اللہ کی عبادت کو تسلیم کرنے سے ان کی اپنی سرداری اور چودھراہٹ متاثر ہوتی تھی۔ اللہ نے خوشحالی کو اسباب گمراہی میں شمار کیا ہے، اللہ کے ہاں مقبولیت کا تعلق مال و دولت یا جاہ و حشمت سے نہیں بلکہ ایمان اور اعمال صالحہ سے ہے۔ اللہ نے رزق کا قانون بھی بیان فرمایا کہ یہ تقسیم اس کے اپنے قبضۂ قدرت میں ہے، جس کا چاہے رزق وسیع کر دے اور جس کا چاہے تنگ کر دے۔ یہ تقسیم اس کی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہوتی ہے جسے مخلوق نہیں جان سکتی۔ مخلوق کا فرض ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو زندگی کا لائحہ عمل بنا لے۔

فرشتوں کی عبادت

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قیامت والے دن مشرکین کی کیفیت بیان کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا کرے گا، ان سے ان کی بدعقیدگی اور بداعمالی کے متعلق باز پرس ہو گی وہ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔ اس وقت انسان، جن، عابد اور معبود سب جمع ہوں گے ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیگا۔ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ کیا یہ لوگ دنیا کی زندگی میں تمہاری عبادت کیا کرتے تھے اس وقت دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ بعض لوگ فرشتوں کے نام پر ہیکل بناتے ہیں۔ بعض ان کو مشکلات میں پکارتے ہیں اور بعض یا جبرائیل یا میکائیل والے تعویذ لکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ فرشتوں کی عبادت کرنے کے مترادف ہے۔ تو جب مشرک لوگ اپنے شرک کی کوئی توجیہہ پیش نہیں کر سکیں گے، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھیں گے کہ کیا یہ لوگ دنیا میں تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟

فرشتے اللہ تعالیٰ کی مقرب مخلوق ہیں، وہ جسمانیت اور بہیمیت سے پاک ہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنے والے ہیں، ان کی توجہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رہتی ہے، وہ جواب دیں گے

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مولا کریم! تیری ذات ہر قسم کی آلودگی اور نقص وعیب سے پاک ہے
اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ان کے سوا تو ہی ہمارا کارساز ہے۔
جب ہم خود تیرے محتاج ہیں تو ہم اِن کو کیسے کہہ سکتے تھے کہ ہماری عبادت
کیا کرو۔؟ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الاعراف - ۱۹۰) تیری ذات
بلند و برتر ہے۔ اُن تمام چیزوں سے جن کو یہ تیری طرف منسوب کرتے ہیں۔
ہم نے تو اِن کو کبھی نہیں کہا کہ ہمیں اپنا کارساز سمجھو۔ ہم تمہاری مشکلات حل کر
دیا کریں گے، لہٰذا بوقت ضرورت ہمیں پکارا کرو۔ فرشتے صاف کہہ دیں گے
کہ مولا کریم! یہ لوگ ہمیں تمہارا شریک بناتے رہے ہیں، ہم نے کبھی اِن کو
اپنی عبادت کی دعوت نہیں دی تھی۔ دوسری جگہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے
مقربین سے پوچھے گا۔ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰٓؤُلَآءِ (الفرقان ۱۷)
کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا، کیا تم نے اِن کو کہا تھا کہ تمہاری یا مخلوق
میں سے کسی دوسرے کی عبادت کریں؟ مگر سب انکار کر دیں گے۔ سورۃ المائدہ
میں موجود ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ مسیح علیہ السلام سے بھی یہی سوال
کریں گے ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ (آیت - ۱۱۶) کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ
کے سوا معبود بنا لو؟ اُن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھو اور اُن کی نذر و نیاز دو، تو
عیسیٰ علیہ السلام بھی ایسا ہی جواب دیں سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِیْ
اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِیْ بِحَقٍّ (آیت - ۱۱۶) مولا کریم تیری ذات پاک ہے
میرے لائق ہرگز نہیں تھا کہ میں ایسی بات کرتا جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا۔ اگر میں
نے ایسی کوئی بات کی ہے تو تو اُس کو جانتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے ہرگز
ایسی دعوت نہیں دی کہ میری پوجا کیا کرو۔ تو یہاں یہ فرشتوں کا ذکر ہے
کہ اُن سے پوچھا جائے گا، کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے وہ جواب
دیں گے، مولا کریم! تیری ذات ہر عیب و نقص اور شرک سے منزہ ہے

ہم نے ان کو ہرگز نہیں کہا تھا کہ ہماری عبادت کریں۔

جنات کی پرستش

فرشتے مزید عرض کریں گے بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ بلکہ یہ لوگ تو جنات کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ اور ان میں سے اکثر انہیں پر اعتقاد رکھتے تھے۔ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے کام آسکتے ہیں۔ جنات کی عبادت کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اور پھر اللہ کے سوا دوسروں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنے لگتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سارے بندے نبی، ولی یہی کہتے آئے ہیں کہ عبادت صرف اللہ کی کرو۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ (المائدہ - ۱۱۷) جو تمہارا بھی رب ہے اور ہمارا بھی رب ہے۔ وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ (الانعام - ۱۶۵) اور وہی ہر چیز کا پروردگار ہے اور ہم بھی اسی کی عبادت کی دعوت دیتے رہے

اللہ نے فرمایا، فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا آج کے دن تم ایک دوسرے کے نفع نقصان کے مالک نہیں ہو گے۔ اس دن عابد اور معبود، تابع اور متبوع کا عجز بالکل نمایاں ہوگا اور کوئی ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکے گا۔ درحقیقت نفع نقصان کا مالک اللہ ہی ہے مگر دنیا میں اکثر لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے پر انحصار کرنے لگتے ہیں، مگر آخرت میں تو حد درجے کی بے بسی ہوگی اور کوئی بھی کسی کے کام نہیں آسکے گا۔ تمام خود ساختہ معبود حتیٰ کہ شیطان بھی بیزاری کا اظہار کرے گا، اور کہے گا۔ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ (ابراہیم - ۲۲) دنیا میں تم مجھے شریک بناتے تھے، میں بیزاری کا اعلان کرتا ہوں، میں نے تو تمہیں گمراہی کی دعوت دی تھی، شرک کرنے والے تو تم خود ہو۔ اللہ نے تمہیں عقل و شعور عطا فرمایا تھا۔ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ - ۲۵۶) ہدایت اور گمراہی کا راستہ بھی واضح ہو چکا تھا۔ اس کے بعد تم نے خود گمراہی کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کفر اور شرک کیا، اب

اپنی برائی کا خود ہی بھگتان کرو۔

ظالموں کے لیے عذاب

فرمایا قیامت کے دن کوئی بھی ایک دوسرے کے لیے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوگا۔ وَنَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اور ہم ظلم کرنے والوں سے کہیں گے۔ ظاہر ہے کہ سب سے بڑا ظلم تو کفر اور شرک ہی ہے۔ جیسے فرمایا۔ وَالْکٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (البقرہ۔ ۲۵۴) اور کافر ہی ظالم ہیں۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان۔ ۱۳) بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے تو اللہ تعالیٰ ظالموں سے فرمائے گا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ اب اُس دوزخ کا عذاب چکھو جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ مشرک لوگ جس طرح توحید و رسالت کا انکار کرتے تھے۔ اسی طرح قیامت کے بھی منکر تھے اور کہتے تھے کہ جنت دوزخ کچھ بھی نہیں، محض مولویوں کی بنائی ہوئی کہانیاں ہیں۔ شیطان نے ایسی پٹی پڑھائی تھی، لَا جَنَّةَ وَلَا نَارَ وَلَا حِسَابَ وَكِتَابَ کہتے تھے نہ کوئی جنت ہے نہ دوزخ، اور نہ کوئی حساب اور نہ کتاب۔ اللہ فرمائے گا اس انکار کا مزہ اب چکھو۔ سورۃ الطور میں اس طرح فرمایا ہے اے بدبختو! اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْۤا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ (آیت۔ ۱۶) اس جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ اب صبر کرو یا بے صبری تمہارے لیے برابر ہے، اب یہ سزا تمہیں برداشت کرنی پڑے گی۔

رسالت کا انکار

فرمایا، ان کا دُنیا میں حال یہ ہے وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ کہ جب اُن پر ہماری واضح واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ یعنی اُن کے سامنے دلائل، احکام یا معجزات پیش کیے جاتے ہیں قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیْدُ اَنْ یَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ تو کہتے ہیں کہ یہ شخص تمہیں اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں سے روکنا چاہتا ہے۔ یہ نبی یا رسول نہیں ہے بلکہ تمہارے آباؤ اجداد کے طریقے سے ہٹانا چاہتا ہے۔

وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى اور ساتھ یہ بھی کہتے کہ جس چیز کو یہ خدا کا کلام قرآن کہتا ہے وہ تو محض افترا کیا ہوا جھوٹ ہے (نعوذ باللہ) گویا قرآن پاک کا بھی انکار کر دیتے۔ اکثر مشرکین یہی کہتے تھے کہ یہ شخص تمہیں ڈرا دھمکا کر اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، اسی لیے دولت مند اور صاحب اقتدار لوگ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرتے تھے۔

پھر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اگر یہ شخص اللہ کا نبی نہیں ہے تو پھر لوگ اس کی بات کیوں مانتے ہیں، جو آدمی ایک دفعہ اس کے قریب آجاتا ہے وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے، آخر بات کیا ہے؟ اس بات کے جواب میں مشرکین نے یہ فلسفہ گھڑ رکھا تھا۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ تو کافروں نے حق بات کے متعلق کہا جب کہ وہ ان کے پاس آگئی اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ کہ یہ تو کھلا جادو ہے، کہنے لگے اس شخص کی بات میں اثر اس لیے ہے کہ اس کے پاس جادو ہے جس کے ذریعے یہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے، وگرنہ نہ تو یہ اللہ کا رسول ہے اور نہ ہی قرآن اللہ کا کلام ہے بلکہ یہ تو ایک خود ساختہ چیز ہے جسے اللہ کی طرف منسوب کر رکھا ہے (العیاذ باللہ) مشرکوں کا یہ پرانا حربہ ہے کہ جب دلائل کا جواب دلائل سے نہیں دے سکتے تو حقیقت کو جادو سے تعبیر کر کے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں پہلے لوگ بھی جب کوئی نشانی دیکھتے تو کہتے سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (القمر-۲) یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔

عربوں کی لاعلمی

نزول قرآن سے قبل تقریباً دو ہزار سال تک عربوں میں کوئی نبی نہیں آیا تھا، چنانچہ ڈیڑھ ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لائے ہوئے دین پر قائم تھے، ان میں شرک کی بیماری پیدا نہیں ہوئی تھی۔ پھر حضور علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً چار سو سال پہلے قصی ابن کلاب کے زمانے میں شرک کی ابتداء ہوئی۔ ایک شخص عمرو ابن لحی کہیں بیرون ملک سفر پر

گیا تو وہاں مورتیاں دیکھیں جو اُسے پسند آئیں اور وہ انہیں ساتھ لے آیا اور یہاں آکر بھی ان کی ویسی ہی نذر ونیاز شروع کر دی جیسے اُس ملک میں لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ سب سے پہلے جانور بھی اس شخص نے غیر اللہ کی نذر کیے۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی بتوں کی پوجا کرنے لگے اور اس طرح عرب میں بھی شرک ہونے لگا۔

اللہ نے اسی چیز کا یہاں ذکر کیا ہے وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا ہم نے ان عربوں کو کوئی کتابیں بھی نہیں دی تھیں۔ جنہیں یہ پڑھتے پڑھاتے ہوں وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ، اور نہ ہی ہم نے ان کی طرف آپ سے پہلے (اور اسماعیل علیہ السلام کے بعد) کوئی ڈر سنانے والا یعنی نبی بھیجا۔ بنی اسماعیل کے بہت سے قبیلے تھے اور ساری عرب آبادی انہی قبائل پر مشتمل تھی بلکہ اُن کی عجم یعنی خراسان وغیرہ میں بہت سی آبادیاں تھیں مگر دو ہزار سال تک یہ وحی الٰہی سے محروم تھے۔ تو اللہ نے ان پر یہ احسان جتلایا ہے کہ اتنے عرصہ تک کسی کتاب اور نبی سے محروم رہنے کے بعد ہم نے تمہاری طرف آخری نبی اور اللہ کی آخری کتاب بھیجی ہے۔ مگر تم نے اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے نہ نبی کو تسلیم کیا ہے۔ اور نہ کتاب کو مانا ہے۔ یہ کس قدر بدبختی کی بات ہے۔

سابقہ اقوام کا حشر

ارشاد ہوتا ہے وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی اللہ کے نبیوں اور ان کی لائی ہوئی کتابوں اور نشانیوں کو جھٹلایا۔ اب اللہ نے مشرکین مکہ اور مشرکین عرب کو تنبیہہ کی ہے کہ اگر انہوں نے بھی اپنے پیغمبر کو جھٹلایا تو ان کا انجام بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔ فرمایا وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ ان کو تو اس کا عشر عشیر بھی نہیں دیا گیا، جو اُن کو عطا کیا گیا تھا۔ عام طور پر معشار کا معنیٰ دسواں حصہ ہوتا ہے اور لغت کے امام جوہری کہتے ہیں کہ معشار مبالغے کا صیغہ ہے اور مطلب یہ ہے

کہ سابقہ اقوام کی نسبت عرب لوگ دسویں حصے کے بھی مالک نہیں۔ تاہم بعض دوسرے لغت کے امام اس کا معنی عشر العشیر یعنی دسویں کا دسواں حصہ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو سواں یا ہزاروں حصہ بھی نہیں ملا۔ نہ تو عربوں میں پہلے لوگوں کی سی جسمانی قوت ہے جیسے کہ قدیم مصریوں، عاد، ثمود، کلدانیوں اور آشوریوں کو حاصل تھی اور نہ اُن جتنا مال و دولت اور اقتدار ہی حاصل ہے۔ عربوں کے پاس تو اِن کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ کس چیز پہ تکبر کرتے ہیں اور حق کی مخالفت کرتے ہیں۔

اللہ نے فرمایا فَكَذَّبُوا رُسُلِي ان پہلے لوگوں نے بھی میرے رسولوں کو جھٹلایا۔ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ پھر کیسی ہوئی میری گرفت، قوم نوحؑ، قوم شعیبؑ، قوم سبا، الٹی بستی والے اور دیگر نافرمانوں میں سے کیا فرد واحد بھی اللہ کے عذاب سے بچ سکا؟ نہیں بلکہ سب تباہ و برباد ہوئے۔ جب وہ نہیں بچ سکے جو اُن سے ہزار درجے زیادہ طاقتور اور مالدار تھے تو ان کی کیا حیثیت ہے؟ ان کو بھی اپنا انجام یاد کر لینا چاہیئے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حق کے مخالفین ذلیل و خوار ہوئے اور خدا تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کر دیا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى
وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ
جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ
شَدِيْدٍ ﴿٤٦﴾ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
شَهِيْدٌ ﴿٤٧﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ
عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٤٨﴾ قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ
الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿٤٩﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ
اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ
اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿٥٠﴾ وَلَوْ تَرٰٓى
اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ
قَرِيْبٍ ﴿٥١﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ
مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ
وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَحِيْلَ
بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ
مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿٥٤﴾ ع ٥ / ٩ / ١٢

ترجمہ :- آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) بے شک میں تم کو نصیحت کرتا ہوں ایک بات کی کہ تم کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے دو دو اور ایک ایک ۔ پھر تم غور و فکر کرو ۔ تمہارے صاحب میں کوئی جنون نہیں ہے ۔ نہیں ہے وہ مگر تمہیں ڈر سنانے والا (اللہ کے) شدید عذاب سے پہلے (۴۶) آپ کہہ دیجئے اگر میں تم سے سوال کروں کسی بدلے کا پس وہ تمہارے لیے ہی ہے ۔ نہیں ہے میرا بدلہ مگر اللہ کے ذمے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے (۴۷) آپ کہہ دیجئے بیشک میرا پروردگار پھینکتا ہے حق کو (یعنی نازل کرتا ہے اوپر سے) وہ جاننے والا ہے پوشیدہ باتوں کا (۴۸) آپ کہہ دیجئے حق آگیا ہے ، اور نہیں ظاہر کرتا باطل کسی چیز کو اور نہیں وہ لوٹاتا (۴۹) آپ کہہ دیجئے ، اگر میں بہک جاؤں ، پس بیشک میں بہکوں گا اپنے نفس کے لیے ، اور اگر میں ہدایت پاؤں ، پس اس وجہ سے جو وحی کی ہے میری طرف میرے پروردگار نے ۔ بیشک وہ سب کچھ سننے والا قریب ہے (۵۰) اور اگر تو دیکھے جب یہ لوگ گھبرائیں گے ، پس بھاگ نہیں سکیں گے اور پکڑے جائیں گے قریب جگہ سے (۵۱) اور کہیں گے ایمان لائے ہم اس پر ۔ اور کہاں ہو گا ان کے لیے پا لینا دور جگہ سے (۵۲) اور تحقیق کفر کیا انہوں نے اس کے ساتھ اس سے پہلے ، اور پھینکتے ہیں وہ (ایسے ہی) بغیر دیکھے دور جگہ سے (۵۳) اور رکاوٹ ڈال دی جائے گی ان کے درمیان اور اس چیز

کے درمیان جس کو وہ چاہتے ہیں جیسا کہ کیا گیا ہے ان جیسے لوگوں کے ساتھ اس سے پہلے، بیشک تھے وہ تردد انگیز شک میں پڑے ہوئے (۵۴)

رابطہ آیات

گذشتہ آیات میں مشرکین کے باطل نظریات کا رد ہوا۔ وہ بدبخت پیغمبر علیہ السلام کی رسالت و نبوت کا انکار کرتے تھے اور قرآن پاک کو کلام الٰہی ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ پھر جب قرآن کے اثر انداز ہونے کی بات ہوتی تو اُسے جادو سے تعبیر کرتے۔ اللہ نے مشرکین کو سخت تنبیہ کی۔ اور اب آخر میں نصیحت کے پیرائے میں فرمایا کہ اگر مشرک لوگ ذرا بھی غور و فکر کریں تو یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور ان کا لایا ہوا قرآن اللہ کی برحق کتاب ہے۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے اور سب کو محاسبے کے عمل سے گزرنا ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے سابقہ ادوار کے مشرکوں کا حال بھی بیان فرمایا۔

غور و فکر کی دعوت

ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ بیشک میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے۔ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى کہ تم کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے یعنی دو دو یعنی باجماعت بھی اور اکیلے اکیلے بھی۔ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا پھر خوب غور و فکر کرو۔ حضور علیہ السلام نے نبوت کا دعوٰی کیا ہے، انہوں نے تمہارے سامنے ایک پروگرام رکھا ہے، تم اس شخص کے ماضی اور حال سے اچھی طرح واقف ہو بیشک تم تنہائی میں اس بات پر غور کرو یا اجتماعی طور پر کوئی مجلس منعقد کر کے سوچو سمجھو۔ اجتماعی سوچ و بچار میں بات کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ جب مختلف آراء کا موازنہ کیا جاتا ہے تو حقیقت کا پتہ چل جاتا ہے لہٰذا فرمایا کہ انفرادی طور پر اس معاملہ میں غور کرو یا اجتماعی طور پر، اور پھر یہ سوچ بچار کسی تعصب اور عناد کی بنا پر نہیں بلکہ خالص اللہ کی خاطر حقائق معلوم کرنے کے لیے ایسا کرو گے تو بلاشبہ اسی نتیجہ پر پہنچو گے مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ

کہ تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی صفائی میں فرمایا ہے کہ تم میں سے بعض لوگ آپ کو دیوانہ، بعض شاعر اور بعض ساحر کہتے ہیں۔ مگر جب اس کے افعال و کردار پر نظر کرو گے اور تعلیم میں غور و فکر کرو گے تو اس میں دیوانگی والی کوئی چیز نہیں پاؤ گے۔

اِس مقام پر پیغمبر علیہ السلام کے لیے صاحب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سورۃ التکویر میں ہے وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ (آیت ۲۲) تمھارا صاحب مجنون یا دیوانہ نہیں ہے۔ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (آیت ۲۴) اور وہ غیب کی باتوں پر تنگ دل بھی نہیں ہے۔ اور تمھیں آپ کی حقیقت معلوم کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آنی چاہیئے، کیونکہ تم اُنے بچپن سے جانتے ہو، اور اس کے عادات و اطوار اور اخلاق سے واقف ہو۔ انہوں نے خود تمھیں غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ (یونس - ۱۶) میں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ تم میں گزارا ہے، کیا تم غور نہیں کرتے؟ کیا تمھیں میری صداقت و امانت میں کوئی شک ہے؟

صاحب کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام اسی قوم کے فرد تھے انہی میں آپ کی پیدائش ہوئی، وہیں بڑے ہوئے اور عمر کا ایک حصہ اُن میں گزارہ جو شخص چالیس سال تک جھوٹ نہیں بول سکتا، وہ یکایک کیسے کذب بیانی کرنے لگے گا۔

جب حضور علیہ السلام کو نبوت ملی اور اللہ تعالیٰ نے تبلیغ حق کا حکم دیا تو آپ[1] نے لوگوں کو آواز دے کر کوہ صفا پر جمع کیا۔ تقریباً چالیس آدمی اکھٹے ہو گئے۔ آپ نے اُن کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کی دوسری طرف سے دشمن تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟ سب نے

---

[1] بخاری ص۷۰۲/۲۲۰ و ص۷۴۳/۲۲۰ و مسلم ص۱۱۴/۱۲۰ (فیاض)

بیک زبان جواب دیا کہ ہم ضرور تصدیق کریں گے کیونکہ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا ہم نے کبھی آپ کی زبان سے جھوٹ نہیں سُنا، آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمھیں خدا تعالیٰ کی گرفت سے ڈرا رہا ہوں، ایک وحدہٗ لاشریک پہ ایمان لے آؤ اور ان بتوں کی پوجا کو چھوڑ دو۔ اب اتنی بات کی تو لوگوں نے پتھر مارنے شروع کر دیے۔ اس مقام پر بھی فرمایا کہ میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں ایک بات کی کہ تم اجتماعی طور پر یا انفرادی حیثیت سے غور و فکر کرو گے تو تمھیں پتہ چلے گا کہ تمھارا یہ ساتھی دیوانہ نہیں ہے بلکہ وہ تو علم و عرفان اور حکمت و دانائی کے سمندر بہا رہا ہے وہ قوم کا خیر خواہ ہے اور ایسے دلائل کے ساتھ بات سمجھاتا ہے جو عقل اور نقل دونوں کے مطابق ہیں۔ اس کی حیثیت یہ ہے اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ وہ تو تمھیں شدید عذاب سے پہلے ڈر سنانے والا ہے۔

ذاتی مفاد کی نفی

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی طرف سے تبلیغ دین کے سلسلے میں کسی ذاتی مفاد کی نفی فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ اگر میں تم سے کوئی معاوضہ طلب کروں تو وہ تمھارے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی کے لیے اور تمھیں وعظ و نصیحت کرنے کے لیے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ کیونکہ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ میرا معاوضہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، مجھے میری محنت کا صلہ وہی دے گا۔ تم اپنا معاوضہ اپنے پاس رکھو، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میری یہ خدمت بے لوث ہے۔ تمام انبیاء دین کا کام بلا معاوضہ کرتے ہیں اور اس کا اجر اللہ پر چھوڑتے ہیں وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ اور وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے یعنی اُس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ وہ میری نیت اور سچائی کو بھی جانتا ہے اور تمھاری مخالفت اور بدگوئی بھی اللہ کے سامنے ہے۔ تمھیں نصیحت کرتے ہیں میرا کوئی

ذاتی مفاد وابستہ نہیں۔

حق وباطل کی کشمکش

فرمایا قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ آپ کہہ دیں کہ بے شک میرا پروردگار ہی حق کو نازل کر رہا ہے یعنی دینِ حق کو وہی پیش کر رہا ہے۔ وہ اپنا کلام نبی علیہ السلام کے قلب مبارک پر اتارتا ہے، پھر وہ کتاب کی صورت میں پوری بنی نوع انسان کے لیے لائحہ عمل اور مدارِ فوز و فلاح بن جاتا ہے۔ قذف کا لفظی معنی پھینکنا یا ڈالنا ہوتا ہے۔ ـــــــــ یعنی جب اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر ڈالتا ہے تو باطل دب جاتا ہے۔ فرمایا عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اللہ تعالیٰ پوشیدہ چیزوں کو جاننے والا ہے۔ وحی الٰہی کیا ہے؟ گویا آسمان سے بارانِ رحمت نازل ہوتی ہے۔ اب یہ انسانوں کا فرض ہے کہ وہ اس رحمت سے اپنے دامان کو بھر لیں اور اسے اپنے لیے نجات کا ذریعہ بنا لیں۔

فرمایا قُلْ جَآءَ الْحَقُّ آپ کہہ دیجئے کہ حق آگیا ہے، سچا دین نازل ہو چکا ہے وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ اس کے مقابلے میں باطل نہ تو کسی چیز کو پیدا کر سکتا ہے اور نہ کسی چیز کو لوٹا سکتا ہے۔ گویا باطل کی نہ کوئی حیثیت ہے اور نہ اس کے اثرات، فتح مکہ کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کے ذریعے آپ بتوں کو گراتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ یہ فرماتے تھے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل - ۸۱) حق آگیا، اور باطل چلا گیا۔ بیشک باطل کو جانا ہی تھا۔ ساتھ ساتھ یہ آیت بھی آپ تلاوت فرماتے جاتے تھے قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ مطلب یہی ہے کہ غالب ہمیشہ حق ہی ہوتا ہے اور باطل تو بہرحال باطل ہے جو نہ کسی چیز کی ابتدا تو کر سکتا ہے اور نہ اس کا اعادہ کر سکتا ہے۔ ہر چیز کا خالق مالک

لے

مدبر اور متصرف اللہ تعالیٰ ہے اس میں کسی باطل کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کا ایک خاص انداز اپنے نبی کو سکھایا ہے قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ اے پیغمبر! آپ ان مشرکوں سے کہہ دیں کہ اگر میں دین کے معاملہ میں بہکا ہوا ہوں تو اس کا نقصان میری ہی جان کو ہو گا۔ اس کا وبال تم پر تو نہیں پڑے گا وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ اور اگر میں راہِ راست پر ہوں، اور یقیناً ایسا ہی ہے تو پھر یہ اُس وحی کی برکت سے ہے جو اللہ نے میری طرف نازل فرمائی ہے۔ اگر تمہارے نزدیک میں اپنے دعویٰ میں سچا نہیں ہوں تو اس کا نتیجہ بھی مجھے ہی بھگتنا پڑیگا۔ تم پر تو کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔ فرمایا جس نے میری طرف وحی نازل کی ہے اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ وہ سب کچھ سننے والا اور بالکل قریب ہے۔ وہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب بنانا چاہتا ہے، لہٰذا وہ میری سرپرستی کرتا رہے گا۔ یہ تو تمہاری اپنی بدبختی ہے کہ خواہ مخواہ میری مخالفت کر کے دین و دنیا میں نقصان زدہ بن رہے ہو۔

آخرت میں لازمی گرفت

فرمایا آج تو یہ منکرین اور مکذبین طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں مگر ایک ایسا وقت بھی آنے والا ہے جس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا اے مخاطب اگر تو اِن کی حالت کو دیکھے جب کہ یہ گھبرا جائیں گے فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ تو اِن کو کہیں بھاگنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ اور یہ قریبی مقام پر ہی پکڑ لیے جائیں گے۔ دنیا میں تو جرم کر کے بھاگ جانے کا امکان بھی ہوتا ہے، مجرم روپوش ہو جاتے ہیں، مگر اللہ کی عدالت کے فیصلے کے وقت اِن کے فرار کا کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکیگا۔ بلکہ فوراً گرفت میں آجائیں گے اور اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔

پھر جب عذاب الٰہی کو اپنے سامنے دیکھیں گے وَقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ تو اس وقت کہیں گے کہ ہم اللہ پر، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر

اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔ مگر اس وقت تک پانی سر سے گزر چکا ہوگا۔ دار العمل سے گزر کر دار الجزاء میں پہنچ چکے ہوں گے وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ تو اس وقت اُن کا دُور سے ایمان کو پالینا کہاں ممکن ہوگا۔ اُس وقت کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوگی اور خدائی فیصلے کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا۔

اس قسم کا مضمون سورۃ الحدید میں بھی آتا ہے۔ اہلِ ایمان سرد وزن پلصراط پر سے گزر رہے ہوں گے۔ اُن کا نور اُن کے آگے آگے اور داہنی طرف چل رہا ہوگا۔ اُن کے پیچھے منافق لوگ گھپ اندھیرے میں گرتے پڑتے آرہے ہوں گے۔ اور پیچھے سے اہلِ ایمان کو آوازیں دیں گے کہ ہماری طرف نظرِ شفقت کریں۔ کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کر سکیں۔ مگر آگے سے جواب آئیگا قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا (آیت۔۱۳) پیچھے لوٹ جاؤ اور وہاں سے نور تلاش کرو۔ اب روشنی کہاں میسر آئے گی۔ یہ نور حاصل کرنے کا موقع تو دنیا میں تھا جس کو تم نے ضائع کر دیا۔ اب نہ تم دنیا میں واپس جا سکتے ہو اور نہ نورِ ایمان حاصل کر سکتے ہو۔

ارشاد ہوگا وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ وہ اس سے پہلے ایمان اور توحید کا انکار کر چکے ہیں۔ مگر اب ان کا ایمان لانا کچھ مفید نہیں ہوگا۔ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ اور یہ بغیر دیکھے دور جگہ سے پھینکتے ہیں (یعنی بات ہانکتے ہیں) بالکل اسی طرح جس طرح کوئی بے تکا تیر چلا دیا جاتا ہے۔ اور وہ کسی اَن دیکھی منزل پر جا گرتا ہے۔ اور پھر وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ پھر اُن کے اور اُن کی خواہشات کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ جیسا کہ انہی جیسے لوگوں کے ساتھ اس سے پہلے کیا گیا۔ سابقہ اقوام کے لوگوں نے بھی آخری وقت میں ایمان لانے کا اقرار کیا مگر وہ بے سود گیا فرعون نے بھی کہا تھا کہ میں بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لایا، مگر اُس وقت گرفت آچکی تھی اور وہ بمع قوم پانی کی موجوں

میں شرطے کھا رہا تھا۔ اللہ نے فرمایا آلٰئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ (یونس۔۹۱) اب ایمان لاتے ہو۔ حالانکہ ساری عمر نافرمانی میں گزار دی۔ اللہ کے نبی کو ڈراتے دھمکاتے رہے۔ اور غنڈہ گردی کا مظاہرہ کرتے رہے، اب تمہارا ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ بہرحال جب عمل کی دنیا سے نکل کر انسان جزا کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کی دنیا میں واپس جاکر ایمان لانے کی خواہش پوری نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا وقت گزر چکا ہوتا ہے فرمایا پہلے لوگوں کی طرح ان کی خواہش بھی اب پوری نہیں ہو سکتی، کیونکہ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِیْ شَكٍّ مُّرِیْبٍ دنیا کی زندگی کے دوران یہ لوگ اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں اور قیامت کی طرف سے تردد انگیز شک میں پڑے رہے۔ انہیں نبیوں کی بات پر یقین ہی نہیں آتا تھا کہ وہ سچی بات کہہ رہے ہیں یا غلط۔ وحی الٰہی پہ اعتبار نہیں آتا تھا۔ وقوع قیامت اور جزائے عمل کو من گھڑت کہانیاں بتلاتے تھے اور اس طرح گویا ہر چیز کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے فرمایا اب ان کا ایمان کہاں سے آئے گا، اب تو وقت ہی گزر چکا ہے لہٰذا ان کی خواہش پوری نہیں ہو سکے گی۔

سُوۡرَۃ
الۡفَاطِر
مکمّل

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ
سورۃ فاطر مکی ہے : یہ پنتالیس آیات اور پانچ رکوع پر مشتمل ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ①

ترجمہ :۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو بنانے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا ۔ اور جو ٹھہرانے والا ہے فرشتوں کو پیغام لانے والے ، بازوؤں والے دو دو ، تین تین ، چار چار ۔ اور زیادہ کرتا ہے تخلیق میں جو چاہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ①

نام اور کوائف

اس سورۃ کا نام سورۃ فاطر ہے ۔ یہ نام سورۃ کی پہلی آیت میں آمدہ لفظ فاطر سے ماخوذ ہے ۔ بعض مفسرین کرام نے اس سورۃ کا دوسرا نام سورۃ ملائکہ بھی ذکر کیا ہے[1]

---

[1] ابو سعود صفحہ ۲۳۶ جلد ۴ ، در منثور صفحہ ۲۴۴ جلد ۵ ، مدارک صفحہ ۳۳۲ جلد ۳ (فیاض)

کیونکہ اس میں اللہ نے ملائکہ کو قاصد بنانے کا ذکر کیا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ مکی زندگی میں سورۃ الفرقان کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی پینتالیس ۴۵ آیات اور پانچ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ مبارکہ ۷۹۱ الفاظ اور ۳۱۳۰ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

سابقہ سورۃ کی طرح یہ بھی مکی سورۃ ہے اور اس میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت و حقانیت ہی کا ذکر ہے۔ توحید کے ضمن میں عقلی دلائل کے ذریعے مشرکین کے ضمیر کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ ذرا اپنے گرد و نواح میں نظر مار کر دیکھو کہ کائنات کی لاکھوں کروڑوں اشیاء کو پیدا کرنے والی کون سی ذات ہے اور تمام ضروریات مہیا کرنے والا کون ہے۔ پھر تم غور کرو کہ اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا کرنا چاہے تو کون روک سکتا ہے۔ اور اگر وہی روک دے تو تمہیں کون دے سکتا ہے۔ جب ہر چیز کا خالق، مالک، مدبر اور متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر اس کے سوا معبود بھی کوئی نہیں، تم کدھر بھٹک رہے ہو اور اللہ کی مخلوق کو ہی اس کا شریک بنا رہے ہو۔

رسالت کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو اس میں گھبرانے کی کون سی بات ہے پہلی قومیں بھی اپنے انبیاء کو اسی طرح جھٹلاتی رہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے دنیا میں ہی ان کو سزا دی۔

وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال کے متعلق اللہ نے توجہ دلائی ہے کہ تم خود ہی سوچو کہ برے اور بھلے میں کوئی تمیز ہونی چاہیئے یا نہیں۔ کیا دونوں کو برابر سرابر چھوڑ دینا چاہیئے یا ہر ایک کو اس کی کارکردگی کا صلہ ملنا چاہیئے۔ معمولی عقل و فکر کا آدمی بھی کہے گا کہ نیک کے ساتھ اچھا اور برے کے ساتھ برا سلوک ہونا چاہیئے، یہی محاسبہ اعمال ہے اور یہی جزا و سزا کا قانون ہے جو اللہ تعالیٰ تمہیں بتلانا چاہتا ہے اور قیامت کا وقوع اس مقصد کے حصول کی طرف

ایک قدم ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور توحید قبول کرنے والوں کے لیے بڑی بشارتیں دی ہیں اور اُن کو ملنے والے انعامات کا ذکر کیا ہے تاکہ ان کے دل مضبوط ہوں۔ اسی طرح نافرمان لوگوں کی سزا کا ذکر بھی کیا ہے کہ اُن کے عذاب میں کمی نہیں ہوگی۔ وہ جہنم سے نکلنا چاہیں گے مگر ان کی درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔

فاطر یا بدیع

اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہوتی ہے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ سب تعریفیں اور خوبیاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہیں۔ سابقہ سورۃ سبا کی ابتداء بھی انہی الفاظ کے ساتھ ہوئی تھی اور میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن پاک میں دو مزید سورتوں کی ابتداء بھی انہی الفاظ سے ہوئی ہے یعنی سورۃ فاتحہ اور سورۃ انعام تو فرمایا سب تعریفیں اور ستائشیں اُس ذات کے لیے ہیں فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کنندہ ہے۔ فاطر اور بدیع کا قریب قریب ایک ہی مفہوم ہے یعنی پیدا کرنے والا۔ قرآن پاک میں بعض جگہ فاطر کا لفظ آیا ہے اور بعض مقامات پر بدیع بھی استعمال ہوا ہے جیسے بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (البقرہ - ۱۱۷)

فطور کا لغوی[1] معنی کسی چیز کو پھاڑنا یا اُس میں شگاف ڈالنا ہوتا ہے۔ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس[2] فرماتے ہیں کہ مجھے اس لفظ کے صحیح مفہوم کے متعلق تردد تھا لہٰذا میں اس کی ٹوہ میں تھا کہ کس طرح اس لفظ کا صحیح صحیح مطلب سمجھ میں آجائے۔ اُس زمانے میں دیہاتی عربی کو معیاری زبان سمجھا جاتا تھا، اسی لیے رؤسائے عرب اپنے بچوں کی ابتدائی پرورش دیہات میں کرنا پسند کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ میں نے دو عرب بدویوں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے پایا۔ ان کے درمیان ایک کنوئیں کی ملکیت کا جھگڑا تھا۔ ایک شخص دوسرے سے کہنے لگا۔

---

[1] مصباح اللغات صفحہ ۶۳۸ [2] ابن کثیر صفحہ ۵۴۶ ج ۳ و قرطبی صفحہ ۳۱۹ ج ۱۴ (فیاض)

کہ تم اس کنوئیں کی ملکیت کا کیسے دعویٰ کرتے ہو، حالانکہ اَنَا فَطَرْتُھَا اس کو تو میں نے ہی کھودا تھا یعنی زمین میں شگاف ڈال کر میں نے ہی تو یہ کنواں تیار کیا تھا۔ اب تم میرے مقابلے میں کس طرح دعویدار بنتے ہو؟ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بدووں کی اس گفتگو سے مجھے فاطر کا معنیٰ سمجھ میں آگیا کہ اس سے مراد کسی چیز کی ابتداء کرنا ہے جب کہ اُس سے پہلے اُس چیز کا وجود نہ ہو۔

چار صفات خداوندی

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں[2] کہ کسی چیز کی تخلیق اور نشوونما کے لیے اللہ تعالیٰ کی چار صفات یکے بعد دیگرے کام کرتی ہیں۔ اللہ کی پہلی صفت ابداع یا فطور ہے۔ اللہ تعالیٰ اس صفتِ خاصہ کے ذریعے بغیر مادے آلے، اور نمونے کے مطلوبہ چیز کو پیدا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (البقرہ - ۱۱۷) اُس نے آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی مادے، آلے اور سابقہ نمونے کے تخلیق کیا۔ اِن کی تخلیق تو ہمارے سامنے موجود ہے مگر یہ تخلیق کس طرح وجود میں آئی، اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں اس چیز کو فلسفے کی زبان میں کہتے ہیں معلوم الانیۃ مجھول الکیف اس کا پوری طرح سمجھنا تو ذرا مشکل ہے تاہم اتنی بات جان لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص تجلیات اور صفات کے ذریعے ہی کسی چیز کو براہ راست پیدا کرتا ہے جسکی کیفیت کو مخلوق میں سے کوئی نہیں جان سکتا کہ کس قسم کی تجلیات کا ظہور ہوا، اور کس قسم کے تغیرات واقع ہوئے جس کے نتیجے میں کائنات کا ظہور ہوا بہر حال یہ اللہ کی پہلی صفت ابداع یا فطور ہے جس کے ذریعے کائنات معرضِ وجود میں آئی۔

جب ایک چیز اللہ کی صفت ابداع کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آگئی تو اب اللہ تعالیٰ کی دوسری صفتِ مختصہ خلق کام کرتی ہے، خلق کا معنیٰ یہ

---

[1]

[2] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱ ج ۱ (فیاض)

ہے کہ کسی چیز کا مادہ موجود ہو اور اس سے کوئی چیز بنائی جائے۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ خود اسی کا فرمان ہے اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (المؤمن - ۶۲) چنانچہ انسان، ملائکہ، جنات، جنت اور دوزخ وغیرہ سب اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اس کی صفت خلق کی واضح مثال یہ ہے کہ اس نے زمین کو صفت ابداع کے ذریعے بغیر مادے، آلے اور نمونے کے پیدا کیا۔ اور پھر زمین کے مادے مٹی سے انسان کو صفت خلق کے ذریعے پیدا فرمایا۔ اس کا ارشاد ہے خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران - ۵۹) یعنی اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا، اور پھر قطرۂ آب سے نسل انسانی کو چلایا۔ اسی طرح انسانوں اور جنات کے متعلق فرمایا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (الرحمٰن - ۱۴-۱۵) اللہ نے انسانوں کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ اسی طرح ملائکہ کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ان کو اللہ نے ایک خاص قسم کے نورانی مادے سے تخلیق فرمایا۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ ایک چھوٹے سے بیج سے یا ایک معمولی سی گٹھلی سے بہت بڑا درخت بنا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خلق کا کرشمہ ہے۔

جب اللہ تعالیٰ صفت خلق کے ذریعے کوئی چیز پیدا فرما دیتا ہے۔ تو تیسرے نمبر پر اس کی صفت تدبیر کام کرتی ہے اللہ کا فرمان ہے یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (السجدۃ - ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر ہر چیز کی تدبیر اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ پیدائش کے بعد کسی چیز کو بتدریج بڑھانا یا گھٹانا، کسی چیز کو آگے پیچھے کرنا۔ یا ترقی و تنزل کے مراحل سے گزارنا، زندہ یا قائم رکھنا، موت دے دینا یا فنا کر دینا یہ صفت تدبیر کا کام ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ خود انجام دیتا ہے۔ اور اس معاملے میں بھی اس کو کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی، اور نہ ہی وہ یہ کام اپنی مخلوق میں سے کسی کے سپرد کرتا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ کی چوتھی صفت تدلّی کا نمبر آتا ہے۔ تدلّی کا لغوی معنیٰ کسی چیز کا نیچے کی طرف لٹک جانا یا اُتر جانا ہے اور اس سے مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ جب کوئی انسان پیدا ہو جاتا ہے، اس کے تمام اعضا ٹھیک طریقے سے بن جاتے ہیں اور اس کی ظاہری اور باطنی قوتیں کام کرنے لگتی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی تجلی اعظم کا عکس اُس انسان کی روح پر پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ روح چونکہ لطیف چیز ہے اور یہ آتی بھی عالمِ بالا سے ہے لہٰذا اس کی کشش ہمیشہ اُوپر کی طرف ہوتی ہے۔ اِس تجلی اعظم یا تدلّی کا اثر انسان اس دنیا میں محسوس نہیں کرتا۔ کیونکہ اس پر مادیت کا خول چڑھا ہوا ہے۔ جب اس کی موت واقع ہو جاتی ہے تو یہ خول بھی اُتر جاتا ہے۔ اور اصل انسانیت اُبھر کر سامنے آ جاتی ہے۔ اس وقت یہ تدلّی اُوپر کی طرف کشش کرتی محسوس ہوتی ہے۔ اگر کوئی نیک اور عبادت گزار آدمی ہے تو اسے اس دُنیا میں بھی اس کا کچھ نہ کچھ اثر محسوس ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اس دُنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو یہی کشش اس کو آسانی کے ساتھ عالمِ بالا کی طرف لے جاتی ہے اور اگر کوئی کافر، مشرک، یا گنہگار آدمی ہے تو اس کی کشش نیچے کی طرف ہوتی ہے جب کہ تدلّی کی کشش اُوپر کی طرف۔ اور اس طرح ایسے شخص کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اِس جہان سے دوسرے جہان میں منتقلی کی مثال شاہ صاحبؒ اسی طرح بیان کرتے ہیں جیسا کہ کوئی شخص نیند کے دوران خواب دیکھتا ہے۔ خواب میں مختلف مقامات پہ ہوتا ہے، کئی کام انجام دے رہا ہوتا ہے۔ اس کو کئی اچھے بُرے اعمال سے واسطہ پڑتا ہے مگر جونہی بیدار ہوتا ہے۔ تو خواب والا سارا جہان ختم ہو کر وہی اس دُنیا کا جہان سامنے ہوتا ہے۔ جب انسان اس جہان کی زندگی ختم کر کے اگلے جہان میں پہنچتا ہے تو اُسے اِس دنیا کی زندگی ایک خواب محسوس ہوگی۔ الغرض! چوتھے نمبر پہ اللہ کی صفت تدلّی کام کرتی ہے، تو خلق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی چار صفات یکے بعد دیگرے کام کرتی ہیں۔ جو چوتھی صفت

فرشتوں کی تخلیق

آیت کے ابتدائی حصے میں اللہ نے اپنی صفت ابداع یا فطور کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جَاعِلِ الْمَلٰٓئِکَةِ رُسُلًا جو کہ فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ فرشتوں کا ایک کام یہ بھی ہے، کہ وہ اللہ کے نبیوں کے پاس اللہ کا پیغام لاتے ہیں۔ اس فرض کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ فرشتوں سے تدبیر کے مختلف کام لیتا ہے اور وہ تعمیل حکم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فیضان فرشتوں کے ذریعے ہی کائنات تک پہنچتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے اربوں، کھربوں سال پہلے انسان کی مصلحت کی خاطر اپنے فضل اور مہربانی سے اللہ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا۔ خدا تعالیٰ ازل میں جانتا تھا کہ انسانوں کی مصلحت فرشتوں پر موقوف ہے۔ تاہم فرشتے درجات میں انسان سے کم تر ہیں۔ فرشتوں کے سات مختلف طبقات ہیں۔ اور ہر طبقہ کا مادہ تخلیق الگ الگ ہے۔ ملاءِ اعلیٰ کی تخلیق لطیف نورانی[1] مادے سے ہوئی ہے جن میں جبرائیلؑ، میکائیلؑ وغیرہ شامل ہیں اور ملاءِ سافل کی تخلیق اس سے کمتر مادہ سے ہوئی ہے۔ شاہ صاحبؒ فرشتوں کے مادہ تخلیق کے متعلق فرماتے[3] ہیں کہ اس کی مثال اس آگ جیسی ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوئی تھی۔ حقیقت میں یہ حجاب نوری تھا یا ناری تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ ایک درخت سے نکل رہی ہے مگر درخت کو جلاتی نہیں بلکہ مزید روشن کر دیتی ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو لطیف مادے سے پیدا کیا ہے، ان میں روحیں اور عقل و شعور ہے اور وہ ہر وقت ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

فرشتوں کی صلاحیت

فرمایا اللہ تعالیٰ فرشتوں کو پیغام لانے والا بنانے والا ہے۔ اور فرشتوں

۱؎ حجۃ اللہ البالغہ صـ ۲۳ / ج ۲ ۳؎ حجۃ اللہ البالغہ صـ ۱۶ / ج ۱ (فیاض)

کی ہیئت یہ ہے اُولِیۡۤ اَجۡنِحَةٍ مَّثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ کہ وہ دو، دو، تین تین، اور چار چار پروں والے ہیں۔ اللہ نے اُن کو مختلف تعداد میں پر عطا کئے ہیں جن کے ذریعے وہ اڑتے ہیں۔ فرمایا اُن کے پروں کی تعداد چار تک محدود نہیں بلکہ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ اللہ تعالیٰ اُن کی تخلیق میں اضافہ کر دیتا ہے جس قدر چاہے۔ جس طرح اس زمین پر پرندے اپنے پروں کے ذریعے تیز رفتاری سے اڑتے پھرتے ہیں، اسی طرح اللہ کے ملائکہ بھی نہایت ہی برق رفتاری کے ساتھ اپنے پروں کی بدولت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں۔ فرشتوں کی تیز رفتاری کا عالم یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام ایک سیکنڈ میں حظیرۃ القدس سے زمین تک پچاس ہزار مرتبہ آجا سکتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ میں نے معراج کے موقعہ پر سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جبرائیل علیہ السلام کو اُن کی اصلی شکل میں دیکھا تھا جن کے چھ سو پر تھے۔ دوسرے درجے کی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ ہر پر کے درمیان مشرق و مغرب جتنا فاصلہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی کتاب الزہد میں ایک روایت[1] ہے کہ ایک موقعہ پر حضور علیہ السلام نے حضرت جبرائیل سے کہا کہ میں آپ کو اصلی شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آپ کو دشواری ہوگی مگر کوشش کر کے دیکھ لیں پھر جونہی جبرائیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو ظاہر کرنا شروع کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غشی طاری ہوگئی۔ جب آپ کو ہوش آیا تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا، اے محمد! آپ تو مجھے بھی اصلی حالت میں نہیں دیکھ سکے اور اگر آپ بارہ ہزار پروں والے میکائیل کو دیکھ لیں تو آپ کی کیا کیفیت ہوگی۔ چنانچہ صحیح[2] حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے دو دفعہ جبرائیل علیہ السلام کو اُن کی اصل شکل میں دیکھا ہے۔ پہلی دفعہ اُس وقت جب وحی کا آغاز ہوا اور دوسری دفعہ معراج

---

[1] حبل ص ۴۸۴ ج ۳ [2] بخاری ص ۳ ج ۱ و مسلم ص ۹۰ ج ۱ (فیاض)

کے واقعہ میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ۔

تخلیق میں اضافہ

اِس آیتِ کریمہ میں یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ کے الفاظ توجہ طلب ہیں اس کا بظاہر معنیٰ تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے پروں میں حسب منشاء اضافہ بھی کرتا ہے ۔ تاہم مفسرین کرام اس کے عمومی معنی بھی لیتے ہیں ۔ فرماتے ہیں کہ اس سے اللہ کی ہر قسم کی تخلیق میں اضافہ بھی مراد ہو سکتا ہے ۔ مثلاً انسان کو اللہ نے تمام اعضاء عطا فرمائے ہیں جو عام طور پر عمومی نوعیت کے ہوتے ہیں مگر بعض لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ اضافہ بھی فرما دیتا ہے کسی کو غیر معمولی حسن عطا کر دیا ، اس کی آنکھوں ، کانوں اور ناک کو بہترین انداز میں بنا دیا ۔ کہ وہ عام لوگوں سے زیادہ حسین نظر آتا ہے ۔ کسی کو خوبصورت اور سریلی آواز دے دی ، کسی کو اضافی عقل و ذہانت عطا کر دی ، کسی کے قد میں اضافہ اور کسی کی جسمانی قوت کو غیر معمولی بنا دیا ۔ کسی کو خوش الحانی اور کسی کو تحریر و تقریر میں زیادتی عطا کر دی ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں جن کی قدر کرنی چاہیئے ۔

فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ۔ اُس نے ہر چیز اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ بنائی ہے ۔ انسانوں پر بے شمار انعامات فرمائے ہیں لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ ایمان اور توحید کو درست کرے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے ۔

لہ کشاف ص۲۹۶ ج۳ و خازن ص۲۹۷ ج۵ و مظہری ص۴۱ ج۸ (فیاض)

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ
وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۲) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ
مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى
تُؤْفَكُوْنَ (۳) وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ
رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (۴)

ترجمہ:- جو کچھ کھول دے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اپنی رحمت سے ، پس نہیں کوئی روکنے والا اُس کو۔ اور جس کو روک دے ، پس نہیں کوئی بھیجنے والا اُس کے سوا - اور وہی ہے کمالِ قدرت کا مالک اور حکمتوں والا (۲) اے لوگو ! یاد کرو اللہ کی نعمت کو تمہارے اوپر - کیا ہے کوئی خالق اللہ کے سوا جو تم کو روزی پہنچاتا ہو آسمان اور زمین کی طرف سے - نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر وہی - پس تم کہاں پھیرے جاتے ہو (۳) اور اگر جھٹلا دیں یہ لوگ آپ کو پس بیشک جھٹلائے گئے اللہ کے رسول آپ سے پہلے اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے تمام معاملات (۴)

ربط آیات

اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء حمد باری تعالیٰ سے ہوئی۔ سب تعریفیں اور ستائشیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا ایجاد کنندہ ہے جس نے فرشتوں کو پیغام رسانی کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ فرشتوں کے متعدد پَر ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جس قدر چاہے تخلیق میں اضافہ کر دیتا ہے۔ یہ فرشتے پیغام رسانی کے علاوہ فیضان رسانی کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عمومی رحمت کا ذکر فرمایا ہے اور اپنی صفتِ خلق کو بیان کیا ہے ساتھ ساتھ شرک کی تردید ہے اور آخر میں نبی علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون ہے۔

بابِ رحمت

ارشاد ہوتا ہے مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جو کچھ کھول دے فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ج تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ خدا تعالیٰ کی رحمت کا یہ دروازہ انسان کے جسمانی فوائد کے لیے بھی کھلا ہے اور روحانی ضروریات کے لیے بھی۔ اللہ تعالیٰ انسانی جسم کی نشوونما اور بقاء کے لیے بارش برساتا ہے، اس کے ذریعے پھل اور اناج اگاتا ہے جو انسان کی غذائی ضروریات پوری کرتے ہیں اور انسانی جسم کی نشوونما کا سبب بنتے ہیں، اسی طرح مالک الملک انسان کی روحانی تربیت اور ہدایت کے لیے اپنے نبیوں کو مبعوث فرماتا ہے۔ اُن پر وحی نازل فرماتا ہے، شرائع اور قوانین عطا کرتا ہے۔ اسی سلسلہ کی آخری کڑی کے طور پر اللہ نے اپنے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کو اپنی آخری اور جامع کتاب قرآنِ حکیم عطا فرمائی۔ قرآن کریم ہدایتِ انسانی کے لیے ایک ایسا خزانہ ہے جو قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے منبع رشد و ہدایت ہے۔ اس کے ذریعے انسانوں کو بقائے دائمی کا سامان حاصل ہوتا ہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ کوئی بھی بند نہیں کر سکتا۔ اسی

طرح فَمَا یُمْسِکْ جس دروازے کو خود تعالیٰ بند کردے۔ اپنی جسمانی یا روحانی رحمت کو روک لے فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖ تو اس کے بعد اس روکی ہوئی چیز کو کوئی بھیجنے والا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کو کوئی چیز نہ دینا چاہے تو اس کی مرضی کے خلاف کون ہے جو دے سکے اور اس کی منشاء کے خلاف رحمت کا دروازہ کھول سکے؟ یہ ناممکن ہے۔ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ اور وہ ذات کمال قدرت کی مالک اور حکمتوں والی ہے، اس کے سامنے کوئی دوسری طاقت سر نہیں اٹھا سکتی، تمام طاقتوں کا سرچشمہ اور ہر چیز پر غالب ذاتِ خداوندی ہے۔ اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے وہ ساری مخلوق کا خالق ہے اور ہر ایک کی استعداد اور صلاحیت کو جانتا ہے۔ وہ مخلوق کے قول و فعل اور مخفی ارادوں سے بھی واقف ہے، لہٰذا وہ بہتر سمجھتا ہے کہ کس مخلوق کو کتنا اور کب عطا کرنا ہے اور کس کو کس وقت تک کسی چیز سے محروم رکھنا ہے گویا اس کا کوئی بھی کام حکمت سے خالی نہیں۔

شرک کی آمیزش

موطا امام مالکؒ میں[1] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رحمت کا دروازہ اللہ تعالیٰ ہی کھولتا ہے، کسی دوسری ہستی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ مگر بعض لوگ یہ صفت غیر اللہ میں بھی مانتے ہیں۔ مثلاً مشرکین کا ایک گروہ نزولِ بارش کو ستاروں کی طرف منسوب کرتا ہے کہ فلاں نچھتر طلوع ہوا تو بارش برسی۔ اسی طرح دنیا میں پیش آنے والے حوادثات کو کسی نہ کسی ستارے کے اثر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ایک رات بارش ہوئی تو صبح کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے[2] ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرے بندوں میں سے دو قسم کے بندوں نے صبح کی ہے۔ ایک گروہ وہ ہے۔ جنہوں نے کہا مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے بارش ہوئی، اور

---

[1] موطا امام مالکؒ صـ ۵ و قرطبی صـ ۳۲۱ ج ۱۴ (فیاض)

دوسرا گروہ کہتا ہے مُطِرْنَا بِنَوْءِ کَذَا ہم پر فلاں نچھتر کی وجہ سے بارش ہوئی۔ فرمایا ایسے لوگ کفرانِ نعمت کے مرتکب ہوتے ہیں اور اگر وہ ستاروں کو حقیقی مؤثر مانتے ہیں تو قطعی کافر ہیں۔ اللہ نے سورۃ الواقعہ میں فرمایا ہے۔ وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ تم ایسی چیزوں کو ستاروں کی طرف منسوب کر کے اللہ کی رحمت کو جھٹلاتے ہو۔ یہ تو شرک والی بات ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا یہ معمول تھا کہ جب بارش ہوتی تو یوں کہتے مُطِرْنَا بِنَوْءِ الْفَتْحِ یعنی ہم پر فتح کے نوء (ستارے) کے ساتھ بارش ہوئی۔ اور پھر یہی آیت تلاوت فرماتے مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ ..... الخ گویا فتح سے مراد یہ ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا دروازہ کھول دے۔ اُسے کوئی روکنے والا نہیں، اور جس پر وہ خود رحمت کا دروازہ بند کر دے اسے کوئی کھول نہیں سکتا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نماز کے بعد اکثر یہ ورد کیا کرتے تھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (بخاری، مسلم) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اُسی کے لیے بادشاہی ہے اور اُسی کے لیے سب تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! نہیں کوئی روکنے والا اس چیز کو جو تو عطا کر دے، اور نہیں کوئی دینے والا وہ چیز جو تو روک دے۔ اور تیرے

---

[1] در منثور ص۲۴۴ ج ۵ و ابن کثیر ص۵۴۷ ج ۳

[2] خازن ص۲۹ ج ۵ و معالم التنزیل ص۱۹۴ ج ۳ (فیاض)

سامنے کسی کوشش والے کی کوشش فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ حضرت مغیرہؓ یہ بھی بیان کرتے ہیں نَھٰی عَنْ قِیْلَ وَقَالَ یعنی حضور علیہ السلام نے قیل قال یعنی بات بات پر نکتہ چینی اور ہر بات میں کیڑے نکالنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے کثرت سوال سے بھی منع فرمایا ہے۔ اگرچہ مجبوری کے وقت سوال کرنے کی کسی حد تک اجازت ہے مگر آپ نے کثرت سوال سے منع فرمایا ہے کہ یہ چیز عزت نفس کے خلاف ہے آپ نے اضاعت مال یعنی فضول خرچی سے بھی منع فرمایا ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے کام میں اپنا سارا مال بھی خرچ کر دے تو یہ اسراف نہیں ہو گا بلکہ اسراف وہ ہو گا جو کہ ناجائز اور مکروہ کاموں میں صرف کیا جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اپنا مال عورتوں اور بچوں کے ہاتھ میں نہ دو کہ وہ ضائع کر دیں گے تعیش کے کاموں اور فضول ٹیپ ٹاپ میں مال خرچ کرنا بلاشبہ فضول خرچی میں داخل ہے جس سے منع فرمایا گیا ہے۔

عورتوں کے حقوق

آج کل عورتوں کے حقوق کا بڑا چرچا کیا جاتا ہے۔ انگریز نے انہی حقوق کی آڑ میں عورتوں کو آزادی کا سبق پڑھا کر آگے بڑھایا اور مردوں کے برابر قرار دیا جس کے نتیجے میں کئی قسم کی اخلاقی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں۔ حرامکاری کی وجہ سے نسلیں خراب ہو گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کے حقوق کی اسلام نے ہی صحیح معنوں میں حفاظت کی ہے۔ قبل از اسلام بچیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ یہ تو انسانیت کی توہین ہے جسے کبیرہ گناہ قرار دیا گیا ہے اسلام نے عورت کو وراثت کا حق دیا ہے۔ مگر آج عورت کو غیر ضروری جہیز کے نام پر وراثت سے محروم رکھا جا رہا ہے، یہ کون سی حق پروری ہے؟ اسلام نے عورت کو عائشہؓ، فاطمہؓ، خدیجہؓ، ام سلمہؓ جیسے خوبصورت نام دیے مگر ہم نے عورت کو اس کے نام سے بھی محروم کر دیا۔ اب وہ باپ یا خاوند کے نام کا لاحقہ بن کر رہ

لہ درمنثور ص ۵۴۷ ج ۳ (فیاض)

گئی ہے جیسے ارم نذیر یا مسز ناصر وغیرہ۔ یہ کون سی عزت افزائی ہے؟ عورت کو فیکٹری میں ملازمت دے کر یا فوج، پولیس اور دفتر میں بھرتی کر کے مزدور بنا دیا گیا ہے حالانکہ عورت تو گھر کی زینت اور اس کی ذمہ دار ہے۔ اللہ نے عورت کو چاروں باعزت مقام عطا کیے ہیں۔ بحیثیت ماں عورت کا بڑا بلند مقام ہے اللہ نے اولاد کی جنت ماں کے قدموں کے نیچے رکھی ہے۔ بحیثیت بہن بھی عورت کو نہایت احترام کا مقام دیا گیا ہے۔ بحیثیت بیٹی اس کا مشفقانہ مقام ہے اور بحیثیت بیوی وہ گھر کی مالکہ ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ جس طرح مردوں کا حق عورتوں پر ہے اسی طرح عورتوں کا حق مردوں پر ہے یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے درجے میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت بخشی ہے مگر ان کے بھی مردوں پر حقوق ہیں۔ ان کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے کسی عورت کو اس کے جائز حق سے محروم رکھنا اسے زندہ درگور کرنے والی بات ہے جس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

حضور علیہ السلام نے ماں کی نافرمانی سے منع فرمایا ہے۔ باپ کے مقابلے میں خدمت کے لیے ماں زیادہ حقدار ہے کیونکہ وہ باپ کی نسبت کمزور ہوتی ہے۔ فرمایا والدین کے لیے اذیت کا باعث نہ بنو۔ چہ جائیکہ ان کو گالیاں دے کر گھر سے نکال دیا جائے یا ان سے ذلت آمیز سلوک کیا جائے۔

عامر ابن قیسؒ ایک بزرگ گزرے ہیں جو غالباً صحابی ہیں ان کا قول ہے۔ کہ قرآن کریم میں چار آیات ایسی ہیں کہ جب میں ان کی تلاوت کر لیتا ہوں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں ہوتی کہ میری صبح کیسے گزرے گی اور شام کیسے؟ گویا یہ آیات مجھے ہر چیز سے مستغنی کر دیتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان چار آیات میں سے پہلی آیت تو یہی آیت زیر درس ہے یعنی مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ .... وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت اور کمالِ رحمت کا ذکر ہے جس کی وجہ سے اس ذات (چار مستغنی کنندہ آیات)

لہ درمنثور ص ۲۴۴/ج ۵ (فیاض)

پر یقین مزید محکم ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ دوسری آیت کریمہ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (یونس۔۱۰۷) اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو اُسکو کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر وہ تمھارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو اُس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ فرماتے ہیں کہ تیسری آیت یہ ہے۔ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا (الطّلاق ۔ ۷) اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی پیدا فرماتا ہے۔ ایسی ہی دوسری آیت ہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الم نشرح ۔ ۶) بے شک تنگی کے بعد آسانی ہے۔ اگر اللہ کی مصلحت کے مطابق اِس زندگی میں راحت نصیب نہ ہو سکے تو آخرت کی زندگی میں تو لازماً کامیابی اور راحت نصیب ہو گی۔ فرمایا چوتھی آیت یہ ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود۔۶) زمین پر چلنے پھرنے والے ہر جاندار کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ غرضیکہ ان آیات میں خدا تعالیٰ کی ذات پر مکمل اعتماد اور توکل پایا جاتا ہے اسی لیے حضرت عامرؒ فرماتے ہیں کہ اِن آیات کی تلاوت مجھے ہر چیز سے مستغنی کر دیتی ہے۔

انعاماتِ الٰہیہ

اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کا تذکرہ، صفتِ خلق کا بیان اور شرک کا رد فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اے لوگو! اللہ کے احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جسمانی اور روحانی ہر قسم کے انعامات سے نوازا ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم۔۳۴) حتیٰ کہ اگر تم ان انعاماتِ الٰہیہ کا شمار کرنا چاہو تو کر نہیں سکتے۔ اللہ کے اتنے لاتعداد احسانات ہیں۔ ذرا غور فرمائیں کہ ایک انسان چوبیس گھنٹے میں ایک لاکھ سے زیادہ سانس لیتا ہے اور ہر سانس کے ذریعے انسان کو دو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ جب سانس اندر جاتا ہے تو انسان کا خون تروتازہ ہوتا ہے اور جب انسانی سانس باہر نکلتا ہے تو فاسد مادے باہر نکلتے ہیں۔ تو اندازہ لگائیں کہ دن رات میں انسان کو کتنی نعمتیں میسر

آتی ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ نے انسان کو بے شمار ظاہری اور باطنی قویٰ عطا فرمائے ہیں، دیکھنے، سننے، چلنے پھرنے، بولنے اور غور و فکر کرنے کی کتنی ہی نعمتیں ہیں کہ انسان ان سب کا شکریہ ادا کر ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے بندے اگر اس کا تھوڑا سا شکریہ بھی ادا کر دیں تو وہ راضی ہو جاتا ہے، ورنہ کوئی شخص کسی نعمت کا شکریہ ادا کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ کے فرشتے اگرچہ ہمہ تن عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ مگر شکریہ کا حق ادا کرنے میں وہ بھی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔

زق صرف
للہ سے

ارشاد ہوتا ہے هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمھیں آسمان و زمین سے روزی پہنچاتا ہو۔ یہ استفہامیہ انکار کا ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ یقیناً کوئی نہیں ہے۔ خالق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہر جاندار کو روزی بھی وہی پہنچاتا ہے۔ مگر انسان کس قدر نادان واقع ہوا ہے کہ اس روزی کی خاطر اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے حاجات طلب کرتا ہے اور اس طرح شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔ روزی کا اختیار و تصرف اللہ کے پاس ہے جو خالق ہے اور جسے ہنود، یہود، مشرک، مجوسی، سب تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی گزر چکا ہے کہ خدا کے سوا روزی کا مالک کوئی نہیں لہٰذا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ (العنکبوت - ۱۷) لہٰذا اسی کے ہاں رزق تلاش کرو، اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکریہ ادا کرو۔ ہر ذی روح کے حالات کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق روزی کا دروازہ کھولتا ہے۔ فرمایا اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الملک - ۱۴) کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو نہایت باریک بین اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

فرمایا جب اللہ کے سوا خالق کوئی نہیں ہے جو تمھارے لیے روزی کا سامان

جیا کر سکے تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اس کے سوا معبود بھی کوئی نہیں ہے فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ تو پھر تم کدھر پھیرے جاتے ہو۔ تمھیں تو یقین ہونا چاہیئے کہ جس خالق نے پیدا کیا ہے وہ روزی کا بندوبست بھی ضرور کرے گا، سب اختیار اسی کے پاس ہیں۔ وہی عبادت کے لائق ہے۔ ہنود کے ہاں تو تین خدا ہیں۔ ایک پیدا کرنے والا، دوسرا باقی رکھنے والا اور تیسرا فنا کرنے والا مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کا خالق، مالک متصرف، مدبر اور موت طاری کرنے والی فقط ایک ہی ذات ہے، لہٰذا اسی سے ڈرنا چاہیئے اور صرف اُسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔

تسلی کا مضمون

اگلی آیت میں اللہ کریم نے اپنے نبی اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ مشرکین نے ہر نبی کی تکذیب اور مخالفت کی اور طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں، لہٰذا آپ دل برداشتہ نہ ہوں۔ بلکہ تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے اپنے مشن کو جاری رکھیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں فَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ تو بے شک آپ سے پہلے رسول بھی جھٹلائے گئے۔ لوگوں نے ان کو بھی رسول ماننے سے انکار کر دیا اللہ کے ہر نبی نے اپنی قوم کو ایمان اور توحید کی دعوت دی یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (الاعراف۔ ۸۵) اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں مگر لوگوں نے اللہ کے نبیوں کو گالیاں دیں، پتھر مارے اور تکذیب کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان[1] ہے، کہ جب تمھارا کوئی عزیز فوت ہو جائے اور تم سخت غم میں مبتلا ہو تو اس وقت میرا تصور کیا کرو کہ مجھے کتنی تکالیف اور کتنے غم و اندوہ برداشت کرنے پڑے۔ اللہ کا نبی اس کا محبوب بندہ ہوتا ہے۔ جب وہ بھی اس جہان سے رخصت ہو گئے

---

[1]

تو ہمارے تمہارے کسی عزیز کی کیا بات ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ جب کوئی غم لاحق ہو تو میرا اسوہ سامنے رکھو۔

ایک شخص نے حضور علیہ السلام کے متعلق بڑی غلط بات کی۔ کہنے لگا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، انصاف کرو۔ آپ کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ فرمایا اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون انصاف کرے گا۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ آسمان والے تو مجھے امین سمجھتے ہیں اور تم مجھے بے انصاف جانتے ہو۔ اس قدر پریشانی کے باوجود آپ نے فرمایا رَحِمَ اللّٰهُ مُوْسٰی لَقَدْ اُوْذِیَ بِاَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، انہیں اس سے بھی زیادہ تکالیف دی گئیں مگر انہوں نے صبر کیا۔ موسیٰ علیہ السلام پر لوگوں نے سخت اتہام لگائے، آپ کی تکذیب کی مگر انہوں نے ہمیشہ صبر سے کام لیا۔

فرمایا اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو آپ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا۔ آپ تسلی رکھیں وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ آپ فکر نہ کریں اور اپنا کام کرتے جائیں، اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہوگا۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وقفۃ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑤
اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ط اِنَّمَا
يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑥
اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ط وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ
ع ۷ ۱۳ كَبِيْرٌ ع ⑦

ترجمہ :- اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ پس نہ دھوکہ دے تم کو دنیا کی زندگی۔ اور نہ دھوکہ دے تم کو اللہ کے بارے میں بڑا دھوکے باز ⑤ بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے، پس اس کو دشمن ہی سمجھو تحقیق وہ بلاتا ہے اپنے گروہ کو تاکہ ہو جائیں وہ دوزخ والوں میں سے ⑥ وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا، ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیے، ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے ⑦

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں ، اور

آپ کو تکالیف پہنچاتے ہیں تو آپ ان سے خوفزدہ نہ ہوں کیونکہ پہلے لوگ بھی اسی طرح اپنے رسولوں کو جھٹلاتے رہے ہے۔ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں۔ وہ ان مکذبین کو ضرور سزا دے گا۔ اس کے بعد اللہ نے عام بنی نوع انسان کو خبردار کیا ہے کہ شیطان تمھارا دشمن ہے اس کے اغواء سے بچنے کی کوشش کرتے رہو۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے، قیامت ضرور واقع ہوگی۔ محاسبے کا وقت آئے گا، اور پھر جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔

وقوع قیامت کا وعدہ

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسباب ضلالت میں سے دو اسباب کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلا سبب یہ فرمایا۔ یَاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ اللہ نے وقوع قیامت اور جزائے عمل کا جو وعدہ لوگوں کے ساتھ کیا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ قیامت ضرور برپا ہوگی۔ اور ہر شخص کو بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہوگی۔ سورۃ الانبیاء میں اللہ کا فرمان ہے وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وقوع قیامت برحق ہے اور ہم ایسا کر کے رہیں گے۔ قرآن پاک کا تقریباً ایک تہائی حصہ اسی مسئلہ قیامت پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ دیگر تمام کتب سماویہ میں بھی اس مسئلہ کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ تاہم قیامت کی جس قدر تفصیلات قرآن پاک نے بیان کی ہیں۔ اتنی دوسری کتابوں میں نہیں ہے۔

فرمایا، لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا پس دنیا کی زندگی تمھیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ گویا اس دنیا کی زندگی کا ظاہری عیش و آرام اور اس کی رنگینیاں اسباب ضلالت میں سے پہلا سبب ہے۔ اسی میں الجھ کر آخرت کو نہ بھلا بیٹھنا۔ یہ زندگی تو اللہ نے آزمائش کے لیے دی ہے، کہ انسان یہاں آکر کیسے اعمال انجام دیتے ہیں۔ اس فانی دنیا میں مگن ہو کر اپنے اصلی مقام کی فکر بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ سورۃ الملک کی ابتداء میں اسی بات کا تذکرہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ

اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ (آیت-۲) جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں اچھے اعمال کون انجام دیتا ہے۔ اللہ نے کفار کے متعلق فرمایا ہے ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (النجم-۳۰) اُن کا تمام تر جغرافیہ صرف دنیا کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے یعنی اُن کا منبع علم صرف دنیا کی زندگی ہے، وہ اس کے آگے کچھ نہیں جانتے۔ فرمایا يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (الروم-۷) وہ دنیا کی ظاہری زندگی کے متعلق تو خوب جانتے ہیں مگر آخرت کی زندگی سے بالکل بے خبر ہیں، اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ اسی لیے اللہ نے مختلف طریقوں سے سمجھایا ہے کہ انسان دنیا کی ظاہری زیب وزینت اور رونق پر فریفتہ ہو کر دھوکہ نہ کھائیں۔ فرمایا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ (الانعام-۳۲) دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشہ ہے اور متقین کے لیے آخرت کا گھر ہی بہتر ہے۔ سورۃ العنکبوت میں بھی ارشاد ہے وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ (آیت-۶۴) یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل تماشہ ہے۔ مگر آخرت کا گھر ہی ہمیشہ کی زندگی کا گھر ہے، اس کو کہیں فراموش نہ کر دینا۔ بہر حال فرمایا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، قیامت ضرور واقع ہوگی، لہٰذا تمہیں دنیا کی زندگی کہیں دھوکے میں ڈال دے۔

شیطان کا اغواء

اللہ نے اسباب ضلالت میں سے دوسرا سبب یہ فرمایا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ اور اللہ کے بارے میں تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے بڑا دھوکے باز یعنی شیطان۔ وہ تمہارا ازلی دشمن ہے اور تمہیں متواتر گمراہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ فرمایا اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔ بے شک شیطان تمہارا خطرناک دشمن ہے، لہٰذا اُسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ بے شک

وہ اپنے گروہ کو دعوت دیتا ہے تاکہ وہ سارے کے سارے دوزخ والے بن جائیں وہ وسوسہ اندازی کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے تاکہ اس کی جماعت بہت بڑی جماعت بن جائے۔ اس آیت کریمہ میں لفظ غَرُوْر غ کی زبر کے ساتھ آیا ہے۔ جس کا معنیٰ دھوکہ باز یا فریبیہ ہے اور اگر یہی لفظ غ کی پیش کے ساتھ ہو تو معنیٰ دھوکہ ہوگا [illegible] فرمایا شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اس سے بچ کر رہنا۔

شیطان سے بچنے کا طریقہ

امام قشیریؒ چوتھی صدی کے بزرگ گزرے ہیں۔ وہ اپنی کتاب[1] رسالہ قشیریہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ شیطان انسان کا سخت ترین دشمن ہے۔ جس کے متعلق خود اللہ جل شانہٗ کا فرمان ہے اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (اعراف: ۲۷) وہ اور اُس کا قبیلہ تمھیں ایسی جگہ سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ اُس کی دشمنی انسان کے لیے ہر لحظہ جاری ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اُسے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اور اس نے انکار کیا تو وہ مردود ٹھہرا مگر اس نے اللہ کے سامنے عہد کیا، پروردگار لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ (الحجر۔ ۳۹) میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔ کہنے لگا، میں آگے، پیچھے، دائیں بائیں، غرضیکہ ہر راستے سے آکر انسان کو گمراہ کروں گا۔ چنانچہ شیطان اور اُس کے چیلے ہر وقت انسان کے درپے رہتے ہیں۔ تو ایسے ازلی دشمن سے بچنے کے لیے امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیئے۔ اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام نے بعض کلمات بتائے جن کے ورد سے شیطان کے شر سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ مثلاً[2] لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ گناہ سے بچاؤ اور نیکی کی انجام دہی بس اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہے اسی طرح اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ

---

[1] رسالہ قشیریہ ص

[2] (فیاض)

الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ میں مردود شیطان سے اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں۔ یہ الفاظ بھی آتے ہیں اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں شیطان مردود کی چھیڑ چھاڑ اس کے تکبر اور اُس کے سحر سے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْقَادِرِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الْغَادِرِ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جو قادر ہے شیطان سے بچنے کے لیے جو غدار ہے۔ بہر حال شیطان کے اغواء سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی استعانت کی ضرورت ہے۔

بخاری شریف کی روایت[1] میں آتا ہے کہ جب انسان سو جاتا ہے اور شیطان کو انسان کے اندر داخل ہونے کے لیے کوئی راستہ نہیں ملتا تو وہ ناک میں گھس کر بیٹھ جاتا ہے اور دل پر پھونکیں مارتا رہتا ہے اور اس طرح وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ پھر جب انسان بیدار ہو کر اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اُس کو اللہ کے ذکر سے گھبراہٹ ہوتی ہے۔

انسان کی افسوسناک حالت

مفسر قرآن امام قرطبی[2] اور ایک دوسرے بزرگ ابنِ سماک فرماتے ہیں۔ کہ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ انسان اپنے محسن کو جانتے ہوئے بھی اُس کی طرف توجہ نہیں کرتا اور اُس کے احسان کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔ خالق اور محسنِ حقیقی کو ہر شخص خوب پہچانتا ہے کہ اُس کے بیشمار انعامات ہیں مگر اس کا شکریہ بہت کم بندے ہی ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو اچھی طرح علم ہے کہ شیطان اُس کا ازلی ابدی دشمن ہے مگر اس کے باوجود اس سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا۔ گویا انسان کی حالت کس قدر افسوس ناک ہے۔

امام فضیل ابن عیاض حضرت امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے۔ وہ انسان کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے انسان! تم کذّاب اور مفتری ہو کہ ظاہر

---

[1] بخاری ص [2] قرطبی ص ۳۲۴ ج ۱۴ (فیاض)

میں تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہو مگر باطن میں اس کے ساتھ دوستانہ ہے۔ تم اکثر
کام شیطان کی خواہش کے مطابق انجام دیتے ہو۔ تمام رسم و رواج، بدعات،
شرکیہ اور کفریہ حرکات اور فضول خرچی شیطان کی خواہش کی تکمیل ہی تو ہے۔ سورۃ لیس
میں اللہ نے ابن آدم کو خطاب کر کے فرمایا ہے اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ
(آیت ۶۰) اے ابن آدم! کیا میں نے تمہیں خبردار نہیں کیا تھا کہ شیطان کی پرستش
نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے مگر تم پھر بھی اس کے دام میں پھنس گئے۔

فرمایا شیطان کو اپنا دشمن سمجھو اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا
مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ بے شک وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ سب
دوزخ والوں میں ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی جماعت بنا کر ان کو جہنم
میں لے جانا چاہتا ہے۔ لہذا اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

کفر اور ایمان کا انجام

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان کا انجام بھی بیان کر دیا ہے ارشاد
ہوتا ہے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا لَهُمْ
عَذَابٌ شَدِيْدٌ وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ کفر کا انجام لازماً برا
ہوگا۔ کفر کا معنی دین، شریعت اور توحید کا انکار ہے۔ یہ سخت جرم ہے جس
کی سزا دائمی جہنم ہے۔ دوسری طرف اہل ایمان کے متعلق فرمایا وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک
اعمال انجام دیے لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ان کے لیے بخشش
اور بہت بڑا اجر ہوگا۔ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ دوسری منزل ہے
اگر ایمان کی بنیاد مستقیم ہے تو نیکی بھی مقبول ہوگی، ورنہ نہیں، نیک اعمال
میں سب سے پہلے فرائض یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج آتے ہیں۔ پھر جہاد
قربانی، اور صدقہ و خیرات کا نمبر ہے، انسان سے بہت سی کوتاہیاں ہو جاتی
ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ ایمان اور نیک اعمال کی وجہ سے معاف فرما دے گا۔ دوسرے

مقام پر ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو ایمان کی برکت سے جنت کے راستے پر چلا کر وہاں تک پہنچا دے گا۔

فرمایا ایمان اور اعمال صالحہ کی برکت سے ایک طرف غلطیاں اور کوتاہیاں معاف ہوں گی تو دوسری طرف اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر بھی میسر آئے گا۔ اللہ نے اہل ایمان کے لیے یہ بشارت بھی سنادی ہے۔

أَفَمَن زُيِّنَ لَهُۥ سُوٓءُ عَمَلِهِۦ فَرَءَاهُ حَسَنًا ۖ فَإِنَّ
ٱللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَآءُ وَيَهْدِى مَن يَشَآءُ ۖ فَلَا
تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَٰتٍ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌۢ
بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٨﴾ وَٱللَّهُ ٱلَّذِىٓ أَرْسَلَ ٱلرِّيَٰحَ
فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَٰهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَّيِّتٍ
فَأَحْيَيْنَا بِهِ ٱلْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذَٰلِكَ
ٱلنُّشُورُ ﴿٩﴾ مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلْعِزَّةَ فَلِلَّهِ
ٱلْعِزَّةُ جَمِيعًا ۚ إِلَيْهِ يَصْعَدُ ٱلْكَلِمُ ٱلطَّيِّبُ
وَٱلْعَمَلُ ٱلصَّٰلِحُ يَرْفَعُهُۥ ۚ وَٱلَّذِينَ يَمْكُرُونَ
ٱلسَّيِّـَٔاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَمَكْرُ
أُو۟لَٰٓئِكَ هُوَ يَبُورُ ﴿١٠﴾

ترجمہ :- بھلا وہ شخص جس کے لیے مزین کر دیا
گیا ہے اُس کا بُرا عمل ، پس وہ اُس کو اچھا خیال کرتا ہے
پس بیشک اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اور
راہ دکھاتا ہے جس کو چاہے ۔ پس آپ نہ اتاریں اپنے
نفس کو اِن پر حسرت کرتا ہوا ۔ بیشک اللہ تعالےٰ
خوب جانتا ہے اُن باتوں کو جو کچھ یہ لوگ بناتے ہیں ﴿٨﴾

اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے چلایا ہواؤں کو پس ابھارتی ہیں وہ بادلوں کو۔ پس ہم چلاتے ہیں اُس کو ایک خشک زمین کی طرف۔ پس ہم زندہ کرتے ہیں اس کے ساتھ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد، اسی طرح دوبارہ جی اٹھنا ہو گا ⑨ جو شخص ارادہ کرتا ہے عزت کا، پس بیشک اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے ساری عزت۔ اسی کی طرف چڑھتا ہے پاک کلام۔ اور نیک عمل بلند کرتا ہے اس کو۔ اور وہ لوگ جو کماتے ہیں برائیاں، اُن کے لیے شدید عذاب ہے۔ اور اُن کا مکر و فریب وہی ہلاک ہو گا ⑩

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت کا ذکر فرمایا اور تنبیہ فرمائی کہ اس دُنیا کی ظاہری زیب و زینت پر فریفتہ نہ ہو جانا، شیطان تمہارا دشمن ہے جو اپنی فریب کاری کے ذریعے تمہیں اسی دُنیا میں الجھائے رکھنا چاہتا ہے لہٰذا اس سے بچنے کی کوشش کرنا۔ فرمایا جو شخص شیطان کے پھندے میں پھنس گیا وہ دوزخ کا شکار ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ کفر کا پروگرام بڑا خطرناک اور شدید عذاب کا باعث ہے۔ فرمایا کامیابی سے وہی لوگ ہمکنار ہوں گے، جو ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالحہ انجام دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی بخشش و مغفرت انہی لوگوں کے حصے میں آئے گی۔

نیکی اور برائی میں تقابل

ایمان اور کفر یا نیکی اور برائی کے تقابل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ایک طرف وہ شخص ہے جس کا بُرا عمل اُسے مزین کر کے دکھایا گیا ہے۔ یہ شیطان کا کام ہے جو وسوسہ اندازی کے ذریعے رسم و رواج اور بدعات کو مزین کر کے دکھاتا ہے، اور باور کراتا ہے کہ تم یہ بہت اچھا کام کر رہے ہو، بڑا نیکی کا کام ہے۔ اسے جاری رکھو

سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ جب انہیں ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے گرفت آئی تو انہوں نے کیوں نہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کیا، بلکہ اُن کے دل مزید سخت ہو گئے وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (آیت۔ ۴۳) اور شیطان نے اُن کے بُرے اعمال کو مزین کر دیا، لہٰذا انہوں نے توبہ نہ کی۔ پھر اچانک اللہ کی گرفت آئی اور ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔

تو فرمایا جس شخص کی نظر میں بُرے اعمال اچھے ہیں کیا وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو اللہ کے فضل سے نیکی اور بُرائی میں تمیز کرتا ہے، نیکی کو اختیار کرتا ہے اور بُرائی سے بچتا ہے۔ یقینی بات ہے کہ یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک ہے جو شیطان کی پیروی کر رہا ہے اور شقاوت کا راستہ اختیار کیے ہوئے ہے، اور دوسرا نیکی کو اپنا کر سعادت کے راستے پر چل رہا ہے۔ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے

آگے اللہ نے گمراہی اور ہدایت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کے راستے پر ڈال دیتا ہے ہدایت اور گمراہی دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں مگر اُس نے اس ضمن میں قوانین مقرر کر رکھے ہیں۔ جو شخص تعصب، ضد اور عناد کی بنا پر توحید کا انکار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کا ہاتھ پکڑ کر ہدایت کی طرف نہیں لاتا بلکہ فرمایا نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (النساء۔ ۱۱۵) جدھر وہ جانا چاہتا ہے ہم اُسی طرف کی توفیق دے دیتے ہیں اور پھر وہ بالآخر جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔ برخلاف اس کے جس شخص میں استعداد اور صلاحیت موجود ہوتی ہے اور وہ حق کی تلاش میں کوشش کرتا ہے ہم اسے ہدایت کا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ (الرعد۔ ۲۷) وہ ہدایت اس کو دیتا ہے جو اُس کی طرف رجوع کرتا ہے یعنی ہدایت طلب کرتا ہے۔ اور جن کو ہدایت کی خواہش ہی نہیں ہو گی۔ انہیں صراطِ مستقیم بدیں نہیں آسکتا۔ سورۃ المائدہ میں ہے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ

(آیت - ۱۰۸) اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نصیب نہیں کرتا جو برائی کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

تسلی کا مضمون

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو تسلی دی ہے کہ واضح ہدایت آنے اور آپ کی طرف سے پوری کوشش کے باوجود اگر یہ لوگ راہِ راست پر نہیں آتے فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ تو آپ ان پر زیادہ افسوس کا اظہار نہ کریں۔ آپ نے تو اپنا فریضہ ادا کر دیا، اور ان کو خیر خواہی کی بات بتا دی۔ اب ان کا محروم رہنا آپ کے لیے حسرت کا باعث نہیں بننا چاہیے۔ اللہ کے سارے نبی اپنی اپنی قوم کے ساتھ خیر خواہی کی بات ہی کرتے رہے شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا، اے میری قوم کے لوگو! میں نے تمہیں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا ہے وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ (الاعراف - ۹۳) میں نے تمہیں پوری پوری نصیحت کر دی، اب میں کافروں کی قوم پر کیا افسوس کروں؟ نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا کہ میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیے ہیں وَاَنْصَحُ لَكُمْ (الاعراف - ۶۲) اور تمہارے لیے خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے اگر تم اب بھی نہیں مانتے تو پھر خود ذمہ دار ہو، حضرت ہود علیہ السلام نے بھی کہا کہ میں نے اللہ کے احکام پہنچا دیے ہیں وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ (الاعراف - ۶۸) اور میں تمہاری خیر خواہی کرنے والا امانت دار ہوں۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ خیر خواہی کا حق ادا کرنے کے بعد بھی ضد اور عناد پر اڑے رہتے ہیں، آپ اُن پر حسرت نہ کریں۔ ہر عاقل بالغ آدمی مکلف ہے اور اپنے اپنے عقیدے اور عمل کا ذمہ دار اور جوابدہ ہے۔ ہر شخص اپنے اعمال کا بھگتان خود کرے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ اللہ تعالیٰ ان کی ہر کارگزاری کو جانتا ہے۔ جب محاسبے کی منزل آئے گی تو وہ ان کا ہر عمل ان کے سامنے لا کھڑا کرے گا اور پھر اس کے مطابق بدلہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جزائے عمل کا یہ اصول بھی بتلا دیا۔

بقائے حیات کے وسائل

گذشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کی زندگی کا ایک نظام قائم کرے گا، اور اس ضمن میں فرمایا اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ یعنی اللہ کا یہ وعدہ بالکل سچا ہے اور یہ پورا ہو کر رہے گا۔ اس سلسلے میں اللہ نے اپنے رسول، کتابیں اور مبلغین بھیج کر آخرت کی زندگی کا سامان پیدا کر دیا ہے۔ اسی طرح اللہ نے اس دُنیا کی زندگی کی بقاء کے لیے بھی انسان کو تمام وسائل مہیا فرما دیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَاللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ الرِّیٰحَ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے فَتُثِیۡرُ سَحَابًا وہ ہوائیں بادلوں کو ابھارتی ہیں۔ فَسُقۡنٰہُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ پس ہم چلاتے ہیں اُسکو ایک خشک زمین کی طرف۔ فَاَحۡیَیۡنَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا پھر ہم اُس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔

آیت کے اس حصہ میں اللہ نے انسانوں اور جانوروں کی خوراک کے انتظام کی طرف ایک اجمالی اشارہ کیا ہے۔ ہر جاندار کی زندگی کا انحصار پانی اور خوراک پر ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ وہی ذات وحدہٗ لاشریک ہے جو اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق سمندروں سے بخارات اٹھاتا ہے۔ پھر ہواؤں کو چلاتا ہے جو انہیں اٹھا کر خشک علاقے کی طرف لے جاتی ہیں۔ جہاں بارش برسانا مقصود ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنی منشاء کے مطابق جس خطے میں جتنی چاہتا ہے۔ بارش نازل فرماتا ہے جس سے مردہ زمین میں تروتازگی آجاتی ہے، اُس میں قوتِ روئیدگی پیدا ہوتی ہے اور پھر اُسی بنجر زمین میں پھل اور اناج پیدا ہوتا ہے جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتا ہے، اور اللہ نے اسی پہ تمام جانداروں کا مدارِ حیات رکھا ہے

فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ بارش نازل فرما کر مردہ زمین کو قابلِ کاشت بنا دیتا ہے، کَذٰلِکَ النُّشُوۡرُ اسی طرح دوبارہ جی اٹھنا ہو گا، جب قیامت کا بگل بجے گا تو تمام مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ سب کو میدانِ حشر میں اکٹھا کیا جائے گا، حساب کتاب کی منزل آئیگی اور پھر جزاء اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔ احادیث میں بعث بعد الموت کی کیفیت بھی بیان ہوئی ہے جب

اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنا چاہے گا تو عرش کے نیچے ایک خاص قسم کی بارش ہو گی۔ جونہی بارش کا پانی زمین پر پڑے گا مُردے زندہ ہونے شروع ہو جائیں گے۔ پھر ایک نیا نظام قائم ہوگا۔ لہٰذا آخرت پر یقین رکھنا چاہیئے۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے، وہ ضرور پورا ہوگا۔ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ ملنا ہے۔ لہٰذا اُس کی تیاری کرنی چاہیئے۔

عزت کا اعلیٰ مقام

اب اگلی آیت میں اللہ نے مشرکوں، کافروں اور منکرین کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ جو شخص عزت چاہتا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا تو یاد رکھو! عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مطلب یہ ہے کہ مخلوق ہو کر یہ لوگ بڑی عزت والے بنے پھرتے ہیں، اپنے حسب نسب، جاہ و حشمت اور مال و دولت پر فخر کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عزت تو اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ سورۃ مریم میں فرمایا ہے وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا (آیت-۸۱) مشرکوں اور کافروں نے اللہ کے علاوہ دوسرے معبود بنا رکھے ہیں، اُن کی پرستش کرتے ہیں تاکہ ان کو عزت وقار اور غلبہ حاصل ہو۔ مگر انہیں جان لینا چاہیئے اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (النسآء - ۱۳۹) جو لوگ کافروں کو اپنا دوست ساتھی یا رفیق بناتے ہیں، تو کیا وہ ان کے ہاں عزت تلاش کرتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ عزت تو ساری کی ساری اللہ کے پاس ہے، وہ کہاں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ معبودانِ باطلہ کی پرستش اور رسومات کی ادائیگی سے عزت حاصل نہیں ہوتی۔ ان لوگوں نے غلط راستہ اختیار کیا ہے۔

الْعَزِيْزُ خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو کمالِ قدرت کا مالک اور کمال عزت والا ہے۔ اللہ کے بعد فرمایا وَلِرَسُوْلِهٖ اس کے رسول کو سب سے زیادہ عزت حاصل ہے کیونکہ وہ اللہ کا مقرب ترین بندہ ہے اور تیسرے نمبر پر

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ عزت اہل ایمان کے لیے ہے عزت اُس شخص کو حاصل ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرے گا، اس کی اطاعت کرے گا، نیکی کے کام انجام دیگا اور اللہ کا ذکر کرے گا۔ فرمایا اسی طرح اگر کوئی شخص قوت کا متلاشی ہے تو یہ چیز کسی انجنیئر یا سائنسدان یا سرمایہ دار کے ہاں نہیں ملے گی بلکہ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (البقرہ - ۱۶۵) قوت اور طاقت کا سرچشمہ بھی فقط ذات خداوندی ہے اللہ چاہے تو ناتواں سے ناتواں شخص اور جماعت کو قوت بخش دے اور بڑے سے بڑے طاقتور کو کمزور کر دے۔ غیر اللہ کے پاس نہ عزت ہے اور نہ طاقت۔ جو لوگ ان چیزوں کے لیے ان کے پیچھے بھٹکتے ہیں وہ محروم رہیں گے۔

کلمہ طیبہ اور عمل صالح

غرضیکہ بارگاہِ الٰہی میں عزت کا مقام اُس شخص کو حاصل ہوگا جس کا عقیدہ درست ہوگا۔ ایسے شخص کے متعلق اللہ نے فرمایا اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ، کہ اس کا پاک کلام اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ سے مراد اللہ کا ذکر، دُعا، قرآن کی تلاوت، وعظ و نصیحت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ہر وہ نیک بات ہے جو لوگوں کے لیے دنیا اور دین میں مفید ہو۔ کوئی شخص جو بھی نیکی کا کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتا ہے وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ اور انسان کا نیک عمل اُس کلمہ کو مزید بلند کرتا ہے۔ گویا ہر نیک بات کو اگر عمل صالح کی تائید بھی حاصل ہو گی تو ایسے کلمہ کو مزید تقویت حاصل ہو گی اور اُسے بارگاہِ رب العزت میں کمال درجے کی قبولیت حاصل ہو گی۔ اگرچہ نیک بات کی قبولیت اپنی جگہ مسلم ہے مگر ساتھ نیک عمل بھی ہو تو وہ نُورٌ علیٰ نور ہوگا۔ اللہ کا فرمان ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ (انبیاء - ۹۴) جو شخص اچھا عمل کرے بشرطیکہ ایماندار ہو تو اُس کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ وہ عمل اللہ کے ہاں ضرور قبول ہوگا۔ اور اچھا عمل کیا ہے؟ اس میں سب سے پہلے فرائض آتے ہیں۔ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ پھر واجبات، سُنن

اور مستحبات آتے ہیں جہاد، قربانی، صدقات وغیرہ سب اچھے اعمال ہیں اور یہ اعمال انسان کے کلمہ طیبہ کی مقبولیت میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اکثر مفسرین فرماتے ہیں[1] کہ یَرْفَعُهٗ میں ہٗ کی ضمیر کلمہ کی طرف لوٹتی ہے یعنی نیک عمل کلمہ طیبہ کو بلندی پر لے جاتا ہے، تاہم حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں[2] کہ ہٗ کی ضمیر عمل صالح کی طرف لوٹتی ہے اور معنی یہ بنتا ہے کہ کلمہ طیبہ نیک عمل کو مزید بلندی تک پہنچاتا ہے۔

فریب کاری کا نتیجہ

فرمایا نیک عمل کے برخلاف وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ جو لوگ برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور ان کے لیے تدابیر سوچتے ہیں پروگرام بناتے ہیں لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ان کے لیے سخت عذاب تیار کیا گیا ہے، بعض اوقات دنیا میں اللہ تعالیٰ لمبے عرصہ تک مہلت دیتا رہتا ہے اور وہ سزا سے بچے رہتے ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (الاعراف۔۱۸۳) میں ان کو مہلت دیتا ہوں مگر میری تدبیر ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے۔ سورۃ انفال میں فرمایا وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (آیت۔۳۰) کافر، مشرک اور منکر بھی تدبیر کرتے ہیں اور ادھر اللہ تعالیٰ بھی تدبیر کرتا ہے، مگر اللہ کی تدبیر ہی بہترین تدبیر ثابت ہوتی ہے اور وہی کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے، مگر یاد رکھو! وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ان لوگوں کی مکاری تباہ و برباد ہو کر رہے گی ان کا داؤ پیچ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مشرکین نے دارالندوہ میں جمع ہو کر حضور علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا مگر اللہ نے اسے ناکام بنا دیا۔ آگے اسی سورۃ میں بھی آرہا ہے وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (آیت۔۴۳) جو شخص کسی دوسرے

---

[1] در منثور ص۲۴۶ ج۵ و معالم التنزیل ص۱۹۵ ج۴
[2] خازن ص۲۹۸ ج۵ (فیاض)

کے بارے میں غلط تدبیر سوچتا ہے، وہ خود اسی کو گھیر لیتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے مَنْ حَفَرَ لِاَخِيْهِ بِئْرًا وَقَعَ فِيْهِ جو آدمی اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودتا ہے، وہ خود ہی اس میں گرتا ہے۔ غرضیکہ مخالفین حق کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں مگر بالآخر یہ خود ہی ذلیل و خوار ہو کر رہیں گے اور دین حق کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اس میں تسلی کا مضمون بھی آ گیا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ
جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا
تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا
يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿١١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖۗ
هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا
مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا
وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ؕ وَتَرَى
الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي
النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ
رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿١٣﴾ اِنْ
تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا

مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ
بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿١٤﴾ ع ۲ / ۱۴

ترجمہ :- اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تم کو مٹی سے - پھر (نوعِ انسانی کو) قطرۂ آب سے - پھر بنایا ہے تمھیں جوڑے - اور نہیں اٹھاتی کوئی مادہ اور نہیں جنتی (اُس کو) مگر اس کے علم سے - اور نہیں عمر دی جاتی کسی عمر والے کو اور نہیں گھٹائی جاتی اس کی عمر مگر وہ کتاب میں (لکھی ہوئی ہے)۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے ﴿۱۱﴾ اور نہیں برابر دو سمندر، ایک میٹھا، خوشگوار، پیاس بجھانے والا اور دوسرا کھاری، کڑوا - اور ہر ایک سے کھاتے ہو تم تازہ گوشت، اور نکالتے ہو تم زیور جس کو تم پہنتے ہو - اور دیکھے گا تو کشتیوں کو سمندر میں پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں، تاکہ تلاش کرو تم اُس کے فضل سے اور تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۱۲﴾ وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں، اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اُس نے مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو - ہر ایک چلتا ہے ایک مقررہ وقت تک - یہ ہے اللہ تمھارا پروردگار - اسی کی بادشاہی ہے - اور جن کو تم پکارتے ہو اُس کے سوا، نہیں مالک وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کسی چیز کے ﴿۱۳﴾ اگر تم اُن کو پکارو تو نہیں سنتے تمھاری پکار کو۔ اور اگر سن لیں تو وہ تمھارا کام

نہیں کر سکتے ۔ اور قیامت والے دن وہ انکار کریں گے
تمہارے شرک سے ۔ اور کوئی نہیں بتلائے گا تجھ کو مثل
اُس ذات کے جو ہر چیز کی خبر رکھنے والی ہے (۱۴)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں نیک و بد انسانوں کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ کی وحدانیت اور وقوعِ قیامت پہ دلائل بیان ہوئے ۔ اللہ نے مشرکوں کے متعلق فرمایا کہ وہ غیر اللہ سے عزت کے طالب گار ہیں حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالے کے پاس ہے ۔ اس کے بعد اللہ نے پاکیزہ کلمات کا ذکر کیا کہ وہ بارگاہ رب العزت میں پیش ہوتے ہیں اور اگر ان کو نیک اعمال کی تائید بھی حاصل ہو تو وہ مزید تقویت کا باعث بنتی ہے ۔ نیک عمل کو پاکیزہ کلمہ اوپر اٹھاتا ہے ۔ اور اس کی مقبولیت اُس وقت ہوتی ہے ۔ جب اس کی تہ میں ایمان اور توحید ہو ۔ اللہ نے کافروں کے متعلق فرمایا کہ اُن کے لیے شدید عذاب ہے اور اُن کی ہر تدبیر ناکام ہوگی ۔

تخلیق انسانی کے مراحل

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت اور توحید کے بارے میں کچھ عقلی دلائل ذکر فرمائے ہیں ۔ سب سے پہلے انسانی تخلیق کے متعلق فرمایا وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ پھر قطرۂ آب سے ، مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اولین انسان اور پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام کو تو مٹی سے پیدا کیا ۔ اور پھر آگے نسل انسانی کو ایک حقیر قطرۂ آب سے چلایا ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے کہ اُس نے بے جان مٹی سے آدم علیہ السلام جیسی بلند پایہ ہستی پیدا کی اور باقی انسانوں کو ایسے حقیر قطرہ سے کہ اگر کپڑے کو لگ جائے تو اس کو دھونا لازم ہو جائے ۔ حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے جد امجد ہیں ۔ اللہ نے اُن سے کلام فرمایا ، اپنا خلیفہ فی الارض بنایا اور بلند ترین خصوصیت کا حامل ٹھہرایا ۔ اسی لیے اللہ نے اور نبی علیہ السلام نے یہ بات سمجھائی ہے کلکم

اینا آدم و آدم من تراب کہ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی، لہٰذا کسی انسان کو دوسرے کے مقابلے میں تکبر نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ظاہری طور پر کسی ماحول میں کسی خاندان کے ذریعے کوئی شرافت یا عزت بخشی ہے تو اس کو اللہ کا فضل سمجھنا چاہیئے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیئے، نہ کہ دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے۔

فرمایا خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر قطرۂ آب سے ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنا دیا، مرد اور عورت میں تفریق کر کے دو صنف بنا دیئے۔ پھر ان کے ملاپ سے نسل انسانی کے بقا کا سلسلہ قائم کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کی دلیل ہے۔

فرمایا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ کوئی عورت نہیں اٹھاتی بچہ اپنے پیٹ میں اور نہ اسے جنتی ہے۔ مگر وہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ عورت کے رحم میں حمل قرار پانا اور پھر مقررہ مدت کے اندر شکم مادر میں بچے کا پرورش پانا اور پھر باہر آجانا سب کچھ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ اور اسی طریقے سے وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ اور نہیں عمر دی جاتی کسی عمر والے کو وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اور نہ گھٹائی جاتی ہے اس کی عمر اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مگر وہ کتاب میں لکھی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب انسان اس دنیا میں آجاتا ہے تو پھر وہ کتنی عمر پاتا ہے، چھوٹی عمر میں فوت ہو جاتا ہے یا لمبی عمر پاتا ہے اس کی زندگی میں کیا کیا تغیرات آتے ہیں۔ بیماری، تندرستی، دولت مندی، مفلسی شقاوت، سعادت ہر چیز کو اللہ جانتا ہے اور ہر چیز اللہ کی کتاب لوح محفوظ میں بھی درج ہے، تھوڑی، درمیانی یا لمبی عمر کی حکمت اور مصلحت کو بھی اللہ ہی جانتا ہے، یہ چیز کسی دوسری ذات کے علم میں نہیں ہے۔

فرمایا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے، اسے کوئی کام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ اس مقام پر شاہ عبد القادر

ایک اور بات بھی سمجھاتے ہیں کہ جس طرح انسان کی نشو و نما آہستہ آہستہ اور بتدریج ہے، اسی طرح اسلام بھی بتدریج بڑھے اور پھلے پھولے گا اور کفر بالآخر مغلوب ومقہور ہو گا۔ مکی دور میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر ایک طرف اپنی قدرت تامہ کو واضح کر دیا اور دوسری طرف وقوع قیامت پر بھی دلیل قائم کر دی ہے۔ اگر انسان اپنی پیدائش اور عمر کے مختلف مراحل کو آسانی سے سمجھتا ہے تو اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندگی بھی اُس کی سمجھ میں آجانی چاہیئے۔

ایمان اور کفر کا تقابل

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے ایمان اور کفر کو واضح فرمایا ہے اور دونوں کا انجام بھی ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ دو سمندر یا دریا برابر نہیں کیونکہ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ ایک میٹھا ہے اور پیاس کو بجھانے والا ہے سَائِغٌ شَرَابُهُ اور اس کا مشروب خوشگوار ہے۔ جب کہ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ یہ دوسرا کھاری اور کڑوا ہے اس کا حلق سے اترنے والا ایک گھونٹ حلق کو چھیل ڈالنے کے لیے کافی ہے جس طرح یہ دو پانی ایک سے نہیں، ایک نہایت مفید ہے اور دوسرا سخت مضر ہے، اسی طرح کفر اور اسلام بھی برابر نہیں ہیں۔ ایمان کمال درجے کی حقیقت ہے۔ اللہ نے اہل ایمان کو خوشگوار اور دائمی زندگی کی بشارت سنائی ہے جب کہ کفار کے لیے دائمی سزا کی وعید سنائی ہے، لہٰذا یہ دونوں آپس میں قطعاً برابر نہیں ہو سکتے۔

سمندروں کے فوائد

اللہ نے میٹھے اور کھاری سمندروں کا ذکر کرنے کے بعد اُن کے فوائد کا ذکر کیا ہے جو انسانوں کو دونوں اقسام کے پانی سے حاصل ہوتے ہیں۔ فرمایا وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا تم ہر قسم کے پانی سے تازہ گوشت کھاتے ہو اس سے مراد مچھلی ہے جو میٹھے اور کھاری ہر قسم کے پانی میں پائی جاتی ہے۔ لوگ اُسے پکڑ کر اس کا گوشت خوراک کے طور پر استعمال کرتے ہیں مچھلی کا گوشت نہایت لذیذ اور طاقتور غذا ہے۔ اس میں پروٹین بہت زیادہ

ہوتے ہیں۔ خشکی کے جانوروں کو تو پکڑنے کے بعد ذبح کر کے اس کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے مگر مچھلی کو ذبح کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ دنیا کے لاکھوں انسانوں کی معیشت کا دارومدار مچھلی کے شکار پر ہے۔ ساحلی لوگ عام طور پر مچھلی کا کاروبار کرتے ہیں۔ سمندروں اور دریاؤں کے علاوہ مصنوعی طور پر جوہڑوں اور تالابوں میں بھی مچھلی پالی جاتی ہے جو لوگوں کی خوراک کا حصہ بنتی ہے۔

فرمایا ایک تو تم ان پانیوں سے مچھلی کا شکار کرتے ہو اور دوسرا وَتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ان سمندروں سے پہننے کے زیورات بھی نکالتے ہو۔ زیورات سے مراد موتی اور مونگا ہیں جن کے ہار بنا کر پہنے جاتے ہیں۔ سونے چاندی کے زیورات تو مردوں کے لیے جائز نہیں البتہ موتیوں کے ہار مرد بھی پہن سکتے ہیں۔ یہاں بھی اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس طرح لوگ میٹھے اور کھاری ہر دو سمندروں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح اسلام کی تقویت مسلمانوں کے ذریعے تو مسلّم ہے انہیں کفار کی طرف سے بھی جزیہ اور خراج کی صورت میں فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا اس کے علاوہ سمندروں اور دریاؤں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ اور تم کشتی کو دیکھتے ہو کہ پانی کو چیرتی پھاڑتی ہوئی چلتی ہے۔ پہلے زمانے میں بادبانی کشتیاں چلتی تھیں جو چھوٹے پیمانے پر نقل و حمل میں کام دیتی تھیں۔ مگر اب سائنسی دور میں لاکھوں ٹن وزنی جہاز معرض وجود میں آچکے ہیں جو نہ صرف مسافروں کو سفر کی سہولت بہم پہنچاتے ہیں بلکہ لاکھوں ٹن وزنی تجارتی سامان بھی ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچاتے ہیں۔ سامان کی بین الاقوامی نقل و حمل میں بحری جہاز بڑا مفید کردار ادا کر رہے ہیں ان کے بغیر سامان کی ترسیل بہت مہنگی اور دشوار ہوتی ہے۔ فرمایا جہاز رانی کا فائدہ یہ ہے لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ تاکہ تم اس کے ذریعے اللہ کا فضل یعنی رزق حلال تلاش کرو۔ بین الاقوامی تجارت روزی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اللہ نے اپنا یہ احسان بھی جتلا دیا کہ اس نے کشتی رانی کے ذریعے تمہارے لیے

روزی کا سامان بہم پہنچا دیا ہے۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرو۔ اتنی بڑی نعمت پاکر تمھیں حق تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے جس نے سمندروں اور دریاؤں کو تمھارے لیے مسخر کر دیا اور تم اُن سے فائدہ اٹھاتے ہو۔

رات دن کا تغیر و تبدل

ارشاد ہوتا ہے اللہ کی ذات وہ ہے جو يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ جو رات کو دن میں داخل کرتا ہے وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے کبھی دن بڑا اور رات چھوٹی ہوتی ہے۔ اور کبھی رات بڑی اور دن چھوٹا ہوتا ہے۔ اور درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے برابر برابر بھی ہو جاتے ہیں۔ دن رات کے تغیر و تبدل کے علاوہ خدائی نظام کے تحت موسم بھی تبدیل ہوتے ہیں اور پھر ہر موسم کے مطابق مختلف پھل سبزیاں اور اناج پیدا ہوتا ہے جو انسانوں کی خوراک بنتا ہے۔ فرمایا وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اللہ نے سورج اور چاند کو بھی مسخر کر دیا ہے یعنی تمھارے کام پر لگا دیا ہے۔ وہ شب و روز اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں رات دن اور موسموں کے تغیر و تبدل انہی کا مرہونِ منت ہے۔ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ان میں سے ہر ایک مقررہ مدت تک چلتا ہے۔ اللہ نے ان کے لیے جو منازل اور وقت مقرر کر دیا ہے اس سے سرمو انحراف نہیں کرتے اور اس طریقے سے کائنات کا نظام جاری ہے

شاہ عبدالقادرؒ یہ نقطہ بھی[1] بیان کرتے ہیں کہ جس طرح کبھی سورج غالب آتا ہے اور کبھی چاند اسی طرح کبھی اسلام غالب آجاتا ہے اور کبھی کفر، غلبہ اور اقتدار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے مغلوب بنا دیتا ہے، اس کی حکمت اور مصلحت کو وہی جانتا ہے ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ یہ ہے اللہ تعالیٰ تمھارا پروردگار۔ لَهُ الْمُلْكُ حقیقی بادشاہی اُسی کی ہے، یہ سارا نظام اسی کا قائم کردہ ہے اور وہی اس کو چلا رہا ہے۔ وحدہٗ

---

[1] موضح القرآن ص ۵۲۳ (فیاض)

لاشریک ہے۔ اُس کی توحید کو مان کر اُسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ جب ہر چیز کا مالک، مدبر اور متصرف وہی ہے تو پھر اپنی حاجات دوسروں کے سامنے پیش کرنا کس قدر حماقت کی بات ہے۔

معبودانِ باطلہ کی بے بسی

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں، ان سے حاجت براری چاہتے ہیں، فرمایا مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں، وہ تو اتنی معمولی سی چیز بھی نہ بنا سکتے اور نہ کسی کو دے سکتے ہیں ان کو نہ کوئی اختیار حاصل ہے اور نہ وہ کسی کی تکلیف دُور کر سکتے ہیں۔ فرمایا اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ اگر تم اُن کو پکارو بھی تو وہ تمہاری پکار کو سُن بھی نہیں سکتے۔ ظاہر ہے کہ وہ تو لکڑی یا پتھر کے بے جان مجسمے ہیں یا پھر شجر و حجر ہیں۔ وہ تمہاری پکار کو کیسے سنیں گے؟ وَلَوْ سَمِعُوْا اور اگر بالفرض تمہاری بات کو سن بھی لیں مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ تو وہ تمہیں جواب تک نہیں دیں گے۔ وہ تو بے جان ہیں اور قوتِ گویائی سے محروم ہیں۔ وہ تمھیں کیسے جواب دیں گے؟ اور اگر تم جاندار ہستیوں مثلاً ملائکہ، جنات، انبیاء اور اولیاء کرام یا کسی دوسری ہستی کو پکارتے ہو تو وہ تمہاری بات سُن کر بھی تمہاری مدد پر قادر نہیں ہیں۔ وہ تو اللہ کے حکم کے بغیر کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ کا فیصلہ ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرۃ - ۲۵۵) اس کی اجازت کے بغیر کوئی ذات سفارش بھی نہیں کر سکتی۔ بھلا وہ تمہاری مشکل کا کیسے مداوا کریں گے؟

فرمایا یہ ہستیاں تمہاری مدد کرنے کی بجائے وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ قیامت والے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے، جب اللہ ان سے پوچھے گا کہ کیا تم نے ان کو کہا تھا کہ تمہاری عبادت کریں۔ تمہارے سامنے نذر و نیاز پیش کریں اور تم سے حاجات طلب کریں تو ملائکہ، جنات، انبیاء اور اولیاء سب انکار کر دیں گے کہ مولا کریم! ہم نے تو اِن سے نہیں کہا تھا کہ ہمارے بعد ہمیں اپنا

حاجت روا اور مشکل کشا بنا لیا ہم خود بھی تجھی سے حاجات طلب کرتے رہے اور انھیں بھی یہی درس دیتے رہے کہ دستِ سوال صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے دراز کرنا مگر یہ لوگ شیطان کے بہکاوے میں آگئے اور اسی کے کہنے پر کفر و شرک پر اصرار کرتے رہے فرمایا تم اِن معبودانِ باطلہ سے کیا توقع رکھتے ہو وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ اے مخاطب! اللہ علیم وخبیر کی طرح یہ تمھیں کچھ نہیں بتا سکیں گے۔ ان کے سامنے لاکھ چیختے چلاتے رہو، اِن کو مافوق الاسباب پکارتے رہو، یہ تمھارے کسی کام نہیں آئیں گے کیونکہ علیم وخبیر صرف ذاتِ خداوندی ہے، باقی سب عاجز مخلوق ہے۔ حقیقت یہ ہے يَسْـَٔلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرحمٰن - ۲۹) آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی ہاتھ پھیلاتی ہے لہٰذا تمھیں بھی اپنی حاجات اُسی سے طلب کرنی چاہییں۔ یہ خود ساختہ معبود تمھارے کسی کام نہیں آئیں گے ۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اَنۡـتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ
هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ ﴿۱۵﴾ اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ
وَيَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى
اللّٰهِ بِعَزِيۡزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ؕ
وَاِنۡ تَدۡعُ مُثۡقَلَةٌ اِلٰى حِمۡلِهَا لَا يُحۡمَلۡ مِنۡهُ
شَىۡءٌ وَّلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى ؕ اِنَّمَا تُنۡذِرُ الَّذِيۡنَ
يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَيۡبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ
وَمَنۡ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفۡسِهٖ ؕ وَاِلَى
اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۸﴾

ترجمہ :- اے لوگو ! تم محتاج ہو اللہ کی طرف اور اللہ تعالیٰ ہی غنی اور تعریفوں والا ہے ﴿۱۵﴾ اگر وہ چاہے تو تم کو لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے ﴿۱۶﴾ اور نہیں یہ بات اللہ پر کوئی مشکل ﴿۱۷﴾ اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ اور اگر کوئی بوجھل اپنا بوجھ اٹھانے کی طرف کسی کو بلائے گا ، تو نہیں اٹھائی جائے گی اس سے کوئی چیز اگرچہ وہ قرابتدار ہی کیوں نہ ہو۔ بیشک آپ ڈر سناتے ہیں ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے بغیر دیکھے ۔

اور قائم کی انہوں نے نماز۔ اور جو شخص تزکیہ حاصل کرے گا
پس بے شک وہ تزکیہ حاصل کرے گا اپنے نفس کے
لیے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے (۱۸)

فقراء الی اللہ

گذشتہ آیات کی طرح آج کے درس میں بھی توحید کا اثبات، شرک کا رد وقوعِ قیامت اور محاسبۂ اعمال کا بیان ہے۔ ماقبل سائفہ منکرین کیلئے زجر و تنبیہ کا پہلو بھی ہے۔ تمام بنی نوعِ انسان کو خطاب کر کے انہیں اُن کی ذمہ داری کا احساس دلایا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ یَاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ اے دنیا جہان کے لوگو! تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہو۔ فقار دراصل پشت کے مُہرے کو کہا جاتا ہے، جس شخص کا مہرہ ٹوٹا ہوا ہو اُس کی کمر سیدھی نہیں ہو سکتی اور اس لحاظ سے وہ محتاج ہوتا ہے۔ تو فرمایا تم سارے کے سارے اللہ کے دروازے کے فقیر ہو اور اپنی تمام حاجات اسی سے طلب کرتے ہو۔ سورۃ الرحمٰن میں بھی فرمایا ہے یَسْئَلُہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آیت-۲۹) آسمان اور زمین کی ہر مخلوق اُسی سے مانگتی ہے، مخلوق میں خواہ اللہ کے مقرب فرشتے ہوں یا جنات، یا انسان نبی، ولی سب اللہ تعالیٰ کی عنایات کے محتاج ہیں۔

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسان تو زبانِ حال اور زبانِ قال دونوں طریقوں سے مانگتے ہیں مگر شجر و حجر صرف زبانِ حال سے طلب کرتے ہیں۔ پہاڑ، درخت، پودے وغیرہ جن میں حس و حرکت نہیں، جن کی زبان نہیں کہ وہ بول کر اپنی ضروریات کا اظہار کر سکیں، ان کی حالت ہی اللہ تعالیٰ سے اپنی ضروریات طلب کرتی ہے۔ اسی طرح جانور کیڑے مکوڑے، چرند اور پرندے ہیں، سمندر کی لاتعداد مخلوق ہے، سب کی حاجات ہیں اور وہ سارے کے سارے اپنی زبان

لہ

حال ہی سے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات میں سوال کرتے ہیں۔ اللہ کی مقرب مخلوق فرشتے بھی اللہ تعالیٰ سے ترقی و عروج اور انعامات کے طالب ہیں اور اپنے انداز سے درخواست کرتے ہیں۔ جنات کا اپنا انداز ہے، غرضیکہ ساری مخلوق اُسی کی محتاج ہے اور اُسی کے آگے دستِ سوال دراز کیے ہوئے ہے۔

فرمایا وہ صرف ایک ہی ذات ہے جو کسی سے سوال نہیں کرتی ہے بلکہ سب اس کے سوالی ہیں۔ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ اور وہ ذاتِ خداوندی ہے جو بے نیاز اور تعریفوں والی ہے، وہ ہستی تمام کمالات کے ساتھ متصف ہے، ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ ساری مخلوق اُسی سے استعانت کرتی ہے، وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے لہٰذا عبادت کے لائق بھی وہی ہے، اس کے علاوہ کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں۔ غنی اور صمد وہ ذات ہے جس کی طرف قصد کیا جاتا ہے اور اس کو کسی قسم کا احتیاج نہیں ہوتا۔ ہندی زبان میں ایسی ذات کو "نرادھار" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ابن ماجہ شریف کی روایت میں آتا ہے مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ[1] جو ذات اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتی اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے، کہ مجھ سے سوال کیوں نہیں کرتا۔ اُدھر انسان سے سوال کیا جائے تو وہ ناراض ہوجاتا ہے مگر رب تعالیٰ سے نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے کہ میرا بندہ ہو کر میرے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتا۔ ایک مشہور عربی شاعر عبید ابن ابرص کہتا ہے

مَنْ یَّسْئَلِ النَّاسَ یُحْرِمُوْہُ
وَسَائِلُ اللّٰہِ لَا یَخِیْبُ

جو لوگوں سے مانگتا ہے تو لوگ اس کو محروم رکھتے ہیں اور جو اللہ سے طلب کرتا ہے وہ کبھی محروم نہیں رہتا۔ حضور علیہ السلام کے زمانے کے ایک عیسائی

---

[1] ابن ماجہ ص (فیاض)

شاعر نے اپنے ممدوح لوگوں کے بارے میں کہا ۔

سَأَلْنَا فَأَعْطَيْتُمْ وَعُدْنَا فَعُدْتُمْ
وَمَنْ أَكْثَرَ التَّسْآلَ يَوْمًا سَحَرَمُ

ہم نے ایک دفعہ مانگا، تم نے دے دیا۔ ہم نے پھر طلب کیا تم نے پھر دے دیا۔ اور جو زیادہ مانگے گا لوگ تنگ آکر اس کو محروم کر دیں گے مگر خدا تعالیٰ سے جس قدر زیادہ مانگا جائے وہ خوش ہوتا ہے۔ اور جو نہیں مانگتا اس پہ ناراض ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ اللہ سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں رہتا۔ لہٰذا اسی سے مانگنا چاہیئے اور غیروں کی طرف سوالیہ نگاہوں سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔

ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ کہ اگر چاہے تو تم سب کو صفحہ ہستی سے لے جائے اور تمہاری جگہ دوسری مخلوق کو لے آئے۔ ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ اللہ نے بعض اقوام کو صفحہ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔ قوم عاد و ثمود کی تباہی کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے۔ اللہ نے قوم عاد کے متعلق سورۃ الحاقہ میں فرمایا کہ ان ظالموں پر سات رات اور آٹھ دن تک سخت تند ہوا چلی تو وہ تباہ ہو گئے اور ان کی لاشیں کھجور کے تنوں کی طرح پڑی تھیں فَهَلْ تَرَىٰ لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ (آیت - ۸) اب دیکھو کیا ان کا ایک فرد بھی نظر آرہا ہے؟ سب ختم ہو گئے فرمایا وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ایک قوم کو نابود کرنا اور دوسری قوم کو لے آنا اللہ کے لیے کچھ دشوار نہیں ہے انسانوں کے کام میں تو رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے، ان کے وسائل میں کمی آڑے آسکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ تو قادر مطلق اور تمام قوتوں کا سر چشمہ ہے، اس کا کوئی کام نہیں رکتا۔ وہ جب کسی کام

کا ارادہ کرتا ہے تو پھر اُس کے راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔

محاسبہ اعمال کا فکر

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت اور محاسبہ اعمال کا احساس دلایا ہے کہ محض دنیا کی رنگ رلیوں میں ہی الجھ کر نہ رہ جاؤ بلکہ آخرت کا بھی کچھ خیال کرو ہر شخص سے اُس کے عمل کے بارے میں سوال ہوگا، ایمان، عقیدے، اخلاق اور فکر کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اُس وقت ہر شخص کو اپنے عقیدے اور عمل کی خود جوابدہی کرنا ہوگی اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائیگا۔ اسی لیے فرمایا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا اور اگر کوئی بوجھل کسی کو بوجھ اٹھانے کے لیے بلائے گا کہ ذرا میری مدد کرو لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ تو اس میں سے کوئی چیز بھی نہیں اٹھائی جاسکے گی اور مدد طلب کرنے والے کو مایوسی ہوگی۔ روایات میں آتا ہے کہ ہر خاوند اور بیوی اپنے اپنے بوجھ کی فکر میں ہوں گے۔ خاوند اپنی بیوی سے کہے گا کہ دیکھ! میں نے دنیا میں تیرے ساتھ کتنا اچھا سلوک کیا، تمہاری تمام فرمائشیں پوری کیں اور تمھیں کسی چیز کی کمی نہیں آنے دی، اب اپنی نیکیوں میں سے ایک نیکی مجھے دیدو۔ وہ کہے گی کہ میں تو خود اس معاملہ میں فکر مند ہوں، تجھے کہاں سے دے دوں؟ پتہ نہیں میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے؟ اسی طرح ماں اپنے بیٹے سے کہے گی، بیٹا! میرا پیٹ تیرے لیے ظرف تھا جس میں میں تجھے نو ماہ تک اٹھائے پھری۔ پھر میری چھاتی تیرے لیے مشکیزہ بنی ہوئی تھی تم جب چاہتے تھے سیراب ہوتے تھے، میری گود تیری لیے بطور گہوارہ تھی۔ جس میں تم آرام کرتے تھے۔ اب میری مدد کرو اور ایک نیکی مجھے دیدو۔ بیٹا ماں کے تمام احسانات کو تسلیم کرے گا مگر کہے گا کہ میں تو نیکیوں کے معاملہ میں خود پریشان ہوں نامعلوم میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے لہٰذا میں خود مجبور ہوں غرضیکہ قریبی عزیز بھی ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جائیں گے اور کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ ایک دوسرے سے بھاگیں گے کہ کہیں کوئی دوسرا نیکی نہ طلب

کرے۔ قرآن پاک نے اس صورت حال کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ قیامت والے دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا، اپنی ماں اور باپ سے بھاگے گا، اپنی بیوی اور بیٹے سے راہ فرار اختیار کرے گا۔ اس دن ہر شخص ایک ہی فکر میں مبتلا ہوگا۔ اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى اگرچہ وہ قرابتدار ہی کیوں نہ ہو۔ ہر ایک کو اپنے اعمال کا خود محاسبہ کرنا ہوگا۔

ایمان بالغیب

آگے نبی علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے کہ لوگ توحید کا انکار کرتے ہیں۔ شرک، کفر اور معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں اضد اور تعصب کی بنا پر سمجھانے سے سمجھتے بھی نہیں بلکہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آپ دل برداشتہ نہ ہوں کیونکہ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ آپ ان لوگوں کو ڈر سناتے ہیں جو بغیر دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا کوئی رب ہے جو ہم سے ضرور باز پرس کرے گا۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر ہم اللہ اور اس کے نبی کی بات کو نہیں مانیں گے، کلام الٰہی پر یقین نہیں کریں گے تو ہمارا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ دنیا کا نظام تو ایسا ہی ہے کسی نے اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا، نہ ملائکہ کو دیکھا ہے اور نہ جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے تو نبی علیہ السلام پر نزول وحی کا مشاہدہ کیا۔ مگر باقی سب لوگ تو ان تمام چیزوں پر ایمان بالغیب ہی رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ کی ذات وحدہٗ لا شریک ہے، اس کے انبیاء برحق ہیں اس کی کتابیں سچی ہیں اور پھر محاسبہ اعمال کا وقت آنے والا ہے تو فرمایا کہ آپ تو انہی کو ڈرا سکتے ہیں جو ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔

نماز اور تزکیہ

فرمایا محاسبہ اعمال سے ڈرنے والوں کی دوسری صفت یہ ہے وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں جو کہ ایمان کے بعد سب سے ضروری عبادت اور تمام عبادات میں سب سے زیادہ مقرب الی اللہ ہے قیامت والے دن سب

سے پہلے نماز ہی کے متعلق سوال ہوگا کہ اسے ادا کیا تھا یا نہیں۔ نیز فرمایا کہ ایمان لانے اور اعمال صالحہ انجام دینے کے بعد وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ جو شخص تزکیہ حاصل کر لے گا یعنی اپنے آپ کو پاک بنا لے گا تو یہ اس کے اپنے نفس کے لیے ہی مفید ہوگا۔ شاہ عبدالعزیزؒ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں[1] کہ تزکیہ سے مراد ظاہر باطن ہر طرح کی پاکیزگی شامل ہے۔ جسم، لباس، مکان اور ماحول کی پاکیزگی کے علاوہ فکر، ذہن، قلب، دماغ اور روح کی پاکیزگی بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص بظاہر پاک صاف ہے مگر اس کی خوراک اور لباس مال حرام سے ہے تو آدمی نجس ہے۔ ایسے شخص کی عبادت مقبول نہیں۔ دھوکہ، فریب، سود، چوری اور سمگلنگ کی کمائی پاکیزہ نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مکمل تزکیہ حاصل کرتا ہے تو اپنے ہی لیے حاصل کرتا ہے۔ اس کا فائدہ خود اسی کو ہوگا۔ خدا تعالیٰ کو ہماری عبادت و ریاضت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہم اللہ کی خوشنودی کے لیے کام کریں گے تو اس میں ہمارا اپنا ہی بھلا ہے، ہمیں ترقی نصیب ہوگی۔ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور خدا کی رحمت کے مقام میں جگہ ملے گی۔

غرضیکہ ہمیں اپنے آپ کو، اپنی فکر کو، اپنے ماحول کو، شہر اور ملک کو، مسجدوں اور مدرسوں کو پاک کرنا ہوگا۔ مسجدوں میں شور و شر کرنا، بیہودہ غزلیں پڑھنا، لڑائی جھگڑا کرنا، دوسروں پر کیچڑ اچھالنا، کسی پر اتہام لگانا یہ سب تزکیہ کے خلاف چیزیں ہیں۔ ہماری مسجدوں کو ان نجاستوں سے پاک صاف ہونا چاہیئے۔

فرمایا جس نے تزکیہ حاصل کیا تو اپنے ہی فائدے کے لیے۔ یاد رکھو وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ اور سب کو خدا تعالیٰ کی

---

[1] تفسیر عزیزی ص (فیاض)

طرف ہی لوٹ کر جانا ہے اور اپنی کارگزاری کا خود جواب دینا ہے، اگر اس دنیا سے تزکیہ لے کر جاؤ گے تو انجام اچھا ہوگا، اور اگر نجاست سے آلودہ ہو کر جاؤ گے تو بہت بڑا حشر ہوگا۔ اللہ کے سامنے سب کی پیشی ضروری ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ ۝١٩ وَلَا الظُّلُمٰتُ
وَلَا النُّورُ ۝٢٠ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ۝٢١ وَمَا
يَسْتَوِي الْأَحْيَآءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ
يُسْمِعُ مَن يَشَآءُ ۖ وَمَآ أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن
فِي الْقُبُورِ ۝٢٢ إِنْ أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ ۝٢٣ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ
بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا
خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۝٢٤ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ
كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم
بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيرِ ۝٢٥ ثُمَّ
ع ۳ ۱۲ ۱۵ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝٢٦

ترجمہ :- اور نہیں برابر اندھا اور بینا (۱۹) اور نہ اندھیرے
اور نہ روشنی (۲۰) اور نہ سایہ اور نہ دھوپ (۲۱) اور
نہیں برابر زندہ اور مردہ ۔ بیشک اللہ تعالیٰ سناتا ہے
جس کو چاہے ، اور آپ نہیں سنانے والے اُن کو جو
قبروں میں پڑے ہوئے ہیں (۲۲) نہیں ہیں آپ مگر
ڈر سنانے والے (۲۳) بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ
کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرسنانے والا اور

نہیں گزری کوئی امت مگر یہ کہ ہوا ہے اُن میں ڈر سنانے والا (۲۴) اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں ، پس بے شک جھٹلایا اُن لوگوں نے جو اُن سے پہلے گزرے ہیں ۔ آئے ہیں ان کے پاس اُن کے رسول کھلی نشانیاں ، صحیفے اور روشن کتاب لے کر (۲۵) پھر پکڑا میں نے اُن کو جنہوں نے کفر کیا ۔ پس کس طرح ہوئی میری گرفت (۲۶)

ربطِ آیات

گزشتہ آیات میں مشرکین کا رد تھا ۔ نیز ساری مخلوق کے احتیاج اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا ذکر تھا ۔ اس بنا پر تمام حاجات اللہ وحدہٗ لاشریک سے طلب کرنی چاہئیں اور اُسی کی عبادت کرنی چاہیئے ۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے ، وہ چاہے تو ساری مخلوق کو صفحۂ ہستی سے نابود کر کے اُس کی جگہ دوسری مخلوق کو لے آئے ، لہٰذا ہر انسان کو محاسبہ اعمال کی فکر کرنی چاہیئے ۔ قیامت والے دن کوئی عزیز ترین رشتہ دار بھی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ۔ اللہ نے حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈراتے ہیں ، جو خدا تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں ۔ وہ لوگ نماز پڑھتے ہیں اور ظاہری و باطنی تزکیہ حاصل کرتے ہیں ۔ فرمایا جو کوئی پاکیزگی اختیار کرے گا تو اُس میں خود اُسی کا فائدہ ہے جس کا نتیجہ اللہ کی بارگاہ میں پیشی کے وقت سامنے آئے گا ۔ اس طرح اللہ نے قیامت کا مسئلہ بھی سمجھا دیا ۔

نیک و بد کی مثال

گزشتہ درس میں میٹھے اور کڑوے سمندر کی مثال بیان کی گئی تھی کہ یہ دونوں برابر نہیں مگر مخلوقِ خدا ان سے یکساں طور پر فائدہ اٹھاتی ہے ۔ اب اسی تسلسل میں بعض دوسری مثالیں بیان کی ہیں کہ متضاد چیزیں آپس میں برابر نہیں ہو سکتیں ارشاد ہوتا ہے وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہیں ۔ ہر شخص یہی کہے گا کہ بینا آدمی اندھے سے بہتر ہے ۔ کیونکہ وہ دیکھ کر اچھے اور برے میں تمیز کر سکتا ہے اور نقصان سے بچ کر مختلف چیزوں

سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح فرمایا وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ اندھیرے اور روشنی بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اندھیرے میں انسان ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ جب کہ اجالے میں سارے کام انجام دیتا ہے، لہٰذا ان کو بھی کوئی شخص برابر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ پھر فرمایا وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ سایہ اور دھوپ بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ سائے میں آدمی کام کاج کر سکتا ہے، کچھ دیر کے لیے مسافر آرام کر سکتا ہے۔ جب کہ دھوپ کی شدت میں نہ تو سکون سے کوئی کام ہو سکتا ہے اور نہ ہی آرام کر سکتا ہے۔ یہ بھی متضاد چیزیں ہیں جن میں سے ایک مفید اور دوسری غیر مفید ہے۔ فرمایا وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ زندہ اور مردہ بھی برابر نہیں ہیں۔ زندہ انسان دنیا میں چلتے پھرتے ہیں، کام کاج کرتے ہیں، عبادت کرتے ہیں۔ جب کہ مردہ انسان قبروں میں خاموش پڑے ہیں۔ یہ دونوں گروہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ یہی مثال نیک اور بد یا مومن اور کافر کی ہے، ایک طرف مومن ہے جس کے دل کی آنکھیں اللہ نے روشن کر رکھی ہیں، اس کو بصیرت ہے۔ جس کے ذریعے وہ نیکی اور بدی میں تمیز کر سکتا ہے۔ وہ جس طرح ظاہری روشنی کو دیکھ رہا ہے اسی طرح دل کی بصیرت سے وحی کے اجالے کو بھی دیکھ رہا ہے اور اپنی منزل کو طے کرتے چلا جا رہا ہے ظاہری روشنی آنکھوں کے لیے ضروری ہے۔ جب کہ وحی الٰہی کی روشنی عقل کے لیے لازمی ہے جب تک انسان کو وحی الٰہی کی روشنی میسر نہ ہو۔ وہ اپنی منزل طے نہیں کر سکتا، عقل ایک قیمتی جوہر ہے مگر تمام چیزوں میں وہ بھی خود مکتفی نہیں ہے۔ بلکہ وحی الٰہی کی محتاج ہے۔ جو شخص وحی الٰہی کی روشنی میں آخرت کے سفر پر گامزن ہوتا ہے وہ بالآخر حظیرۃ القدس اور جنت تک پہنچ جاتا ہے، دوسری طرف جو شخص وحی الٰہی کی بصیرت سے محروم ہے۔ اور اس کے دل پر کفر اور شرک اور معاصی کی تاریکیاں چڑھی ہوئی ہیں، وہ خدا کی رحمت کے مقام میں کبھی نہیں پہنچ سکے گا، بلکہ وہ تو جہنم کی آگ میں ہی پہنچے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے شخص کو بھی مُردہ سے تشبیہ دی ہے۔ جس کا دل ذکر الٰہی سے خالی ہے۔ فرمایا مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ اللّٰہَ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُہٗ کَمَثَلِ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ یعنی خدا تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور ذکر نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ زندہ شخص تو نصیحت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، امکان ہے کہ وہ کسی نہ کسی وقت ایمان قبول کر لے مگر مردہ شخص تو دار العمل سے نکل کر دار الجزا میں پہنچ چکا ہے، اب اس کے لیے کوئی نصیحت قطعاً مفید نہیں ہو سکتی۔ وہ نہ تو کسی ایمان کی بات کو سُن سکتا ہے، نہ نیکی کما سکتا ہے اور نہ اُسے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مومن اور کافر بھی ایسے ہی ہیں۔ مومن کی مثال ایک زندہ کی ہے جو نیکی کما رہا ہے اور کافر ایک مردہ ہے جو ایک رائی کے دانے کے برابر بھی نیکی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی ضمن میں فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ بے شک اللہ تعالیٰ سنا دیتا ہے جس کو چاہے وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ اور آپ نہیں سنا سکتے اُن کو جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں مطلب یہ کہ جس طرح آپ قبروں والے مردوں کو نہیں سُنا سکتے یعنی اُن پر آپ کی نصیحت کارگر نہیں ہو سکتی، اسی طرح کفر اور شرک کرنے والوں کے لیے بھی آپ کی کوئی نصیحت فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ اسی بات کو سورۃ القصص میں اس طرح فرمایا اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ جسے آپ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ ہدایت کا نور اُس کو حاصل ہوتا ہے جس کو اللہ چاہے وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (الشوریٰ - ۵۲) آپ تو صرف سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتے ہیں، باقی ہدایت دینا اللہ کا کام ہے یعنی ہر بات اللہ کی حکمت اور ارادے کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر اللہ چاہے گا تو کسی کافر، مشرک کو ہدایت نصیب ہو جائیگی۔ اگر اُس کی مشیت نہیں تو پھر ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔ آپ اپنی مرضی سے قبر والوں یعنی کفار و مشرکین کو سنانا چاہیں تو

ل بخاری ص ۹۴۸ ج ۲

نہیں سنا سکتے۔

سماع موتیٰ کا مسئلہ

سماع موتیٰ سے متعلق اس قسم کی آیت سورۃ نحل، نمل، روم اور آگے سورۃ احقاف میں بھی ہے، یہ تمام آیات بظاہر سماع موتیٰ کے متعلق ہیں مگر دراصل ان سے مردے نہیں بلکہ کافر مراد ہیں۔ یعنی کافروں کی حالت مُردوں جیسی ہے جن پر نصیحت کی کوئی بات کارگر نہیں ہوتی۔ چونکہ ان آیات سے حقیقی مُردوں کے سُننے یا نہ سُننے کی بحث چھیڑ لی جاتی ہے، اس لیے مفسرین کرام نے اس مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سماع موتیٰ کا مسئلہ صحابہ کرامؓ کے زمانے سے لے کر مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ ام المؤمنینؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ سماع موتیٰ سے انکار کرتی ہیں اور جو احادیث سماع کے حق میں آئی ہیں اُن کی تاویل کرتی ہیں۔ بعض دوسرے صحابہؓ بھی ان کے ہم مسلک ہیں، البتہ حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ فی الجملہ مردوں کا سُننا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ جن جن مقامات پر مُردوں کے سُننے کا ذکر آیا ہے صرف انہی مقامات پر سماعت کا عقیدہ رکھیں گے نہ کہ ہر وقت اور ہر مقام پر۔ چنانچہ فقہائے حنفیہ کے امام ابن ہمامؒ لکھتے ہیں۔ کہ مُردے عام طور پر نہیں سنتے البتہ بعض مقامات پر اس اصول سے مستثنیٰ ہیں، وہاں مُردے سنتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اپنی آواز ضرور ہی کسی مردے کو سُنا سکتا ہے تو یہ دعویٰ درست نہیں کیونکہ یہ کام کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ لیکن علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر مردے فی الجملہ نہیں سُنتے تو بڑی مشکلات پیش آتی ہیں۔[۱] امام بخاریؒ نے تو باب باندھ کر سماع موتیٰ کو ثابت کیا ہے۔ باب یہ ہے[۲]

---

۱ روح المعانی ص ۵۵ ج ۲۱ ۲ بخاری ص ۱۷۸ ج ۱ (فیاض)

اَلْمَیِّتُ یَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالٍ یعنی جب لوگ مردے کو دفن کرکے واپس جاتے ہیں تو مُردہ اُن کے جوتوں کی کھٹکھٹاہٹ کی آواز سنتا ہے۔ یہ درجہ اول کی حدیث ہے جس کی کوئی بھی توجیہہ یا تاویل نہیں کر سکتا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مُردوں کے لیے بھی سلام کا وہی طریقہ بتلایا ہے جو زندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے یعنی جب تم قبرستان میں جاؤ تو ان کو یوں سلام کرو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یعنی اے قبروں والو! تم پر سلام ہو۔ اگر یہ سماع فی الجملہ نہ ہو تو یہ کلام ہی بے مقصد ہے۔ محدثین کرام ایسی احادیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتے ہوئے سلام کرتا ہے تو مُردہ اُس سلام کو سُنتا ہے اور جواب بھی دیتا ہے مگر ہم اُس کے جواب کو نہیں سُن سکتے۔ اگر مردہ سلام کرنے والے کو دُنیا میں پہچانتا تھا تو بعد از مرگ بھی پہچانتا ہے۔ محدث ابن عبد البرؒ نے اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

بعض اصحاب نے مذکورہ آیات کو عام معانی میں لیا ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سُنا سکتے۔ اس بناء پر انہوں نے سماعِ موتٰی والی احادیث کی تاویل کی ہے۔ جبکہ بعض نے احادیث کو صحیح مان کر آیات کی تاویل کی ہے تاکہ بات سمجھ میں آجائے امام بیضاویؒ[1] امام قرطبیؒ[2] اور صاحب روح المعانیؒ[3] وغیرہ[4] کہتے ہیں کہ مردوں کے سُننے سے متعلق سُننا مراد نہیں بلکہ ایسا سماع مراد ہے جو مفید ہو۔ آپ قبر پر کھڑے ہو کر دو گھنٹے تک وعظ و نصیحت کریں مگر مُردے کو کچھ فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ عمل کی دنیا سے نکل کر جزا کی دنیا میں پہنچ

---

[1] بیضاوی صـ۲۷۱ ج۲ [2] قرطبی صـ۲۳۰ ج۱۴ [3] روح المعانی ج۲۱ صـ۵۵
[4] البحر المحیط صـ۳۰۹ ج۷ (فیاض)

چنکا ہے بالکل اسی طرح کافر حضور علیہ السلام کی آواز تو سنتے ہیں مگر یہ سماع اُن کے لیے مفید نہیں کیونکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔ گویا ان آیات میں سماعِ نافع کی نفی کی گئی ہے کہ مُردوں کو نصیحت کرنا بیکار ہے، نہ یہ کہ وہ بالکل سُنتے ہی نہیں۔ امام ابن تیمیہؒ جو اِن مسائل میں بڑے شدید ہیں، وہ بھی لکھتے ہیں کہ مردے سلام بھی سنتے ہیں اور قرآن پڑھنے والے کی آواز بھی سنتے ہیں۔

الغرض ان آیات کا یہی مفہوم لینا پڑے گا کہ اگر کوئی شخص چاہے کہ اپنی مرضی سے کسی مُردے کو سُنا دے تو یہ تو ممکن نہیں کیونکہ اس کے لیے مشیتِ خداوندی ضروری ہے۔ اور اگر بلا فائدہ کوئی مردہ سُنتا بھی ہے تو سُنتا رہے، اس سے کیا فرق پڑے گا۔ بعض لوگ سماعِ موتٰی کو اس لیے نہیں مانتے کہ اس سے شرک پیدا ہونے کا خطرہ ہے اگر سماع مانیں گے تو لوگ اُن سے مرادیں مانگنے لگیں گے اس میں شرک کو داخل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ مرادیں مانگنا تو مُردہ چھوڑ زندہ سے بھی جائز نہیں وہ بھی شرک ہے۔ بہرحال سماعِ موتٰی کے مسئلہ میں شروع سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ عام مردوں کے سماع کے سلسلے میں دونوں طرف دلائل موجود ہیں، تاہم مولانا گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ نبیوں کے سماع میں کسی کا اختلاف نہیں۔ جب کوئی شخص حضور علیہ السلام کی قبر مبارک پر جاکر درود و سلام پڑھتا ہے تو آپ اس کو سُنتے ہیں۔ اسی لیے صاحبِ "فتح قدیر" اور بعض دیگر فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص آپ کی قبر پر جاکر درود و سلام پیش کرتا ہے اُسے چاہیئے کہ وہ اپنے حق میں دُعا کی درخواست بھی کرے کہ آپ اللہ کی بارگاہ میں خاتمہ بالایمان کی سفارش فرمادیں۔

اِس زمانے میں بعض اصحاب نے سماعِ موتٰی کا بالکل انکار کیا ہے حالانکہ اہلِ حدیث بزرگ مولانا نذیر حسینؒ بھی فتاوٰی نذیریہ میں لکھتے ہیں کہ اگر حضور علیہ السلام کی قبر پر جاکر درود شریف پڑھا جائے تو آپ سُنتے ہیں تاہم دور سے صلوٰۃ وسلام فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب

جلاءالافہام میں صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور مولانا نانوتویؒ نے بھی یہ بات سمجھائی ہے کہ عام سماع موتیٰ کا مسئلہ اختلافی ہے۔ بعض اس کے قائل ہیں اور بعض قائل نہیں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جسے اب کوئی بھی حل نہیں کر سکتا۔ اس کی حقیقت تو قبر میں پہنچ کر ہی معلوم ہوگی کہ سنائی دیتا ہے یا نہیں۔ بہرحال یہ کوئی اعتقادی مسئلہ نہیں کہ ماننے یا نہ ماننے والے پر کفر یا شرک کا فتویٰ لگا دیا جائے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ عام مردوں کے متعلق بھی عدم سماع کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف بھی دلائل ہیں جنہیں یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ قرآن و حدیث میں سماع اور عدم سماع دونوں کا ذکر ہے لہٰذا جس نے جو بھی پہلو اختیار کیا ہے۔ وہ درست ہے دوسرے فریق کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیئے۔ انبیاء کے سماع کا مسئلہ اتفاقی ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے فتاویٰ رشیدیہ میں تین دفعہ لکھا ہے کہ انبیاء کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں کسی ایک معتبر عالم کا بھی ذکر نہیں ملتا جس نے اختلاف کیا ہو۔

ہر قوم کے لیے منذر

بہرحال فرمایا اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ آپ تو ڈرانے والے ہیں۔ آپ کسی شخص کو اپنے اختیار سے راہ راست پر نہیں لا سکتے۔ البتہ تمام انبیاء علیہم السلام بشیر اور نذیر ہوئے ہیں جو اپنی اپنی قوم کو نیک اعمال کی بشارت اور برے اعمال سے ڈراتے رہے۔ تاریخ میں حضرت علاؤالدولہ سمنانیؒ کا ذکر ملتا ہے۔ انہوں نے یہ بڑا قیمتی فقرہ لکھا ہے کہ تمام انبیاء دنیا میں اس لیے تشریف لائے کہ مخلوق کی آنکھیں اس طور پر کھول دیں کہ ان کو اپنا عیب اور حق تعالیٰ کا کمال نظر آنے لگے۔ اپنی عاجزی اور اللہ کی قدرت نظر آنے لگے، اپنی ظلم و زیادتی اور حق تعالیٰ کا عدل و انصاف نظر آنے لگے، اپنی جہالت اور حق تعالیٰ کا علم نظر آنے لگے، اپنی پستی اور حق تعالیٰ کی عزت نظر آنے لگے۔ اپنی بندگی اور حق تعالیٰ کی مالکیت نظر آنے لگے اپنا فقر اور حق تعالیٰ کا غنا نظر آنے لگے، اپنی کوتاہی اور حق تعالیٰ کی نعمتیں نظر آنے لگیں۔ اپنا فنا ہے اور بقا ہستی صرف خدا تعالیٰ کی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا بیشک

ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اہلِ ایمان کے لیے جنت میں اعلیٰ مقام کی بشارت ہے جب کہ کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے بُرے انجام کی وعید ہے۔ فرمایا وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ہر امت میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا گزرا ہے کوئی ایسی امت نہیں جس میں اللہ کے صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت نبی یا اُن کے نائب نہ آئے ہوں۔ نبیوں کے بعد اُن کی اُمت کے مبلغین ہی انذار کرنے والے ہوتے ہیں اور یہ تسلسل کے ساتھ ہر قوم و ملک میں آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے۔

فرمایا وَإِن يُكَذِّبُوكَ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو گھبرائیں نہیں یہ تو ان کی پرانی ریت ہے۔ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے اپنے نبیوں کو جھٹلایا۔ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ان کے رسول اُن کے پاس کھلی اور واضح نشانیاں احکام اور دلائل لے کر آئے۔ وَبِالزُّبُرِ وہ اپنے ساتھ صحیفے بھی لائے: اللہ نے بہت سے انبیاء علیہم السلام پر صحیفے بھی نازل فرمائے وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ اور وہ روشن کتابیں بھی لائے۔ چار آسمانی کتابیں، زبور، تورات، انجیل اور قرآن ہیں۔ ان کے علاوہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ایک سو چھوٹے موٹے صحیفے بھی نازل فرمائے۔ جب اللہ نے انبیاء اور کتب کے ذریعے حجت پوری کر لی، اور جو پھر بھی نہ مانے تو فرمایا ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا پھر میں نے کفر کرنے والوں کو پکڑ لیا۔ پہلے انذار کیا، مہلت دی مگر جب وہ کسی طرح نہ مانے تو میری گرفت آئی فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ پھر دیکھو میری گرفت کیسی ہوئی۔ جب حق تعالیٰ کی طرف سے عذاب آیا تو پھر نافرمان قوم کا فردِ واحد بھی نہ بچ سکا۔ سب دنیا سے ناپید ہو گئے۔ فرمایا دیکھو ایسے لوگوں کا کیا حال ہوا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا
بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ
بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ
سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ
مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ
عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ
وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً
يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ
اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ
غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ
مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾

ترجمہ :- کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالےٰ
نے اتارا آسمان کی طرف سے پانی ۔ پھر نکالے ہم نے اس کے
ساتھ پھل مختلف رنگوں کے ۔ اور پہاڑوں میں سے بعض

گھاٹیاں سفید ہیں اور سُرخ - اُن کے مختلف رنگ ہیں اور
کچھ انتہائی درجے کی سیاہ ہیں ﴿۲۷﴾ اور لوگوں ، کیڑوں
مکوڑوں اور مویشیوں میں سے جن کے مختلف رنگ ہیں
اسی طرح - بیشک ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے اُس
کے بندوں میں سے علم والے لوگ - بیشک اللہ تعالیٰ
غالب اور بخشش کرنے والا ہے ﴿۲۸﴾ تحقیق وہ لوگ جو
پڑھتے ہیں اللہ کی کتاب اور قائم رکھتے ہیں نماز کو ، اور
خرچ کرتے ہیں اُس میں سے جو ہم نے اُن کو روزی
دی ہے پوشیدہ اور ظاہر - وہ اُمید رکھتے ہیں ایسی
تجارت کی جو کبھی تباہ نہیں ہو گی ﴿۲۹﴾ تاکہ وہ بدلہ دے
اُن کو اُن کا پورا پورا - اور زیادہ دے گا اُن کو اپنے
فضل سے - بیشک وہ بہت بخشش کرنے والا اور
قدردان ہے ﴿۳۰﴾ اور وہ جو ہم نے وحی نازل کی ہے
آپ کی طرف کتاب سے ، یہ برحق ہے تصدیق کرنے
والی ہے جو اس سے پہلے (کتابیں) ہیں - بیشک اللہ تعالیٰ
اپنے بندوں کے ساتھ البتہ خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا ہے ﴿۳۱﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں انذار کا بیان تھا - اللہ نے اہلِ ایمان اور کفار کی الگ الگ حیثیت کو بیان فرمایا تھا کہ یہ دونوں گروہ برابر نہیں ہو سکتے ، جس طرح اندھا اور بینا ، اندھیرا اور روشنی ، سایہ اور تپش ، زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے اسی طریقے سے کافر ، مشرک ، گمراہ اور ایماندار برابر نہیں ہو سکتے ، اُس کے بعد اللہ نے رسالت و نبوت کے بیان میں فرمایا کہ ہم نے ہر امت میں ڈر سنانے والے بھیجے ہیں ، اور آپ کو بھی ہم نے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے - اگر یہ لوگ انکار کرتے ہیں تو آپ دِل برداشتہ نہ ہوں - یہ تکذیب کوئی نئی بات نہیں ہے

آپ اطمینان رکھیں، پہلے انبیاء علیہم السلام کی بھی تکذیب کی گئی۔ پہلے انبیاء بھی واضح دلائل اور کھلے معجزات لے کر آئے۔ کتابیں اور صحیفے لائے مگر کافروں نے تسلیم نہ کیا۔ پھر اللہ کی ایسی گرفت آئی کہ صفحۂ ہستی سے نابود کر دیے گئے۔

اب آج کی آیات میں بھی دلائل قدرت بیان کر کے توحید کا مسئلہ سمجھایا گیا ہے اگر انسان غور کریں تو توحید خداوندی کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ کی قدرت کے نمونے دیکھ کر انسان کے دل میں یقین پیدا ہوتا ہے۔ انھی آیات میں اللہ نے ایمان لاتے اور سمجھ رکھنے والے لوگوں کی تعریف بھی فرمائی ہے۔ اُن کے اوصاف بیان ہوئے ہیں اور پھر اُن کا انجام بھی ذکر کیا گیا ہے۔

پھلوں اور پہاڑوں کی تخلیق

ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا۔ عربی زبان میں سماء کا اطلاق آسمان کے علاوہ بادل اور فضا پر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سمندروں سے بخارات کو اٹھاتا ہے اور پھر جہاں بارش برسانی مقصود ہوتی ہے ہوائیں انھیں اٹھا کر وہاں لے جاتی ہیں۔ آسمان کا ذکر اس لیے بھی کیا گیا ہے کہ بارش برسانے کا حکم تو اُوپر ہی سے آتا ہے، اللہ کا فرمان ہے وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (الذّٰریٰت۔ ۲۲) تمھارا رزق اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا گیا ہے سب آسمانوں میں ہے یعنی حکم تو وہیں سے آتا ہے۔ فرمایا اللہ نے آسمان کی طرف سے پانی نازل کیا فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا پس اس کے ذریعے پھل پیدا کیے جن کے مختلف رنگ ہیں اللہ نے یہ چیزیں انسانوں کی غذا اور تفریح کے لیے پیدا فرمائی ہیں۔

اب ذرا ان پھلوں کی ساخت، رنگ اور ذائقہ میں غور کریں، ہر ایک کا الگ الگ حجم، الگ الگ رنگ، ذائقہ اور خواص ہیں ہر موسم کے پھل بھی مختلف ہیں جنھیں انسان جانور اور کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں۔ سورۃ الرعد میں اللہ نے زمین کے مختلف خطوں اور مختلف باغات کی طرف توجہ دلا کر

فرمایا ہے۔ يُسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ (آیت ۔ ۴) سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر اس سے پیدا ہونے والے بعض پھلوں کو بعض پر اللہ نے فضیلت بخشی ہے ۔ پانی تو وہی ہے جو بارش کے ذریعے نازل ہوتا ہے ۔ پھر وہ کبھی ندی نالوں اور دریاؤں کی صورت میں بہہ نکلتا ہے کبھی چشموں کی شکل میں زمین کے اندر رک جاتا ہے، اور پھر کنوؤں کے ذریعے نکالا جاتا ہے مگر یہ اللہ کی قدرت کی نشانی ہے کہ ایک ہی پانی حاصل کرنے والے پھلوں میں سے کوئی میٹھا ہے، کوئی کڑوا، کوئی ترش اور کوئی پھیکا ہے ۔ رنگ بھی مختلف ہیں اور سائز میں بھی تفاوت ہے بہر حال اناج اور پھل اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں ۔

پہاڑوں کی گھاٹیاں

فرمایا جس طرح اللہ نے پانی کے ذریعے مختلف پھل پیدا کیے ہیں اسی طرح وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا پہاڑوں کی گھاٹیاں بھی سرخ و سفید ہیں ان کے مختلف رنگ ہیں وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ اور بعض انتہائی سیاہ ہیں ۔ دنیا کے مختلف خطوں میں میں مٹی کا رنگ بھی مختلف ہے اور پہاڑوں کے رنگ بھی مختلف ہیں، کہیں سیاہ پتھر ہیں تو کہیں مٹیالے ۔ کہیں سفید ہیں تو کہیں سرخ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں ۔ ہر چیز کا خالق وہی وحدہٗ لاشریک ہے ۔ انسان ، پھلوں اور پہاڑوں کی تخلیق میں ہی غور کرے تو اسے اللہ کی وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے ۔

جانداروں کی تخلیق

بے جان چیزوں کی تخلیق کے بعد اللہ نے جانداروں کی تخلیق کا ذکر بھی کیا ہے ۔ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ اور لوگوں میں سے اور زمین میں چلنے پھرنے والے کیڑے مکوڑوں میں سے ۔ وَالْاَنْعَامِ اور مویشیوں میں سے ذرا ان تمام جانداروں میں غور کرو مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اسی طرح ان کے بھی مختلف رنگ ہیں ۔ انسان بھی ظاہری شکل و صورت اور رنگت کے اعتبار سے مختلف ہیں، کوئی سیاہی مائل ہے، کوئی گورا چٹا، کوئی زردی مائل، اور کوئی گندمی رنگ والا ۔ قد و قامت کے لحاظ سے بھی کوئی پست قامت ہے ۔

کوئی درمیانہ اور کوئی طویل قامت ہے۔ اسی طرح کوئی موٹا ہے اور کوئی پتلا۔ قوت کے لحاظ سے کوئی بڑا طاقتور اور کوئی کمزور ہے۔ مختلف خطوں کے لوگوں کے خواص بھی مختلف ہوتے ہیں۔ باطنی طور پر بھی لوگوں کے خصائل مختلف ہیں کوئی ایماندار ہیں اور کوئی کافر، مشرک، مجوسی اور دہریے۔ کوئی خوش اخلاق ہیں اور کوئی بد اخلاق لوگوں کے عزائم بھی مختلف ہیں اور سوچ اور فکر بھی مختلف ہوتی ہے گویا انسانوں میں بڑا ہی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہی تفاوت دیگر جانداروں میں بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

در اصل نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مخالفین کی ایذا رسانیوں سے پریشان نہ ہوں۔ دنیا دارالامتحان ہے۔ اس میں لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ جیسے فرمایا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ (ھود۔۱۱۸) اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر انسان برابر اختلاف کرتے رہیں گے۔ سورۃ النحل میں فرمایا وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (آیت۔۹) اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پہ جمع کر دیتا مگر وہ کسی پر جبر نہیں کرتا۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکھف ۲۹) جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے، اللہ نے دونوں کا انجام واضح کر دیا ہے۔ اگر ایمان لائے گا تو خطیرۃ القدس جیسے پاک مقام کی رکنیت حاصل ہو جائے گی اور بالآخر اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچ جائے گا۔ اور اگر کفر و شرک کے راستے پر چل نکلا تو آگ کی قناتوں والی جہنم میں جانا پڑے گا۔ بہرحال ان اختلافات کو سامنے رکھ کر تسلی دی گئی ہے کہ اہل ایمان غمگین نہ ہوں۔

اہل علم کی تعریف

فرمایا اللہ کی مختلف قسم کی تخلیق میں اختلاف تو موجود ہے لیکن اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا بے شک اللہ کے بندوں میں سے

اہلِ علم ہی ڈرتے ہیں، جن لوگوں میں علم اور سمجھ کی کمی ہوتی ہے اُن میں خوفِ خدا کا بھی فقدان ہوتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے وہی لوگ ہیں، جو اللہ کی عظمت و جلال کو پیشِ نظر رکھتے ہیں، خدا کی توحید اور صفات کو سمجھتے ہیں اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھتے ہیں، شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں[1] کہ اللہ سے ڈرنے والے سارے لوگ نہیں ہوتے بلکہ یہ تو سمجھ رکھنے والوں کی صفت ہے۔

اللہ کے عالم بندوں کی شناخت کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عالم باللہ من اللہ کا وہ بندہ ہے جو خدائے رحمان کو جاننے والا ہے لَمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا جس نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو۔ یعنی مشرک آدمی عالم کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ عالم آدمی وہ ہے أَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ جس نے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھا، وَحَفِظَ وَصِيَّتَهُ اور اس کی وصیت کی حفاظت کی وَأَيْقَنَ أَنَّهُ مُلَاقِيهِ وَهُوَ حَاسِبُهُ اور یقین رکھا کہ ایک دن اُس سے ملاقات ہونے والی ہے اور وہ ضرور حساب لے گا۔

امام حسن بصریؒ عالم کی تعریف میں فرماتے ہیں اَلْعَالِمُ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ عالم شخص وہ ہے جو بن دیکھے خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے ایسا شخص اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر ہی اپنے دل میں خوف رکھتا ہے جس چیز کی اللہ نے ترغیب دی ہے، وہ بھی اُس کی ترغیب دیتا ہے، اور جس چیز سے اللہ نے منع کیا ہے، وہ بھی اس سے منع کرتا ہے، اور جس چیز میں خدا کی ناراضگی ہے اُس سے خود بھی بچتا ہے اور دوسروں کو بھی بچاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے علم کی تعریف اس طرح منقول ہے۔

لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ الْحَدِيْثِ
وَلٰكِنَّ الْعِلْمَ عَنْ كَثْرَةِ الْخَشْيَةِ

---

[1] موضح القرآن صـــــ (فیاض)

زیادہ روایات یاد ہونا علم کی علامت نہیں بلکہ خوفِ خدا کی زیادتی علم کی نشانی ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے منقول ہے مَنْ لَّا خَشْيَةَ لَهٗ لَيْسَ بِعَالِمٍ جس میں خشیت نہیں وہ عالم نہیں۔ صاحب روح المعانی[1] فرماتے ہیں کہ علما حقیقت میں وہ ہیں جو اللہ کی ذات اور اس کی صفاتِ جلیلہ کو جانتے ہیں، جو خدا کے افعالِ حمیدہ کا علم رکھتے ہیں اور اس کی تمام شیون جمیلہ کو بھی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح امام مالکؒ نے بھی فرمایا ہے کہ عالم وہ نہیں ہے جس کو زیادہ روایتیں یاد ہوں بلکہ عالم وہ ہے جس کا دل اللہ کی عطا کردہ روشنی سے روشن ہے، خدا کی معرفت حاصل ہے اور اس کی ذات و صفات کو جانتا اور پہچانتا ہے۔ مفسر قرطبیؒ[2] نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی فقیہ ہے حالانکہ فقیہ کامل تو وہ شخص ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں کرتا اور کسی کو خدا کی معاصی کی اجازت نہیں دیتا اور لوگوں کو عذابِ الٰہی سے بے فکر نہیں کرتا۔ عالم آدمی قرآن سے اعراض نہیں کرتا۔ نیز فرماتے ہیں لَا خَيْرَ فِي عِبَادَةٍ لَا عِلْمَ فِيهَا اُس عبادت میں کوئی بہتری نہیں جس میں علم کا دخل نہیں۔ گویا عبادت علم کے ساتھ خوب سوچ سمجھ کر کی جائے تو مفید ہوگی، ورنہ نہیں۔

خواجہ علی ہجویریؒ کا مقولہ بھی ہے اَلْمُتَعَبِّدُ بِلَا عِلْمٍ كَالْحِمَارِ فِي طَاحُوْنَةٍ بغیر علم کے عبادت کرنے والا خراس کے گدھے کی طرح ہے وہ جانتا ہی نہیں کہ کیوں چکر کاٹ رہا ہے، اسی طرح بے علم کی حالت ہے بغیر سمجھ کے علم درست نہیں اور سمجھ میں ضروری چیز ایمان ہے۔ جس کے بغیر کوئی عبادت قابلِ قبول نہیں۔ خدا کی توحید، اُس کی صفات، عالمِ برزخ اور آخرت کی منازل وغیرہ سب ضروری چیزیں ہیں جن کے متعلق عالم کو علم ہونا چاہیے۔ اسی طرح فقیہ

---

[1] روح المعانی ص ۔ والبحر المحیط ج ۷ ص ۳۱۲ [2] قرطبی ج ۱۴ ص ۳۴۴ (فیاض)

بھی وہی ہوگا جو سمجھ اور فقاہت رکھنے والا ہوگا، حضرت علیؓ کا مقولہ ہے لَا قِرَاءَۃَ لَا تَدَبُّرَ فِیْھَا قرآن کی جس تلاوت میں تدبر نہیں ہے اس کی کوئی خاص فوقیت نہیں کیونکہ قرآن کی آیات میں غور و فکر اور تدبر ضروری ہے۔ اللہ نے شکوہ کیا ہے

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا (محمد ۲۴)

لوگ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں؟

پرویز جیسے بعض گمراہ لوگوں نے اس آیت کا غلط معنیٰ کیا ہے۔ اس نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ عالم سے مراد سائنسدان ہیں۔ یہ تو صریحاً قرآن پاک کی تحریف ہے اس شخص نے اپنے آپ کو مفکر قرآن کے نام سے مشہور کرایا۔ رسالہ "طلوع اسلام" جاری کیا مگر گمراہ ہو گیا۔ اس نے خود ساختہ لغت بھی جاری کیا۔ اس نے نہ صرف عالم کا معنیٰ غلط کیا بلکہ سورۃ نمل میں جہاں وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ (آیت ۲۰) کا ذکر آیا ہے۔ وہاں اس نے طیر کا معنیٰ پرندہ نہیں بلکہ جنگلی آدمی کیا ہے۔ اللہ کا معنیٰ قانون کیا ہے، اور حورعین سے پاکیزہ فکر مراد لی ہے۔ اس نے ابل کا معنیٰ اونٹ کی بجائے بادل بھی کیا ہے۔ اسی طرح اس نے علماء سے مراد سائنسدان لیا ہے۔ اگرچہ سائنس بھی ایک علم یا فن کا شعبہ ہے جس کے ذریعے تجربات حاصل کیے جاتے ہیں اور فزکس، کیمسٹری، باٹنی، فلکیات، وغیرہ اس کی بہت سی شاخیں ہیں مگر عالم سے مراد محض سائنس دان لینا تو بالکل ہی غلط ہے۔ سائنس دان تو مومن، کافر، دہریے سبھی ہیں مگر وہ عالم نہیں کہلا سکتے۔ عالم بندہ سے قرآن کی مراد ایسا شخص ہے جسے اللہ کی توحید، اس کی صفات، ذات، احکام اور آخرت کا علم حاصل ہے اور اس علم کے مطابق وہ عامل بھی ہے۔ عالم کے لیے تو عقیدے کی درستگی ضروری ہے جو غیر مسلموں میں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا وہ عالم کہلانے کے حقدار نہیں ہو سکتے۔

فرمایا اللہ کے بندوں میں سے اہل علم ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے کہ جب وہ کسی

سرکش کو پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔ وہ غفور بھی ہے کہ توبہ کرنے پر گنہگاروں کو معاف بھی کر دیتا ہے۔

نفع بخش تجارت

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وہ لوگ جو کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اور نماز قائم کرتے ہیں۔ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً اور جو کچھ ہم نے اُن کو روزی دی ہے۔ اُس میں سے مخفی اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔ کبھی پوشیدہ طور پر خرچ کرنا بہتر ہوتا ہے اور کبھی ظاہر کر کے خرچ کرنا ضروری ہوتا ہے فرمایا۔ ایسے لوگ، يَرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ایسی تجارت کی اُمید رکھتے ہیں۔ جو کبھی برباد نہیں ہو گی، گویا کہ نفع بخش تجارت کے تاجر ہیں۔ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ تاکہ وہ بدلہ دے اُن کو پورا پورا۔ اللہ تعالیٰ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ وہ مذکور بندوں کو اُن کے عقاید و اعمال کا پورا اجر دے گا۔ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بلکہ اپنی مہربانی سے اُن کے استحقاق کی نسبت زیادہ انعام و اکرام بھی دے گا جس کی کوئی حد نہیں، کیونکہ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ اُس خدا کی یہ شان ہے کہ وہ غلطیوں، کوتاہیوں کو معاف کرنے والا بھی ہے اور معمولی سے معمولی کارِ خیر کا قدر دان بھی ہے۔ وہ کسی کی محنت و کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔

امام بزدوی رحؒ کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے ایک شاگرد نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ اور فرمایا کہ اے فلاں! کیا تمہیں پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں عورت کو بخش دیا ہے۔ شاگرد نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا، وہ عورت نماز نہیں پڑھتی تھی، البتہ جب اذان ہوتی تو اس کا جواب بڑے احترام سے دیتی تھی۔ خدا نے اس کا یہی عمل قبول کر لیا ہے۔ حدیث کا مضمون بھی ہے کہ کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی حقیر نہ سمجھو، شاید اللہ کے نزدیک وہی قابلِ قبول ہو اور تمہارے لیے نجات کا باعث بن جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان فرائض سے غافل ہو کر محض چھوٹے چھوٹے کاموں کے پیچھے لگ جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ کی

غفوریت اور قدر دانی کا یہ عالم ہے کہ وہ چھوٹے سے عمل کا بہانہ بنا کر بھی بخش دینے پر قدرت رکھتا ہے۔

(قرآن کی حقانیت) آگے قرآن پاک کی حقانیت کا ذکر کیا ہے وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ ھُوَ الْحَقُّ اور ہم نے آپ کی طرف کتاب میں سے جو وحی کی ہے وہ یہ حق ہے یعنی اللہ نے قرآن کی حقانیت و صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہ یہ کتاب مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اُن میں پیدا کی گئی خرابیوں کی بھی نشاندھی کرتی ہے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ بِعِبَادِہٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھتا ہے اور ہر شخص کا عقیدہ اور عمل اُس کی نگاہ میں ہے۔ وہ ہر ایک کو پورا پورا بدلہ دے گا۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ
فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ
وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ
هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا
يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ
وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ
شَكُوْرُ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ
فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا
فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ
لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ
مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾
وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا
نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ
نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ

الذِيْنَ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾ ع ۱۶

ترجمہ:- پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ان لوگوں
کو جنہیں ہم نے منتخب کیا اپنے بندوں میں سے، پس
بعض ان میں زیادتی کرنے والے ہیں اپنی جان پر، اور
اُن میں سے بعض میانہ رو ہیں، اور بعض اُن میں سے
سبقت کرنے والے ہیں بھلائیوں کے ساتھ اللہ کے حکم
سے۔ یہ بڑی فضیلت کی بات ہے ﴿۳۲﴾ باغات رہنے کے
داخل ہوں گے اُن میں، پہنائے جائیں گے ان کو کنگن
سونے کے اور ہار موتیوں کے، اور لباس ان کا ریشم کا
ہوگا ﴿۳۳﴾ اور وہ کہیں گے، سب تعریف اللہ تعالٰے
کے لیے ہے جس نے دور کر دیا ہم سے غم۔
بیشک ہمارا پروردگار بہت بخشش کرنے والا اور
قدردان ہے ﴿۳۴﴾ وہ جس نے اتارا ہے ہمیں ٹھہرنے
کی جگہ میں اپنے فضل سے، نہیں پہنچتی اس میں ہم
کو کوئی مشقت، اور نہیں پہنچتی اس میں ہم کو کوئی تھکاوٹ ﴿۳۵﴾
اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا، اُن کے لیے جہنم
کی آگ ہے۔ نہ فیصلہ کیا جائے گا اُن پر کہ وہ مر جائیں
اور نہ تخفیف کی جائے گی ان سے اُس (دوزخ) کے
عذاب سے۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر ناشکر گزار
کو ﴿۳۶﴾ اور وہ چلائیں گے اُس کے اندر اور کہیں گے
اے ہمارے پروردگار! نکال دے ہم کو کہ ہم عمل کریں
اچھا سوائے اس کے جو ہم پہلے عمل کیا کرتے تھے۔ (اللہ
فرمائے گا) کیا ہم نے تمھیں عمر نہیں دی تھی کہ نصیحت

پکڑے اس کے اندر جو نصیحت پکڑنا چاہتا ہے۔ اور آیا
تمھارے پاس ڈر سنانے والا۔ اب چکھو، پس نہیں ہے
ظالموں کے لیے کوئی مددگار ۳۷

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی مختلف اقسام کو توحید کے دلائل کے طور پر پیش کیا۔ پھر فرمایا کہ خشیتِ الٰہی علم اور سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد اللہ نے اہلِ ایمان کی بعض صفات بیان فرمائیں کہ وہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ روزی میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ نفع بخش تجارت کرتے ہیں۔ پھر قرآن کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ یہ برحق ہے، پہلی کتابوں کی مصدق ہے اور انسانوں کی ہدایت کے لیے اس کتاب میں بڑا سامان ہے اخدا تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہے۔

وراثتِ کتاب

کتابیں اور صحیفے پہلے نبیوں پر بھی نازل ہوئے اور پھر آخر میں اللہ نے قرآن پاک جیسی عظیم المرتبت کتاب نازل فرمائی جس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ج

پھر ہم نے اس کتاب یعنی قرآن کا وارث اُن کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب فرمایا۔ اللہ نے اس آخری امت کو تمام سابقہ امم پر فضیلت بخشی اور اس کو آخری کتاب کا وارث بنایا۔ اس کتاب کی نشر و اشاعت، تعلیم اور اس پر عمل کرنا اسی امت کی ذمہ داری ٹھہری۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اہلِ کتاب کو تورات کا وارث بنایا مگر انھوں نے یہ امانت پورے طریقے سے ادا نہ کی۔ جس کی وجہ سے کتاب میں تغیر و تبدل پیدا ہوا اور اب یہ اس آخری امت کی آزمائش ہے کہ وہ اس امانت کا بار احسن طریقے سے اٹھائیں۔

فرمایا جس طرح اللہ کی تخلیق مختلف ہے، انسان، جانور، کیڑے مکوڑے،

پھل، اناج، پہاڑوں وغیرہ ہیں بے شمار اقسام پائی جاتی ہیں۔ اور کوئی ایک مخلوق بھی آپس میں یکساں نہیں ہے، اسی طرح وارثانِ کتاب یعنی آخری امت کے لوگ بھی ایک جیسے نہیں ہیں۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ اُن میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنے نفس پر زیادتی کی۔ اگرچہ بحیثیت مجموعی وہ منتخب بندوں میں سے ہیں مگر معاصی میں بھی ملوث ہیں حتیٰ کہ کبائر سے بھی پرہیز نہیں کرتے مطلب یہ کہ ایمان لانے کے باوجود گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ اُن کی اپنی ہی جانوں پر زیادتی ہے۔

وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ اور اُن میں سے بعض میانہ رَو ہیں کبھی گناہ کا ارتکاب بھی کر لیا اور کبھی چھوڑ بھی دیا اور اُس کی تلافی کر لی۔ ساتھ ساتھ نیکی کے کام بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ اگرچہ وہ زیادہ متقی تو نہیں لیکن گناہوں میں بھی زیادہ انہماک نہیں رکھتے بلکہ درمیانی چال چلتے رہتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ اور اُن میں سے بعض وہ بھی ہیں جو اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت حاصل کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی توفیق سے نیکیوں کو سمیٹتے ہیں اور اس میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کی ادائیگی کی کوشش کرتے ہیں اور صغیرہ کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔ یہ نیکیوں میں سبقت کرنے والے لوگ ہیں۔ انہی کے متعلق فرمایا ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے جو ان لوگوں پر ہو رہا ہے

اہلِ جنت کے لیے انعامات

ایسے لوگوں کی جزا کے متعلق فرمایا جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا رہنے کے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے۔ یعنی وہ لوگ بہشت میں داخل ہوں گے يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا جہاں انہیں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔ دنیا میں تو اللہ نے مردوں کے لیے سونا اور ریشم حرام قرار دیا ہے مگر جب یہ جنت میں پہنچیں گے تو وہاں

انہیں یہ چیزیں یہاں میسر آئیں گی۔ جنت میں اہل جنت جس قسم کے سنہری زیورات اور موتیوں کے ہار اور جس قسم کے ریشم کا لباس پسند کریں گی ان کی خواہش کے مطابق مہیا کیا جائے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں گروہ یعنی اپنی جان پر ظلم کرنے والے میانہ روی اختیار کرنے والے اور نیکیوں میں سبقت حاصل کرنے والے اہل ایمان ہی کے گروہ ہیں اور یہ سب کے سب اللہ کی رحمت کے مقام میں داخل ہوں گے ہاں یہ بات ہے کہ ظالموں کو اپنی زیادتیوں کا بھگتان کرنا ہوگا اور سزا بھگت کر وہ بھی بالآخر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے کہ اس امت کے گنہگار لوگوں کو معافی ضرور مل جائے گی، کسی کی سفارش ہو گی۔ اور کسی کے حق میں اللہ تعالیٰ خود مہربانی فرما دیں گے۔

جب یہ لوگ بہشتوں میں داخل ہو جائیں گے وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ تو یوں کہیں گے، سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے آج ہم سے غم کو دُور کر دیا۔ دنیا میں تو ہم طرح طرح کے غم و آلام میں مبتلا تھے کئی قسم کی تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا تھا، مگر اب سارے غم دور ہو گئے اور تمام تکالیف مٹ چکی ہیں۔ اللہ نے ہماری معمولی سی اطاعت کی بڑی قدر کی ہے اور اپنی بخشش سے نوازا ہے۔ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ بیشک ہمارا پروردگار بہت بخشش کرنیوالا اور قدردان ہے اَلَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ وہی جس نے اپنے فضل سے ہمیں اقامت کے گھر یعنی ٹھہرنے کی جگہ میں اتارا ہے۔ اقامت کے گھر سے مراد اللہ تعالیٰ کا بہشت ہے جو انسان کا دائمی مقام ہے۔ اس سے پہلے تو انسان مختلف مقامات پر عارضی طور پر قیام پذیر ہوتا ہے، کبھی عالم ارواح میں کبھی باپ کی پشت میں، کبھی ماں کے شکم میں، کبھی اس دنیا میں، کبھی برزخ میں اور کبھی حشر کے میدان میں۔ انسان کا آخری اور دائمی مقام تو جنت ہی ہے

لے

جس کے بعد کسی دوسری جگہ نہیں جائے گا۔ تو جنتی لوگ اللہ کی تعریف بیان کریں گے جس نے انہیں اس آخری مقام میں ٹھکانا دیا۔ اور یہ ایسا عمدہ ٹھکانا ہے لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ جس میں ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں پہنچتی وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ اور نہ کوئی مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے۔

جنتی لوگ اُن سہولتوں کا ذکر کریں گے جو انہیں جنت میں پہنچ کر حاصل ہوں گی، دراصل نصب اور لغوب دونوں ہم معنی الفاظ ہیں اور معنی تھکاوٹ ہی ہے۔ البتہ بعض فرماتے ہیں کہ نصب اس تھکاوٹ کو کہتے ہیں جو کسی کو کام کاج کے دوران ہوجاتی ہے اور لغوب وہ تھکاوٹ ہے جو کام کرنے کے بعد لاحق ہوتی ہے۔ بہشت میں پہنچ کر تو کوئی کام ہی نہیں کرنا پڑے گا، نہ مشقت اٹھانی پڑے گی لہٰذا کسی قسم کی تھکاوٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بعض حضرات نصب کا معنی جسمانی تھکاوٹ اور لغوب کا معنی نفسانی تھکاوٹ بھی کرتے ہیں مطلب یہی ہے کہ وہاں پہنچ کر کسی قسم کی تھکاوٹ نہیں ہوگی۔ جنتی لوگ نہایت آرام و سکون کی زندگی بسر کریں گے۔

اہلِ جہنم کے لیے سزا

آگے اللہ نے کفار کی تعذیبات کا ذکر بھی کیا ہے۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ اور جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا، اُن کے لیے جہنم کی آگ ہوگی لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا اُن کے متعلق موت کا فیصلہ کبھی نہیں کیا جائے گا۔ قرآن پاک میں کئی مقامات پر جہنمیوں کی اس حالت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہاں اُن کو نہ موت آئے گی اور نہ زندگی ہوگی، وہ اس قدر کربناک حالت میں ہوں گے۔ سورۃ الاعلیٰ میں ہے کہ دوزخ میں پہنچ کر ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (آیت۔ ۱۳) اسی طرح سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ مجرم کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (آیت ۔۷۴) نہ تو موت وارد ہوگی کہ جہنم کی سزا سے چھٹکارا حاصل ہوجائے

اور نہ راحت حاصل ہوگی۔ جوکہ زندگی کی علامت ہے۔ فرمایا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا اُن کے لیے دوزخ کے عذاب میں کوئی تخفیف بھی نہیں ہوگی بلکہ عذاب مسلسل ہوتا رہے گا۔ فرمایا كَذٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُوْرٍ ہم اسی طرح ناشکر گزار کو بدلہ دیتے ہیں، اُن کی سزا جہنم کا داخلہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ جہنمی لوگ عذاب کی تکلیف سے وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا اس میں چلائیں گے اور بار بار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کریں گے۔ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال لے، اب ہم اچھا عمل کریں گے۔ اس کی بجائے جو پہلی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ کافر لوگ چلا چلا کر ہزار برس تک دوزخ سے نکلنے کی درخواست کریں گے اس کے بعد جواب آئے گا۔ اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (المؤمنون ۱۰۸) تم پر اسی جہنم میں پھٹکار ہو، اب کلام نہ کرو، ہم تمہیں جواب دینے کے لیے بھی تیار نہیں۔ الغرض! جہنم والوں کی چیخ و پکار ہوتی رہے گی مگر اُن کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں ہوگی۔

عمر کا استعمال

بالآخر اللہ تعالیٰ جواب دے گا اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی مَا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ کہ جو اس دوران نصیحت پکڑنا چاہے، پکڑے، تمہیں دنیا میں پورا پورا موقع دیا گیا تھا۔ اللہ نے اپنے پیغمبر اور مبلغین بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں۔ مگر تم نے اس موقع کو ضائع کردیا اور کوئی نصیحت حاصل نہ کی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک[1] ہے کہ میری امت کے لوگوں کی اکثر عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہیں۔ اس سے آگے قلیل آدمی ہی جائیں گے، اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس شخص کو

---

[1] ترمذی ص ۳۳۸ (فیاض)

اللہ تعالیٰ اتنی زندگی عطا کرے، اس کے بعد اُس کا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہوگا اللہ فرمائے گا۔ میں نے تمہیں اتنی لمبی مہلت دی مگر تم پھر بھی ایمان سے محروم رہے، اور نیکی کے کام نہ کر پائے، لہٰذا اب اس کا بدلہ چکھو،

منذرین کی آمد

غرضیکہ اللہ فرمائے گا۔ میں نے تمہیں اتنی عمر دی وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ اور تمہارے پاس ڈر سنانے والے بھی آئے۔ اللہ کے تمام انبیاء نذیر ہوئے ہیں خود حضور علیہ السلام کے متعلق بھی اللہ نے فرمایا فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيرٌ وَّ نَذِيرٌ (المائدہ - ۱۹) تحقیق تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا آ چکا ہے۔ اپنی فکر کر لو، قیامت آنے والی ہے اور محاسبہ اعمال لازمی ہوگا۔ اور پھر جنت یا دوزخ میں دائمی ٹھکانا ہوگا۔ امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ خود حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ بھی نذیر ہے؛ اللہ کے قائم کردہ تمام دلائل توحید بھی نذیر ہیں۔ انبیاء کے وعظ بھی نذیر ہیں۔ انسان کو پیش آنے والے تمام تغیرات، بچپن، جوانی، بڑھاپا، صحت، بیماری، فقر، غنیٰ اور دیگر حوادثاتِ زمانہ سب انسانوں کے لیے بمنزلہ نذیر کے ہیں کہ ان میں غور و فکر کر کے اپنی عاقبت کے لیے بہتر وسائل پیدا کرے۔

ایک روایت[1] میں یہ بھی آتا ہے کہ جب انسان کے جسم میں ایک بال سفید ہو جاتا ہے تو وہ دوسرے بال سے کہتا ہے کہ تیار ہو جاؤ، موت کا وقت قریب آ گیا ہے، گویا بالوں کی سفیدی بھی نذیر ہے۔ کسی شاعر نے بھی کہا ہے ؎

وَقَائِلَةٍ تَخَضَّبْ يَا حَبِيبِي
وَسَوِّدْ شَيْبَ وَجْهِكَ بِالْعَبِيرِ

محبوبہ نے اپنے محبوب سے کہا کہ اے پیارے! اپنے بالوں کو رنگ لو، یعنی اپنے چہرے کے بالوں کو عبیر جیسی اعلیٰ خوشبو کے ساتھ سیاہ کر لو۔ اس پر اُس شخص نے جواب دیا

---

[1] ـــ

قُلْتُ لَهَا الْمَشِيْبُ نَذِيْرُ عُمْرِيْ ؎
وَلَسْتُ مُسَوِّدًا وَجْهَ النَّذِيْرِيْ

بڑھاپا میری زندگی کا نذیر ہے، لہذا میں اس نذیر کے چہرے کو سیاہ کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔

اسی طرح ابن حطان شاعر نے بھی کہا ہے۔

فَاعْمَلْ فَإِنَّكَ مَنْعِيٌّ بِوَاحِدَةٍ
حسب اللبیب بهذا الشیب من ناعی

عمل کرتے چلے جاؤ کیونکہ ایک دن یہی آواز آئے گی کہ اُس کا خاتمہ ہوگیا عقلمند آدمی کے لیے موت کی خبر دینے والی بالوں کی سفیدی ہی کافی ہے۔ اسی لیے بعض روایات اور آثار میں آتا ہے کہ انسان کی بیماری اس کے لیے موت کی ڈاک کی مانند ہے۔ اللہ فرمائے گا، میں تمہاری طرف موت کی ڈاک بھی بھیجتا رہا۔ مگر تم نے اُس سے کوئی عبرت حاصل نہ کی۔ بعض روایات میں رائد کا لفظ آتا ہے۔ رائد قافلے کے اُس آگے چلنے والے دستہ کو کہتے ہیں جو گھاس، پانی وغیرہ کی تلاش پر مامور ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ تمام عوامل موت کی خبر دے رہے تھے، مگر تم نے اس کے لیے تیاری نہ کی۔

شیخ سعدیؒ کا قول ہے۔

خیرے کُن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

اے شخص عمر کو غنیمت جان کر نیک عمل کرلے پیشتر اس کے کہ اُدھر سے آواز آئے کہ آج فلاں شخص ختم ہوگیا یعنی اس کی موت واقع ہوگئی۔

فرمایا، اگر اتنے نذیر بھیجنے کے باوجود تم نے اپنی حالت کو درست نہیں کیا

؎

فَذُوقُوْا تو اب اپنی کمائی کا مزہ چکھ لو۔ اللہ تعالیٰ سزا میں مبتلا کر دے گا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ پس ظلم کرنے والوں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا، آج ان کا قبیلہ، برادری، جتھہ، سفارشی غرضیکہ کوئی بھی عذابِ الٰہی سے نہیں بچا سکے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ
عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ
خَلٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ
وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا
مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾
قُلْ أَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ
دُونِ اللّٰهِ ۖ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ
أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ أَمْ آتَيْنٰهُمْ
كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِنْهُ ۚ بَلْ إِنْ يَعِدُ
الظّٰلِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿٤٠﴾ إِنَّ
اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِنْ
زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ ۚ
إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤١﴾

ترجمہ :- بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے پوشیدہ
چیزیں آسمانوں اور زمین کی ۔ بے شک وہ خوب جانتا ہے
سینوں کے راز (۳۸) وہی ذات ہے جس نے بنایا تم کو

خلیفہ زمین میں۔ پس جس نے کفر اختیار کیا، پس اسی پر اس کے کفر کا وبال پڑا۔ اور نہیں زیادہ کرتا کافروں کے لیے اُن کا کفر اُن کے پروردگار کے پاس مگر ناراضگی۔ اور نہیں زیادہ کرتا کفر کرنے والوں کے لیے اُن کا کفر مگر نقصان (۳۹) (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، بتلاؤ تمہارے وہ شریک جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے دکھلاؤ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے زمین میں۔ یا اُن کے لیے کوئی شراکت ہے آسمانوں میں، یا ہم نے اُن کو کوئی کتاب دی ہے، اور وہ کھُلی دلیل پر ہیں اس سے نہیں بلکہ نہیں وعدہ کرتے ظالم لوگ بعض بعض کے ساتھ مگر فریب کا (۴۰) بے شک اللہ تعالیٰ روکتا ہے آسمانوں کو اور زمین کو اس بات سے کہ وہ ٹل جائیں۔ اور اگر وہ ٹل جائیں تو نہیں روک سکتا اُن دونوں کو کوئی بھی اس کے سوا۔ بے شک وہ بردبار اور بخشش کرنے والا ہے (۴۱)

ربط آیات

گذشتہ درس میں انذار کا مضمون ذکر ہوا تھا۔ قرآن کے وارث تین قسم کے آدمی ہیں۔ بعض وہ ہیں جو صغائر و کبائر کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ جب کہ تیسرا گروہ وہ ہے جو بھلائیوں میں سبقت کرتا ہے۔ یہ سارے گروہ اہل اسلام اور حاملین قرآن ہیں۔ پھر اللہ نے نیکی کرنے والوں کے انعامات کا ذکر کیا، اور کفر کرنے والوں کے عذاب اور اُن کی چیخ و پکار کو بیان کیا۔ اللہ فرمائیگا کہ تمہیں دنیا میں کتنی عمر تک مہلت دی تھی۔ اس مہلت کے دوران تمہارے پاس اللہ کے نبی بھی آئے جو تمہیں ڈر سناتے رہے، اللہ کی وحدانیت کے دلائل بھی تمہیں آگاہ کرتے رہے۔ انسانی زندگی کے تغیرات خود نذیر ہیں۔ انسان

کا بڑھاپا اسے یاد دلاتا ہے کہ زندگی کا باقی حصہ تھوڑا رہ گیا ہے، اب بھی سمجھ جاؤ، مگر تم نے ان چیزوں سے نصیحت حاصل نہ کی، اب چیخنے چلانے کا کچھ فائدہ نہیں، اپنے عقیدے اور عمل کا مزہ چکھو۔ اب ظالموں کو کسی طرف سے مدد نہیں آئے گی۔

عالم الغیب ذات

اب سورۃ کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض صفات اور جزائے عمل ہی کا ذکر کیا ہے۔ ساتھ ساتھ توحید کے عقلی دلائل بھی بیان کیے ہیں۔ قرآن کی صداقت کو ماننے والے اور انکار کرنے والوں کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بے شک اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کی مخفی چیزوں کو جاننے والا ہے۔ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ بے شک سینوں کے رازوں کو بھی وہ خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی نیت، ارادے، استعداد اور صلاحیت تک کو جانتا ہے۔ اسی بنا پر گذشتہ درس میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ (آیت۔ ۳۷) اب عذاب کا مزہ چکھو۔ آج کے دن ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ اس دن کافر لوگ کہیں گے رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا (آیت۔ ۳۷) پروردگار ہمیں اس عذاب سے نکال لے۔ ہم اچھے عمل کریں گے۔ مگر اللہ چونکہ اُن کی نیت اور ارادے سے واقف ہے، وہ کہے گا وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ (الانعام۔ ۲۸) اگر بالفرض ہم ان کو دُنیا میں واپس لوٹا بھی دیں تو یہ پلٹ کر وہی کام کریں گے جس سے انہیں منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ علیم کل اور تمام مخفی باتوں کو جاننے والا ہے، لہٰذا وہ ہر انسان کے ساتھ اُس کی نیت، ارادے اور عمل کے مطابق ہی سلوک کرتا ہے۔

خلافتِ ارضی

ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔ اللہ نے اپنا

یہ انعام یاد دلا کر شکر گزاری کا مطالبہ کیا ہے، مگر اکثر لوگ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے۔
خلافت عام بھی ہے اور خاص بھی۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق فرشتوں کو خطاب کر کے فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرہ۔ ۳۰)
میں زمین میں خلیفہ یعنی نائب یا قائم مقام بنانے والا ہوں۔ یہ خلافت خاص تھی۔ اور خلافت عام یہ ہے کہ بعد میں آنے والے لوگ پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے خلیفہ، جانشین یا قائمقام ہیں۔ پہلے بادشاہوں کی جگہ موجودہ حکمران خلیفہ ہیں۔ پہلے زمینداروں اور کاشتکاروں کے جانشین موجودہ زمیندار یا کاشتکار ہیں۔
مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ جَعَلَکُمْ کا خطاب امت محمدیہ سے ہے کہ اللہ نے تمھیں پہلوں کا خلیفہ منتخب کیا ہے۔ اب خطۂ ارضی تمھاری سپرداری میں ہے۔ اب یہ تمھاری ذمہ داری ہے کہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ اور اس کے احکام کو بھی زمین میں جاری کرو۔ اللہ کی مخلوق کو جہالت سے نکالو، ان سے ظلم و زیادتی کو رفع کرو، ان کو عدل و انصاف کا درس دو، زمین کو شر و فساد کی بجائے امن و سکون کا گہوارہ بناؤ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔
وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (الاعراف۔ ۵۶)
زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس خلافت کے ذریعے تمھاری آزمائش کرنا چاہتا ہے فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ (حدیث)
وہ ظاہر کر دے گا کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔ مگر عام طور پر یہی دیکھا گیا ہے کہ جب کسی فرد یا قوم یا جماعت کو اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو پھر شکر گزاری کی بجائے ناشکری ہی کے مرتکب ہوتے ہیں، اور اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے
زمین کی اکثر آبادی تو کفر اور شرک میں مبتلا ہے۔ آج کے زمانہ میں بھی دنیا کی کل آبادی کے چار حصے کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں اور صرف پانچواں حصہ

له

دین و ایمان سے قدرے تعلق رکھتا ہے۔ بہرحال نیابت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے مگر اکثر لوگ ناشکر گزار ہی ہیں۔

ناشکر گزاری کا انجام

ارشاد ہوتا فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ جس نے کفرانِ نعمت کیا یعنی ناشکر گزاری کی تو اُس کا وبال اُسی پر پڑے گا، اللہ کا کیا جائے گا؟ چاہیے تو یہ تھا کہ لوگ اللہ کی آیات، اس کی صفات اور دلائلِ قدرت میں غور و فکر کر کے اُس کی توحید کو تسلیم کرتے، عدل و انصاف قائم کرتے، اللہ کی زمین میں اصلاح کرتے اور اس طرح اللہ کی نعمت کا شکریہ ادا کرتے مگر اس کی بجائے انہوں نے کفر و شرک کا راستہ اختیار کر کے کفرانِ نعمت کا ثبوت دیا جو خود اُن کے حق میں بُرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ - ۲۸۶) انسان نے جو نیکی کمائی ہے وہ اُس کے لیے کارآمد ہے اور جو بُرائی کی ہے، اس کا وبال اُسی پر پڑے گا۔ اس میں کسی دوسرے کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ سورۃ المدثر میں ارشاد خداوندی ہے كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (آیت - ۳۸) ہر انسان اپنی کمائی میں پھنسا ہوا ہے۔ قیامت والے دن اس کا قدم نہیں اٹھ سکے گا۔ جب تک ایک ایک عمل کا محاسبہ نہیں ہو جائے گا۔

فرمایا جس نے ناشکر گزاری کی تو اس کا وبال اُسی پر پڑے گا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا اور ناشکر گزاروں کی ناشکر گزاری اُن کے پروردگار کے ہاں نہیں زیادتی کرتی مگر ناراضگی کو۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے کفرانِ نعمت سے ناراض ہی ہوتا ہے۔ جس مقدار میں ناشکر گزاری ہوتی ہے اُسی قدر اللہ کی ناراضگی اور بیزاری خریدنے والی بات ہے وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا اور ناشکر گزاروں کی ناشکر گزاری ان کے لیے نقصان ہی کا باعث بنتی ہے، ایسا کرنے سے کسی فائدہ کی اُمید نہیں کی جا سکتی۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ۝

(آیت - ۸۲) ظلم کرنے والوں کو بھی نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ نقصان ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے اور اس کی وجہ سے نہ تو دنیا کی زندگی درست ہو سکتی ہے اور نہ برزخ اور آخرت میں بہتر مقام حاصل ہوتا ہے بلکہ وہ زندگی بھی خراب ہو جاتی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ناشکر گزاری خدا کی ناراضگی اور نقصان کا باعث ہے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہیں۔ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بھلا بتلاؤ تو تمہارے وہ شریک جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو یعنی جن کو نذر و نیاز پیش کر کے اُن سے حاجات طلب کرتے ہو، اَرُوْنِىْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ مجھے دکھاؤ جو کچھ انہوں نے زمین میں پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں یہ عقلی دلیل پیش کی ہے کہ تم جن معبودانِ باطلہ کو اپنی حاجت براری یا مشکل کشائی یا سفارش کے لیے پکارتے ہو اور کہتے ہو کہ اللہ نے ان پر الوہیت کی چادر ڈال رکھی ہے اکیا انہوں نے آج تک زمین میں کوئی چیز تخلیق کی ہے اگر کی ہے تو مجھے دکھلاؤ تاکہ تمہارے شرک کا جواز پیدا ہو سکے۔ اور اگر انہوں نے کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی تو تم اُن سے کیا چاہتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ سارا اختیار اللہ کے پاس ہے، اُس نے اپنا اختیار کسی مخلوق کو نہیں دیا، تمام معاملات کی تدبیر وہ خود کرتا ہے، جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (السجدۃ - ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر وہ خود کرتا ہے اور اس معاملہ میں اس نے کسی کو اختیار نہیں دیا۔

نجومی ستاروں کو بااختیار مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اُن کی عبادت اسلیئے کرتے ہیں کہ وہ ہماری حاجات پوری کرتے ہیں۔ عیسائی مسیح علیہ السلام کے متعلق الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا نے اُن کو اختیار دے رکھا ہے۔ قبر پرست لوگ قبروں پر چادریں چڑھاتے اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں تاکہ اصحابِ قبور

اپنے اختیار سے اُن کی بگڑی بنا دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ جھوٹ ہے۔ اللہ کے سوا نہ کوئی کسی کو کچھ دے سکتا ہے اور نہ کسی سے کچھ روک سکتا ہے۔ بلکہ سارے کے سارے اللہ کے عاجز بندے ہیں، کسی میں الوہیت یا اختیار والی کوئی بات نہیں۔ اللہ نے قرآن پاک میں اس عقیدے کی بار بار نفی کی ہے۔ ہر چیز کا خالق، مالک اور مربی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ بلاشرکت غیرے ہر ایک کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتا ہے۔ لہٰذا الٰہ بھی وہی ہے۔

فرمایا مجھے دکھاؤ تمھارے خود ساختہ معبودوں نے زمین میں کون سی چیز تخلیق کی ہے، کوئی انسان درخت، پتھر، جانور، نباتات، اناج، پھل ان میں سے کچھ تو پیدا کیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے۔ اللہ نے سورۃ عبس میں فرمایا ہے کہ انسان ذرا اپنے کھانے میں غور کر کے دیکھے کہ ہواؤں کو کس نے چلایا، بادلوں کو اٹھا کر کون لے گیا، بارش کس نے برسائی ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا (آیت - ۲۶) پھر زمین کو پھاڑ کر پھل، پھول اور اناج کس نے اُگایا جسے تم بھی کھاتے ہو اور تمھارے جانور بھی اپنی غذائی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اللہ کے سوا کسی نے زمین میں کوئی چیز پیدا کی ہے۔ اچھا اگر انہوں نے زمین میں کچھ نہیں پیدا کیا اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ تو کیا آسمانوں کی تخلیق میں اُن کی کوئی شراکت ہے؟ آسمانوں کا کوئی ٹکڑا یا کوئی آسمانی کرّہ ہی معبودانِ باطلہ کا پیدا کردہ ہو، اِن سورج، چاند، زہرہ، مریخ وغیرہ میں ان کا کوئی حصہ ہو؟ اگر یہ بھی نہیں ہے تو پھر تمھیں اُن کی پرستش کا کیا حق پہنچتا ہے؟

فرمایا اگر زمین و آسمان میں اُن کا کوئی حصہ نہیں ہے تو یہی بتلاؤ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب عطا کی ہے اور وہ اس سے کھلی دلیل پر ہیں۔ دوسری جگہ ہے فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ جس کو تم پڑھتے پڑھاتے ہو اور اس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ

اِن خود ساختہ معبودوں کو کوئی اختیار ہے اور انہیں پکار کر اُن سے حاجت براری کی جا سکتی ہے ۔ اس چیز کا بھی کوئی ثبوت نہیں پیش کیا جا سکتا ۔ حقیقت یہ ہے بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا کہ یہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ محض فریب کاری کا وعدہ ہی کرتے ہیں ۔ ان کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ کتاب کی صورت میں کوئی نقلی دلیل بلکہ محض جھوٹی باتوں کے ذریعے پراپیگنڈہ ہے جو کہ فریب کاری کے سوا کچھ نہیں ۔

شفاعت کا غلط تصور

بعض مشرک کہتے ہیں کہ ہمارے یہ معبود خود تو کوئی کام نہیں کرتے البتہ سفارش کر کے اللہ کے ہاں سے کام بنوا دیتے ہیں ۔ ایسے ہی لوگوں کا بیان اللہ نے قرآن میں نقل کیا ہے جو کہتے ہیں هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس - ۱۸) یہ تو اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں ۔ اِن کی سفارش اللہ تعالیٰ رد نہیں کرتا لہٰذا ہماری بگڑی بنوا دیتے ہیں ۔ چنانچہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ (الزمر - ۳) ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا قرب دلا دیتے ہیں ۔ یہ سب دھوکے اور فریب کی باتیں ہیں ۔ اللہ کے حکم کے بغیر سفارش بھی کوئی نہیں کر سکتا ۔ لہٰذا کافروں اور مشرکوں کے حق میں کسی کو سفارش کرنے کی اجازت نہیں ہوگی ۔ سارا تصرف اللہ کے ہاتھ میں ہے ۔ اس کے سوا کوئی قدرت تامہ کا مالک نہیں ، مخلوق ہونے میں سب برابر ہیں اور سب کے سب اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ لہٰذا انسانوں ، جنوں اور ملائکہ میں الوہیت کی کوئی صفت نہیں پائی جاتی ۔ اُن سے قیامت والے دن پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے میرے بندوں کو شرک پہ آمادہ کیا تھا ۔ تو وہ صاف جواب دیں گے سُبْحٰنَكَ مولا کریم ! تیری ذات پاک ہے ، بھلا ہم کسی کو شرک کی دعوت کیسے دے سکتے تھے ؟ عیسیٰ علیہ السلام بھی کہیں گے کہ مولا کریم ! میں نے تو اپنی قوم کو یہی تعلیم دی تھی اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ (المائدۃ - ۱۱۷) کہ اُس اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے الغرض

فرمایا ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ دھوکے اور فریب کی بات کرتے ہیں۔
کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی کارساز ہے۔

نظام کائنات کا استحکام

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ تامہ کی طرف کچھ اشارہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا بے شک اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامتا ہے کہ وہ ٹل جائیں۔ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَکَہُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِہٖ اور اگر یہ آسمان و زمین اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو ان کو کوئی تھامنے والا نہیں ہے۔ سورج، چاند، زمین اور دیگر کرے فضا میں معلق ہیں۔ اللہ نے ہر ایک کا مدار مقرر کر رکھا ہے سورۃ یٰسین میں ہے کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (آیت۔ ۴۰) سب کے سب اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔ اللہ نے ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں۔ کسی کرے کا مدار چھوٹا ہے اور وہ جلدی اپنا چکر پورا کر لیتا ہے اور کسی کا مدار لمبا ہے اور وہ اس کے مطابق زیادہ وقت لیتا ہے۔ کوئی کرہ چوبیس گھنٹے میں اپنے مدار کے گرد چکر لگاتا ہے، کوئی ایک ماہ میں، کوئی بیس سال میں اور کوئی ہزاروں سال میں۔ سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اور کائنات کا یہ نظام چل رہا ہے۔ فلکیات والے بتاتے ہیں کہ سورج زمین کی نسبت تیرہ لاکھ گناہ بڑا ہے مگر بہت دور ہونے کی وجہ سے اس قدر چھوٹا نظر آتا ہے یہ زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے۔ اسی طرح زمین سے نزدیک ترین کرہ چاند اڑھائی لاکھ میل کی مسافت پر ہے۔ شعریٰ سیارہ جس کے متعلق قرآن پاک میں آتا ہے وَاَنَّہٗ ہُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی (النجم۔ ۴۹) یعنی شعریٰ سیارے کا رب بھی وہی ہے، یہ سیارہ سورج سے بیس گناہ بڑا ہے۔ ہر کرے کا وزن ہے اور یہ حکمتِ خداوندی کے مطابق جب تک اس کو منظور ہے چلتے رہیں گے۔ پھر جب مقررہ وقت آجائے گا تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور نیا نظام قائم ہوگا۔ اللہ نے وقوعِ قیامت کی مختلف نشانیاں بیان فرمائی ہیں

کہیں فرمایا اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (التکویر - ۱) جب سورج گہنا جائے گا۔ سورۃ زلزال میں فرمایا اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (آیت - ۱) جب زمین کو خوب ہلا دیا جائے گا۔ اس کے ذرات بکھر جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی اُون کی طرح اڑنے لگیں گے، ستارے بے نور ہو جائیں گے اور سارا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا۔ تو پھر عالمِ بالا کا نظام قائم ہوگا۔

فرمایا اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی بردبار اور بخشش کرنے والا ہے۔ وہ انسان کی کوتاہیوں پر فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے۔ پھر جب مقررہ وقت آجاتا ہے تو مجرم کو پکڑ لیتا ہے اور جب کوئی مجرم اس کے دروازے پر آکر تائب ہو جاتا ہے تو پھر اُس کی رحمت وبخشش بھی بڑی وسیع ہے اور وہ معاف کر دیتا ہے۔ اگر اس کی بخشش اور معافی نہ ہوتی تو لوگوں کے کفر، شرک اور معاصی کی وجہ سے دنیا یکدم ویران ہو جاتی۔ یہ خدا تعالیٰ کی رحمت وبخشش کی وجہ سے ہی کائنات کا نظام قائم ہے وہ اپنے وقت پر عدل وانصاف کے سارے تقاضے پورے کر کے دکھا دیگا۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ
نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ
فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿٤٢﴾
اِۨسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ
الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ
اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ
اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿٤٣﴾
اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْۤا
اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ
مِنْ شَىْءٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ؕ
اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿٤٤﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ
النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا
مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ
مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ ع ٥ ١٨ ١٧
بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ ع

ترجمہ :۔ اور قسمیں اٹھائیں ان لوگوں نے اللہ کے نام کی پختہ قسمیں کہ اگر آئے گا اُن کے پاس کوئی ڈر سنانے والا تو البتہ ہوں گے وہ کسی بھی دوسری امت سے زیادہ راہ پانے والے۔ پس جب آیا اُن کے پاس ڈر سنانے والا تو نہ زیادہ کیا اُن کے لیے مگر بدکنا (۴۲) تکبر کرتے ہوئے زمین میں اور بری تدبیر اور نہیں گھیرتی بری تدبیر مگر انہی لوگوں کو جو تدبیر کنندہ ہوتے ہیں۔ پس نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر پہلے لوگوں کے دستور کا پس ہرگز نہ پائے گا تو اللہ کے دستور میں تبدیلی، اور ہرگز نہ پائے گا اللہ کے دستور میں ٹل جانا (۴۳) کیا نہیں چلے یہ لوگ زمین میں پس دیکھ لیں کیسا ہوا انجام اُن لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں اور تھے وہ ان سے زیادہ قوت والے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ اس کو کوئی چیز عاجز کر دے آسمانوں میں اور نہ زمین میں، بیشک وہ سب کچھ جاننے والا اور قدرت رکھتا ہے (۴۴) اور اگر مؤاخذہ کرے اللہ تعالیٰ لوگوں سے اس کے بدلے جو انہوں نے کمایا تو نہ چھوڑے زمین کی پشت پر کوئی چلنے پھرنے والا جاندار۔ لیکن وہ مہلت دیتا ہے اُن کو ایک مقررہ وقت تک، پس جب آجائے گا اُن کے پاس اُن کا مقررہ وقت، پس بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ خوب دیکھنے والا ہے (۴۵)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے کچھ عقلی دلائل بیان کیے تھے اور شرک کی تردید فرمائی تھی۔ فرمایا وہ اللہ کی ذات ہی ہے جس نے

آسمان و زمین کو اپنی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کے ساتھ تھام رکھا ہے اور اگر وہ ان دونوں کو اپنی جگہ سے ہٹانا چاہے تو کوئی دوسرا اُن کو تھامنے والا نہیں اللہ تعالیٰ حلیم و غفور ہے، وہ انسانوں پر فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے مگر لوگ اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے مزید سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت مقررہ پر اللہ کی گرفت آجاتی ہے اور نافرمانوں کو پیس کر رکھ دیتی ہے۔

مشرکین مکہ کا غدر لنگ

اب آج کی پہلی آیت میں مشرکین مکہ کے باطل زعم کا خصوصی ردّ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَہْدَ اَیْمَانِہِمْ یہ لوگ اللہ کے نام کی پختہ قسمیں اٹھا کر کہتے تھے لَئِنْ جَآءَہُمْ نَذِیْرٌ لَّیَکُوْنُنَّ اَهْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ کہ اگر اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا آگیا۔ تو وہ کسی بھی دوسری امت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔ مشرکین مکہ یہود و نصاریٰ کے متعلق سنتے تھے کہ اللہ نے اُن پر پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں، مگر انہوں نے نبیوں کی مخالفت ہی کی اور ہدایت قبول نہ کی، تو یہ لوگ وعدہ کرتے تھے کہ اگر ہم میں کوئی نبی آگیا تو ہم اُس کی کماحقہٗ اطاعت کریں گے۔ اس کا ساتھ دیں گے اور اس کی لائی ہوئی ہدایت کو قبول کریں گے، مگر اللہ نے فرمایا فَلَمَّا جَآءَہُمْ نَذِیْرٌ جب اُن کے پاس ڈرانے والا اللہ کا آخری نبی آگیا تو اس پر ایمان لانے کی بجائے مَّا زَادَہُمْ اِلَّا نُفُوْرًا اُن کی نفرت میں ہی اضافہ ہوا۔ وہ نبی کی اطاعت تو کیا کرتے الٹا اُس کے دشمن ہوگئے اور اللہ کے رسول کے متعلق اُن کی نفرت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء سے جس قدر نفرت کی، انہوں نے اُن سے بھی زیادہ خباثت کا اظہار کیا۔ اُس کے خلاف طرح طرح کے منصوبے بنائے حتیٰ کہ قتل تک کے درپے ہوئے اور یہ اس وجہ سے اِسْتِکْبَارًا فِی الْاَرْضِ کہ وہ زمین میں غرور و تکبر کرنے والے تھے۔ اُن لوگوں کو اپنی سیادت و قیادت

پر گھمنڈ تھا اور وہ کسی دوسرے کو اس چودھراہٹ میں شریک کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تسلیم کر لیا تو پھر ہماری سیادت ختم ہو جائے گی۔

تکبر ایک روحانی بیماری ہے جو اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگ حق کو قبول نہیں کرتے اور حیلے بہانے سے اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ لوگ دنیاوی حیثیت کو نبوت پر ترجیح دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کیسا نبی ہے جس کے پاس نہ مال و دولت، نہ زمین و باغات، نہ کوٹھی اور نہ نوکر چاکر، بھلا اس نادار آدمی کو ہم کیسے نبی تسلیم کر لیں وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف۔ ۳۱) یہ قرآن مکے اور طائف کی عظیم بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا۔ کیا نبوت و رسالت کے لیے ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا؟

مشرکین کی بری تدبیر

اللہ کے نبی کے خلاف مشرکین کی نفرت ایک تو غرور و تکبر کی بنا پر تھی اور دوسرا وَمَكْرَ السَّيِّئِ بُری تدبیر کی وجہ سے تھی۔ اُن کی بُری تدبیر یہی تھی کہ نبی علیہ السلام کو معاذ اللہ ختم کر دیا جائے تاکہ اُن کا لایا ہوا دین یہیں دم توڑ جائے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ مگر اللہ نے فرمایا وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ بُری تدبیر نہیں گھیرتی مگر خود اُس کے کرنے والوں کو۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ اللہ کے نبیوں کے مشن کو ناکام بنا دیں تو اللہ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی کے خلاف بُری تدبیر سوچتا ہے اس کا وبال خود اُسی پر پڑتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ برائی کرنے والا خود ہی اس میں پھنس جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان[1] بھی ہے مَنْ حَفَرَ بِئْرًا لِاَخِيْهِ وَقَعَ فِيْهِ جو اپنے بھائی کے لیے

ا۔

گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔ بعض روایات میں مُنکبًا کا لفظ بھی آتا ہے یعنی اوندھے منہ گرتا ہے۔ فارسی کا مقولہ بھی ہے "چاہ کن را چاہ در پیش" جو کسی کے لیے بُرائی سوچتا ہے، وہ خود ہی اس کا شکار ہو جاتا ہے۔

بغی لازمی فرقوعات

غزوہ خندق کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے اہلِ ایمان نے حضور علیہ السلام کی قیادت میں بنو قریظہ پر چڑھائی کر کے اُن کو مغلوب کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ دفاعی معاہدہ کرنے کے باوجود عہد شکنی کی تھی لہٰذا اُن کی سرکوبی ضروری تھی۔ جب وہ مغلوب ہو گئے تو انہوں نے حضرت سعد بن معاذؓ کو اپنا فیصل مقرر کیا جنہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ بنو قریظہ کی سزا یہ ہے کہ اِن کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے۔ یہ فیصلہ حضور علیہ السلام نے بھی پسند فرمایا اور کہا کہ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہے۔ الغرض! اس فیصلے پر عملدرآمد کرتے ہوئے بنو قریظہ کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ اُس وقت کعبؓ ایک بچے تھے جو قتل ہونے سے بچ گئے اور بعد میں اسلام قبول کر لیا اور بڑا علم حاصل کیا اور مفسرِ قرآن شمار ہونے لگے۔ اُن کے بیٹے محمد ابن کعبؒ بھی عظیم مفسرِ قرآن ہوئے ہیں اُن کا قول ہے کہ تین چیزوں کا انجام ضرور واقع ہو کر رہتا ہے فرماتے ہیں کہ پہلی چیز وہی ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کے لیے بری تدبیر سوچتا ہے وہ خود اُس کا شکار بنتا ہے اور دوسری چیز وہ ہے جو قرآن کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُکُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ (یونس - ۲۳) اے لوگو! تمہاری سرکشی خود تمہارے ہی نفسوں کے خلاف پڑے گی۔ قوانینِ الٰہی اور حدودِ شرعی کو توڑنا ہی سرکشی ہے اور دنیا میں اکثر و بیشتر ایسے لوگوں کو سزا ملا کرتی ہے۔ اور فرمایا تیسری چیز عہد شکنی ہے کہ اُس کا نتیجہ بھی ضرور ظاہر ہوتا ہے فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی

ﻟﮧ

نَفْسِہٖ (الفتح-۱۰) جو کوئی عہد کو توڑتا ہے تو اُس کا وبال بھی اسی پر پڑتا ہے اور وہ بھی ذلیل و خوار ہو کر رہتا ہے جیسا کہ بنو قریظہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔

سابقہ لوگوں کے نقشِ قدم پر

فرمایا، پہلے تو یہ لوگ کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نذیر آتا تو ہم دوسروں سے بڑھ کر اس کی اطاعت کرتے مگر جب اللہ کا نبی بطور نذیر آ گیا تو اس کے خلاف تدبیریں سوچنے لگے۔ فرمایا فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ کیا یہ لوگ پہلے لوگوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں۔ پہلے لوگوں نے بھی انبیاء کے خلاف بغاوت کی، مصلحین اور مبلغین کے خلاف سازشیں کیں تو خدا کی گرفت میں آئے۔ اگر یہ بھی انہی لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے ہیں تو جان لیں فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا کہ تم نہیں پاؤ گے اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا اور تم اللہ کے دستور کو ٹلتے ہوئے بھی نہیں پاؤ گے۔ مطلب یہ کہ اللہ کا دستور تو یہ ہے کہ جب کوئی قوم بغاوت پر اُتر آتی ہے تو پھر وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتی۔ تاریخ عالم اس بات کی گواہ ہے۔ اسی طرح اگر تم بھی سرکشی سے باز نہ آئے تو اللہ کا دستور محض تمہاری خاطر تو تبدیل نہیں ہو گا۔ اگر تم بھی ایسا کرو گے تو عذاب میں پکڑے جاؤ گے۔ دنیا کی عدالتوں میں بعض اوقات رشوت یا سفارش کی بنا پر مجرم کی سزا کو ٹال دیا جاتا ہے یا اُس میں تخفیف کر دی جاتی ہے مگر خدا تعالیٰ کے قانون میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ مجرم کو مہلت تو دے دیتا ہے مگر سزا دیے بغیر چھوڑتا نہیں۔

آخر میں اللہ نے بطور نصیحت اور تنبیہ فرمایا ہے اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ اُن سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وہ تو طاقت میں ان سے بھی زیادہ تھے۔ پرانی قوموں کے حالات پڑھیں اور اُن کے آثار دیکھیں تو پتہ چل جائے گا کہ اُن کی سرکشی کا کیا انجام ہوا۔ مصر کے فرعون، بابل کے آشوری اور

کلدانی، عاد اور ثمود بڑے بڑے طاقتور اور ملک و خزانوں کے مالک تھے یونان میں سکندر جیسے فاتح عالم بھی ہوئے ہیں پچھلی سورۃ میں گذر چکا ہے کہ عرب والوں کو تو سابقہ اقوام کا عشر عشیر بھی نہیں ملا، یہ کس بات پر اترا رہے ہیں اور کس غرور میں مبتلا ہیں، اگر وہ اتنے طاقتور اور جاہ و حشمت کے مالک اپنی سرکشی کی کی وجہ سے نابود ہو گئے، تو یہ کس باغ کی مولی ہیں کہ ہمیشہ قائم رہیں گے، جب اللہ کی گرفت آئیگی تو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیے جائیں گے۔

فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو پھر اُس کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں ہو سکتی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ آسمان و زمین کی کوئی چیز اُسے عاجز کر دے اور وہ اپنے ارادے اور مشیت کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (البقرہ-۲۸۲) اللہ تعالیٰ ہر شیٔ کا علم رکھتا ہے، وہ ذرہ ذرہ کو جانتا ہے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرہ ۲۸۴) اور وہ ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے، لہٰذا اس کے ارادے کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ چنانچہ جب وہ کسی قوم کو پکڑنے پر آتا ہے تو پھر کوئی بھی چیز خواہ وہ آسمان کے کناروں یا زمین کے کسی گوشے میں ہو، اللہ کی مشیت کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتی، بلکہ کام ہو کر رہتا ہے۔ فرمایا اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے اور ہر چیز اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جب چاہے گا سرکشوں کو پکڑ لے گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا ہے وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا اگر اللہ تعالیٰ لوگوں سے اُن کی کارکردگی کے متعلق مؤاخذہ کرے مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ تو زمین پر چلنے پھرنے والے کسی جاندار کو نہ چھوڑے۔ ہر جاندار سے کوئی نہ کوئی غلطی تو ضرور ہو جاتی ہے۔ جب کہ انسان تو بے تحاشا مغرور اور مفتون ہیں معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اور اُن کی اکثریت کفر اور شرک کا ارتکاب کرتی ہے۔ تو فرمایا اگر ان کی کرتوتوں کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اُن سے مؤاخذہ کرنا چاہے تو کوئی بھی جاندار بچ نہ سکے اور سب پکڑے جائیں۔ وَلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى مگر اللہ تعالیٰ انہیں مقررہ وقت تک مہلت دیتا رہتا ہے۔ یہ اُس کا دستور ہے اُس نے ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اس سے آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ جس طرح انسان کی زندگی کے ایام مقرر ہیں، اسی طرح بحیثیت مجموعی پورے جہان کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ مہلت پوری ہو جائے گی تو سارا نظام ختم ہو جائے گا اور پھر نیا نظام قائم ہو گا۔ اور انسانی زندگی کا محاسبہ شروع ہو جائے گا۔ دنیا میں جب انسانوں کی سرکشی حد سے بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک خاص وقت تک ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ پھر جب وہ مدت پوری ہو جاتی ہے۔ تو اللہ کی گرفت سیلاب کی طرح یکدم وارد ہو جاتی ہے اور پھر کوئی عذر نہیں سنا جاتا۔ یہ تو دنیا کا ادنیٰ عذاب ہوتا ہے۔ آخرت کا بڑا عذاب تو آگے ہے۔ اللہ نے اعلان فرما دیا ہے وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (السجدۃ۔۲۱) بڑے عذاب سے پہلے ہم انہیں دنیا کا کم تر عذاب بھی چکھاتے ہیں تاکہ وہ حقیقت کی طرف لوٹ آئیں۔ اس کے باوجود بعض لوگ دنیا کی زندگی میں بچے بھی رہتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ سزا اُن سے ٹل جاتی ہے، بلکہ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (القلم ۴۵) انہیں مہلت دی جاتی ہے اور میری تدبیر بڑی مضبوط ہے جو خطا نہیں جاتی۔

فرمایا فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ جب اُن کا مقررہ وقت آجائے گا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات کو دیکھ رہا ہے اسے ہر چیز کا علم ہے اور ہر شخص کے عقائد و اعمال کے مطابق ہی اُس کے ساتھ سلوک کرے گا۔ انسان اُس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

سُوْرَةُ

یٰسٓ

مکمّل

سُوْرَةُ یٰسٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ
سورۃ یٰسٓ مکی ہے۔ اس کی تراسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

یٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳﴾ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴﴾
تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۵﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا
مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ لَقَدْ
حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۷﴾

ترجمہ:- یٰسٓ ﴿۱﴾ قسم ہے حکمت والے قرآن کی ﴿۲﴾
بیشک آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں ﴿۳﴾ سیدھے راستے
پر ہیں ﴿۴﴾ (قرآن) اتارا ہوا ہے کمالِ قدرت رکھنے والے
اور نہایت مہربان خدا کی طرف سے ﴿۵﴾ تاکہ آپ ڈرائیں
اُس قوم کو کہ نہیں ڈرائے گئے اُن کے آباؤ اجداد، پس
وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۶﴾ البتہ تحقیق ثابت
ہو گئی ہے یہ بات اُن کی اکثریت پر، پس وہ نہیں

ایمان لائیں گے (۷)

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ یٰسٓ ہے جو کہ اس کے ابتدائی لفظ سے ماخوذ ہے، اس کا دوسرا[1] نام سورۃ المعمۃ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ سورۃ دنیا و آخرت کی بہتری پر مشتمل ہے۔ بعض مفسرین[2] اس کا تیسرا نام دافعہ بیان کرتے ہیں کہ یہ برائی کو دور کرنے والی سورۃ ہے۔ اس کا ایک نام[3] قاضیہ بھی ہے کیونکہ اس کی تلاوت انسانی حاجات کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ یہ سارے نام امام بیضاویؒ نے اپنی تفسیر[4] میں بیان کیے ہیں۔

یہ سورۃ مکی دور کے وسطی زمانہ میں سورۃ جن کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی تراسی ۸۳ آیات اور پانچ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ سات سو انتیس ۷۲۹ کلمات اور تین ہزار ۳۰۰۰ حروف پر مشتمل ہے

مضامین سورۃ

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی چار بنیادی عقائد نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ ابتداء میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہے اور ساتھ رسالت کا بیان ہے۔ اس ضمن میں بہت سے تاریخی واقعات بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ توحید خداوندی کا ذکر بڑے کمال طریقے سے کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ پورے طریقے سے مشرکین کا رد ہے۔ اس سورۃ میں پورے دلائل کے ساتھ یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود اور کارساز نہیں۔ مخلوق میں سے انسان ہوں یا جن یا ملائکہ، اولیا ہوں یا اصفیا، شمس و قمر ہوں یا دریا اور پہاڑ سب کے سب اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، وہ عالم الغیب اور علیم کل ہے۔ اس بات کو بڑے اچھے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح وقوع قیامت اور محاسبۂ اعمال کا ذکر بھی انسانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہے۔ یہ چاروں مضامین آگے چل کر سورۃ الواقعہ میں بھی بیان ہوتے ہیں۔ وہاں پر چھوٹی چھوٹی آیتوں میں مجازات (جزائے عمل) کا پہلو غالب ہے مگر یہاں پر تمام مضامین یکساں طور پر دوسرے عنوانات کے تحت بیان کیے گئے ہیں۔

---

[1] ابوسعود ص ۲۴۷ ج ۴ و قرطبی ص ۱ ج ۱۵ [2] السراج المنیر ص ۳۳۵ ج ۳

[3] السراج المنیر ص ۳۳۵ ج ۳ [4] بیضاوی ص ۲۷۶ ج ۲ (فیاض)

فضائل سورۃ

احادیث میں اس سورۃ مبارکہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک[1] ہے اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا وَقَلْبُ الْقُرْاٰنِ يٰسٓ ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے۔ اور قرآن پاک کا دل سورۃ یٰسٓ ہے۔ انسانی قلب کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان[2] ہے کہ یہ جسم کا ایک ایسا عضو ہے کہ اگر یہ درست ہے تو سارا جسم درست ہے اور اگر یہی عضو بگڑا ہوا ہے تو سارا جسم فاسد ہوتا ہے گویا جسم کی درستگی کا مدار قلب کی درستگی پر ہے۔

سورۃ بقرہ کو اونٹ کی کوہان سے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کوہان اونٹ کا بلند ترین حصہ ہوتا ہے۔ اسی طرح سورۃ بقرہ بھی قرآن کا بلند ترین حصہ ہے اور یہاں سورۃ یٰسٓ کو قرآن کا دل اس لیے کہا گیا ہے کہ ایمان دل میں ہوتا ہے عقیدے سے تعلق رکھنے والے جذبات اور محبت، نفرت، خوش اخلاقی، بد اخلاقی، ایمان، کفر، شرک، نفاق وغیرہ کا تعلق دل سے ہے۔ گویا نجات اور فلاح کا مدار صحیح ایمان پر ہے۔ اگر قلب میں ایمان صحیح ہوگا۔ تو انسان کے حالات اس دنیا میں بھی درست ہوں گے اور آخرت میں بھی فوز و فلاح نصیب ہوگی۔ اور اگر ایمان میں ہی خرابی ہے تو کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔ بغرضیکہ اللہ کی وحدانیت اور رسالت پر یقین، اللہ کی کتاب پر ایمان، حشر نشر کے واقعات پہ یقین، سب اس سورۃ میں مذکور ہیں، اس لیے اس سورۃ کو قرآن کا قلب کہا گیا ہے۔ گویا کہ اس سورۃ میں کامیابی کے تمام اصول بیان کر دیے گئے ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ کی فضیلت میں مفسرین کرام مسند ابو یعلیٰ کے حوالہ سے یہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مَنْ قَرَأَ فِيْ لَيْلَةٍ اَصْبَحَ مَغْفُوْرًا لَّهٗ جو شخص رات کے وقت سورۃ یٰسٓ کی تلاوت

---

[1] قرطبی ص۱ ج۱۵ و حقانی ص۱۱۹ ج۶ و جمل ص۵۰۱ ج۳ و خازن ص۲ ج۶

[2] قرطبی ص۲ ج۱۵ و حقانی ص۱۱۹ ج۶ و جمل ص۵۰۱ ج۳ (فیض)

کرے گا، اس کو صبح کے وقت خدا تعالیٰ کی جانب سے بخشش و مغفرت کا پروانہ ملے گا۔ مسند احمد[1] میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی آتا ہے جسے امام نسائی نے عمل الیوم واللیل میں نقل کیا ہے کہ سورۃ یٰسٓ قرآن کا دل ہے لَا يَقْرَؤُهَا رَجُلٌ يُرِيْدُ اللّٰهَ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ اِلَّا غُفِرَلَهٗ جو شخص اس سورۃ کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے گھر کی تلاش کے لیے پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بخش دے گا۔ فرمایا[2] اِقْرَءُوْهَا عَلٰى مَوْتَاكُمْ تم اسے اپنے قریب المرگ لوگوں کے پاس پڑھا کرو تاکہ انہیں صحیح ایمان نصیب ہو۔ اس سورۃ میں ایمان کے تمام اصول بیان کر دیے گئے ہیں۔

مسند بزار کے حوالے سے مفسرین کرام[3] یہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا لَوَدِدْتُّ اَنَّهَا فِىْ كُلِّ قَلْبِ اِنْسَانٍ مِّنْ اُمَّتِىْ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ یہ سورۃ میری امت کے ہر شخص کے دل میں ہو یعنی ہر شخص کو اسے حفظ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں[4]۔ کہ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ سورۃ یٰسٓ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ آمدہ سختی کو دور کر دیتے ہیں، اور موت کے وقت یہ سورۃ پڑھنے سے روح آسانی سے نکلتی ہے اور ایمان بھی نصیب ہوتا ہے۔ مفسر حقانی[5] یہ بھی لکھتے ہیں کہ زندگی کی مہمات یعنی عام اہم مواقع پر اس سورۃ کی تلاوت اکسیر کا حکم رکھتی ہے

حروف یٰسٓ

یٰسٓ حروف مقطعات میں سے ہے۔ مفسرین کرام[6] نے ان حروف کے مختلف معانی بیان کیے ہیں۔ بعض یٰسٓ کو اللہ تعالیٰ کے اسماء بارک... شمار کرتے ہیں۔ اگر یہ بات درست تسلیم کر لی جائے تو پھر کسی شخص ... نام ... نہیں

---

1. مسند احمد ص... وعمل الیوم واللیل ص... 2. قرطبی ص ج ۱۵ ص ۱ وخازن ج ۶ ص ۲ وجمل ج ۲ ص ۵۰
3. درمنثور ج ۵ ص ۲۵۶ وابن کثیر ج ۳ ص ۵۶۳ 4. حقانی ج ۶ ص ۱۱۹
5. حقانی ج ۶ ص ۱۱۹ 6. طبری ج ۲۲ ص ۱۴۸ وابن کثیر ج ۳ ص ۵۶۳ وزاد المسیر ج ۷ ص ۳ (فیاض)

رکھنا چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ مختصہ میں سے ہے اور ایسے اسماء کا اطلاق مخلوق پر نہیں ہو سکتا، ایسے ہی دیگر اسماء رحمان، خالق اور اللہ وغیرہ ہیں جو کسی انسان کے نام نہیں ہو سکتے۔ البتہ بعض اسمائے ربانی ایسے بھی ہیں جو کسی حد تک مخلوق کے لیے بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں مثلاً رحیم، کریم، مالک، عالم، رؤف وغیرہ۔ اور اگر یٰسٓ کو اللہ کے اسمائے مختصہ میں شمار نہ کیا جائے تو پھر اس کا اطلاق کسی آدمی پر بھی ہو سکتا ہے مگر اس کے معنی کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ جب اس نام کو خدا تعالیٰ کے لیے استعمال کیا جائے تو اس کا اطلاق اس طرح ہوگا۔ جس طرح اُس کی شان کے لائق ہے -
اور اگر اس کا اطلاق کسی انسان پر کیا جائے تو اس کی مناسبت انسان کی حالت کے ساتھ ہوگی۔ مثلاً رؤف کا نام اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر دونوں جگہ مفہوم مختلف ہوگا۔ جب صفتِ رأفت کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے گا، تو معنی یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ مہربانی اور فیضان فرماتا ہے۔ اور جب یہ لفظ کسی انسان کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ تو وہاں پر رأفت سے مراد دردِ دل اور شفقت ہوگی جو کسی کی خستہ حالت دیکھ کر انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور پھر ایسا شخص ضرورت مند کی حاجت براری بھی کرتا ہے۔ دل میں درد پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا تعلق مادیت سے ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات تمام مادی تصورات سے پاک ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں[1] کہ یٰسٓ سورۃ کا نام ہے۔ اور بعض[2] کہتے ہیں کہ یہ حضور علیہ السلام کا نام مبارک ہے، بالکل اسی طرح جس طرح طٰہٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ بعض[3] یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ یا اور سین دو حروف کا مرکب ہے

---

[1] روح البیان ص ۳۶۴ ج ۷ وکشاف ص ۳ ج ۴ وزاد المسیر ص ۳ ج ۷ وصفوۃ التفاسیر ص ۵ ج ۳
[2] زاد المسیر ص ۳ ج ۷ وفتح القدیر ص ۳۵۸ ج ۴ ومدارک ص ۲ ج ۴ والاتقان ص ۳۰ ج ۲ والبحر المحیط ص ۳۲۳ ج ۷
[3] خازن ص ۲ ج ۶ وتفسیر المراغی ص ۱۴۵ ج ۲۲ والبحر المحیط ص ۳۲۳ ج ۷ ومعالم التنزیل ص ۲۰ ج ۳ (فیاض)

اور اس کا معنی ہے "اے انسان" عرب کے مشہور قبیلہ بنی طی کے ہاں اس لفظ کا یہی معنی لیا جاتا ہے۔ بعض[1] فرماتے ہیں کہ یہ معنی حبشہ کی زبان میں لیا جاتا ہے، گویا یہ انسان سے خطاب کیا گیا ہے۔ بعض[2] نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یا کا اشارہ یوم میثاق یعنی اس دن کی طرف ہے جب اللہ نے بنی آدم کی تمام ارواح سے عہد لیا تھا فرماتے ہیں کہ س کا اشارہ راز کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کا راز۔

بعض یہ بھی فرماتے[3] ہیں یٰسٓ حضور علیہ السلام کی طرف خطاب ہے، اور معنی یہ ہے یا سید البشر یعنی اے بنی نوع انسان کے سردار۔ حدیث[4] میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے خود فرمایا اَنَا سَیِّدُ الْبَشَرِ۔ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یعنی میں تمام نسل انسانی کا سردار ہوں، فرمایا یہ بات میں فخر سے نہیں کہتا بلکہ یہ تو میرے اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھے اس منصب پہ فائز فرمایا ہے۔ قیامت والے دن جب تمام اولین و آخرین جمع ہوں گے تو حضور علیہ السلام کی قیادت عامہ کا ظہور اس وقت ہوگا اور ساری مخلوق جان لے گی کہ آپ واقعی سید البشر، سید الثقلین اور سید ولد آدم ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں[5] کہ یٰسٓ کے تینوں حروف ی اسی اور ن میں شرائط ہوتی ہیں اور اس سے مراد ایک خاص قسم کا نور ہے، جو کائنات میں سرایت کر رہا ہے۔ اس نور کا نزول قرآن پاک اور اس سورۃ مبارکہ کے ذریعے ہو رہا ہے اور اسی نور سے کائنات کی ہدایت اور راہنمائی کا پروگرام سامنے آرہا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ کا آغاز حروف مقطعات سے کیا ہے

---

[1] تفسیر الثعالبی ص ۳۴ ج ۴ و در منثور ص ۲۵۸ ج ۵ [2]

[3] خازن ص ۲ ج ۶ و مظہری ص ۱ ج ۸ والاتقان ص ۳۰ ج ۲ و فتح القدیر ص ۳۶۰ ج ۴

[4] ... [5]

(فیاض)

یٰسٓ ○ اور اس کے معانی کی طرف میں نے اشارہ کر دیا ہے۔ ویسے جلالین[1] والے بزرگ فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کے بارے میں زیادہ سلامتی والا پہلو یہی ہے کہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان حروف سے کیا مراد ہے۔ اس سے جو بھی مراد ہے ہمارا اُس پر ایمان ہے لہٰذا ان حروف کے معانی میں زیادہ کرید نہیں کرنی چاہیئے۔

قرآن پاک کی حقانیت

سورۃ ہذا کا مضمون قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت سے شروع کیا گیا ہے آگے رسالت کے بیان میں تاریخ رسالت کے کئی واقعات آئیں گے اور ساتھ ساتھ محاسبہ اعمال کا ذکر ہوگا۔ تو ارشاد ہوتا ہے وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ قسم ہے حکمت والے قرآن کی یعنی قرآنِ پاک کا پروگرام قطعی اور یقینی ہے اور اس میں شک و تردد والی کوئی بات نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی خلافِ واقعہ بات ہے۔ یہ حکیم ہے کہ اس کی ہر بات مبنی بر حکمت ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو وحی الٰہی کے ذریعے نازل ہوا اور یہ کلام انسانی ذرائع علم سے بلند تر ہے حکیم سے مراد مستحکم بھی ہو سکتا ہے یعنی قسم ہے مستحکم اور پکے قرآن پاک کی۔ اس کی ہر بات پختہ ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سورۃ بقرہ کی ابتداء میں فرمایا کہ یہ ایسی کتاب ہے لَا رَیْبَ فِیْہِ جس میں کسی قسم کا شک اور تردد نہیں کیا جا سکتا۔

تصدیق رسالت

اگلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور رسول کی رسالت کی تصدیق کی ہے اور اس کے بعد پھر قرآن پاک کے نزول اور مقصدِ نزول کا ذکر ہوگا ارشاد ہوتا ہے اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ بے شک آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ گذشتہ سورۃ میں گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ حضور علیہ السلام کو اللہ کا رسول تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس معاملہ میں طرح طرح کے شکوک و شبہات کا

---

[1] جلالین ص ۳۶۴/۱۲

اظہار کرتے تھے۔ چونکہ مشرک لوگ انکارِ رسالت میں شدید تھے تو اللہ نے یہاں پر تصدیقِ رسالت بھی اسی قدر پختہ طریقے سے قسم اٹھا کر کی یعنی قسم ہے حکمت والے یا مستحکم قرآن کی کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ اور سلسلہ رسالت کی آخری کڑی ہیں۔ آپ خاتم النبیین ہیں، سید ولد آدم ہیں، انسان کامل ہیں اور تمام انبیاء کے بھی نبی ہیں۔ ساتھ یہ بھی فرمایا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ آپ اللہ کے قائم کردہ بالکل سیدھے راستے پر ہیں۔ آپ اسی شاہراہ پر چل رہے ہیں جو حظیرۃ القدس اور اللہ کی رحمت کے مقام تک جاتی ہے۔ آپ کا قول، فعل، عمل اور عقیدہ سب کچھ صحیح ہے۔ آپ بالکل صراطِ مستقیم پر ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا کہ آپ تو بلاشبہ صراطِ مستقیم پر ہیں۔

اور ساتھ ساتھ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الشوریٰ ۵۲) اور دوسروں کی بھی صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتے ہیں تاکہ وہ بھی منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں۔

مقصدِ نزولِ قرآن

اللہ نے ابتدائی آیت میں جب قرآن حکیم کی قسم اٹھا کر حضور علیہ السلام کی رسالت کی گواہی دی تھی، اس قرآن کے متعلق فرمایا تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ، یہ غالب اور از حد مہربان خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اگر اس کی مہربانی شاملِ حال نہ ہوتی تو انسان ہدایت الٰہی سے محروم رہتے۔ اللہ نے یہ قرآن نازل فرما کر بڑا احسان فرمایا۔ سورۃ ابراہیم کی ابتداء میں نزولِ قرآن کی غایت یہ بیان کی گئی ہے لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (آیت ۱) تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں۔ لوگ اخلاقی، روحانی، مادی غرضیکہ ہر قسم کے اندھیروں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کہیں گمراہی کے اندھیرے ہیں تو کہیں لہو و لعب کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں لوگوں نے اس وقت مادیت کا کلوروفارم سونگھ رکھا ہے۔ مرنے کے بعد یہ نشہ اتر جائے گا تو پتہ چلے گا کہ ہم دنیا میں کیا کرتے رہے ہیں۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کے نزول کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے لِتُنْذِرَ

قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ تاکہ آپ اُن لوگوں کو ڈرا دیں جن کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا، اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں حضرت امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں سے بنی اسماعیل مراد ہیں کہ اس قوم میں قریباً دو ہزار سال تک کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا۔ بنی اسرائیل میں تو پے در پے نبی آتے رہے مگر بنی اسماعیل میں آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوا۔ بنی اسماعیل کے ہزاروں خاندان اور آگے ہزاروں شاخیں تھیں۔ یہ وسیع سلسلہ نسب ہے، جو عرب میں اور عرب سے باہر خراسان کے پرلے کناروں تک پھیلا ہوا تھا، مگر قریب زمانے میں ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ اے اللہ کے آخری نبی! آپ ان لوگوں کو ڈرا دیں جن کے پاس زمانہ قریب میں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، ساتھ یہ بھی فرمایا لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَكْثَرِهِمْ کہ ان میں سے اکثر پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کہ آپ کی تمام تر مساعی کے باوجود یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کی اکثریت کفر و شرک میں ہی مبتلا رہیگی۔ چنانچہ ان کے خلاف بڑی جنگیں لڑی گئیں، ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی گئی مگر یہ لوگ نابود تو ہو گئے۔ مگر ایمان نہیں لائے۔ اب اگلی آیات میں اللہ نے ہدایت اور گمراہی کی حکمت اور فلسفہ بیان فرمایا ہے۔

ط

إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ
فَهُمْ مُقْمَحُونَ ⑧ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ
سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ
لَا يُبْصِرُونَ ⑨ وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ
أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑩ إِنَّمَا تُنْذِرُ
مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ
فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ⑪ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي
الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ وَكُلَّ
شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ ⑫ ع ۱ ۱۲ ۱۸

ترجمہ :- بے شک ہم نے کر دیے ہیں اُن کی گردنوں
میں طوق ، پس وہ ٹھوڑیوں تک (اٹھے ہوئے ہیں)
پس اُن کے سر اُوپر کو اٹھ رہے ہیں ⑧ اور بنائی
ہے ہم نے اُن کے سامنے رکاوٹ اور اُن کے پیچھے
بھی رکاوٹ ۔ پس ہم نے اُن کو ڈھانپ دیا ہے ،
اُوپر سے ، پس وہ نہیں دیکھتے ⑨ اور برابر ہے اُن پر
کہ آپ اُن کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ، وہ ایمان قبول
نہیں کریں گے ⑩ بے شک آپ اس کو ڈر سناتے
ہیں جو پیروی کرتا ہے نصیحت کی اور ڈرتا ہے رحمان

سے بغیر دیکھے۔ پس آپ خوشخبری دے دیں اس کو بخشش اور عزت والے اجر کی (۱۱) بیشک ہم زندہ کرتے ہیں مُردوں کو اور لکھتے ہیں وہ جو آگے بھیجا اور ان کے نشانات بھی۔ اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے ایک کھلی کتاب میں (۱۲)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر کیا اور پھر ساتھ نبوت و رسالت کی تصدیق کی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں۔ پھر اللہ نے قرآنِ حکیم کے نزول کی غایت یہ بیان کی تاکہ آپ اپنے اولین مخاطبین مشرکین مکہ کو ڈرا دیں جن کے آباؤ اجداد کے پاس قریبی زمانہ میں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ مگر ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ آپ کی تمام تر مساعی کے باوجود ان لوگوں کی اکثریت ایمان سے محروم رہے گی۔

گلے کے طوق

اب آج کی آیات میں ایمان نہ لانے والوں کی حالت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور خوفِ خدا رکھنے والوں کے بعض اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ اس کے بعد اللہ نے جزائے عمل کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا ہم نے نہ ماننے والوں کے گلے میں طوق ڈال دیے ہیں۔ فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ اور یہ ان کی ٹھوڑیوں تک اٹھے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ان کے سر اوپر کو اٹھ رہے ہیں۔

ہاتھوں میں ہتھکڑی، پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق ہونا سزا کی علامت ہے یعنی یہ شخص مجرم ہے جس کو سزا دی جارہی ہے اور یہاں جس طوق کا ذکر کیا گیا ہے وہ اتنا بڑا اور بھاری ہے کہ جب گلے میں پہنایا گیا ہے تو ٹھوڑی تک بھر گیا ہے جس کی وجہ سے اس کا سر اگلی طرف سے اوپر کو اٹھ گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ خواب میں ہتھکڑی یا بیڑی پہننا اچھائی کی علامت ہے اور اس

کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دین میں پختہ ہے۔ البتہ اگر خواب میں کوئی دیکھے کہ اس نے گلے میں طوق پہن رکھا ہے تو یہ سخت ذلت کی نشانی ہے۔

آگے پیچھے دیواریں

ایمان سے محروم رہنے والے لوگوں کی دوسری بختی اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا ہم نے اُن کے آگے بھی دیوار کی رکاوٹ کھڑی کر دی ہے وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا اور ان کے پیچھے بھی ایسی ہی رکاوٹ ہے فَأَغْشَيْنَاهُمْ ہم نے اُن کو اُوپر سے ڈھانپ دیا ہے۔ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ لہٰذا وہ نہیں دیکھ سکتے۔ ظاہر ہے کہ جس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں رکاوٹ کھڑی کر دی جائے اور اُوپر سے بھی کوئی خیمہ وغیرہ ڈال کر ڈھانپ دیا جائے تو اُسے کسی طرف سے کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ اللہ نے نافرمانوں اور گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والوں کی یہ مثال بیان کی ہے کہ وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھر رہے ہیں اور انہیں کہیں سے بھی راستہ نظر نہیں آتا جس پر چل کر وہ منزل مقصود تک پہنچ سکیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ سرگرداں پھرتے رہتے ہیں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ آپ کی طرف سے اُن کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ایسے لوگوں کے گلے میں غلط نظریات اور باطل رسوم کے طوق پڑے ہوئے ہیں، نفسانی خواہشات نے اِن کو اگلی طرف سے روک رکھا ہے اور پیچھے سے مادی عیش و عشرت کی رکاوٹ ہے، لہٰذا انہیں اصل منزل کی طرف جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ

امام شاہ ولی محدث دہلویؒ کی اصطلاح میں یہ لوگ حجابِ طبع اور حجابِ رسم میں مبتلا ہیں۔ حجابِ طبع سے مراد مادی ضروریات کا حجاب ہے گویا یہ لوگ اچھا کھانے، اچھا پہننے، اچھی رہائش، اچھی سواری کی فکر میں ہی مبتلا رہتے ہیں شاہ صاحبؒ کے بقول یہ لوگ مادیت کے گارے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ سامنے خواہشات کی دیوار ہے اور پیچھے مادیت کا گارا ہے۔ جب انسان مادیت کے خول سے باہر نکلتا ہے

تو رسوم کی دلدل میں پھنس جاتا ہے جسے حجابِ رسم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر وہ اپنے خاندان، برادری، علاقائی اور ملکی رسم و رواج کی طرف دیکھتا ہے کہ دوسرے لوگ کیا کر رہے ہیں تاکہ وہ بھی بلا سوچے سمجھے انہی کے پیچھے چلنا شروع کر دے چنانچہ جس طرح دوسرے لوگ شان و شوکت کے اظہار والے مکان بناتے ہیں۔ وہ بھی بنانے لگتا ہے۔ جس طرح کی دھوم دھام سے وہ شادیاں کرتے ہیں، یہ بھی اُن کی نقالی کرتا ہے۔ جس طرح وہ عُرس مناتے، قوالی کراتے، قبروں کو پختہ بناتے، اُوپر غلاف چڑھاتے اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں، اسی طرح یہ بھی کرنے لگتا ہے۔ موت کی رسوم میں بھی یہ شخص اپنی قوم اور برادری کے نقش قدم پر چلتا ہوا حیثیت سے بڑھ کر کام کر جاتا ہے، امیر لوگ تو اپنی دولت کے بل بوتے پر پیدائش، شادی اور اموات کو دھوم دھام سے مناتے ہیں مگر ایک غریب آدمی بھی اُن سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا۔ یہ حجابِ طبع اور حجابِ رسم کا طوق ہے جو اس کے گلے میں پڑا ہوا ہے اور جس کی وجہ سے اس کا سر اُوپر کو اٹھا ہوا ہے، آگے اور پیچھے نفسانی خواہشات اور مادی عیش و عشرت کی دیواریں کھڑی ہیں جو اسے حقیقتِ ایمان سے واقف نہیں ہونے دیتیں ——— نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی پوری زندگی انہی چکروں میں ختم ہو جاتی ہے مگر اُسے توحیدِ خالص سے شناسائی نہیں ہوتی۔

ایک اشکال اور اُس کا جواب

ان آیات سے بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی کسی انسان کے گلے میں طوق ڈال دیا ہے، اُس کے آگے پیچھے دیواریں کھڑی کر کے اُوپر سے بھی ڈھانپ دیا ہے تو پھر اُس سے صراطِ مستقیم پر چلنے کی اُمید کس طرح کی جا سکتی ہے۔ اور اُسے مکلف کیوں کر ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابتدا ہی میں کسی شخص کے راستے میں مذکورہ رکاوٹیں کھڑی نہیں کر دیتا بلکہ پہلے ہدایت کے جملہ اسباب مہیا کر کے اور ہدایت اور گمراہی کے اصول واضح کر کے اُسے اختیار دیتا ہے۔ کہ وہ ہدایت اور گمراہی میں سے جونسا راستہ چاہے اختیار کر لے۔ امام بیضاویؒ فرماتے ہیں[1] کہ اللہ نے انسان کی ہدایت کے تمام

[1] بیضاوی ص ج (فیاض)

اسباب مہیا کر دیئے ہیں جن میں سے اولین سبب عقل جیسا جوہر کامل ہے۔ حدیث[1] میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو بلا کر فرمایا کہ میں تیری وجہ سے ہی مؤاخذہ کروں گا اور تیری وجہ سے ہی گرفت کروں گا۔ عقل بہت بڑی نعمت ہے جس کے ذریعے انسان غور و فکر کر کے اچھائی اور برائی میں امتیاز کرتا ہے، نیکی اور بدی کی پہچان کرتا ہے۔ سِن بلوغت کو پہنچنے پر انسان کی عقل بھی کامل ہو جاتی ہے لہٰذا اس وقت وہ مکلف بن جاتا ہے اور اپنے عقیدے اور عمل کا جوابدہ ہو جاتا ہے۔ اس پہ قانون کی پابندی لازم ہو جاتی ہے اور خلاف ورزی پہ ماخوذ ہوتا ہے۔

عقل کے بعد ہدایت کے دوسرے اسباب میں عقل کے خدّام سماعت، بصارت، سونگھنا، ٹٹولنا اور ذائقہ وغیرہ حواس ہیں جو جملہ معلومات جمع کر کے عقل کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پھر عقل ان کے درمیان فیصلہ کرتی ہے کہ کس چیز کو اختیار کرنا ہے اور کس کو چھوڑ دینا ہے۔ اسی طرح حواس باطنہ بھی اسباب ہدایت میں سے ہیں۔ اللہ نے انسانوں کو قوت وہمیہ، خیالیہ، حس مشترک، قوت متفکرہ وغیرہ عطا کی ہیں جن کو بروئے کار لا کر انسان اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکتا ہے۔ ان اسباب کے علاوہ اللہ نے انسان کو جسم اور صحت عطا فرمائی ہے۔ اپنے پیغمبر بھیجے اور کتابیں نازل کی ہیں۔ گویا ہدایت کے سامان مہیا کرنے کے بعد فرمایا۔

فَمَنْ شَاۗءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاۗءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف - ۲۹)

جس کا جی چاہے ایمان قبول کرلے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ اختیار کرلے اللہ تعالیٰ یہ اختیار سلب نہیں کرتا بلکہ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا (النساء - ۱۱۵) جدھر کوئی جانا چاہتا ہے ادھر ہی کی توفیق دے دیتا ہے پھر جب کوئی غلط راستہ اختیار کرتا ہے، کفر، شرک اور معاصی کی راہ پہ گامزن ہوتا ہے تو اسے جہنم تک پہنچاتا ہے جو کہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ اسی

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۰ بحوالہ بیہقی شعب الایمان (فیاض)

لیے ایمان کو اپنے ارادے اور اختیار سے قبول کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص نے اضطراری حالت میں ایمان کی تصدیق کر دی تو وہ معتبر نہیں ہو گی، بلکہ ایمان کی تصدیق وہ قابلِ قبول ہو گی جو ارادے اور اختیار سے کی جائے گی۔ ان تمام تر اسباب ہدایت کے باوجود جب کوئی شخص اپنے اختیار سے ہدایت کا راستہ قبول نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے گلے میں طوق ڈال دیتا ہے، آگے پیچھے دیواریں کھڑی کر دیتا ہے، اور اوپر سے بھی ڈھانپ دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر بھٹکتا پھرتا ہے اور اسے راستہ نہیں ملتا۔

صراطِ مستقیم

سیدھا راستہ تو ان لوگوں کو نظر آئے گا جن میں طلب ہو گی اور وہ اس کے لیے کوشش بھی کریں گے۔ اللہ کا فرمان ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت۔ ۶۹) جو ہمارے راستے کی تلاش میں محنت کرتے ہیں ہم ان کے لیے ہدایت کا راستہ ضرور واضح کر دیتے ہیں۔ اور یہ راستہ اسی صورت میں ملے گا کہ سابقہ کفر، شرک اور معاصی کو ترک کر دے۔ اپنی سابقہ کوتاہیوں پر تائب ہو جائے۔ جب ایسا ہو گا تو پھر عقل، حواس، کتابیں اور منذر سب کارگر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کی توفیق عطا کر دے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکْرَ آپ کا ڈرانا ان لوگوں کے لیے مفید ہو سکتا ہے جو نصیحت کی پیروی کرتے ہیں۔ جو شخص نصیحت کو اچھا ہی نہیں سمجھتا اس کے لیے نصیحت کارگر نہیں ہو سکتی اور پھر نصیحت اُس شخص کے لیے بھی کار آمد ہو گی وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ جو خدائے رحمان سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی نے نہیں دیکھا، نہ جنت دوزخ کو دیکھا ہے، نہ فرشتوں کو دیکھا ہے اور نہ بعد میں آنے والوں نے اپنے انبیاء کو دیکھا ہے۔ یہ ایمان بالغیب ہی تو ہے۔ ہمارا اس پر بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے اور وہ ہمارا محاسبہ بھی کرے گا۔ ایسے ہی شخص کے لیے آپ کی نصیحت مفید ہو گی فرمایا فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ کَرِیْمٍ

ایسے شخص کے لیے بخشش اور عزت والے اجر کی خوشخبری سنا دیں۔ اللہ تعالے چھوٹی موٹی کوتاہیاں معاف فرما دے گا۔ اور ساتھ عزت والا بدلہ بھی عطا فرمائیگا۔ اور وہ بندہ کامیاب ہو جائے گا۔

جزائے عمل کی منزل

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا ذکر فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی بے شک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے تاکہ اُن کا حساب کتاب لے کر جزائے عمل کا فیصلہ کر سکیں۔ اور اس کام کیلیے وَ نَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا ہم لکھتے ہیں جو کچھ انہوں نے اس زندگی کے دوران اگلی زندگی کے لیے آگے بھیجا۔ وَاٰثَارَهُمْ اور اُن کے نشانات بھی لکھتے ہیں تاکہ حساب کتاب کے وقت ہم اُن کو اُن کا سارا اعمال نامہ دکھا سکیں۔ اگرچہ لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو علیم کُل ہے اور وہ ازل سے لے کر ابد تک کی چیزوں کو بغیر لکھے بھی جانتا ہے مگر اُس نے لکھنے کا ایک ضابطہ مقرر کر دیا ہے جن کو دیکھ کر انسان اپنے کردہ اعمال کو پہچان لیں گے۔ اس مقصد کے لیے اللہ نے نگران اور محافظ فرشتے مقرر کیے ہوئے ہیں جو ہر انسان کے ہر عمل کو محفوظ کر رہے ہیں اور اپنے رجسٹروں میں درج کر رہے ہیں۔

آثار کی توضیح

آگے بھیجے جانے والے تو وہ نیک یا بد اعمال ہیں جو انسان دنیا میں کماتے ہیں اور آثار سے مراد وہ نشانات ہیں جو انسان اپنے پیچھے اس دنیا میں چھوڑ جاتے ہیں۔ پیچھے رہ جانے والوں میں آثارِ اطاعت بھی ہیں اور آثار معصیت بھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک[1] ہے کہ جو شخص دنیا میں کوئی اچھی چیز چھوڑ جاتا ہے اس کا اجر اس کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے اور جو کوئی بُری رسم چھوڑ جاتا ہے تو اُس پر عمل کرنے والوں کا ایک ایک گناہ اس شخص کو بھی ملتا رہتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد[2] ہے کہ جب کوئی شخص اس دنیا سے چلا جاتا ہے تو اُس کا اعمال نامہ بند کر دیا جاتا

---

[1] مظہری صـ۲۳ ج ۸ [2] (فیاض)

سہتے۔ البتہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ اُن کا ثواب مرنے کے بعد بھی برابر ملتا رہتا ہے۔ فرمایا ایک صدقہ جاریہ ہے کہ آدمی رفاہِ عامہ کا کوئی کام کر گیا ہے کوئی مسجد یا مدرسہ یا سرائے بنوا گیا ہے یا کنواں لگوا گیا ہے تو اس کا ثواب اُسے پہنچتا رہے گا۔ دوسری چیز نافع علم ہے۔ تقریر و تحریر کی صورت میں علم چھوڑ گیا ہے، قرآن و سنت کی توضیح ہے یا احکامِ دین کی تشریحات ہیں، تو جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کا ثواب جاری کنندہ کو بھی ملتا رہے گا۔ فرمایا تیسری چیز نیک اولاد ہے۔ جو مرنے والے کے لیے بخشش کی دعائیں کرتی ہے، یہ چیزیں آثار میں داخل ہیں جن کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ ہم ان کو بھی لکھتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارکہ میں بنی سلمہ کے لوگ مسجدِ نبوی سے کچھ فاصلے پر رہتے تھے مسجد کے قریب کچھ مکانات خالی ہوئے تو اُن لوگوں نے وہاں منتقل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا، تاکہ مسجد سے قریب ہو جائیں۔ حضور علیہ السلام کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر وہیں ٹھہرے رہو کیونکہ تم جتنے قدم چل کر مسجد میں آتے ہو وہ لکھے جا رہے ہیں۔ جب تک دُور سے آتے رہو گے تو زیادہ قدم لکھے جاتے رہیں گے، لہٰذا تمہارا فائدہ دور رہنے میں ہی ہے۔ حدیث[1] کے الفاظ ہیں دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ اٰثَارُكُمْ تم اپنے محلے میں ٹکے رہو کہ تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں غرضیکہ قدموں کے نشانات کو بھی حضور علیہ السلام نے آثار میں شمار کیا ہے، کسی بھی نیک کام کے لیے انسان چل کر جائے تو اس کے نقوشِ طے قدم کا حساب رکھا جاتا ہے اور اُسے اجر ملتا ہے۔

فرمایا وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ہم نے

---

[1] مظہری صفحہ ۲۴ ج ۸

(فیاض)

انسان کی ہر چیز کو کھلی کتاب میں شمار کر رکھا ہے جو کہ اللہ کے علم کا نمونہ لوح محفوظ ہے۔ یہ سارا اعمالنامہ قیامت والے دن پیش کیا جائے گا اور پھر اس کے مطابق جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے

درس سوم ٣ — آیت ١٣ تا ١٩

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا
الْمُرْسَلُوْنَ ﴿١٣﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ
فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ
مُّرْسَلُوْنَ ﴿١٤﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ
وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
تَكْذِبُوْنَ ﴿١٥﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ
لَمُرْسَلُوْنَ ﴿١٦﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ ﴿١٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ
تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿١٨﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿١٩﴾

ترجمہ:- اور بیان کریں آپ اِن کے سامنے مثال بستی
والوں کی جب کہ آئے اُن کے پاس بھیجے ہوئے ﴿١٣﴾
جب کہ ہم نے بھیجا اُن کی طرف دو کو، پھر اُن
دونوں کو انہوں نے جھٹلایا۔ پھر ہم نے قوت دی
ایک تیسرے کے ساتھ تو انہوں نے کہا بیشک
ہم تمھاری طرف بھیجے ہوئے ہیں ﴿١٤﴾ کہا ان لوگوں

نے نہیں ہو تم مگر انسان ہمارے جیسے، اور نہیں اتارا
خدائے رحمان نے کسی چیز کو، نہیں ہو تم مگر جھوٹ
بولتے ⑮ کہا انہوں نے کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے
کہ بیشک ہم تمہاری طرف البتہ بھیجے ہوئے ہیں ⑯
اور نہیں ہے ہمارے ذمے مگر کھول کر پیغام
پہنچا دینا ⑰ وہ کہنے لگے، بیشک ہم تمہاری
وجہ سے شگون لیتے ہیں۔ اگر تم باز نہیں آؤ گے
تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے، اور
پہنچے گا تم کو ہماری طرف سے دردناک عذاب ⑱
کہا انہوں نے تمہارا شگون تمہارے ساتھ ہی ہے
اس وجہ سے کہ تم کو نصیحت کی گئی ہے، نہیں
بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو ⑲

ربط آیات

سورۃ کی ابتداء میں قرآنِ پاک کی حقانیت اور صداقت کا بیان ہوا، پھر رسالت کا ذکر ہوا۔ اللہ نے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ بیان فرمائی۔ کہ اکثر لوگ حجابِ طبع یا حجابِ رسم میں مبتلا رہ کر ہی زندگی ختم کر لیتے ہیں اور عمر بھر نہ تو وہ ایمان کے معاملے میں غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ہی اُسے قبول کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ مردوں کو زندہ کرنا ہمارا کام ہے، ہم مقررہ وقت پر انہیں دوبارہ زندہ کریں گے، اُن کے تمام اعمال اور ان کی ہر ہر نقل و حرکت ہمارے پاس لکھی ہوئی ہے جو انہیں نئی زندگی ملنے پر پیش کر دی جائے گی اور پھر اس اعمالنامے کی بنیاد پر اُن سے حساب کتاب لیا جائے گا۔ اور جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے

بستی میں مرسلین کی آمد

سورۃ ہذا کی آیت ۔۳ میں رسالت کا بیان گزر چکا ہے اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ آپ اللہ کے سچے رسولوں میں سے ہیں۔ اب اسی رسالت ہی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اور آپ کے صحابہؓ کو تسلی دی ہے کہ اگر کفار مکہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کو ایذائیں پہنچاتے ہیں تو یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، بلکہ اللہ کے ہر نبی کے ساتھ لوگوں نے ایسا ہی سلوک کیا۔ اللہ نے ایک بستی کا ذکر کیا وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کے سامنے ایک بستی والوں کی مثال بیان کر دیں إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ جب کہ اس بستی میں اللہ کے بھیجے ہوئے آئے۔

مرسلین کی حیثیت کے بارے میں مفسرین کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں[1] کہ یہ تین شخص اللہ کے بھیجے ہوئے نبی تھے۔ پہلے اللہ نے ان میں سے دو کو اس بستی میں بھیجا اور پھر ان دو کی تائید کے لیے تیسرے کو بھی بھیجا۔[2] مفسرین ان کے نام صادق، صدوق اور شلوم بیان کرتے ہیں۔ تاہم اکثر مفسرین[3] فرماتے ہیں کہ یہ تین اشخاص اللہ کے براہِ راست نبی نہیں تھے بلکہ بالواسطہ طور پر عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے ان کے حواری تھے، جو تبلیغ دین کے لیے اس بستی میں بھیجے گئے تھے۔ مفسرین کا پہلا گروہ کہتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل کا ہے جب کہ دوسرا گروہ اسے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ بتاتا ہے۔

یہاں پر قریہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا اطلاق چھوٹی بستیوں پر بھی ہوتا ہے اور مکہ اور طائف جیسے بڑے شہروں پر بھی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں[4] کہ جس بستی کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ اس سے انطاکیہ کی بستی مراد ہے جو شام میں واقع ہے اور مشہور و

---

[1] تفسیر طبری ص۱۵۶ ج۲۲ والبحر المحیط ص۳۲۶ ج۷

[2] قرطبی ص۱۴ ج۱۵ ومعالم التنزیل ص۲۰۱ ج۳ ومظہری ص۱۵۶ ج۲۲

[3] معالم التنزیل ص۲۰۱ ج۳ وابوسعود ص۲۴۹ ج۴ ومدارک ص۴ ج۴ وطبری ص۱۵۴ ج۲۲

[4] بیضاوی ص۲۷۷ ج۲ وقرطبی ص۱۴ ج۱۵ وابوسعود ص۲۴۹ ج۴ وکبیر ص۵۱ ج۲۶ ومدارک ص۴ ج۴ وطبری ص۱۵۵ ج۲۲ وخازن ص۴ ج۶ (فیاض)

معروف بستی ہے۔ یہ بستی ابتدائً سکندر اعظم کے زمانے میں آباد ہوئی تھی۔ اُس زمانے میں شام اور مصر وغیرہ سلطنتِ روما میں شامل تھے اور یہاں پر اُن کے گورنر رہتے تھے۔ سکندر رومی کے بعد جب یہ بستی ویران ہوگئی تو پھر انٹوکس نامی گورنر یا بادشاہ نے اُسے دوبارہ تعمیر کیا۔ بہرحال اس بستی میں عیسٰی علیہ السلام کے فرستادہ تین مبلغین آئے۔ اُن کی تبلیغ سے کچھ لوگ ایمان بھی لے آئے چنانچہ ایسے ہی ایک مومن شخص کا ذکر آگے آرہا ہے وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی (آیت۔ ۲۰) اس شخص نے مرسلین کی تائید کی تھی جس کی پاداش میں اُسے قتل کر دیا گیا اور اللہ نے اُسے بہت بلند مرتبہ عطا فرمایا۔

اہلِ بستی کی طرف سے تکذیب

بہرحال اسی واقعہ کے متعلق فرمایا اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا جب کہ ہم نے بھیجا اُس بستی میں دو مرسلین کو تو اُس بستی والوں نے دونوں کو جھٹلا دیا۔ فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ پھر ہم نے تیسرے مرسل کو پہلے دو کی تائید کے لیے بھیجا۔ کسی کام کی تکمیل کے لیے تائید کا ہونا بھی ضروری ہے، اسی غرض کے لیے موسٰی علیہ السلام نے بھی بارگاہِ رب العزت میں عرض کی تھی کہ میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو میرا نائب بنا دے وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ (طٰهٰ۔ ۳۲) اور اُسے میرے کام میں شریک کر دے۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت و رسالت عطا کی اور موسٰی علیہ السلام کا معاون بنا دیا۔ بہرحال اللہ کے مرسلین یا عیسٰیؑ کے فرستادہ انطاکیہ کی بستی میں پہنچے فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَیْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ تو کہنے لگے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں اور تمہیں اللہ کا پیغام سنانے کے لیے آئے ہیں۔ اس کے جواب میں اہلِ بستی نے کہا قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کہ نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے انسان، تمہیں کون سے سرخاب کے پَر لگے ہوئے ہیں جو نبوت و رسالت کا دعویٰ کر رہے ہو۔ انبیاء کی بشریت قبولِ حق میں ہمیشہ مانع رہی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

(آیت - ۹۴) جب بھی لوگوں کے پاس اللہ کے نبی ہدایت لے کر آئے تو انہوں نے یہی کہہ کر انکار کر دیا کیا اللہ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ وہ یہ بھی کہتے تھے مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان - ۷) کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ نبی تو کوئی برتر مخلوق میں سے ہونا چاہیے تھا جو نہ کھاتا نہ پیتا اور نہ بازار میں سودا سلف خریدتا۔

منکرین رسالت کا ایک اعتراض تو یہ تھا کہ نبی انسان نہیں ہونا چاہیئے، اور دوسرا یہ کہ اگر انسانوں میں سے اللہ نے رسول مقرر کرنا ہے تو پھر کسی بڑے آدمی کو بنایا ہوتا۔ مشرکین مکہ بھی یہی کہتے تھے کہ ہم اس نادار آدمی کو نبی کیسے مان لیں جس کے پاس نہ مال و دولت، نہ کوٹھی اور بنگلہ، نہ نوکر چاکر اور نہ فوج اور پولیس، نہ زمین نہ باغات۔ کہتے تھے لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف - ۳۱) یہ قرآن مکے اور طائف، کی بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں ہوا۔ منصب نبوت و رسالت کے لیے کیا ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا؟ اور لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی کہا تھا کہ ہم پاگل ہیں جو ایک انسان کا اتباع کریں؟ یہ شخص ہمارا جانا پہچانا ہے اور ہمارا ہمارا ہے، بھلا اس میں نبوت والی کون سی خصوصیت ہے جو اسے نبی تسلیم کر لیں؟

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں[1] کہ مشرکین کے لیے نبوت کو تسلیم کرنے میں ہمیشہ حجاب بشریت مانع رہا ہے۔ اللہ نے اپنے نبیوں میں جو صلاحیت، استعداد، کمال اور نیکی ودیعت کی تھی، مشرک لوگ اس کو نہ پہچان سکے لہذا انکار کر دیا۔ شرف نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ کروڑوں انسانوں میں سے کسی کو عطا کرتا ہے۔ اس پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور وہ بلند ترین ہستی ہوتی ہے۔ نبوت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہے۔

---

[1] الفوز الکبیر صلا

بہر حال بستی والوں نے اللہ کے رسولوں کا انکار کیا اور کہنے لگے وَمَآ اَنۡزَلَ الرَّحۡمٰنُ مِنۡ شَیۡءٍ خدائے رحمان نے کوئی چیز نازل نہیں کی تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے کہ خدا نے تم پر وحی نازل کی ہے اور اس نے اپنی وحدانیت کو تسلیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَكۡذِبُوۡنَ نہیں ہو تم مگر جھوٹ بولتے۔

مرسلین کا کام

اس کے جواب میں عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں یا اللہ کے نبیوں نے کہا قَالُوۡا رَبُّنَا يَعۡلَمُ اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ لَمُرۡسَلُوۡنَ ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ بیشک ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اس معاملہ میں اللہ کی گواہی پیش کی کہ ہم فرستادہ ہیں اور ہم جھوٹ نہیں بولتے۔ جس قدر شدت سے وہ لوگ انکار نبوت کرتے تھے اتنی ہی شدت سے مرسلین نے جواب بھی دیا کہ ہم ضرور تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں وَمَا عَلَيۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ اور ہماری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ ہم اللہ کا پیغام کھول کر پہنچا دیں۔ اس کے بعد یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اس دعوت کو قبول کرتے ہو یا نہیں۔ کسی کو پکڑ کر زبردستی ایمان میں داخل کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ ہم تو صرف پیغام الٰہی پہنچاتے ہیں يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ (اعراف۔ ۸۵) اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، قیامت برحق ہے نبوت و رسالت درست ہے۔ ایمان لانا مدار نجات ہے۔ نیکی کرنے پر انسان کو درجات ملتے ہیں اور تکذیب پر سزا ملتی ہے۔ غرضیکہ ہمارا کام تو خدا کا پیغام کھول کر سنا دینا ہے، آگے ماننا یا نہ ماننا یہ تمہاری مرضی ہے۔

اہل بستی کا بُرا شگون

آگے سے لوگوں نے جواب دیا۔ قَالُوۡۤا اِنَّا تَطَيَّرۡنَا بِكُمۡ کہنے لگے ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں اور تمہاری وجہ سے بُرا شگون لیتے ہیں۔ تم جب سے ہماری بستی میں آئے ہو بارش رُک گئی ہے اور قحط پیدا ہو گیا ہے۔ نیز گھر گھر میں تم نے اختلافات ڈال دیے ہیں۔ اور لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا ہے۔ اناج اور پانی کی قلت پیدا ہو گئی ہے تم ایسے منحوس آئے ہو۔

اصل میں تطیر کا معنیٰ پرندے کو اڑا کر اس سے شگون لینا ہے۔ مشرکین عرب میں یہ دستور عام تھا کہ جب کسی اہم کام کے ارادے سے نکلنا ہوتا تو کسی پرندے کو اڑاتے اگر وہ دائیں طرف کو اڑتا تو جان لیتے کہ اُن کا یہ سفر مبارک ہے اور جس کام کے لیے جا رہے ہیں وہ ہو جائے گا، برخلاف اس کے کہ اگر پرندہ اڑ کر بائیں طرف کو جاتا تو سمجھتے کہ حالات اُن کے حق میں نہیں، لہٰذا وہ اس کام کا ارادہ ترک کر دیتے۔

ہندوؤں میں بھی اس قسم کا زعم پایا جاتا ہے۔ صبح صبح گھر سے باہر کسی کام کے لیے نکلے، اگر کالا کتا سامنے آ گیا یا کالی بلی نے راستہ کاٹ دیا تو اس سے بُرا شگون لیا کہ یہ کام نہیں ہو گا۔ اگر کہیں کوا یا اُلّو بیٹھا دیکھ لیا تو اسے ویرانی اور بربادی پر محمول کیا۔ اگر گھر سے نکلتے وقت عورت سامنے آ گئی تو اُسے بھی کام کی تکمیل میں منحوس تصور کرتے ہیں۔

حضور علیہ السلام نے ایسے شگون کے متعلق فرمایا[1] الطِّیَرَةُ مِنَ الشِّرْكِ کہ شگون لینا شرک کی ایک قسم ہے۔ آپ دُعا فرمایا کرتے تھے[2] اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ وَلَا طَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ اے پروردگار! خیر تیری ہی خیر ہے اور شگون تیرا ہی شگون ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا[3] کہ اس قسم کا شگون شیطانی وہم ہوتا ہے اور اہلِ ایمان کو دل میں ایسا خیال نہیں لانا چاہیئے۔ ہر چیز کا اختیار اللہ کے پاس ہے، اور شگون والا خیال باطل ہے۔

فال بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ کوئی قرآن سے فال نکالتا ہے، اور کوئی دیوانِ حافظ سے، کوئی ہیر رانجھے کی کتاب کو فال کے لیے استعمال کرتا ہے حالانکہ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فال کے بارے میں صرف اس قدر فرمایا ہے[4] کہ اگر کوئی اچھا لفظ سن کر دل خوش ہو جائے تو اتنا درست ہے باقی سب شرک ہے۔ بہرحال بستی والوں نے کہا کہ تم ہمارے شہر میں ایسے

---

[1] 　　[2]

[3] 　　[4]

منحوس آئے ہو کہ ہم طرح طرح کے مصائب میں پھنس گئے ہیں۔

اہل بستی کی دھمکی

پھر انہوں نے یہ دھمکی بھی دی لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ اگر تم اپنی اس تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں پتھر مار کر ہلاک کر دیں گے۔ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور اپنی طرف سے تمہیں سخت دردناک سزا دیں گے۔ رجم واقعی سخت ترین اور عبرتناک سزا ہے، جو اللہ نے محض زانی اور زانیہ کے لیے مقرر کی ہے، حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بعض واقعات میں مجرموں کو یہ سزا دی گئی اور انہیں سرِ عام سنگسار کیا گیا۔ بعض سابقہ نافرمان قوموں کو بھی سنگساری کی سزا دی گئی، چنانچہ لوط علیہ السلام کی بستی کو الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش بھی کی گئی۔ اللہ نے فرمایا ہے مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ (ھود-۸۳) ہر پتھر پر اللہ نے نام لکھ دیا تھا کہ یہ فلاں کے سر پہ لگے گا اور یہ فلاں نابکار کا بیڑا غرق کرے گا۔ بہرحال اہل بستی نے کہا کہ ہم تمہاری آمد سے بُرا شگون لیتے ہیں اور اگر تم اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو تمہیں سنگسار کر دیا جائے گا۔

مرسلین کا جواب

اس پر مرسلین نے یہ جواب دیا قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ کہنے لگے تمہارا شگون اور نحوست تمہارے ہی سر پہ ہے، تمہارے اعمالِ بد کی وجہ سے ہی تم پر نحوست چھائی ہوئی ہے اور تم قحط اور لڑائی جھگڑے میں مبتلا ہو۔ یہ نحوست ہماری پیغام رسانی کی وجہ سے نہیں بلکہ تمہارے کفر و شرک کا نتیجہ ہے۔ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ کیا یہ باتیں تم اس لیے کہتے ہو کہ ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں، کیا ہم اپنا فرض منصبی ترک کر دیں؟ نہیں بلکہ نحوست تو تمہاری شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ حد سے بڑھنے والے تم ہی لوگ ہو تمہارا قول فعل، اخلاق، عقیدہ سب کچھ حد سے بڑھا ہوا ہے۔

اس کے بعد لوگوں نے اللہ کے نبیوں یا عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغین کے ساتھ بڑی سختی کی۔ آگے اس مردِ مومن کا ذکر بھی آ رہا ہے جو مرسلین کی حمایت میں آیا تھا۔ لوگوں نے اسکی جان تو لے لی مگر اللہ نے اسے بلند مرتبہ عطا فرمایا۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ
يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٠﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا
يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَالِیَ
لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٢﴾
ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ
بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا
يُنْقِذُوْنِ ﴿٢٣﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾ اِنِّيْٓ
اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿٢٥﴾ قِيْلَ ادْخُلِ
الْجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾
بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٧﴾
وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ
مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنْ
كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ
خٰمِدُوْنَ ﴿٢٩﴾ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ
مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٠﴾

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ
اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا
جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ:- اور آیا شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا، کہنے لگا اے میری قوم کے لوگو! پیروی کرو بھیجے ہوؤں کی ﴿۲۰﴾ تابعداری کرو اُن کی جو نہیں مانگتے تم سے بدلہ، اور وہ ہدایت کے راستہ پہ ہیں ﴿۲۱﴾ اور کیا ہے مجھے کہ میں نہ عبادت کروں اُس ذات کی جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے ﴿۲۲﴾ کیا بناؤں میں اللہ کے سوا دوسروں کو معبود؟ اگر خدائے رحمان چاہے نقصان پہنچانا تو اُن کی سفارش مجھے کچھ کام نہیں آسکتی، اور نہ وہ چھڑا سکتے ہیں ﴿۲۳﴾ اس وقت تو میں البتہ گمراہی میں ہو جاؤں گا ﴿۲۴﴾ تحقیق میں ایمان لایا ہوں تمہارے پروردگار پہ، پس سنو ﴿۲۵﴾ کہا گیا اس شخص سے کہ داخل ہوجاؤ جنت میں۔ اس نے کہا، کاش میری قوم کے لوگ جانتے ﴿۲۶﴾ اس چیز کو کہ بخشا ہے مجھے میرے پروردگار نے، اور بنایا ہے مجھے عزت والوں میں سے ﴿۲۷﴾ اور نہیں اتارا ہم نے اس کی قوم پر اُس کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور نہ ہی تھے ہم اتارنے والے ﴿۲۸﴾ اور نہیں تھی مگر ایک چیخ، پس اچانک وہ سب بجھنے والے ہو گئے ﴿۲۹﴾ افسوس ہے بندوں پر، نہیں

آتا اُن کے پاس کوئی رسول مگر وہ اُس کے ساتھ ٹھٹا کرتے
ہیں (۳۰) کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ ہم نے اُن سے پہلے
کتنی جماعتیں ہلاک کر دی تھیں ۔ بیشک وہ اُن کی طرف لوٹ
کر نہیں آئیں گے (۳۱) اور نہیں ہے کوئی مگر تمام کے
تمام ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے (۳۲)

ربط آیات

مکی سورتوں کے چار بنیادی عقائد میں سے اس رکوع میں رسالت کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے ۔ گزشتہ درس میں انطاکیہ کی بستی کا ذکر ہوا کہ اُس میں اللہ کے بھیجے ہوئے نبی یا عیسٰی علیہ السلام کے فرستادہ مبلغین دینِ اسلام کی تبلیغ کے لیے آئے تو اہلِ بستی نے ان کی تکذیب کی ۔ بدسلوکی کرنے اور ایذا پہنچانے کے علاوہ اُن کو طعن بھی کیا کہ تمہاری آمد کی وجہ سے ہم پر نحوست چھا گئی ہے ، ہمارے علاقے میں خشک سالی پیدا ہو گئی ہے اور گھر گھر میں لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا ہے ۔ رسولوں نے جواب دیا کہ یہ نامبارکی ہماری وجہ سے نہیں ہے بلکہ تم خود ہی حد سے بڑھنے والے ہو جس کی سزا تمہیں مل رہی ہے

ایک مومن کی خیر خواہی

مرسلین نے اپنی تبلیغ جاری رکھی جس کی وجہ سے اہلِ بستی مشتعل ہو گئے اور وہ ان کے قتل کے منصوبے بنانے لگے ۔ شہر کی دوسری طرف ایک اہلِ ایمان آدمی رہتا ہے جس کا نام حبیب نجار تھا ۔ تفسیری[1] اور تاریخی روایات میں آتا ہے کہ پہلے تو یہ شخص بت تراش تھا ۔ پھر اُس نے مرسلین کی کرامت دیکھی تو اللہ نے اسے ایمان لانے کی توفیق دے دی اور وہ ایمان لے آیا ۔ جب اہلِ بستی مرسلین کو ایذا پہنچاتے تو اس شخص کو بڑی کوفت ہوتی ۔ جب اُسے پتہ چلا کہ یہ لوگ اُن مبلغین یا رسولوں کو قتل کرنے کے درپے ہیں تو اس سے رہا نہ گیا اور اس قسم کے معاملہ میں اپنا فرض ادا

---

[1] تفسیر طبری ص ۱۵۸ ج ۲۲ و قرطبی ص ۱۸ ج ۱۵ (فیاض)

کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی بات کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَۃِ رَجُلٌ یَّسْعٰی شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے اپنی قوم کو سمجھانے کی کوشش کی کہنے لگا۔ قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ اے میری قوم کے لوگو! ان فرستادہ شخصیات کی پیروی کرو۔ یہ تمھیں غلط راستے سے ہٹا کر صحیح راستے پہ لانا چاہتے ہیں، کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید کی روشنی میں لانا چاہتے ہیں۔ وہ تمھارے ساتھ خیر خواہی کا سلوک کر رہے ہیں تاکہ تم آخرت کے دائمی عذاب سے بچ جاؤ۔ اس شخص نے یہ بھی کہا اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُکُمْ اَجْرًا تم اِن کا اتباع کرو جو تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے۔ وہ تمھاری خیر خواہی میں مخلص ہیں۔ وہ تمھاری بے لوث خدمت کر رہے ہیں، لہٰذا اُن کی بات مان لو کیونکہ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ خود بھی ہدایت یافتہ ہیں اور تمھیں بھی ہدایت کی راہ پر چلانا چاہتے ہیں۔

توحید پہ استقامت

پھر اس شخص نے توحید پر اپنی استقامت کا اس طرح اظہار کیا۔ وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ اور کیا ہے مجھے کہ میں اُس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ یہاں اُس مومن آدمی نے اللہ کی صفت فطور کا ذکر کیا ہے یعنی وہ اللہ جس نے مجھے ہستی بخشی ہے۔ میں ضرور اُسی کی عبادت کروں گا کیونکہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ پھر ساتھ ساتھ اپنے مخاطبین کو تنبیہ بھی کی وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ تم سب نے اُسی خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ مرنے کے بعد تم کو اُسی کے سامنے حاضر ہو کر اپنے عقائد و اعمال کی جوابدہی کرنا ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح میں خالص اُسی کی عبادت کرتا ہوں۔ اسی طرح تم بھی کفر اور شرک کو چھوڑ صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کے بندے بن جاؤ۔

اِس کے بعد اُس شخص نے شرک کی تردید اس انداز میں کی ءَاَتَّخِذُ

مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً کیا میں اُس ایک خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنا لوں؟ ان معبودانِ باطلہ کی حالت تو یہ ہے اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ کہ اگر خدائے رحمان کسی تکلیف میں مبتلا کرنا چاہے لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا تو ان معبودوں کی سفارش مجھے کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ یہ تو بے اختیار اور عاجز ہستیاں ہیں وَّلَا یُنْقِذُوْنِ اور نہ ہی یہ مجھے کسی مصیبت سے نجات دلا سکتے ہیں۔ کسی میں اتنی طاقت نہیں کہ خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تکلیف کو دور کر سکے۔ اگر میں ایسی ہستیوں کی عبادت کروں گا تو یہ تو حماقت والی بات ہوگی۔ ایسی صورت میں اِنِّیْٓ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ بلاشبہ میں کھلی گمراہی میں جا پڑوں گا اس سے زیادہ کون سی گمراہی ہوگی کہ انسان خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کراتا پھرے، ان کی نذر و نیاز دے اور ان کی ایسی تعظیم کرے جو اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے مختص ہے۔ غرضیکہ اُس مردِ مومن نے عقلی انداز میں لوگوں کو توحید کے اثبات اور شرک کے رد کی بات بتلائی۔

پھر کہنے لگا اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں۔ پہلے اللہ کی صفت فطور کا ذکر کیا تھا۔ اب ربوبیت کی بات کی۔ گویا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور ہر چیز کو بتدریج حد کمال تک پہنچانے والی ذات بھی وہی ہے۔ میں اسی خداوند قدوس پر ایمان لایا ہوں جو ان صفات کا حامل ہے۔ فَاسْمَعُوْنِ تم بھی اس بات کو اچھی طرح سُن لو۔ میں یہ بات چھپ کر نہیں کر رہا ہوں بلکہ علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں خود خدائے رحمان پر ایمان لا چکا ہوں اور تمہیں بھی یہی دعوت دیتا ہوں کہ ان خود ساختہ معبودوں کو چھوڑ کر ان مرسلین کے رب پر ایمان لے آؤ۔ اسی میں تمہاری نجات ہے۔

مومن آدمی کا قتل

وہ ناہنجار قوم اس مردِ مومن کی نصیحت پر تو کیا عمل کرتی، وہ اس شخص کے بھی اسی طرح مخالف ہو گئے۔ جس طرح وہ مرسلین کے مخالف تھے بلکہ اس شخص کے ساتھ اُن سے بھی زیادہ ضد اور عناد کا مظاہرہ کرنے لگے

چنانچہ انہوں نے اُس ایماندار شخص کو قتل کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت[1] میں آتا ہے کہ قوم نے اُس شخص کو پاؤں کے نیچے اس قدر روندا کہ اُس بیچارے کی آنتیں پیٹ سے باہر نکل آئیں اور وہ شہید ہو گیا۔ مفسر وہبؒ کا بیان[2] ہے کہ جب وہ ظالم اس اہل ایمان کو ایذائیں دے رہے تھے تو وہ ان کے حق میں ہدایت کی دعائیں کر رہا تھا۔ یہ شخص بڑا ہی نیک اور عبادت گزار تھا۔ کہتے ہیں کہ دن بھر جو کچھ کما کر لاتا شام کو اُسے دو حصوں میں تقسیم کر دیتا۔ ایک حصہ بال بچوں کے حوالہ کرتا اور دوسرا حصہ محتاجوں میں تقسیم کر دیتا۔

امت محمدیہؐ میں مثالیں

مسیح علیہ السلام کی امت کے اس شخص کی استقامت ایمان کی مثالیں امت محمدیہؐ میں بھی ملتی ہیں۔ مسیلمہ کذاب نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور پھر اس کے ساتھ فیصلہ کن معرکہ بھی پیش آیا۔ اس داعی نبوت کی گرفت میں کسی طرح دو ایماندار آدمی آ گئے، جن میں ایک[3] کا نام حبیب ابن زید تھا۔ مسیلمہ کذاب نے اس سے پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو اس نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ مسیلمہ کذاب بھی اللہ کا رسول ہے تو وہ شخص کہنے لگا کہ تمھاری یہ بات مجھے سنائی ہی نہیں دیتی۔ مسیلمہ نے اُس سے اپنے حق میں گواہی لینے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا مگر وہ یہی کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی تو دیتا ہوں مگر دوسری بات میری سماعت میں ہی نہیں آتی۔ اس پر مسیلمہ سخت طیش آ گیا۔ اور اُس نے اس مرد مومن کا ایک ایک عضو کاٹ کر اُس کو ہلاک کر دیا مگر وہ شخص اپنے ایمان پہ پکا رہا۔

اسی طرح طائف میں قبیلہ ثقیف کے سردار حضرت عروہ بن مسعودؓ ثقفی

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۸ ج ۳

[2] ابن کثیر ص ۵۶۸ ج ۳ و معالم التنزیل ص ۲۰۲ ج ۳

[3] طبری ص ۱۵۹ ج ۲۲ و ابن کثیر ص ۵۶۹ ج ۳

(فیاض)

حضور علیہ السلام کے صحابی ہیں۔ آپ نے ان کے متعلق فرمایا کہ ان کی شکل و شباہت حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔ جب یہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے تو عرض کیا حضور! مجھے اجازت دیں کہ میں واپس اپنے قبیلے میں جا کر ان کو تبلیغ اسلام کروں۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ تمہاری مخالفت کریں گے، تو وہ کہنے لگا کہ میں اپنی قوم کا سردار ہوں وہ میرا بڑا احترام کرتے ہیں حتیٰ کہ جب میں سو رہا ہوتا ہوں تو کوئی آدمی مجھے جگانے کی جرأت نہیں کرتا۔ بہرحال وہ صحابی آپ سے اجازت لے کر قوم کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ لات و منات اور عزیٰ کو چھوڑ کر حضور علیہ السلام کی رسالت کو تسلیم کر لو اور اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آؤ۔ اتنی بات تھی کہ قوم دشمن ہو گئی حتیٰ کہ جب آپ نماز کے لیے اذان دیتے وقت شہادت کے کلمات ادا کر رہے تھے تو ایک بدبخت نے تیر مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ بھی حبیب نجارؓ کے ساتھ ملتا جلتا واقعہ ہے۔[1]

مومن آدمی کی حسرت

ان آیات میں اس مردِ مومن کی ہلاکت کا ذکر تو نہیں کیا گیا بلکہ اس کی طرف سے قوم کو وعظ کرنے کے ذکر کے بعد فرمایا قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ اس شخص سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ظاہر ہے کہ جنت کا داخلہ تو موت کے بعد ہی ممکن ہے جنت میں داخلے کی دو صورتیں ہیں۔ قیامت کے بعد حشر و نشر اور حساب کتاب ہونے کے بعد تو جنت کا داخلہ بالکل قابلِ فہم ہے۔ البتہ مرنے کے فوراً بعد جنت میں داخلہ بھی اس لحاظ سے قابلِ فہم ہے کہ انسان عالمِ برزخ میں تو پہنچ ہی جاتا ہے اور وہاں بھی ابتدائی سوال و جواب کے بعد اس کے لیے یا تو جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے اور اسے راحت محسوس ہونے لگتی ہے یا اگر وہ کفر، شرک یا معاصی کا مرتکب ہے تو اسے دوزخ کی تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے تو بہرحال جنت سے مراد برزخ میں جنت کا احساس بھی ہو سکتا ہے۔

---

[1] ابن کثیر ص ۵۶۸ ج ۳ (فیاض)

اس شخص کی مرنے کے بعد بھی یہی حسرت تھی قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ
کاش کہ میری قوم کو علم ہو جاتا بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ کہ میرے پروردگار نے مجھے
بخش دیا ہے وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل
کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے نزدیک عزت والے وہی لوگ ہیں جن کو اُس
نے جنت کا ٹکٹ دیدیا ہے اور وہ کامیاب ہو گئے ہیں، کہنے لگا، کاش
میری قوم کے لوگوں کو میری کامیابی کا پتہ چلتا تو وہ ایسی ظالمانہ حرکتیں نہ کرتے اور کفر
اور شرک کی بجائے توحید کو اختیار کر لیتے۔ الغرض! اس اللہ کے بندے نے عالمِ برزخ
میں بھی قوم کے ساتھ خیر خواہی کا اظہار ہی کیا۔

ظالم قوم کی ہلاکت

آگے اللہ تعالیٰ نے اُس ظالم قوم کی ہلاکت کا حال بیان کیا ہے۔ ارشاد
ہوتا ہے وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ
السَّمَآءِ ہم نے اس ظالم قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں بھیجا جو انہیں ہلاک کرتا وَمَا
كُنَّا مُنْزِلِيْنَ اور نہ ہی ہم ایسا کوئی لشکر اتارنے والے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اس
نافرمان قوم کی ہلاکت کے لیے کسی فوج کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ اس کام کے لیے اِنْ
كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً ایک چیخ ہی کافی تھی جو ہم نے بھیج دی فَاِذَا هُمْ
خٰمِدُوْنَ پس اچانک وہ بجھنے والے ہو گئے یعنی وہ اسی طرح صفحۂ ہستی سے
ملیامیٹ ہو گئے جس طرح دہکتے ہوئے کوئلوں پر پانی ڈال دیا جائے تو وہ بجھ جاتے
ہیں۔ مفسرین کرام[1] فرماتے ہیں کہ اللہ نے ایک فرشتے کو بھیجا۔ جس نے شہر کے دروازے
پر ہاتھ رکھ کر ایسی چیخ ماری کہ سب اہل بستی کے دل پھٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گئے
آگے فرمایا يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ بندوں کی حالت پر افسوس ہے مَا يَاْتِيْهِمْ
مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ کہ جب بھی ان کے پاس اللہ
کا کوئی رسول آیا۔ انہوں نے اس کے ساتھ ٹھٹھا ہی کیا۔ انہوں نے اللہ کے نبیوں

---

[1] ابن کثیر ص ۵۶۹ ج ۳ (فیاض)

کی دعوت پر نہ تو غور کیا اور نہ انہیں تسلیم کیا۔

اگلی آیت میں روئے سخن نزولِ قرآن کے زمانے کے مشرکین کی طرف ہوتا ہے اور یہی بات ہر زمانے کے لوگوں کے لیے بھی باعث عبرت ہے۔ اَلَمۡ يَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ کیا اِن لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی جماعتوں کو ہلاک کیا۔ اَنَّهُمۡ اِلَيۡهِمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ بے شک وہ اِن کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے، وہ تباہ و برباد ہو گئے، اس دنیا سے ختم ہو گئے۔ اب وہ کہاں واپس آئیں گے؟ فرمایا وَاِنۡ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيۡعٌ لَّدَيۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ اور نہیں کوئی مگر سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے، ہر شخص کو ہمارے سامنے پیش ہونا ہے۔ وہاں سب کے متعلق جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے اور مجرم بچ نہیں سکیں گے۔ یہ ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ کفر و شرک کو چھوڑ کر ایمان قبول کر لو، ورنہ تمہارا حشر بھی پہلی قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا
مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا
فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا
فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿٣٤﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ
وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٥﴾
سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا
تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ښ نَسْلَخُ مِنْهُ
النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالشَّمْسُ
تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ
الْعَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى
عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿٣٩﴾ لَا الشَّمْسُ
يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ
سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٤٠﴾

ترجمہ : اِن لوگوں کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے
جسے ہم نے زندہ کر دیا اور نکالا اُس سے اناج ،

پس اس سے وہ کھاتے ہیں (۳۳) اور بنائے ہم نے اس
میں باغات کھجوروں اور انگوروں کے ، اور چلائے ہم نے
اس میں چشمے (۳۴) تاکہ یہ کھائیں اُس کے پھل سے ۔ اور
نہیں بنایا اُسے اِن کے ہاتھوں نے ۔ کیا یہ لوگ شکر
ادا نہیں کرتے ؟ (۳۵) پاک ہے وہ ذات جس نے پیدا
کیے جوڑے سب کے سب جن کو زمین اگاتی ہے ، اور
خود ان میں سے اور اُن چیزوں میں سے جن کو یہ نہیں
جانتے (۳۶) اور رات بھی اِن کے لیے نشانی ہے ، ہم
کھینچ لیتے ہیں اِس کو دِن سے ۔ پس اچانک یہ اندھیرے
میں ہو جاتے ہیں (۳۷) اور سورج چلتا ہے اپنے مستقر
کے لیے ۔ یہ ہے اندازہ ٹھہرایا ہوا زبردست اور علم والے
پروردگار کا (۳۸) اور چاند کہ ہم نے مقدر کیا ہے اُس
کو مختلف منزلوں میں یہاں تک کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی
کی طرح ہو جاتا ہے (۳۹) نہ تو سورج چاند کو پا سکتا
ہے اور نہ رات سبقت کرنے والی ہے دن سے ۔ اور یہ
سب اپنے اپنے مدار کے اندر تیر رہے ہیں (۴۰)

ربطِ آیات

رسالت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کا حال بیان کیا کہ اُن کے پاس تین رسول آئے تاکہ اُن کو توحید کی دعوت دیں مگر اُن اہلِ بستی نے اُن رسولوں یا مبلغین کے ساتھ سخت بدسلوکی کی حتیٰ کہ اُن کے قتل کے در پے ہوئے اِن مرسلین کی تائید میں شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا ، اور قوم کو سمجھایا کہ اِن رسولوں کی پیروی کرتے ہوئے شرک سے تائب ہو جاؤ ، اور توحیدِ خداوندی کو اختیار کر لو ، مگر بستی والے اس مردِ مومن کے بھی خلاف ہو گئے ۔ اور اُسے قتل کر ڈالا ۔ پھر ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خوفناک چیخ کی صورت

میں عذاب آیا جس سے سارے بستی والے ہلاک ہو گئے۔ ضمناً اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید فرمائی اور توحید کا اثبات پیش کیا۔ جزائے عمل کا بیان بھی ہوا۔ اللہ نے فرمایا کہ جب بھی کسی قوم کے پاس اللہ کا نبی آیا تو قوم نے اس کے ساتھ ٹھٹھا ہی کیا اور اس کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ مشرک لوگ نبی آخر الزمان کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے بہت سی قوموں کو اسی جرم کی پاداش میں ہلاک کیا۔ ان سب کو ایک دن ہمارے روبرو حاضر ہونا ہے جب ان کے عقائد و اعمال کے متعلق حتمی فیصلے ہوں گے۔

زمین کی روئیدگی

اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بعض دلائل بیان فرمائے ہیں جن سے وقوعِ قیامت اور توحید کا اثبات سمجھ میں آسکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ ان لوگوں کے لیے مردہ زمین بھی بطور ایک نشانی کے ہے أَحْيَيْنَاهَا جس کو ہم نے زندہ کیا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا پھر اس سے اناج نکالا یعنی دانے پیدا کیے فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ پس یہ لوگ اسی اناج کو اپنی خوراک بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی روئیدگی کا بہت سے مقامات پر ذکر کیا ہے کہ آسمان کی طرف سے پانی برسا کر ہم نے زمین کو روئیدگی بخشی اور پھر اس سے پھل پھول، اناج، سبزہ اور چارہ پیدا کیا۔

یہ آیت توحیدِ خداوندی کی دلیل ہے کہ آسمان کی طرف سے جہاں اور جس قدر چاہے پانی برسا کر مردہ زمین کو زندہ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اس میں کسی دوسری ذات کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اور یہی آیت وقوعِ قیامت کی دلیل اس طرح بنتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اسی طرح وہ قیامت والے دن تمام مردوں کو بھی زندہ کر کے اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا۔ بزرگانِ دین یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ خشک زمین کو تر و تازہ کر دیتا ہے، اسی طرح وہ اپنی مہربانی کے ساتھ مردہ دلوں یعنی گمراہ

ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

لـہ

دلوں کو نورِ ہدایت ، ایمان اور توحید کی توفیق بخش کر اُن میں روحانی زندگی پیدا کرتا ہے جب اُس میں اطاعت کا بیج پڑ جاتا ہے تو اسے روحانی غذا بھی حاصل ہو جاتی ہے ۔

فرمایا ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر کے اس میں سے اناج اگایا۔ اس کے علاوہ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ہم نے اس زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات لگائے۔ وَفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ اور آبی ضروریات کے لیے زمین میں چشمے بھی جاری کر دیے۔ دریاؤں ، نہروں اور چشموں کے پانی سے جانداروں کی پینے اور دھونے کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور یہی پانی کھیتی باڑی کے کام آتا ہے جس سے تمام جانداروں کی غذائی ضروریات پوری ہوتی ہیں جس طرح زمین میں پانی بہنے سے خوبصورت باغات پیدا ہوتے ہیں ، اسی طرح ذوق و شوق کے ساتھ ذکرِ الٰہی کرنے والوں کے دلوں میں حکمت و دانائی کے چشمے جاری ہوتے ہیں اور انسانوں کے دلوں میں باغ و بہار پیدا ہوتے ہیں ۔

فرمایا اناج اور باغات پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ تاکہ انسان اور جانور اُن کا پھل کھائیں جو کہ اُن کی زندگی کی بقا کے لیے ضروری ہے ۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کا فیضان ہے ورنہ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ان لوگوں کے ہاتھوں نے کچھ بھی نہیں بنایا یہ خود سوچیں کہ کیا بارش برسا کر دریا ، نہریں اور چشمے انہوں نے جاری کیے ہیں ؟ کیا پھل ، پھول ، اناج اور سبزہ انہوں نے پیدا کیا ہے ، کیا کھجوروں اور انگوروں کی پیداوار ان کا کارنامہ ہے ؟ ہرگز نہیں ۔ بلکہ سب کچھ خدا تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ ہے ۔ جب یہ بات ہے تو اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے ؟ انسانوں کا فرض تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لاتعداد نعمتوں کو استعمال کرنے کے بعد اس کا شکر بھی ادا کرتے مگر اللہ نے فرمایا کہ اس کے شکر گزار بندے بہت کم ہیں ، اور اکثر لوگ ان نعمتوں کا کفران ہی کرتے ہیں ۔

جوڑوں کی پیدائش

اگلی آیت میں اللہ نے اپنی قدرت کی ایک اور نشانی بیان فرمائی ہے ۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا پاک ہے وہ ذات جس نے پیدا کیے جوڑے سب کے سب۔ ان میں سے بعض جوڑے وہ ہیں مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ جنہیں زمین اُگاتی ہے زمین سے لگنے والی چیزوں ہیں اناج، پھل، پھول اور درخت پودے اور دیگر نباتات ہیں۔ اللہ نے ہر ایک کے جوڑے بنائے ہیں جن سے ان کی نسل آگے چلتی ہے۔ ہر درخت، پودے اور سبزے کے نر و مادہ ہوتے ہیں جو کہ بار آور ہو کر جانداروں کے لیے خوراک مہیا کرتے ہیں۔ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ اور خود اُن کی جانور میں بھی جوڑے پیدا کیے ہیں۔ اللہ کی مخلوق انسانوں، جنوں، چرندوں، پرندوں وغیرہ سب کو اللہ نے جوڑے جوڑے پیدا کیا ہے اور پھر نر و مادہ کے ملاپ سے ان کی نسل آگے چلائی ہے۔ اگر جوڑوں کی بجائے صرف نر یا صرف مادہ ہوتے تو بقائے نسل ممکن نہ ہوتی۔ اور فرمایا ہم نے اُن چیزوں کے بھی جوڑے بنائے۔ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ جن کو یہ انسان جانتے ہی نہیں۔ اللہ کی کتنی ہی مخلوق ہے جو زمین کی پشت پر ہمارے سامنے چلتی پھرتی ہے اور لاتعداد مخلوق ایسی بھی ہے جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور ہم اُسے جانتے تک نہیں زمین کی تہوں اور سمندروں کی گہرائیوں میں بسنے والے کتنے کیڑے مکوڑے ہیں جن کے نام تک سے ہم واقف نہیں۔ اللہ نے اُن کو بھی جوڑوں کی شکل میں پیدا کر کے بقائے نسل کا انتظام کر دیا ہے تو فرمایا ہم نے زمین میں ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے۔

اِن معروف جوڑوں کے علاوہ بعض غیر مرئی جوڑے بھی اللہ نے بنائے ہیں نیکی اور بدی، معروف اور منکر، اندھیرا اور اجالا سب جوڑے ہی تو ہیں۔ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ چنانچہ نیکی کی پہچان بدی سے اور روشنی کی پہچان اندھیرے کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جس طرح اللہ نے ان سب چیزوں کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد انسانوں کو دوبارہ بھی زندہ کرے گا۔ وہ ذاتِ خداوندی ہر عیب، نقص اور شرک سے پاک ہے سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (الطور - ۴۳) اللہ تعالیٰ ہر کمزوری

رات دن کا تغیر و تبدل

سے منزہ ہے، وہ ذات ان تمام چیزوں سے بلند و برتر ہے۔
آگے اللہ نے اپنی قدرت کی ایک اور نشانی بیان فرمائی ہے وَاٰیَۃٌ لَّھُمُ الَّیْلُ رات بھی ان لوگوں کے لیے بطور ایک نشانِ قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے رات اور دن کا ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کہ جب انسان دن بھر کی مشقت سے تھک جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ رات کو لے آتے ہیں تاکہ وہ اس دوران میں آرام کر کے اپنی تحلیل شدہ قویٰ بحال کر سکیں۔ چنانچہ جب لوگ آرام کرنا چاہتے ہیں تو فرمایا نَسْلَخُ مِنْہُ النَّھَارَ تو ہم اس رات کو دن سے کھینچ لیتے ہیں۔ جب دن کے بعد رات چھا جاتی ہے فَاِذَا ھُمْ مُّظْلِمُوْنَ تو اچانک لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کا نظام خاص تناسب کے ساتھ قائم کر رکھا ہے۔ سورۃ الفرقان میں ہے وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ خِلْفَۃً (آیت-۶۲) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا بنایا ہے۔ اللہ کے شکر گزار بندے دونوں اوقات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر کوئی دن کے وقت غلطی ہو جاتی ہے۔ تو رات کو معافی مانگ لیتے ہیں، اور اگر رات میں کوئی کوتاہی ہوئی تو اس کی تلافی دن کے وقت کر لیتے ہیں۔ الغرض! رات اور دن اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جن میں غور و فکر کر کے انسان اللہ کی وحدانیت کو پہچان سکتے ہیں۔

سورج اور چاند کی گردش

جس طرح رات اور دن کا نہایت موزوں نظام قائم ہے، اسی طرح فرمایا، وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا اور سورج بھی اپنے مستقر یعنی ٹھہرائے ہوئے راستے پر چل رہا ہے۔ اگر مستقر سے مراد مستقر زمانی ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ سورج اپنے مقررہ وقت تک محو سفر ہے اور قیامت کو اپنے مستقر پہ پہنچ کر ختم ہو جائے گا۔ اللہ کا فرمان ہے اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ (التکویر-۱) جب سورج بے نور کر دیا جائے گا، یہ اس وقت تک اپنی رفتار سے چلتا رہے گا۔ اور اگر مستقر سے مراد مستقر مکانی ہو تو معنیٰ یہ ہوگا کہ سورج اپنے مدار میں مقررہ رفتار سے سفر کر رہا ہے

حضور علیہ السلام کا فرمان[1] ہے کہ سورج اپنی منزل کی طرف چلتا رہتا ہے اور ہر رات عرش عظیم کے نیچے بارگاہِ رب العزت میں سجدہ ریز ہوتا ہے، اور اپنی رفتار کو جاری رکھنے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملتی ہے اور وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے، پھر ایک دن آئے گا کہ حسب معمول سورج اللہ تعالیٰ سے اپنے سفر کے تسلسل کی اجازت طلب کرے گا تو حکم ہو گا کہ اپنی حرکت کو معکوس کر دو، چنانچہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو گا۔ اور دوپہر تک کا وقت ہو جائے گا۔ لوگوں میں دہشت پیدا ہو جائے گی، وہ خوف کے مارے ایمان کا اقرار کریں گے۔ مگر اس وقت کا ایمان لانا قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی کوئی نیکی قبول ہو گی۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جب سورج اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی رفتار روک کر ہی ایسا کرتا ہو گا۔ جس کی وجہ سے اس کے معمول میں فرق آنا لازمی ہے مگر ایسا نہیں ہوتا اور آج تک سورج کی رفتار میں سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے برابر بھی فرق نہیں آیا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے جواب میں مفسرین کرام[2] بیان کرتے ہیں کہ سورج کی سجدہ ریزی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص خواب میں کوئی ایک امور انجام دیتا ہے مگر جسم میں اس کے دل کی حرکت اور اس کے ساتھ زندگی کا تعلق برابر قائم رہتا ہے اور اس میں سر مو فرق نہیں آتا۔ اسی طرح سورج بھی اپنے کام میں خلل ڈالے بغیر اللہ تعالیٰ کو ہر رات سجدہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور بعض[3] دیگر صاحب علم و حکمت حضرات فرماتے ہیں کہ سورج اپنے سفر کے دوران ہر ہر لمحہ سفر کے تسلسل کی اجازت طلب کرتا ہے اور بغیر اجازت ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھتا۔ فرماتے ہیں کہ اسی اجازت طلبی کا نام ہی سجدہ ہے جس کا ذکر

---

[1] ابن کثیر ص ۵۷۱ ج ۳ و معالم التنزیل ص ۲۰۳ ج ۳ و قرطبی ص ۲۷ ج ۱۵

[2] روح المعانی ص ۱۴ ج ۲۳ [3] (فیاض)

مذکورہ حدیث میں آیا ہے۔

فلکی نظام

پہلے یونانی ماہرینِ فلکیات سات سیارے سورج، چاند، مریخ، زہرہ، مشتری زحل اور عطارد دریافت کئے تھے مگر موجودہ زمانے کے سائنسدانوں نے دو مزید سیارے نیپچون اور اورانوس بھی دریافت کر لیے ہیں جس سے ان کی تعداد بڑھ کر نو ہو گئی ہے ان سب کا تعلق نظام شمسی سے ہے اور یہ سارا نظام کہکشاں کا ایک حصہ ہے۔ باریک باریک ستاروں سے مل کر بننے والی سڑکیں کہکشاں کہلاتی ہیں۔ ہر کہکشاں میں کروڑوں بلکہ اربوں ستارے ہوتے ہیں اور پورا نظام شمسی کسی ایک کہکشاں کا جزو ہے۔ اس نظام میں سب سے بڑا سیارہ سورج ہے اور باقی سارے سیارے اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ ہماری زمین سے تو اس نظام کا صرف ایک ہی چاند نظر آتا ہے مگر حقیقت میں سورج کے گرد اکتیس چاند محو گردش ہیں۔ زمین سے قریب ترین سیارہ چاند ہے جو یہاں سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے۔ اگر ان دونوں کا درمیانی فاصلہ اس سے زیادہ ہوتا تو وہ فوائد حاصل نہ ہو سکتے جو اس وقت ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر چاند اور زمین کا درمیانی فاصلہ صرف پچاس ہزار میل ہوتا تو سمندر سے پانی کی اتنی لہریں اٹھتیں کہ پوری زمین کا کاروبار درہم برہم ہو جاتا کیونکہ اس وقت سمندروں میں جو مدوجزر پیدا ہو رہا ہے۔ وہ چاند کی دو لاکھ چالیس ہزار میل کی دوری کے اثرات سے پیدا ہو رہا ہے۔ اگر یہ فاصلہ کم ہو جائے تو چاند کے سمندر پر اثرات کی مقدار بڑھ جائے گی اور پانی پورے کرہ ارض پر پھیل جائے گا۔

ہماری یہ زمین ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت کر رہی ہے۔ جس کی وجہ سے رات دن اور مختلف موسم پیدا ہوتے ہیں۔ یہ موزوں ترین رفتار ہے کہ زمین پر رہنے والے جانداروں کے مناسب حال ہے۔ اگر یہی رفتار دس ہزار میل فی گھنٹہ ہو جائے تو دن اور رات صرف سوا سوا گھنٹے کے رہ جائیں۔ اور ان حالات میں زمین کے باشندوں کا استقرار ختم ہو کر رہ جائے اور وہ کوئی کام نہ کر سکیں۔ اس کے برخلاف اگر زمین کی رفتار صرف ایک سو میل فی گھنٹہ تک کم

ہوجائے تو ایک سو بیس ۱۲۰ گھنٹے کا دن اور اتنی لمبی ہی رات ہوجائے۔ ظاہر ہے۔ کہ اتنا لمبا عرصہ سورج کی تپش سے زندگی گزارنا مشکل ہوجاتا۔ اور رات اتنی لمبی ہوتی۔ کہ جانداروں کو منجمد کر کے رکھ دیتی اور زندگی کا سارا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے زمین اور دیگر سیاروں کی رفتار اس طریقے پر مقرر کی ہے۔ جو جانداروں کی زندگی کے لیے موزوں ترین ہے۔

فضا میں نظر آنے والے ستاروں کی تعداد اربوں اور کھربوں تک ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مدار میں مقررہ رفتار سے چل رہے ہیں۔ اس زمین پر تو ٹریفک میں ذراسی بے قاعدگی ہوجائے تو بے شمار گاڑیاں آپس میں ٹکرا جاتی ہیں۔ مگر ستاروں اور سیاروں کا اتنا بہترین نظام اللہ نے قائم کیا ہے کہ ہر ستارہ اور سیارہ چل رہا ہے مگر آج تک کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ جب تک اللہ کو منظور ہے۔ یہ نظام چلتا رہے گا اور جب وہ چاہے گا اس کو ختم کر کے عالم بالا کا نظام لے آئے گا۔

فرمایا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ یہ غالب اور علم والے خدا کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے جس کے مطابق یہ سارا نظام کام کر رہا ہے۔ فرمایا وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ سورج کی طرح ہم نے چاند کی بھی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں حتیٰ کہ وہ چلتے چلتے پرانی ٹہنی کی طرح دبلا پتلا ہوجاتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے پورا چاند ہوجاتا ہے اور اس کے بعد پھر گھٹتے گھٹتے باریک سی شاخ کے مانند ہوجاتا ہے۔ فرمایا سورج اور چاند کا یہ نظام اس طریقے سے مقرر کیا گیا ہے لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ کہ سورج چاند کو نہیں پہنچ سکتا وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے بلکہ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں چل رہا ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں[۱]، کہ

---

[۱] موضح القرآن صفحہ ۵۳۰

بطلیموس کا یہ نظریہ غلط ہے کہ چاند دوسرے آسمان پر ہے، اور سورج چوتھے آسمان پر، بلکہ یہ سارے سیارے آسمانوں سے نیچے فضاء میں تیر رہے ہیں۔ یہاں پر فلک سے مراد آسمان نہیں بلکہ مدار مراد ہے جس میں یہ سیارے گردش کر رہے ہیں۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ
الْمَشْحُوْنِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا
يَرْكَبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ
لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِلَّا رَحْمَةً
مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٤٤﴾ وَاِذَا قِيْلَ
لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا
خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ
مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا
مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ
اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ
مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾
مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ
وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿٤٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

تَوۡصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهۡلِهِمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿٥٠﴾ ع

ع ۳
۱۸
۲

ترجمہ:- اور ایک نشانی ان کے لیے یہ ہے
کہ بیشک ہم نے اٹھایا ان کی نسل کو بھری ہوئی
کشتی میں ﴿۴۱﴾ اور ہم نے پیدا کیں ان کے لیے
اس جیسی چیزیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں ﴿۴۲﴾ اور اگر
ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں، پس کوئی فریاد کو
پہنچنے والا نہ ہو، اور نہ ہی یہ چھڑائے جائیں ﴿۴۳﴾ مگر
مہربانی ہے ہماری طرف سے، اور فائدہ اٹھانے کا
سامان ایک وقت تک ﴿۴۴﴾ اور جب ان سے کہا جاتا
ہے کہ بچو اس چیز سے جو تمھارے سامنے ہے اور
جو تمھارے پیچھے ہے، تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۴۵﴾ اور
نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں
میں سے مگر اس سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں ﴿۴۶﴾
اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خرچ کرو اس میں سے جو
اللہ نے تمھیں روزی دی ہے تو کہتے ہیں وہ لوگ
جنھوں نے کفر کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے، کیا ہم
کھلائیں اس کو کہ اگر اللہ چاہتا تو اسے خود کھلاتا۔ نہیں ہو
تم مگر کھلی گمراہی میں ﴿۴۷﴾ اور کہتے ہیں کب ہوگا، یہ
وعدہ اگر تم سچے ہو ﴿۴۸﴾ نہیں انتظار کرتے یہ مگر ایک
ہی چیز کا جو پکڑ لے گی ان کو اور یہ آپس میں جھگڑ رہے
ہوں گے ﴿۴۹﴾ پس نہ طاقت رکھیں گے یہ وصیت کرنے
کی، اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر آسکیں گے ﴿۵۰﴾

رابطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں کا ذکر کیا۔ انہی نشانیوں سے وقوعِ قیامت پر بھی دلیل قائم ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ اللہ کی وحدانیت بھی سمجھ میں آتی ہے۔ تمام نشانیوں کو پیدا کرنے والا صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ اللہ نے سورج اور چاند کا ذکر کیا۔ ہر چیز کے جوڑے جوڑے بنانے کا تذکرہ کیا۔ جن میں انسان، جانور اور نباتات وغیرہ سب شامل ہیں اور یہ ساری نشانیاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہیں۔

کشتی بطور نشانِ قدرت

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ نے کشتی کو اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر متعارف کرایا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاٰیَۃٌ لَّھُمْ اور ان کے لیے ایک نشانی یہ بھی ہے اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَھُمْ فِی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اس کشتی سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے جو آپ نے اللہ کے اس حکم کی تعمیل میں بنائی وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا (ھود - ۳۷) ہمارے حکم اور ہماری وحی سے کشتی بناؤ۔ چنانچہ اللہ کے حکم کے مطابق نوح علیہ السلام نے بہت بڑی تین منزلہ کشتی تیار کی جس میں انسان اور جانور سوار ہوئے اور اس طرح یہ کشتی بھر گئی جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ ذریت کا لفظ عربی زبان میں اولاد یا نسل کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ تاہم بعض مفسرینؒ[1] فرماتے ہیں کہ لفظ ذریت اضداد میں سے ہے اور اس کا معنیٰ اولاد بھی ہے اور آباؤ اجداد بھی۔ اگر دوسرا معنیٰ کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان کے آباؤ اجداد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ یہ معنیٰ بھی درست ہے کہ اس وقت زمین پر آباد تمام لوگ انہی کشتی والوں کی اولاد ہیں، اور موجودہ نسلِ انسانی کے آباؤ اجداد وہی کشتی والے لوگ ہیں۔ کشتیٔ نوح اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے کہ اسی کے ذریعے اس نے نسلِ انسانی کا انتظام کیا۔

---

[1] روح المعانی صفحہ ۲۶ ج ۲۳ و تفسیر السراج المنیر صفحہ ۳۵۱ ج ۳ و تفسیر کبیر صفحہ ۷۸ ج ۲۶ (فیاض)

ذرائع نقل و حمل کی تخلیق

فرمایا اب تو ہم نے کشتی بنائی وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ
اور ہم نے اِن کے لیے اس جیسی دیگر چیزیں بھی تخلیق کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔
کشتی اور دیگر سواری کی چیزوں کی تخلیق کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اگرچہ بظاہر ہر مصنوع انسانی ہاتھوں کی تیار کردہ ہے، مگر فی الحقیقت یہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے جس نے انسان کو عقل، فہم اور غور و فکر کی صلاحیت بخشی اور پھر ہر مصنوع کی صنعت کے لیے وسائل مہیا کیے ہیں۔ اس کی مثال سورۃ النحل میں بھی ملتی ہے۔ جہاں اللہ نے گھوڑے، گدھے اور خچر جیسی سواریوں کا ذکر کر کے فرمایا یَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (آیت - ۸) اللہ تعالیٰ ایسی ایسی سواریاں پیدا کرتا ہے۔ یا آئندہ زمانے میں کرے گا جنہیں تم نہیں جانتے۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ ذریعہ نقل و حمل کی ابتداء جس کشتی سے ہوئی، وہ کشتی ترقی کر چکی ہے۔ پہلے عام کشتیاں سمندروں اور دریاؤں میں چلتی تھیں، پھر بادبانی کشتیاں معرضِ وجود میں آئیں۔ پھر بھاپ سے چلنے والے سٹیمر بنے اور آج تیل سے چلنے والے لاکھوں ٹن وزنی جہاز سمندر کی سطح پر رواں دواں ہیں۔ انہی جہازوں کی بدولت ہزاروں مسافر اور لاکھوں ٹن وزنی سامان ایک ملک سے دوسرے کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جنگی نقطۂ نظر سے طیارہ بردار جہاز تک معرضِ وجود میں آچکے ہیں جن پر سینکڑوں طیارے اُتر سکتے اور پرواز کر سکتے ہیں۔ سمندر کی تہہ میں چلنے والی آبدوزیں بھی بنائی جا چکی ہیں بلکہ اب تو یہ ایٹمی طاقت سے چلنے لگی ہیں۔ یہ سب کچھ کشتی کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔

سمندروں کے علاوہ خشکی پر چلنے والی لاتعداد سواریاں بھی ایجاد ہو چکی ہیں۔ ان میں جانوروں سے کھینچی جانے والی سواریوں کے علاوہ خودکار سائیکل، موٹر سائیکل، ریل کار، ٹرک، ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں ہیں جو اس وقت انسانی استعمال میں ہیں۔ ہوا میں اڑنے والے ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر ہیں۔ جو ہم فضا میں بلند ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ یہ نقل و حمل کے ذرائع میں سے تیز ترین ذریعہ ہیں اور اِن کی وجہ سے پوری دنیا سمٹ کر رہ گئی ہے۔

علاوہ ازیں اب تو زمین کی فضائی حدود سے پار دوسرے سیاروں تک کے لیے پروازیں ہو رہی ہیں، بڑے بڑے راکٹوں اور فضائی گاڑیوں کی مدد سے انسان چاند تک پہنچ چکے ہیں اور آگے مریخ تک پہنچنے کے پروگرام بن رہے ہیں۔ غرضیکہ گذشتہ ایک صدی میں دیگر ضروریات زندگی کی طرح ذرائع نقل و حمل میں بھی بے تحاشا ترقی ہوئی ہے۔ یہ سب کچھ نوح علیہ السلام کی اولین کشتی کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں۔

زمین پر بڑھتی ہوئی ٹریفک اور اس سے خارج ہونے والے دھوئیں اور اسی طرح کارخانوں کی چمنیوں سے نکلنے والے زہریلے مادہ نے ماحول کی آلودگی کا نیا مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ ابھی دو سال کی بات ہے کہ بھوپال کی ایک فیکٹری میں گیس کا سلنڈر پھٹنے سے ہزاروں آدمی متاثر ہوئے اور سینکڑوں کی تعداد میں موت کی آغوش میں چلے گئے، روس میں ایٹمی تابکاری کے اخراج سے سینکڑوں آدمی ہلاک ہو گئے۔ اسی وجہ سے اب سائنس دان یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ماحول میں آلودگی پیدا کرنے والی صنعت کو زمین سے اٹھا کر فضا میں قائم کر دیا جائے۔ تاکہ لوگ کیمیائی مادوں کے نقصان سے بچ سکیں۔ بہرحال یہ ساری سواریاں اللہ کی قدرت کے نمونے ہیں جن کی طرف اس آیت میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔

حفاظت بذریعہ رحمتِ خداوندی

فرمایا وَإِنْ نَشَأْ نُغْرِقْهُمْ اگر ہم چاہیں تو کشتیوں اور جہازوں کے سواروں کو پانی میں غرق کر دیں۔ دنیا میں آئے دن غرقابی کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ چھوٹی کشتیوں کے علاوہ بعض بڑے بڑے جہاز بھی کسی حادثہ کا شکار ہو کر ڈوب جاتے ہیں۔ کبھی کسی چٹان سے کوئی جہاز ٹکرا گیا تو کبھی دو جہاز آپس میں ٹکرا گئے۔ بعض اوقات آگ لگ جاتی ہے اور کشتی یا جہاز ڈوب جاتا ہے۔ فرمایا اگر ہم کسی کو غرق کرنا چاہیں فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ تو ان کی فریاد کو پہنچنے والا کوئی نہ ہو۔ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ اور نہ ہی وہ چھڑائے جا سکیں، بھلا اللہ کی مشیت کے بغیر کون کسی کی مدد کر سکتا ہے اور مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے؟ اس سے توحید کا مسئلہ بھی سمجھ میں آتا ہے۔ تم مصیبت کے وقت لاکھ کسی دیوی دیوتا،

کسی جن، فرشتے، زندہ یا مردہ انسان کو پکارو، کوئی بھی تمھیں موت کے منہ سے نہیں بچا سکتا۔ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا ہماری مہربانی کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔ جب ہم کسی کو بچانا چاہتے ہیں تو پھر اُس کے لیے مافوق الاسباب سامان بھی مہیا کر دیتے ہیں۔ فرمایا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ پھر ہم ایک مقررہ وقت تک فائدہ اٹھانے کی مہلت دے دیتے ہیں۔ اللہ نے ہر مخلوق کو ایک مقررہ وقت تک زندگی عطا کی ہے جس کے دوران وہ اس دنیا کی نعمتوں سے مستفید ہوتی رہتی ہے۔ پھر جب وہ وقت آجاتا ہے تو تمام اسباب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور انسان ختم ہو جاتے ہیں۔ بہرحال ہر جاندار کی زندگی اللہ کی رحمت کی محتاج ہے۔

جزائے عمل کی منزل

ارشاد ہوتا ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ڈرو اس چیز سے مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ جو تمھارے آگے ہے اور جو تمھارے پیچھے ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے آگے سے مراد یہ ہے کہ تمھاری موت آنے والی ہے۔ پھر قیامت برپا ہوگی، اور حشر کا میدان قائم ہوگا۔ پھر وہاں حساب کتاب کی منزل آئے گی اور ہر ایک کے متعلق فیصلے ہوں گے، اس سارے عمل سے ڈر جاؤ اور آنے والے وقت کے لیے تیاری کر لو۔ نیز پیچھے رہ جانے والی دنیا ہے، یہاں پر جو اعمال چھوڑے ہیں ان کو بھی دھیان میں لاؤ کہ اس دنیا میں رہ کر کیا کرتے رہے اور پھر سوچو کہ ان عقاید و اعمال کا کیا نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اگر پیچھے بُرے اعمال چھوڑے ہیں تو ظاہر ہے کہ آخرت میں ان کا وبال بھی پڑے گا، لہٰذا اب وقت ہے، کہ آنے والے وقت سے ڈر جاؤ۔

لوگوں کی اکثریت پر افسوس ہے کہ وہ نہ تو نشاناتِ قدرت میں غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ہی نجات کے لیے کوئی حیلہ کرتے ہیں۔ بلکہ فرمایا وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی اُن کے پروردگار کی نشانیوں میں سے مگر وہ اعراض

کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔ جو بھی کوئی دلیل، معجزہ یا حکم اللہ کی طرف سے آتا ہے یہ اس میں غور و فکر کرنے کی بجائے اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ظاہر ہے ان نشانیوں میں توحید و رسالت کی بات ہوتی ہے یا وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال کی نشاندھی ہوتی ہے مگر یہی چیزیں ان کے مزاج کے خلاف پڑتی ہیں، لہٰذا یہ ان سے کنّی کترا جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کی غفلت کا ذکر بھی کر دیا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

اللہ نے ان نابکاروں کی ایک یہ خصلت بھی بیان فرمائی ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی عطا کردہ روزی میں سے خرچ کرو۔ یعنی غریبوں، محتاجوں، یتیموں اور بیواؤں کا حق ادا کرو قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ کیا ہم ایسے شخص کو کھلائیں جس کو اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو محتاج رکھنا ہی پسند کیا ہے۔ تو ہم ان پر خرچ کر کے اللہ کی منشاء کے خلاف کام کیوں کریں؟ مشرکین مکہ بھی یہی فلسفہ بیان کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ جب محتاجوں کی اعانت کرتے تو بڑے بڑے کافر اور مشرک کہتے کہ تم ان محتاجوں پر کیوں خرچ کرتے ہو؟ آپ جواب دیتے کہ میرے مال میں اللہ نے ان کا حق بھی رکھا ہے، لہٰذا میں خرچ کرتا رہوں گا۔ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (المعارج۔۲۴-۲۵) اللہ نے نیک لوگوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ انہیں اپنے مالوں میں سائلین اور محتاجوں کے حقوق معلوم ہیں لہٰذا وہ ان پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔ کہتے تھے إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ تم تو صریح گمراہی میں ہو۔ جو اپنا مال ان ناداروں پر خرچ کرتے ہو جنہیں اللہ بھوکا رکھنا چاہتا ہے۔

تقسیم رزق کی حکمت

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں رزق کی تقسیم ایک خاص حکمت کے تحت کرتا ہے کسی کو کم دیتا ہے کسی کو مناسب حال اور کسی کو ضرورت سے زیادہ البتہ

وہ کسی کو بالواسطہ عطا کرتا ہے اور کسی کو بلاواسطہ۔ اغنیاء کو بلاواسطہ دے کر حکم دیتا ہے کہ اس میں سے محتاجوں کی خدمت بھی کرو۔ اب امیر آدمی کے مال میں سے زکوٰۃ صدقات کی صورت میں جو غریب آدمی کو پہنچے وہ بالواسطہ ہوگیا، اور ہے یہ بھی اللہ ہی کی عطا۔ البتہ مال میں کمی بیشی میں اللہ کی حکمت یہ ہے کہ وہ مال دے کر بھی آزماتا ہے اور اس سے محروم کر کے بھی آزمائش میں ڈالتا ہے۔ سورۃ الانبیاء میں ہے۔ وَنَبۡلُوكُم بِٱلشَّرِّ وَٱلۡخَيۡرِ فِتۡنَةٗۖ (آیت ۳۵) ہم تمہیں برائی اور بھلائی ہر دو طریقوں سے آزماتے ہیں۔ وہ اغنیاء کو مال دے کر آزماتا ہے کہ وہ اس کے حقوق کس حد تک پورے کرتے ہیں۔ اور غرباء کو محروم کر کے آزماتا ہے کہ وہ کس حد تک صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کیا وہ رزق حلال کی تلاش میں نکلتے ہیں یا چوری، ڈاکہ اور دھوکہ دہی کا پیشہ اختیار کرتے ہیں بعض لوگوں کو امیر اور بعض لوگوں کو غریب رکھنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے[1] کہ مخلوق کی معیشت کا دارومدار اسی قسم کی تقسیم پر ہے اگر سب کے سب امیر ہی ہوتے تو پھر مزدوری کون کرتا، کاشتکاری کون کرتا اور کارخانے کیسے چلتے اسی طرح اگر سارے کے سارے محتاج ہی ہوتے تو وہ اپنی احتیاج کس سے پوری کرتے؟ اس طرح بھی تمدن کا نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اللہ نے کسی کو کارخانے دار اور کسی کو مزدور بنا دیا، کسی کو زمین کا مالک اور کسی کو کسان بنا دیا، اور اس طرح دنیا کے تمدن کی گاڑی چل رہی ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ إِنۡ أَنتُمۡ إِلَّا فِي ضَلَٰلٖ مُّبِينٖ کے الفاظ کفار و مشرکین کا نظریہ نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے بندوں پر واضح کرنا چاہتا ہے کہ تم کیسی گمراہی کی باتیں کر رہے ہو، حقیقت میں رازق تو ہر مخلوق کا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس نے روزی رسانی کے مختلف ذرائع مقرر کر رکھے ہیں جن کے واسطے سے وہ ہر ایک کو اس کے حصے کا رزق پہنچا رہا ہے۔ تم اس کی حکمت کو نہیں جانتے۔

---

[1] روح المعانی صفحہ ۳۰ جلد ۲۳ والسراج المنیر صفحہ ۳۵۴ جلد ۳ وکبیر صفحہ ۸۶ جلد ۲۶ (فیاض)

وقوعِ قیامت کا وعدہ

بعض لوگ ازراہِ تعصب اور عناد کہتے تھے وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتلاؤ کہ وقوعِ قیامت اور محاسبہ اعمال کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی حماقت کی وجہ سے اس قسم کے سوال کر رہے ہیں۔ جب ہمارا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا، تو ان کو گھڑی بھر بھی مہلت نہیں ملے گی۔ فرمایا مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر ایک ہی چیخ کا تَاْخُذُهُمْ جو ان کو پکڑ لے گی وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ اس حالت میں کہ یہ آپس میں جھگڑا کر رہے ہونگے فرمایا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دلائل میں غور و فکر کرنے کی بجائے تعصب اور عناد کی بنا پر غرور و تکبر والی بات کر رہے ہیں اور لایعنی سوال کرتے ہیں۔ جب ہماری گرفت آئے گی، تو پھر کسی لمبے چوڑے لشکر کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ ان کے لیے ایک چیخ ہی کافی ہے جو ان کا کام تمام کر دے گی۔ گذشتہ آیات میں حبیب نجار کا واقعہ بھی بیان ہو چکا ہے اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ (آیت - ۲۹) فرشتے نے ایک ہی چیخ ماری تو وہ نافرمان اس طرح ملیامیٹ ہو گئے جس طرح جلتے ہوئے کوئلے پانی ڈالنے سے بجھ جاتے ہیں۔

فرمایا جب خدا تعالیٰ کی گرفت آتی ہے تو پھر کسی کو سنبھلنے کا موقع نہیں ملتا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً پھر نہ تو وہ کوئی وصیت ہی کر سکتے ہیں کہ میرے بعد فلاں کام اس طرح کر لینا یا میرے مال کو اس طرح صرف کرنا بلکہ اتنا تو موقع نہیں ملتا وَلَاۤ اِلٰۤى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ اور نہ ہی وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر آ سکتے ہیں کہ ان سے کوئی بات ہی کر لیں کوئی شخص بازار میں ہو یا مکان میں، کھیت میں ہو یا کارخانے میں، دفتر میں ہو یا سفر کر رہا ہو، جہاں کہیں بھی ہوتا ہے، اللہ کی گرفت وہیں آ جاتی ہے۔ اور انہیں ذرہ بھر بھی مہلت نہیں ملتی۔ فرمایا قیامت کے متعلق پوچھ کر کیا یہ لوگ ایسے اچانک وقت کا انتظار کر رہے ہیں؟

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ
إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا
مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ
الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾ إِن كَانَتْ
إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا
مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا
وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾
إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ
فَاكِهُونَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي
ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيهَا
فَاكِهَةٌ وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ﴿٥٧﴾ سَلَامٌ قَوْلًا
مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ ﴿٥٨﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا
الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾

ترجمہ :- اور پھونکا جائے گا صور میں ، پس اچانک وہ
لوگ قبروں سے اٹھ کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑیں
گے (٥١) کہیں گے ، افسوس ہمارا ، کس نے اٹھایا ہمیں

ہماری خواب گاہوں سے ۔ یہ وہ چیز ہے جو وعدہ کیا ہے
خدائے رحمان نے اور سچ کہا ہے اس کے رسولوں نے (۵۲)
نہیں ہے مگر ایک ہی چیخ اچانک وہ سب کے سب
ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے (۵۳) پس آج نہیں
ظلم کیا جائے گا کسی نفس پر کچھ بھی - اور نہیں بدلہ
دیا جائے گا تم کو مگر وہ جو تم عمل کرتے تھے (۵۴) بیشک
جنت والے لوگ آج کے دن مشغلے میں ہوں گے ، اور آپس
میں باتیں کر رہے ہونگے (۵۵) وہ اور ان کی بیویاں سایوں
میں تختوں پر تکیے لگانے والے ہوں گے (۵۶) ان کے
لیے ان میں پھل ہوں گے اور ان کے لیے ہر وہ چیز
ہو گی جو وہ طلب کریں گے (۵۷) اور سلام ہو گا ، ایک
بات رب رحیم کی طرف سے (۵۸) اور حکم ہو گا الگ
ہو جاؤ آج کے دن اے گنہگارو ! (۵۹)

ربط آیات

اپنی آیاتِ قدرت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی مذمت بیان فرمائی اور یہ بھی کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آگے پیش آنے والے حالات کے لیے کچھ تیاری کر لو ، اور جو اعمال پیچھے چھوڑ آئے ہو اُن کے متعلق بھی غور و فکر کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے تو یہ لوگ نشاناتِ قدرت دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے بلکہ الٹا اعتراض کرنے لگتے ہیں - پھر اللہ نے اُن میں سے مالداروں کی حالت کا ذکر بھی کیا کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی عطا کردہ روزی میں سے غرباء اور مساکین پر بھی خرچ کرو تو کہتے ہیں کہ جن کو خود خدا تعالیٰ بھوکا رکھنا چاہتا ہے یعنی ان کو نادار بنایا ہے ، بھلا ہم اُن کی اعانت کریں ۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ تو نہایت ہی گمراہی کی بات ہے ، بلاشبہ ہر جاندار کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہی ہے ۔ مگر یہ اُس کا طریق کار ہے کہ کسی کو بالواسطہ روزی پہنچاتا ہے اور کسی کو بلاواسطہ وہ ان محتاجوں

کو مالداروں کے واسطہ سے روزی پہنچانا چاہتا ہے مگر یہ حیلے بہانے سے ان کا حق ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ نیز اللہ نے یہ فرمایا کہ وہ ہر ایک کی آزمائش کرتا ہے کسی کو مال و دولت دے کر آزماتا ہے اور کسی کو محروم رکھ کر آزمائش میں ڈالتا ہے۔ پھر اللہ نے قیامت کا ذکر بھی کیا کہ کافر لوگ اس کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر واقعی قیامت آنے والی ہے اور محاسبہ اعمال ہونے والا ہے تو وہ قیامت آ کیوں نہیں جاتی۔ اللہ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ قیامت بھی اپنے مقررہ وقت پر ہی آئیگی۔ جب وہ وارد ہو جائیگی تو پھر کسی کو ایک گھڑی بھر بھی مہلت نہیں ملے گی۔ حتیٰ کہ کوئی شخص نہ تو کوئی وصیت کر سکے گا اور نہ ہی اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ سکے گا کہ ان کے ساتھ کوئی بات چیت ہی کر لے۔ بلکہ جس مقام پر بھی ہوگا، وہیں اس کو ختم کر دیا جائے گا۔

وقوعِ قیامت اور بعث

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت اور لوگوں کی بعث کے متعلق بعض حالات ذکر کیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ اور صور میں پھونکا جائے گا۔ وقوعِ قیامت کا عمل صور پھونکنے سے ہوگا۔ اللہ کا ایک فرشتہ منہ میں سینگ کی شکل کا ایک بگل تھامے کھڑا ہے اور منتظر ہے کہ کب اللہ کا حکم ہو تو وہ اس صور میں پھونک مار دے۔ جب یہ صور پھونکا جائے گا تو اس سے سارے جاندار ہلاک ہو جائیں گے۔ قرآن پاک میں موجود ہے کہ صور دو دفعہ پھونکا جائے گا[1] اور دونوں[2] کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔ جب پہلی دفعہ صور پھونکا جائیگا تو ہر چیز فنا ہو جائیگی، پھر چالیس سال کے بعد جب دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو تمام لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور میدانِ حشر میں اپنے رب کے حضور پیش ہو جائیں گے۔ اس مقام پر اسی دوسرے صور پھونکے کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا فَاِذَا ھُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ

---

[1] ترمذی ص ۴۶۷ [2] مسلم ص ۴۰۶ ج ۲ و بخاری ص ۷۳۵ ج ۲ (فیاض)

اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ تو اچانک سب لوگ قبروں سے اٹھ کر اپنے رب کی طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے، جس طرف سے آواز آ رہی ہوگی۔ اُس طرف دوڑتے چلے جائیں گے۔ سورۃ المعارج میں ہے کہ اس تیزی کے ساتھ دوڑیں گے کَاَنَّهُمْ اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ (آیت-۴۳) جیسے شکاری شکار کے جال کی طرف یا تیر اپنے نشانے کی طرف تیزی سے جاتا ہے۔ اُس وقت ساری مخلوق سخت پریشانی میں مبتلا ہوگی۔ قرآن میں اس کی تفصیلات موجود ہیں کہ سخت دھوپ، اُس کی تپش، لوگوں کا عظیم اجتماع اور بھوک پیاس کی شدت ہوگی اور لوگ سخت گھبراہٹ کے عالم میں ہوں گے۔

اور اُس وقت قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا کہیں گے۔ ہائے افسوس! ہماری خواب گاہوں سے ہمیں کس نے اٹھا دیا۔ مرقد لیٹنے یا آرام کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ صور پھونکے جانے کے بعد جب لوگ اچانک اٹھ کھڑے ہوں گے تو وہ اُسے اپنے آرام میں خلل تصور کریں گے۔ یہاں پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ قبر کی زندگی تو برزخی زندگی ہے جس میں ہر نیک و بد کو جزا اور سزا کا احساس بھی ہوتا رہتا ہے مگر آیت زیرِ درس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب لوگ مکمل آرام کی حالت میں ہوں گے اور وہ صور میں پھونکنے سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ مرنے کے بعد برزخ کی جزا یا سزا آیاتِ قرآنی اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ چیز اہلِ سنت والجماعت کے عقیدے میں داخل ہے۔ یہ جزا یا سزا معمولی نوعیت کی اور عارضی ہوگی جب کہ حقیقی جزا یا سزا میدانِ حشر میں جزائے عمل کا فیصلہ ہونے کے بعد شروع ہوگی، مفسرینِ کرام اس اشکال کو دو طریقے سے رفع کرتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ فرماتے ہیں کہ پہلے صور پھونکے جانے کے بعد دوسرے صور تک چالیس سال کے عرصہ میں کوئی ثواب یا عذاب نہیں ہوگا۔ گویا اس دوران سزا موقوف رہے گی۔ پھر جب لوگ دوبارہ اٹھیں

لے روح المعانی صـ ۳۲ ج ۲۳ و مظہری صـ ۹۰ ج ۸ (فیاض)

گے تو محسوس کریں گے کہ وہ تو آرام سے سوئے ہوئے تھے، یہ کس نے جگا کر ان کے آرام میں خلل ڈالا۔

مفسرین کرام اس کی دوسری توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ برزخ کی سزا تو معمولی نوعیت کی ہوگی، پھر جب وہ دوبارہ اٹھ کر حشر کی تلخی کو دیکھیں گے تو وہ برزخ کی سزا کو بھول جائیں گے، گویا انہیں کوئی سزا ملی ہی نہیں تھی، لہٰذا وہ کہیں گے کہ ہمیں خواب گاہوں سے کس نے جگا دیا۔ ہم تو آرام سے سوئے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ یہی وہ چیز ہے جس کا وعدہ خدائے رحمان نے کیا تھا۔ اور جس کے متعلق خدا کے رسولوں نے سچ فرمایا تھا کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جب تم سب قبروں سے دوبارہ اٹھائے جاؤ گے، پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی۔ اور ہر ایک کو اپنے اپنے کیے کا بدلہ چکھنا پڑے گا۔ پھر کیا ہوگا؟ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً ایک ہی آواز آئے گی فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ پس اچانک سب کے سب ہمارے پاس حاضر کر دیے جائیں گے صور پھونکنے کی دیر ہے کہ ہر شخص بھاگم بھاگ اللہ کے سامنے پیش ہوگا پھر ہر عمل کا محاسبہ ہوگا اور جزا یا سزا کے فیصلے ہوں گے۔ کوئی متنفس اِدھر اُدھر بھاگ نہیں سکے گا۔ دنیا میں تو ملزم روپوش یا مفرور بھی ہو جاتے ہیں مگر وہاں کوئی ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکے گا جب تک کہ اُس کا فیصلہ نہ ہو جائے۔

جزائے عمل

فرمایا فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا اس دن کسی جان پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں ہوگی، بلکہ ہر فرد کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ اس دن کسی کی ذرہ برابر بھی کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی کسی برائی کی چھوٹ ہوگی بلکہ سب کو مکمل جزا یا سزا مل کر رہے گی۔ وَلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

مظہری صفحہ ۹ جلد ۸ (فیاض)

اور تمہیں صرف تمہارے کردہ اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا۔

آگے نیکوکاروں کی جزا کے متعلق فرمایا اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِىْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ کیونکہ جن خوش قسمتوں کے حق میں جنت کا فیصلہ ہوگا۔ وہ مشغلے میں ہوں گے اور آپس میں خوش خوش باتیں کریں گے، انہیں ہر قسم کا عیش و نشاط حاصل ہوگا، اور تمام ناگوار اور ناپسندیدہ چیزیں اُن سے ہٹالی جائیں گی۔ پھر ان کو نہ کوئی جسمانی اذیت پہنچے گی اور نہ روحانی کوفت ہوگی۔ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِىْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ وہ اور ان کی بیویاں تختوں پہ ٹیک لگائے سایوں میں بیٹھے ہوں گے۔ اریکہ کا معنیٰ، تخت، پلنگ، بینچ یا آج کی اصطلاح میں صوفہ سیٹ بھی کہہ سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جنتی لوگ جنت میں نہایت آرام و سکون کے ساتھ اپنی پسند کی اعلیٰ جگہوں پر بیٹھیں گے۔ بڑا خوشگوار ماحول ہوگا اور وہ آپس میں خوش خوش باتیں کریں گے۔ انہیں ہر قسم کی تفریح میسر ہوگی۔ اور کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وہاں اُن کے لیے مختلف الانواع پھل ہوں گے، جن کو وہ استعمال کریں گے۔ وَلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ اور اس کے علاوہ انہیں ہر وہ چیز حاصل ہوگی جس کا مطالبہ کریں گے۔ اُن کی خواہشات اور مطالبات بھی نہایت پاکیزہ قسم کے ہوں گے۔ اور کوئی کمزور اور ردی خواہش پیدا ہی نہیں ہوگی۔ بہرحال انہیں منہ مانگی مراد ملے گی ان کو ظاہری اور جسمانی لذتوں کے علاوہ ہر قسم کی نفسانی اور روحانی آسائش بھی حاصل ہوگی۔ سورۃ حٰم سجدہ میں ہے۔ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ (آیت - ۳۱) وہاں ہر وہ چیز ملے گی جس کو دل چاہے گا اور ہر وہ چیز جس کا مطالبہ کیا جائے گا۔

پروردگار کا سلام

اِن مادی نعمتوں کے علاوہ فرمایا سَلٰمٌ سلامتی ہوگی قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ یہ پروردگار کی طرف سے قول ہوگا جو کہ نہایت ہی مہربان ہے

اللہ فرمائے گا کہ اے جنت والو! میری طرف سے تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سلامتی نصیب ہو۔ سورۃ النحل میں فرشتوں سے سلام کا ذکر بھی آتا ہے۔ جب فرشتے نیک لوگوں کی روح قبض کرتے ہیں یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (آیت ۳۲) تو کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو۔ جنت میں داخل ہو جاؤ ان اعمال کے بدلے میں جو تم انجام دیا کرتے تھے۔ پھر جنتی آپس میں بھی ایک دوسرے کے لیے سلامتی کی دعائیں کریں گے۔ سورۃ یونس میں ہے دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ (آیت ۱۰) جب جنتی جنت کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے سبحان اللہ اور وہاں ان کی آپس میں دعا "السلام علیکم" ہو گی۔ لیکن جنت والوں کو سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہو گی کہ اللہ فرمائے گا۔ میرے بندو! میری طرف سے تم پر ہمیشہ کے لیے سلامتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے جنتیو! اُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِيْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ اَبَدًا میں اپنی رضا اور خوشنودی تم پر اتارتا ہوں۔ اس کے بعد تم پر کبھی ناراض نہیں ہونگا ہمیشہ خوش ہی رہوں گا۔ یہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہو گی۔

مجرموں کی علیحدگی

پھر حکم ہو گا وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ اے گنہگارو! شرک، کفر، بدعات، اور معاصی کا ارتکاب کرنے والو اپنی صف علیحدہ بنا لو۔ دنیا میں تو نیک و بد سب ملے جلے تھے مگر آج تم علیحدہ ہو جاؤ کہ تمہارا راستہ نیکوکاروں سے الگ ہے اور تمہارا ٹھکانا بھی مختلف ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے محاسبہ کرے گا۔ یہ نہایت مشکل گھڑی اور پریشانی کا عالم ہو گا۔ اور مجرموں کے لیے بڑی کٹھن منزل ہو گی۔

ا

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَلَّا تَعْبُدُوا
الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّاَنِ
اعْبُدُوْنِيْ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ
اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۗ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا
تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ
تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ
تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ
وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ
بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَآءُ
لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ
فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ
عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا
وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي ع ٤
الْخَلْقِ ۗ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾

ترجمہ :- کیا میں نے تم کو نہیں کہہ رکھا تھا اے بنی آدم ! کہ نہ عبادت کرنا شیطان کی ، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (٦٠) اور یہ کہ تم صرف میری عبادت کرنا ، یہی سیدھی راہ ہے (٦١) اور البتہ تحقیق گمراہ کیا تم میں سے بہت سی مخلوق کو ، کیا تم اتنی بھی عقل نہیں رکھتے (٦٢) یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا (٦٣) داخل ہو جاؤ اس میں آج کے دن اس کے بدلے میں جو تم کفر کیا کرتے تھے (٦٤) آج ہم مہر لگا دیں گے اُن کے مونہوں پر اور کلام کریں گے ہمارے سامنے ان کے ہاتھ ، اور گواہی دیں گے اُن کے پاؤں جو کچھ وہ کماتے تھے (٦٥) اور اگر ہم چاہیں تو مٹا دیں اُن کی آنکھوں کو ، پس وہ دوڑیں گے راستے کی طرف ، پھر کہاں دیکھ سکیں گے ؟ (٦٦) اور اگر ہم چاہیں تو مسخ کر دیں ان کی شکلوں کو ان کے ٹھکانے پر ہی ایس نہ طاقت رکھیں وہ چلنے کی اور نہ واپس لوٹ سکیں (٦٧) اور جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں اُس کو اُلٹا کر دیتے ہیں پیدائش میں ، کیا یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے ؟ (٦٨)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کا رد اور روز محشر کا کچھ حال بیان فرمایا تھا۔ جب صور ثانی پھونکا جائے گا تو لوگ اپنی قبروں سے حساب کتاب کے لیے نکلیں گے ۔ پھر ہر ایک کا محاسبہ ہوگا ۔ ہر شخص کیلئے اس کے عقیدے اور عمل کے مطابق جزا یا سزا کا فیصلہ ہوگا اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی ۔ پھر جن لوگوں کے لیے جنت کا فیصلہ ہوگا ، وہ نہایت ہی آرام و راحت میں ہوں گے اور انہیں ان کی ہر مطلوبہ چیز

مہیا کی جائے گی۔ اس کے علاوہ اُن پر اُن کے پروردگار کی طرف سے سلام ہو گا۔ برخلاف اس کے اس روز مجرموں اور گنہگاروں کو حکم ہو گا کہ تم الگ ہو جاؤ اور اپنی علیحدہ صف بنالو۔ پھر اُن کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

شیطان کی اطاعت

مجرموں کی علیحدہ صف بندی کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اُن سے مخاطب ہو کر فرمائے گا اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا یعنی تمہیں یہ بات نہیں سمجھائی تھی اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ کیونکہ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد پوری اولادِ آدم سے یہ کہہ دیا تھا کہ شیطان سے خبردار رہنا اور اس کے پھانسے میں نہ آنا۔ یہ تمہیں ورغلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے اللہ نے خصوصی طور پر فرمایا تھا فَقُلۡنَا يٰۤـاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوۡجِكَ فَلَا يُخۡرِجَنَّكُمَا مِنَ الۡجَـنَّةِ فَتَشۡقٰى (طٰہٰ - ۱۱۷) ہم نے کہا، اے آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ یہ کہیں تمہیں جنت سے نہ نکلوا دے، پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ پھر ساری اولادِ آدم کو اللہ نے اپنے انبیاء کے ذریعے خبردار کر دیا کہ شیطان سے بچتے رہنا، اِنَّهٗ يَرٰٮكُمۡ هُوَ وَقَبِيۡلُهٗ مِنۡ حَيۡثُ لَا تَرَوۡنَهُمۡ (الاعراف - ۲۷) وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ وہ غیر مرئی مخلوق ہے وہ چھپ کر وار کرتا ہے، لہٰذا اس کے بہکاوے میں نہ آنا۔ پھر شیطان نے بھی روزِ اول سے قسم کھا رکھی ہے کہ میں تیرے صراطِ مستقیم پر بیٹھوں گا۔ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ (الاعراف - ۱۷) میں تیرے بندوں کے آگے سے بھی آؤں گا اور پیچھے سے بھی، دائیں سے بھی آؤں گا، اور بائیں طرف سے بھی اور پھر ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ پھر دنیا کی

طرف سے آکر بھی ان کو گمراہ کروں گا، دین کی طرف سے بھی اور خواہشات کے راستے سے بھی۔ اسی لیے اللہ نے بار بار فرمایا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے، لہٰذا اس سے بچ کر رہنا۔

صراط مستقیم

اللہ نے فرمایا ایک تو میں نے تمھیں شیطان کے اغوا سے خبردار کیا تھا اور دوسری بات یہ کی تھی وَاَنِ اعْبُدُوْنِیْ صرف میری ہی عبادت کرنا، اور شیطان کی عبادت نہ کرنے لگنا ورنہ وہ تمھیں جہنم میں پہنچائے بغیر نہیں چھوڑیگا۔ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (فاطر-٦) وہ اپنے گروہ کو بلا رہا ہے تاکہ سب کو ساتھ لے کر جہنم میں جائے، وہ اپنی جماعت کو بڑھانا چاہتا ہے تاکہ جہنم میں اس کے ساتھی زیادہ سے زیادہ ہوں۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ میں نے تمھیں آگاہ کر دیا تھا کہ شیطان کی دشمنی سے بچتے رہنا، اور عبادت صرف میری کرنا هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ یہی سیدھا راستہ ہے اسی پر چل کر تم دائمی نجات پا سکتے ہو۔ اگر اس راستے سے بھٹک گئے تو پھر تمھارا ٹھکانا جہنم ہو گا۔

شیطان کا اغوا

آگے اللہ نے شیطان کے اغوا سے مزید خبردار کیا ہے وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا تحقیق اس شیطان نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو بہکا رکھا ہے۔ جِبِلًّا کا معنی مخلوق ہے اس کا تلفظ جِبِلًّا اور جُبُلًّا بھی آتا ہے فرمایا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ کیا تم اتنی بھی عقل نہیں رکھتے کہ اس کو اپنا دشمن سمجھتے ہوئے اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ یہ کافر اور مشرک سب شیطان کے راستے پر چل رہے ہیں۔ آج بھی دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں سے چار ارب لوگ شیطان کے پجاری ہیں جب کہ بمشکل پانچواں حصہ توحید کو مانتا ہے جب جزائے عمل کی منزل آئے گی تو شیطان کے ان پجاریوں سے کہا جائے گا۔ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ یہی ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اللہ کے راستے کو چھوڑ کر شیطان کے

راستے پر چلو گے، تو پھر تمہارا یہی ٹھکانا ہوگا۔ لہٰذا اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ آج اس میں داخل ہو جاؤ اُس کفر کے بدلے میں جس کا ارتکاب تم کرتے رہے، تم نے دُنیا میں نصیحت کی بات نہ مانی، اور شیطان کے نقشِ قدم پہ چلتے رہے۔ دنیا کے امور میں تو بہت ہوشیار اور سمجھدار تھے، لیکن ایمان کے بارے میں اتنے کمزور تھے کہ شیطان کے پیچھے لگے رہے۔ اب اس کفر کا خمیازہ جہنم کی صورت میں بھگتو۔

انسانی اعضا کی شہادت

بعض لوگ محاسبۂ اعمال کے وقت کفر، شرک اور معاصی سے انکار کر دیں گے جیسے مشرکوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ وہ کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (الانعام۔۲۳) اللہ کی قسم، ہم نے تو دُنیا میں رہ کر شرک نہیں کیا۔ مگر ہر انسان کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، لوحِ محفوظ میں بھی درج ہے اور انسان کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا ہوا ہے۔ گویا انسان کا ہر عمل محفوظ رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اتمامِ حجت کے لیے فرشتوں یا دیگر چیزوں کو بطور گواہ پیش کریں گے، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ بعض لوگ کہیں گے کہ ہم اپنے وجود کے سوا کسی دوسرے گواہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ اُس وقت اللہ فرمائے گا۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ اس دن ہم ان کے مونہوں پہ مہر لگا دیں گے۔ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ تو ان کے ہاتھ ہمارے ساتھ کلام کریں گے وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ اور اُن کے پاؤں گواہی دیں گے بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ جو کچھ وہ کماتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ مجرموں کی زبان تو بند ہو جائے گی اور ان کے جسم کے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ کسی اچھے بُرے کام کے کرنے میں سب سے زیادہ دخل ہاتھوں کا ہوتا ہے چنانچہ آدمی کے ہاتھ کہیں گے، کہ اس شخص نے ہمارے ذریعہ فلاں بُرا کام کیا تھا اور پاؤں گواہی دینگے کہ ہمارے ساتھ چل کر یہ شخص

ابن کثیر ص۵۷۷ ج۳ و طبری ص۲۴ ج۲۳ (فیاض)

فلاں غلط مقام پر گیا تھا۔ اُس وقت گنہ گار آدمی حیرت میں مبتلا ہو جائے گا کہ خود اُس کے اعضاء و جوارح ہی اُس کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ پھر وہ جسم کے اعضاء سے مخاطب ہو کر کہے گا۔ کہ میں نے تمہیں ہی سزا سے بچانے کے لیے جرم کا انکار کیا تھا مگر اب تم نے خود ہی یہ راز فاش کر دیا ہے۔ اب تمہارے بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں[1] کہ انسانوں کے اعمال کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ نے مکمل طور پر کر رکھی ہے، اور اس کا ہر قول اور فعل اس کے اعمالنامے میں درج ہو رہا ہے۔ یہ اعمالنامہ موت کے وقت انسان کے گلے میں لٹکا دیا جاتا ہے اور قیامت والے دن متعلقہ شخص کے سامنے پیش کر کے اللہ تعالیٰ فرمائے گا

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (بنی اسرائیل ۔ ۱۴)

یہ تیرا اعمالنامہ ہے اسے خود ہی پڑھ لو۔ حساب کتاب کے لیے آج کے دن یہی دستاویز کافی ہے۔ چنانچہ خواہ دنیا میں کوئی شخص پڑھا لکھا تھا یا اَن پڑھ، اپنا اعمال نامہ خود پڑھ سکے گا۔ اُس وقت انسان خیال کرے گا کہ میرے اعمال تو میرے اعضاء کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ہاتھ اور پاؤں بھی گواہی دیں گے جیسا کہ میں نے بیان کر دیا۔

دیگر اشیاء کی گواہی

بعض احادیث[2] سے معلوم ہوتا ہے کہ جس خطۂ زمین پر انسان نے کوئی اچھا یا بُرا کام کیا ہوگا، زمین کا وہ ٹکڑا بھی اس کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دے گا۔ وہاں کے ارد گرد کی چیزیں بھی شہادت دیں گی۔ چنانچہ اذان والی حدیث میں آتا ہے کہ اذان کہنے والے شخص کے حق میں اُس کے دائیں بائیں کے تمام شجر و حجر گواہی دیں گے، اسی طرح حج کا تلبیہ پکارنے والے کے حق میں زمین کے آخری حصے تک کی تمام چیزیں گواہی دیں گی کہ مولا کریم! اس شخص نے تیرا نام احترام کے ساتھ

---

[1] ـــــــ

[2] ـــــــ

بلند کیا تھا۔

سورۃ حم السجدہ میں آتا ہے حَتّٰٓی اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ جب مجرم لوگ اُس مقام پر آجائیں گے تو اُنکے کان آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی۔ اُس کام کے متعلق جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم ہمارے خلاف کیسے گواہی دیتی ہو، اور آج یہ قوتِ گویائی تمھیں کہاں سے حاصل ہو گئی تو وہ جواب دیں گی قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ کہ ہمیں اُس اللہ نے قوتِ گویائی عطا کی ہے جس نے ہر چیز کو یہ قوت بخشی ہے۔ یہ وہی ذات ہے جس نے تمھیں بھی پیدا کیا اور پھر تم اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو۔ بہر حال فرمایا کہ قیامت والے دن انکار کرنے والوں کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور اُن کے اعضاء و جوارح بول کر اُن کے خلاف گواہی دیں گے۔

خدا کی طرف سے ممکنہ سزا

فرمایا اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے وہ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے سزا دے دے۔ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ اور اگر ہم چاہیں، تو نافرمانوں کی آنکھیں ہی ضائع کر دیں فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ پھر وہ راستے کی طرف دوڑنا چاہیں گے مگر انہیں کچھ نظر نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر بھی قادر ہے۔ جب لوط علیہ السلام کی قوم پر سزا کا وقت آیا تو فرشتے کو حکم ہوا کہ اپنا پَر ہلاؤ۔ جب ایسا کیا فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ (القمر۔ ۳۷) تو ہم نے اُنکی کی آنکھیں ہی ضائع کر دیں، وہ سب اندھے ہو گئے، یہاں بھی فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو مجرموں کو اندھا کر دیں۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ اور اگر ہم چاہیں تو اُن کے ٹھکانوں پر ہی اُن کی شکلیں مسخ کر دیں ایسے واقعات پہلے بھی پیش آتے رہے ہیں۔ اللہ نے کئی نافرمان قوموں اور جماعتوں کی شکلیں بگاڑ کر بندر اور خنزیر بنا دیے۔ سورۃ المائدہ میں اہلِ کتاب کے متعلق فرمایا

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ (آیت - ٦٠) کہ اُن کو بندروں اور خنزیروں کی شکلوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

فرمایا ہم اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ یہ لوگ جہاں بھی کھڑے یا بیٹھے ہوں وہیں ان کی شکلیں مسخ کر دیں۔ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ پھر نہ وہ آگے چلنے کی طاقت رکھیں اور نہ واپس گھر جا سکیں۔ انہیں اتنی مہلت بھی نہ ملے کہ اگلی منزل تک پہنچ جائیں یا گھر والوں کو ہی بتا سکیں کہ ہم مبتلائے عذاب ہو چکے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے متعلق بائیبل کا بیان ہے کہ اللہ نے اُسے پتھر کی شکل میں مسخ کر دیا تھا۔ اسی طرح اساف اور نائلہ مرد و زن نے خانہ کعبہ میں زنا کا ارتکاب کیا تو اللہ نے اُن کو پتھر بنا دیا اور وہ کافی عرصہ تک صفا اور اور مروہ پر عبرت کے لیے پڑے رہے۔ بعد میں شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے اُن کی پرستش شروع کرا دی۔ بہر حال فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو اُن کی شکلیں مسخ کر دیں۔ کیا یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ خدا قادر مطلق ہے۔

بڑھاپے کی حالت

فرمایا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ جس کو ہم زیادہ عمر دے دیتے ہیں اُن کو پیدائش میں الٹا کر دیتے ہیں۔ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ کیا یہ لوگ اس بات میں غور و فکر نہیں کرتے؟ ابتداء میں انسان بچہ ہوتا ہے۔ پھر جوان ہوتا ہے، طاقت آتی ہے، مگر جب بڑھاپے کا دور شروع ہوتا ہے تو تمام اعضاء آہستہ آہستہ مضمحل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی بات کے متعلق فرمایا ہے کہ جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں۔ اُسے پھر پیدائش کی حالت میں الٹ دیتے ہیں۔ سورۃ روم میں اللہ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً (آیت - ٥٤) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا، پھر کمزوری کے بعد قوت عطا کی۔ پھر قوت کے بعد دوبارہ کمزوری اور بڑھاپا طاری کر دیا۔ یہ حالات

لوگوں کے لیے نشانِ عبرت ہیں اگر انسان انہی چیزوں میں غور کرے تو کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب نہ کرے جگر مراد آبادیؒ نے بھی کہا ہے ؎

رخصت ہوئی شباب کے ہمراہ زندگی
کہنے کی بات ہے کہ جیئے جا رہا ہوں میں

بہرحال اللہ نے زندگی کے مختلف مراحل کو اپنی قدرت کی نشانی بیان فرمایا ہے۔ اگر لوگ پھر بھی اُس کی توحید کو تسلیم نہ کریں تو وہ سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ
هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ
كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ
اَيْدِيْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾
وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا
يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ
اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ؕ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾
فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا
يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

ترجمہ :- اور نہیں سکھایا ہم نے اس (پیغمبر) کو شعر
کہنا ، اور نہ ہی لائق ہے اس کے لیے ۔نہیں ہے یہ
مگر نصیحت اور قرآن کھول کر بیان کرنے والا ﴿۶۹﴾ تاکہ
ڈر سنائے اُس کو جو جان رکھتا ہے ، اور ثابت ہو جائے

بات کفر کرنے والوں پر (٧٠) کیا نہیں دیکھا ان لوگوں
نے کہ بیشک ہم نے پیدا کیا ہے اُن کے لیے جو ہمارے
ہاتھوں نے بنایا ہے مویشیوں کو - اور وہ ان کے مالک
ہیں (٧١) اور ہم نے تابع کر دیا ہے اُن کو اُن کے
لیے - پھر اِن میں سے بعض وہ ہیں جن پر اُن کی سواری
ہے ، اور بعض وہ ہیں جن سے وہ کھاتے ہیں (٧٢)
اور اُن کے لیے ان مویشیوں میں بہت سے فائدے
ہیں ، اور پینے کے گھاٹ ہیں - کیا یہ لوگ شکر ادا نہیں
کرتے ؟ (٧٣) **اور بنا لیے ہیں انھوں نے اللہ کے سوا دوسرے**
معبود تاکہ وہ ان کی مدد کریں (٧٤) وہ طاقت نہیں
رکھتے اُن کی مدد کی ، اور یہ اُن کے لیے لشکر ہو گا جو
(پکڑ کر) حاضر کیے جائیں گے (٧٥) پس نہ غم میں ڈالے
آپ کو اُن کی بات - بلاشبہ ہم جانتے ہیں جو کچھ
یہ چھپاتے ہیں اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں (٧٦)

ربطِ آیات

گزشتہ آیات میں اللہ نے میدانِ حشر کے کچھ واقعات بیان فرمائے
قیامت والے دن گمراہ لوگ اپنے بُرے اعمال و افعال اور بُرے عقائد سے انکار
کریں گے تو اُن کی زبانیں بند ہو جائیں گی اور اُن کے ہاتھ اور پاؤں بول کر اُن
کے خلاف گواہی دیں گے اور اُن کے کرتوت ثابت ہو جائیں گے - اب آخر
سورۃ میں اللہ نے توحید ، قرآن کی حقانیت اور جزائے عمل کا مسئلہ بیان فرمایا ہے
اور ضمناً رسالت کا ذکر بھی آگیا ہے - الغرض سورۃ کے اس آخری حصے میں چاروں
بنیادی مسائل کو اختصار کے ساتھ دہرایا جا رہا ہے -

شعر گوئی کی نفی

کافر اور مشرک لوگ قرآن پاک کو اللہ کا کلام تسلیم نہیں کرتے ، بلکہ اُسے
شاعری ، کہانت یا سحر سے تعبیر کرتے تھے کبھی کہتے بَلِ افْتَرٰىهُ کبھی

کے دعویدار نے اسے افترا کیا ہے یعنی خود بنا کر لے آیا ہے اور پھر اسے خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے کلام شاعر ہونے کی مؤثر انداز میں تردید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ اور ہم نے اپنے پیغمبر کو شعر گوئی سکھائی ہی نہیں۔ بھلا جس کو کسی کام کی تربیت ہی نہ ہو وہ کیسے اس کام کو انجام دے گا۔ حقیقت یہ ہے وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ کہ شعر و شاعری تو ہمارے نبی کے شایانِ شان ہی نہیں ہے، بھلا وہ اپنی طرف سے کس طرح شعر بنا کر پیش کر دیگا۔ فرمایا یہ قرآن کریم اشعار کا مجموعہ نہیں۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ بلکہ یہ تو سراسر نصیحت کی بات ہے وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ اور کھول کر بیان کرنے والا قرآن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شاعری کی بنیاد تو وہم اور تخیل پر ہوتی ہے۔ اللہ نے سورۃ الشعراء میں فرمایا ہے وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (آیت ۲۲۴) کہ شعراء کے پیچھے لگنے والے اکثر گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ (آیت۔ ۲۲۵) کیا تم نے دیکھا نہیں کہ شاعر کس طرح ہر وادی میں خیالی گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ کسی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جا رہے ہیں اور اگر کسی کی مذمت کی ہے تو فحش گوئی تک پہنچ گئے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ کسی شعر میں جس قدر جھوٹ ہوگا اور خیالی پلاؤ پکایا گیا ہوگا، اسی قدر وہ پسندیدہ ہوگا اور اس پر واہ واہ کے ڈونگرے برسائے جائیں گے۔ ؎

ہیچ در شعر و در فن او
چو اکذب اوست احسن او

شعر جتنا جھوٹا ہوگا، اتنا ہی مزیدار ہوگا لہٰذا اس فن میں زیادہ دلچسپی نہ لو۔ یہی وجہ ہے شعر و شاعری نبوت و رسالت کے منافی ہے۔

شعر گوئی میں استثنا

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر ہر زبان میں شعر و شاعری ہوتی رہی ہے۔ مگر اکثر و بیشتر لوگ غلط کار، جھوٹے اور خیالی ہوتے ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ تاہم استثنیٰ یہاں بھی ہے۔ خود سورۃ الشّعراء میں موجود ہے کہ اکثر شعراء کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (آیت ۲۲۷) مگر بعض ایماندار شاعر اچھا کلام بھی کہتے ہیں جس سے لوگوں کو کچھ نہ کچھ فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ شاعری بذاتِ خود تو بُری چیز نہیں مگر اس کا جھوٹ اور مبالغہ آرائی اس کو بُرا بنا دیتی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شعر و شاعری بھی ایک کلام ہے اس کا اچھا حصہ اچھا ہے اور بُرا حصہ بُرا ہے۔ تاہم اس میں برائی کا عنصر زیادہ ہوتا ہے جس کی سب سے بڑی وجہ شعراء کی دروغ گوئی اور قول و فعل کا تضاد ہوتا ہے اَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ (الشّعرآء-۲۲۶) شاعر لوگ زبان سے بڑی باتیں کرتے ہیں مگر عمل میں صفر ہوتے ہیں۔

تاہم دنیا میں اچھے شاعر بھی ہوئے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے اپنے زمانہ مبارکہ کے مشہور شاعر حسّان بن ثابتؓ اپنے اشعار کے ذریعے اسلام کا دفاع کیا کرتے تھے۔ جب کفار اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف شعر گوئی کرتے تھے تو حضور علیہ السلام حضرت حسّانؓ کو جواب دینے کے لیے کہتے۔ ایک[2] موقع پہ حضور علیہ السلام نے حضرت حسانؓ سے فرمایا کہ ان کافروں کو جواب دو جبریل امین تمہارے مؤیّد ہوں گے، اسی طرح مولانا رومؒ کی مثنوی میں بڑی کام کی باتیں ہیں۔ ہمارے قومی شاعر ڈاکٹر محمد اقبال کا کلام بھی بہت اچھا ہے۔ انہوں نے قوم و ملت کے ضمیر کو جھنجھوڑا ہے۔ اسی طرح شیخ سعدیؒ کی گلستان اور بوستان کے تراجم دنیا بھر کی زبانوں میں

---

[1] ۔۔۔ [2] ۔۔۔

ہو چکے ہیں۔ ان میں بڑے تجربے اور نصیحت کی باتیں ہیں۔ یہ کتابیں دینی مدرسوں میں بھی پڑھائی جاتی ہیں۔

کسی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا، کیا حضور علیہ السلام کبھی بطور مثال کسی شعر کا ذکر بھی فرماتے تھے؟ فرمایا ہاں! بعض اوقات ایک آدھ شعر یا مصرعہ اپنی زبان سے ادا فرماتے تھے۔ مثلاً آپ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار پڑھ لیا کرتے تھے۔[1]

لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

(اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت سے نہ نوازتا تو نہ صدقہ کر سکتے نہ نماز ادا کر پاتے)

اسی طرح زمانۂ جاہلیت کے ایک شاعر کا شعر بھی آپ بعض دفعہ زبان پر لے آتے تھے۔[2]

ستبدی لک الایام ما کنت جاهلاً
ویاتیک بالاخبار من لم تزود

(زمانہ تیرے سامنے وہ باتیں ظاہر کر دے گا جس سے تو ناواقف ہے، اور تیرے پاس خبریں وہ لوگ لائیں گے جنہیں تو نے کوئی توشہ نہیں دیا ہوگا۔) زمانہ جاہلیت میں کوئی خبر معلوم کرنے کے لیے بڑا اہتمام کرنا پڑتا تھا۔ اس کام کے لیے کوئی آدمی بھیجنا پڑتا، اس کے لیے سواری کا انتظام کرنا ہوتا اور اسے زادِ راہ کے علاوہ کچھ دیگر معاوضہ بھی ادا کرنا پڑتا تھا۔ مگر آج مادی ترقی کے زمانہ میں دنیا بھر کی خبریں گھر بیٹھے بلا معاوضہ حاصل ہو جاتی ہیں۔ یہی مطلب ہے کہ بغیر توشے کے خبریں معلوم ہو جایا کریں گی۔ اس شعر میں خود پیغمبر علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ کی

---

[1] خازن ص $\frac{15}{6ج}$ وطبری ص $\frac{27}{23ج}$ ومعالم التنزیل ص $\frac{206}{3ج}$ واحکام القرآن للجصاص ص $\frac{276}{3ج}$

[2] ابن کثیر ص $\frac{579}{3ج}$ وروح المعانی ص $\frac{48}{23ج}$ وخازن ص $\frac{15}{6ج}$ (فیاض)

طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ کا نبی دنیا اور آخرت کی ساری خبریں بلا معاوضہ تم تک پہنچائے گا۔ بہر حال حضور علیہ السلام کسی شاعر کا اچھا شعر تو زبان پر لے آتے تھے مگر خود شعر نہیں کہتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے شعر گوئی کا علم اپنے نبی کو سکھایا ہی نہیں اور نہ ہی یہ منصب نبوت کے شایانِ شان ہے۔ اس کے برخلاف آپ جو کلام پیش کرتے ہیں۔ وہ سراسر نصیحت پر مشتمل ہے۔ آپ حقیقت کے ترجمان ہیں اور آپ کی بعثت کا ایک مقصد دنیا کو اعلیٰ حقائق سے روشناس کرانا بھی ہے۔

قرآن بمقابلہ اشعار

چنانچہ شعر و شاعری کے برخلاف پیغمبر اسلام نے اللہ کا کلام قرآن پاک پیش کیا اور اس کو پڑھ کر جو لوگ تیار ہوئے انہوں نے دنیا میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ شعر و شاعری تو نزولِ قرآن کے زمانہ میں بامِ عروج پر تھی، مگر اس کا ماحصل کیا تھا، کسی کی تعریف کے پل باندھ دیئے تو کسی کی ہجو لکھ دی۔ الفاظ کے تانے بانے میں حقائق کو مسخ کیا اور جھوٹ کو سچ بنانے کی کوشش کی۔ اس سے دنیا میں کوئی انقلاب تو نہیں آگیا تھا بلکہ لوگ مزید لہو و لعب میں پڑ گئے۔ قرآن نے آکر زندگی کا مکمل پروگرام پیش کیا، فلاح کے اصول، اجتماعیت، کاملہ، نظمِ حکومت، تجارت کے اصول، سفر و حضر اور صلح و جنگ کے قوانین بتلائے، بداخلاقی کی بجائے اخلاقِ حسنہ دیئے، برائی کی بجائے نیکی کو رائج کیا، دنیا کی بجائے آخرت کی طرف رُخ پھیرا غرضیکہ زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی فرمائی۔ تو ایسے اعلیٰ اقدار کے حامل قرآن پاک کو شعر و شاعری جیسے جھوٹے اور مبالغہ آمیز کلام سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ یہ قرآن شعر و شاعری نہیں بلکہ سراسر نصیحت اور کھول کر بیان کرنے والا کلام ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا تاکہ یہ ڈرسنائے اُس شخص کو جو زندہ ہے۔ زندہ تو مومن، کافر، مشرک، منافق سب ہیں مگر شاہ عبد القادرؒ فرماتے[1] ہیں کہ زندہ

---

[1] موضح القرآن صفحہ ۵۳۲ (فیاض)

کا مطلب یہ ہے کہ جس میں جان ہے یعنی وہ اپنے فائدے کے لیے نیکی کا اثر قبول کر سکتا ہے جو شخص نصیحت کا اثر ہی قبول نہیں کرتا اُس کو ڈرانا کچھ مفید نہیں ہو سکتا جیسے سورۃ البقرہ کی ابتداء میں کافروں کے متعلق فرمایا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (آیت۔ ۶) ایسے لوگوں کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بہر حال زندہ سے مراد وہ قوم، جماعت یا فرد ہے جس میں نیکی کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے فرمایا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اور تاکہ یہ بات کافروں پر ثابت ہو جائے۔ اللہ نے کفار پر اتمامِ حجت کے لیے اس کتاب قرآن پاک کو نازل فرمایا ہے تاکہ کوئی شخص کل کو یہ نہ کہہ سکے کہ میرے پاس تو کوئی کتاب نہیں آئی، نہ کسی سمجھانے والے نے سمجھایا اور نہ کسی نبی، رسول یا اُس کے نائب نے ڈرایا اِن دو آیات میں قرآن پاک کی حقانیت و صداقت اور حضور نبی کریم علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی گواہی بھی آگئی۔

مویشیوں کی پیدائش

آگے اللہ نے اپنی قدرت کے کچھ دلائل بیان فرمائے ہیں ارشاد ہوتا ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اُن کے لیے پیدا کیے ہیں مِمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا جن کو ہمارے ہاتھوں نے بنایا ہے مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی تخلیق کا ذکر ہو رہا ہے اس میں انسانی ہاتھوں کا دخل نہیں بلکہ اللہ کی قدرت کا کام ہے اگر اس کو دستِ قدرت بھی مانیں تو اس سے مراد ایسے ہاتھ نہیں جیسے ہمارے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے وہ ہاتھ مراد ہیں جو اُس کی شان کے لائق ہیں۔ اللہ کے ہاتھوں کا ذکر بعض دوسرے مقامات پر بھی آیا ہے۔ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (المائدہ۔ ۶۴) اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ حدیبیہ کے واقعہ میں جب صحابہ کرامؓ حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو اللہ نے فرمایا يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح۔ ۱۰) اُن کے ہاتھوں کے اُوپر اللہ کا ہاتھ تھا۔ غرضیکہ اللہ نے ہاتھوں کی نسبت اپنی طرف

کی ہے مگر یہ انسانی ہاتھ کی طرح دائیں بائیں نہیں بلکہ جیسا اس کی شان کے لائق ہیں تو فرمایا کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جن کو ہمارے ہاتھوں نے بنایا، اور وہ کیا چیز ہے اَنۡعَامًا وہ مویشی ہیں جن کے ساتھ تمھیں شب و روز واسطہ پڑتا ہے اور وہ تمھاری خدمت پر مامور ہیں۔

فرمایا یہ مویشی پیدا تو ہمارے دستِ قدرت نے کیے فَهُمۡ لَهَا مٰلِكُوۡنَ مگر اُن کے مالک یہ لوگ ہیں۔ ہم نے حقِ ملکیت ان کو دے دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ پیدا کرنے والا بھی خدا تعالیٰ اور حقیقی مالک بھی وہی ہے کیونکہ مالک وہی ہو سکتا ہے جو کسی چیز کا خالق ہو مگر اُس نے اپنی مہربانی سے اِن کا عارضی مالک انسانوں کو بنا دیا ہے کہ وہ جس طرح چاہیں اِن سے خدمت لیں، وگرنہ،

در حقیقت مالکِ ہر شے خدا است

ایں امانت چند روزے نزدِ ما است

اس حقیقت کو قرآنِ پاک میں جگہ جگہ واضح کیا گیا ہے لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ (البقرہ-۲۸۴) ارض و سما کی ہر چیز اللہ ہی کے لیے ہے یعنی ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

آج کل سرمایہ داروں اور محنت کشوں کے درمیان یہ بحث چل رہی ہے کہ اصل چیز سرمایہ ہے یا محنت۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت کے لوگ بضد ہیں کہ اصل چیز سرمایہ ہے۔ سرمایہ ہوگا تو محنت کے مواقع پیدا ہوں گے لہذا سرمایہ مقدم ہے دوسری طرف سوشلزم اور کمیونزم والے کہتے ہیں کہ سرمایہ محنت سے پیدا ہوتا ہے اگر محنت ہی نہیں ہے تو سرمایہ کہاں سے آئے گا، لہذا وہ مزدوروں کے حقوق کو مقدم سمجھتے ہیں۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ کسی چیز کا مالک نہ سرمایہ دار ہے اور نہ محنت کش، بلکہ مالک حقیقی خدا تعالیٰ کی ذات ہے جو ہر چیز کا خالق ہے۔ انسانی ملکیت عارضی ہے اور اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اللہ نے آزمائش کے لیے ملکیت ان کو عطا کی ہے۔ ان سے پہلے بھی وہی مالک تھا اور ان کے بعد

بھی وہی مالک ہوگا۔ لہذا اس کے مقرر کردہ ضابطے کے مطابق عمل کرنا چاہیئے تاکہ دنیا میں امن قائم رہے۔

موشی بطور خدام

فرمایا ہم نے مویشی پیدا کر کے انسانوں کی ملکیت میں دے دیئے وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ اور پھر ان مویشیوں کو انسانوں کے تابع کر دیا۔ ہاتھی، اونٹ، گھوڑا، گائے بھینس کتنے بڑے بڑے جانور ہیں۔ جو انسانوں سے بیسیوں گنا زیادہ طاقتور ہیں۔ مگر اللہ نے ان کے طبائع میں یہ بات ڈال دی ہے کہ تمہیں انسان کی خدمت کرنا ہے۔ چنانچہ وہ اتنے طاقتور ہونے کے باوجود انسان کے اشارے پر چلتے ہیں اور ہر وہ کام کرتے ہیں جو انسان کو مطلوب ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ بعض ان میں سے وہ ہیں جو انسانوں کے لیے سواری کا کام دیتے ہیں۔ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ اور ان میں سے بعض کا گوشت کھاتے ہیں۔ دیکھ لیں گدھا، خچر، گھوڑا، اونٹ وغیرہ سواری کا کام دیتے ہیں اور گائے، بھینس، بھیڑ، بکری کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

فرمایا وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ ان جانوروں میں انسانوں کے لیے دیگر فوائد بھی ہیں۔ ان کے بال، کھال، ہڈیاں، چربی، گھی، سینگ اور چمڑا تک انسانی ضروریات کا حصہ ہیں۔ جانوروں کا گوبر بھی ضائع نہیں جاتا۔ اس کو سکھا کر ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی کھال استعمال میں لائی جاتی ہے اب تو توانائی پیدا کرنے کے لیے گوبر کے پلانٹ بھی لگ رہے ہیں وَمَشَارِبُ اور جانور انسانوں کے لیے پینے کے گھاٹ بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے تھنوں میں وافر دودھ پیدا کر دیا ہے جو انسانی خوراک کا ایک اہم حصہ ہے فرمایا أَفَلَا يَشْكُرُونَ اتنے فوائد حاصل کرنے کے باوجود بھی کیا یہ لوگ شکر ادا نہیں کرتے؟ امام بیہقیؒ اور امام ترمذیؒ نے حضرت ابودرداءؓ سے حدیث[1] بیان

---

[1] مظہری ص۹۸ ج ۸ (فیاض)

کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ انسانوں اور جنوں کی حالت عجیب ہے اَخْلُقُ وَ یَعْبُدُ غَیْرِیْ کہ پیدا میں کرتا ہوں مگر یہ عبادت دوسروں کی کرتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ نعمت میں دیتا ہوں مگر یہ شکریہ غیروں کا ادا کرتے ہیں، انسانوں کی طرح جن بھی مختلف پارٹیوں اور فرقوں میں تقسیم ہیں اور وہ ناشکر گزاری کرتے ہیں الا ماشاء اللہ، کفر، شرک، بدعقیدگی ناشکر گزاری ہی کا نتیجہ ہے۔ ظلم و تعدی، معصیت سب ناشکر گزاری کا حصہ ہیں۔ اگر انسان اللہ کی نعمتوں کی قدر کرتے تو ناشکر گزار نہ بنتے۔

شرک کی تردید

آگے اللہ نے شرک کی مذمت بیان فرمائی ہے وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اٰلِھَۃً انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں۔ جن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں اِن سے مرادیں مانگتے ہیں، ان کو نذر و نیاز پیش کرتے ہیں اِن کو مافوق الاسباب پکارتے ہیں انکے نام کی دھائی دیتے ہیں یہ سب مشرکانہ باتیں ہیں —— کیونکہ خالق اور مالک تو میں ہوں۔ اور معبود وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہو لہٰذا یہ غیروں کو معبود کیوں بناتے ہیں؟ اور ایسا کرنے سے اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے لَعَلَّھُمْ یُنْصَرُوْنَ شاید کہ وہ مدد کیے جائیں۔ یہ معبود مشکل وقت میں اُن کی مدد کو پہنچیں گے۔ فرمایا وہ بیچارے اِن کی کیا مدد کریں گے لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَھُمْ وہ تو اُن کی مدد کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے اِن کی حالت تو یہ ہو گی وَھُمْ لَھُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ یہ لوگ اُن معبودوں کے لشکر ہوں گے اِن سب کو اکٹھا کر کے حاضر کیا جائے گا۔ سب عابد اور معبود اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو اللہ پوچھے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے رہے۔ مگر کسی سے کوئی جواب بن نہیں آئے گا۔ اور پھر عابد اور معبود ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کریں گے اس کی وضاحت اگلی سورۃ میں آ رہی ہے۔

تسلی کا مضمون

کافر اور مشرک لوگ پیغمبر اسلام اور آپ کے پیروکاروں کو سخت ذہنی اور جسمانی اذیت پہنچاتے تھے۔ اللہ نے تسلی کے طور پر فرمایا فَلَا یَحْزُنْكَ

قَوْلُهُمْ ان کی باتیں آپ کو غم میں نہ ڈالیں اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ہم خوب جانتے ہیں جس چیز کو یہ چھپاتے ہیں اور جس کو ظاہر کرتے ہیں۔ ہمارے علم سے اِن کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں، ہم اُن کی نیت اور ارادے سے بھی واقف ہیں اور ظاہری حرکات کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ اِن کی خفیہ منصوبہ بندیاں بھی ہمارے سامنے ہیں اور اِن کے نفاق کو ہم جانتے ہیں۔ نافرمانوں نے پہلے انبیاء کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا، آپ غم نہ کریں بلکہ اپنا کام جاری رکھیں، ہم خود ان سے نپٹ لیں گے۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ
فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا
مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ
الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ
اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ
عَلِيْمُۨ ﴿٧٩﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ
الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿٨٠﴾
اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ق
وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿٨١﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ
اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٨٢﴾
فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ
٥ ع ١٦ ٣ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٣﴾ ع

ترجمہ:- کیا نہیں دیکھتا انسان کہ بیشک ہم نے پیدا
کیا ہے اُس کو ایک قطرۂ آب سے۔ پس اچانک
وہ بڑا جھگڑنے والا ہے ﴿٧٧﴾ اور وہ بیان کرتا ہے

ہمارے لیے مثالیں ، اور بھول جاتا ہے اپنی پیدائش کو۔ کہتا ہے کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی (۷۸) آپ کہہ دیجئے ، زندہ کرے گا ان کو وہ جس نے پیدا کیا ہے ان کو پہلی مرتبہ۔ اور وہ ہر پیدائش کو خوب جاننے والا ہے (۷۹) وہ جس نے بنائی ہے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ۔ پس اچانک تم اس سے سلگاتے ہو (۸۰) کیا نہیں ہے وہ ذات جس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو ، قادر اس پر کہ پیدا کر دے ان جیسے۔ کیوں نہیں۔ وہ تو بہت بڑا پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (۸۱) بیشک اس کا حکم جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کے بارے میں تو کہتا ہے اس کو ہو جا ، پس وہ چیز ہو جاتی ہے (۸۲) پس پاک ہے وہ ذات جس کے دستِ قدرت میں ہے حکومت ہر چیز کی اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے (۸۳)

ربط آیات

گذشتہ دروس میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ نے توحید کے عقلی دلائل دیے جن میں غور و فکر کر کے انسان اللہ کی وحدانیت اور اس کی قدرت کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہی دلائل وقوعِ قیامت کے لیے بھی کافی ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ کفار و مشرکین کی بیہودہ باتوں سے غمگین نہ ہوں ، ہم ان کے ظاہر و باطن کو جانتے ہیں اور ان کے عقاید و اعمال کا ضرور بدلہ دیں گے۔ اب آج کے درس میں بھی اللہ نے اپنی وحدانیت اور اپنی قدرت پر دلائل پیش کیے ہیں اور ساتھ ساتھ مشرکین کا رد فرمایا ہے۔

انسان کی پیدائش

ارشاد ہوتا ہے اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ
کیا انسان نہیں دیکھتا کہ ہم نے اُسے ایک قطرۂ آب سے پیدا کیا۔ نطفہ شفاف پانی کو کہتے ہیں اور اس سے مراد انسان کا مادۂ تولید ہے جو انسان کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے۔ سورۃ سجدۃ میں فرمایا ہے ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ (آیت-۸) ہم نے انسان کی تخلیق مٹی سے کی اور پھر اُس کی نسل کو حقیر پانی سے چلایا جو پیشاب کی طرح ناپاک ہے اور اگر کسی کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو دھوئے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ سورۃ الطّارق میں ہے فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ انسان غور کرے کہ اُسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ اُسے اچھلنے والے پانی سے تخلیق کیا گیا ہے یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ جو سینے اور پسلی کی ہڈیوں کے درمیان سے خارج ہوتا ہے مطلب یہ کہ اگر انسان اپنی پیدائش میں ہی غور کرے تو اُس کا تمام غرور و تکبر ختم ہو جائے اور وہ اللہ کے معاملات میں حجت بازی نہ کرے۔

دوبارہ زندگی پر جھگڑا

فرمایا کہ ہم نے تو انسان کو ایک حقیر قطرۂ آب سے پیدا کیا فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ مگر اچانک وہ بڑا جھگڑالو بنا ہوا ہے۔ اسے تو اپنی پیدائش کو دیکھ کر ہی وحدانیت کا قائل ہو جانا چاہیئے تھا مگر وہ وقوعِ قیامت اور دلائلِ قدرت کے انکار میں طرح طرح کی حجت بازی کرتا ہے وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا اور ہمارے سامنے طرح طرح کی مثالیں بیان کرتا ہے وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ اور اپنی تخلیق کو بھول جاتا ہے کہ وہ کس نے کن ذرائع سے کی۔ فرمایا انسان ایسا ناعاقبت اندیش ہے کہ وہ دوبارہ زندگی کے متعلق یہ دلیل پیش کرتا ہے قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ اور کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو کون دوبارہ زندہ کرے گا جب کہ یہ بھربھری ہو جائیں گی۔ بعض مشرکین بوسیدہ ہڈیوں کو ہاتھ سے مَسل کر کہتے تھے کہ کیا یہ ہڈیاں دوبارہ زندگی سے آشنا ہوں گی جو چورہ چورہ ہو کر خاک میں مِل جاتی ہیں؟ سورۃ سجدۃ میں اللہ نے مشرکین کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

وَقَالُوٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِى الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۃ (آیت-۱۰) کیا جب ہم گل سڑ کر مٹی میں رل مل جائیں گے تو پھر دوبارہ پیدائش میں ظاہر ہوں گے؟ سورۃ النّٰزعٰت میں بھی ہے ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً (آیت-۱۱) جب ہماری ہڈیاں بھربھری ہو جائیں گی تو کیا ہمیں دوبارہ حیات نصیب ہوگی؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اللہ نے انسان کو قوت گویائی بخشی ہے مگر وہ اسی قوت کو بروئے کار لا کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے اور اُس کی توحید کا اقرار کرنے کی بجائے اُس کے معاملات میں جھگڑا کرتا ہے۔

اللہ نے فرمایا اے پیغمبر! قُلْ آپ اِن سے کہہ دیں کہ تم ان بوسیدہ ہڈیوں میں حیات کے عود کر آنے کو بعید خیال کرتے ہو، مگر یاد رکھو! يُحْيِيْهَا الَّذِىْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا جب کہ ان کا کوئی مادہ بھی موجود نہ تھا۔ اب جب کہ ایک چیز وجود میں آچکی ہے اور تم تسلیم کرتے ہو کہ اللہ نے قطرہ آب کو خون میں تبدیل کیا پھر اسکا گوشت بنایا، اس میں ہڈیاں پیدا کیں اور ان کے اُوپر گوشت چڑھایا اور پھر پورے جسم کی حفاظت کے لیے اُس کے اُوپر کھال پیدا کی۔ اس کا ہر ہر عضو نہایت موزوں طریقے سے اپنی اپنی جگہ پر فٹ کیا اور فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِىْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التّین ۴) ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں تخلیق کیا۔ تو فرمایا کہ جس خدا نے سب کچھ پہلی مرتبہ کیا، کیا وہ اس کا اعادہ کرنے پر قادر نہیں؟ حقیقت یہ ہے وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ کہ وہ ہر پیدائش کو خوب جانتا ہے، اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

درختوں سے آگ کی مثال

اللہ نے یہی بات ایک مثال کے ذریعے بھی سمجھائی ہے اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لیے سبز درختوں سے آگ پیدا فرما دی۔ مطلب یہ ہے کہ ہرے بھرے درخت ہوتے ہیں جن کے تنے، شاخوں اور پتوں میں کافی مقدار میں

رطوبت ہوتی ہے مگر یہ درخت خشک ہو کر جلانے کے کام آتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ سبز درخت سے مراد متضاد چیزیں ہیں۔ عرب میں دو قسم کے درخت ہوتے تھے ، ایک کا نام مرخ اور دوسرے کا عفار تھا۔ ان دونوں درختوں کی لکڑیوں کو آپس میں رگڑنے سے بالکل اسی طرح آگ نکلتی تھی جس طرح چقماق کے دو پتھر رگڑنے سے آگ نکلتی ہے یا گھوڑے کے سُم پتھروں سے ٹکرانے سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سبز درختوں سے آگ پیدا کر سکتا ہے وہ بوسیدہ ہڈیوں میں حیات بھی پیدا کر سکتا ہے۔ جب سبز درختوں سے آگ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ تو اچانک تم اس سے سلگاتے ہو اور یہی آگ کھانا پکانے کے لیے استعمال میں لاتے ہو۔

مصر کے جدید علوم کے ماہر مفسر قرآن طنطاوی[۱] اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ نے درخت کے سبز پتوں کو عجیب حکمت کے تحت تخلیق کیا ہے۔ سورج کی روشنی کے دوران درختوں کے پتے —— آکسیجن جیسی زندگی بخش گیس اپنے اندر جذب کرتے رہتے ہیں۔ ہر سانس کے ذریعے انسانی جسم میں بھی آکسیجن جاتی ہے جس سے اس کا خون صاف ہوتا رہتا ہے اور اس کی زندگی قائم رہتی ہے۔ اگر یہی سانس تھوڑی دیر کے لیے رک جائے تو انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی مریض سخت لاغر ہو جاتا ہے اور وہ معمول کے مطابق سانس لینے کی قوت بھی نہیں رکھتا تو پھر اس کے جسم میں مصنوعی طریقے سے سلنڈر کے ذریعے آکسیجن پہنچائی جاتی ہے۔ بہرحال درخت دن کے وقت آکسیجن اپنے پتوں کے ذریعے اندر کھینچتے ہیں اور رات کو کاربن ڈائی آکسائڈ جیسی زہریلی گیس باہر نکالتے ہیں ، اسی لیے تجربہ کار لوگ رات کو درختوں کے نیچے سونے سے منع کرتے ہیں۔

---

[۱] تفسیر الجواہر للطنطاوی ص $\frac{154}{17}$ تا ص $\frac{163}{17}$ (فیاض)

آکسیجن ایک تیز گیس ہے جس میں آتشیں مادہ بھی پایا جاتا ہے اور آکسیجن کے بغیر آگ بھی نہیں جل سکتی، تو گویا اللہ نے درختوں میں آکسیجن کا ذخیرہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ آگ پکڑ لیتے ہیں۔ اسی طرح پانی میں بھی دو گیسیں پائی جاتی ہیں یعنی آکسیجن اور ہائیڈروجن۔ گویا قدرت نے پانی میں بھی آگ کا مادہ رکھا ہے۔ تو اللہ نے درخت کی مثال بیان فرمائی ہے اور اپنی قدرت کا شاہکار ذکر کیا ہے کہ وہ سبز درختوں سے آگ پیدا کر سکتا ہے تو کیا بوسیدہ ہڈیوں میں دوبارہ زندگی نہیں لا سکتا؟ ۔ ضرور لا سکتا ہے اور وہ ایسا کر کے رہے گا۔

آسمان و زمین کی مثال

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا بیان اس انداز میں کیا ہے۔

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ کیا آسمان و زمین کو پیدا کرنے والی ذات ان جیسے اور پیدا کرنے پہ قادر نہیں ہے؟ خدا نے تو آسمان، زمین اور پہاڑوں جیسی بڑی بڑی چیزیں پیدا کر دی ہیں تو وہ اِن لوگوں جیسی شکل و صورت والے دوسرے لوگ کیوں نہیں پیدا کر سکتا۔ کسی چیز کو پہلی دفعہ پیدا کرنا تو ذرا مشکل ہوتا ہے جب کہ پہلے سے اُس کا نمونہ بھی موجود نہ ہو، مگر جب ایک انسان کو پیدا کر دیا اور پھر اس نے پچاس سو سال عمر بھی گزاری ہو تو اس کا دوبارہ پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں ہو سکتا۔ دوسری جگہ فرمایا کہ تم ہر روز مشاہدہ کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ مختلف رنگ و نسل کے لوگ پیدا کر رہا ہے، نباتات، حیوانات اور جمادات کو پیدا کرتا ہے، لہٰذا وہ انہی لوگوں کو انہی اجسام اور انہی شکل و صورت کے ساتھ دوبارہ پیدا کرنے پہ بھی یقیناً قادر ہے فرمایا بَلٰی کیوں نہیں وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ وہ تو سب سے بڑا پیدا کرنے والا اور علیم ہے، اس کے لیے یہ کام کون سا مشکل ہے۔ علیم سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ انسانی جسم میں پائے جانے والے تمام عناصر کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، لہٰذا وہ اِن سب کو دوبارہ جمع کر کے انسان کو اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا۔ قیامت کا انکار تو بیوقوفی کی بات ہے، البتہ کوئی یہ کہے کہ

اللہ تعالیٰ ابھی قیامت برپا کیوں نہیں کر دیتا اور پھر لوگوں کو دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر دیتا، تو یہ اس کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے۔ اُس نے ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ہر فرد کی زندگی کا ایک وقت مقرر ہے اور اسی طرح ساری کائنات کے لیے بحیثیت مجموعی بھی ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ آئے گا۔ تو یہ سارا نظام تبدیل کر کے نیا نظام قائم کیا جائے گا۔ پھر حساب کتاب ہو گا اور جزائے عمل کی منزل آئے گی۔ اُس وقت تمام انسان دوبارہ انہی اجسام کے ساتھ اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ

فرمایا، اللہ تعالیٰ قدرت تامہ کا مالک ہے اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے یعنی کسی کام کو انجام دینے کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا فَيَكُوْنُ پس وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس وقت جس شکل و صورت، جس وصف اور جس مرتبے کی چیز تخلیق کرنا چاہتا ہے وہ چیز فوراً وجود میں آجاتی ہے، پھر تاخیر نہیں ہوتی۔

پھر آخر میں فرمایا فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ پس پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اقتدار ہے۔ ملکوت ملک کا مبالغہ ہے اور مطلب ہے مکمل اقتدار، اختیار یا بادشاہی۔ تو ہر چیز کا اقتدار اسی ذات کے پاس ہے، جو ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ اور ہر اس شرک سے منزہ ہے جس کو مشرک لوگ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اور تم سب اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ گویا تمام امور کی انتہا بھی اللہ ہی کی طرف ہے پہلے سورۃ فاطر کی ابتداء میں بھی گزر چکا ہے وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (آیت - ۴) تمام کام لوٹ کر اُسی اللہ کی طرف ہی جاتے ہیں۔ انسانوں کو بھی اُسی عدالت میں پہنچنا ہے۔ جہاں محاسبہ ہو گا۔ اور اگر ایمان اور توحید کو اختیار نہ کیا تو سخت گرفت آئے گی کیونکہ کوئی چیز اللہ کے دستِ قدرت سے باہر نہیں ہے، وہ ہر عیب

اور نقص سے پاک ہے۔

سورۃ کے آخری حصہ میں اس کا خلاصہ دوبارہ آگیا ہے۔ قرآن پاک کی حقانیت و صداقت، توحید اور وقوعِ قیامت کے دلائل اور رسالت کا کچھ حصہ بھی ضمناً آگیا ہے۔

سورة الصّٰفّٰت

مكّيّة

درس اوّل ۱ آیت ۱ تا ۱۰

سُورَۃُ الصّٰفّٰتِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّاثْنَانِ وَّثَمَانُوْنَ اٰیَۃً وَّخَمْسُ رُکُوْعَاتٍ
سورۃ صٰفّٰت مکی ہے۔ اس کی ایک سو بیاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنیوالا ہے

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾
فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰھَکُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا
وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿۵﴾ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا
بِزِیْنَۃِ ۨ الْکَوَاکِبِ ﴿۶﴾ وَحِفْظًا مِّنْ کُلِّ
شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿۷﴾ لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاِ
الْاَعْلٰی وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ ﴿۸﴾
دُحُوْرًا وَّلَھُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿۹﴾ اِلَّا مَنْ
خَطِفَ الْخَطْفَۃَ فَاَتْبَعَہٗ شِھَابٌ
ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

ترجمہ:۔ قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار
بنا کر ﴿۱﴾ اور ڈانٹ پلانے والوں کی جھڑک کر ﴿۲﴾
اور تلاوت کرنے والوں کی ذکر ﴿۳﴾ بیشک تمہارا معبود

ایک ہی معبود ہے ④ جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اور پروردگار ہے مشرقوں کا ⑤ بے شک ہم نے مزین کیا ہے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی رونق سے ⑥ اور ان کے ذریعے حفاظت کی جاتی ہے ہر سرکش شیطان سے ⑦ نہیں سن سکتے یہ ملاءِ اعلیٰ کی بات کو، اور پھینکے جاتے ہیں وہ ہر جانب سے ⑧ دھکیلے ہوئے، اور ان کے لیے عذاب ہے ہمیشہ کے لیے ⑨ ہاں! مگر جس نے اچک لیا کسی بات کو اچکنا، پس اُس کے پیچھے لگتا ہے چمکتا ہوا شہاب ⑩

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الصّٰفّٰت ہے جو کہ اس کے پہلے لفظ سے ماخوذ ہے۔ یہ سورۃ مکی دور میں سورۃ انعام کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مکی زندگی کا درمیانی عرصہ ہے۔ اس سورۃ کی ایک سو بیاسی ١٨٢ آیات اور پانچ رکوع ہیں اور یہ سورۃ آٹھ سو ساٹھ ٨٦٠ الفاظ اور تین ہزار آٹھ سو انتیس ٣٨٢٩ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

دیگر مکی سورتوں کی طرح اِس سورۃ مبارکہ میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد توحید و رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت و حقانیت کا ہی ذکر ہے، تاہم توحید کا بیان سب سے زیادہ ہے۔ اِس سورۃ میں بعض ایسے دلائلِ قدرت بیان کیے گئے ہیں، جو دلائلِ توحید اور دلائلِ قیامت بھی ہیں۔ رسالت کے سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، الیاس علیہ السلام اور یونس علیہ السلام اور بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے۔ مذکورہ مضامین کے علاوہ بعض ضمنی مضامین بھی آ گئے ہیں۔ فرشتوں کا خاص طور پر تذکرہ ہے۔ عرب کے مشرک فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے اور بعض انہیں معبود سمجھتے تھے، ہر زمانے میں مشرک لوگ فرشتوں

سے غائبانہ امداد طلب کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ کی ابتدا میں جو قسم اٹھائی گئی ہے اُس کے مصداق بھی فرشتے ہیں۔ اللہ نے فرشتوں کی اطاعت و فرمانبرداری کا ذکر بھی کیا ہے کہ وہ تو خود اللہ کے حکم کے تابع ہیں، پھر تم اُن کو کس طرح معبود سمجھتے ہو؟

فرشتوں کی صف بندی

اِس سورۃ کی ابتدا قسم سے ہوتی ہے وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا قسم ہے قطار در قطار ہو کر صف باندھنے والوں کی۔ اس سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لیے ہر وقت صف بستہ منتظر رہتے ہیں۔ یہی بات سورۃ کے آخر میں بھی آئے گی۔ وہاں اللہ نے فرشتوں کی زبان سے کہلوایا ہے وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ (آیت۔ ۱۶۵) ہم تو ہر وقت صف باندھے کھڑے رہتے ہیں تاکہ اللہ کا حکم سن کر اُس کی تعمیل کریں۔ غرضیکہ اللہ کے فرشتے اس کے حضور صف بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ اس کا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے عبادتِ الٰہی کے لیے صف بستہ رہتے ہیں۔ اسی طرح صف بندی سے مراد اہلِ ایمان انسانوں کی صفت بھی مراد ہو سکتی ہے ان کو کبھی اعلیٰ ترین عبادت نماز کے لیے صف بندی کی سخت تاکید کی گئی ہے۔

صف بندی کی اہمیت

اہلِ ایمان سے صف بندی دو مقامات پر مطلوب ہے، ایک نماز کے لیے اور دوسرے میدانِ جنگ میں جہاد کے لیے۔ سورۃ الصّٰفّٰت میں جہاد کے لیے ہی صف بندی کی ترغیب دی گئی ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (آیت۔ ۴) اللہ تعالیٰ اُس کے راستے (جہاد) میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صف بندی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے اَلَا تَصُفُّوْنَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلٰٓئِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا لوگو! تم نماز کے لیے اُس طرح صفیں کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے

لہ ابن کثیر صہ۲ ج۴ و مظہری ص۱۰۵ ج۸ و خازن ص۱ ج۶ (فیاض)

پروردگار کے ہاں صف بندی کرتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا، حضور! فرشتے کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟ فرمایا یُتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلٰی وَیَتَرَاصُّوْنَ فِی الصَّفِّ کہ وہ پہلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صف میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں یعنی درمیان میں خلا نہیں چھوڑتے۔ بعض روایات کے الفاظ ہیں وَلَا یَذَرُوْنَ فُرُجَاتِ الشَّیْطٰنِ کہ وہ شیطان کے لیے رخنے نہیں چھوڑتے نمازیوں کے درمیان جتنا فاصلہ زیادہ ہوگا۔ اسی قدر شیطان کی آمد و رفت بھی زیادہ ہوگی، اور وہ نماز میں مخل ہوگا۔ نماز کے لیے صفوں کا تاکیدی حکم آیا ہے پہلی صف میں بالغ اور عمر رسیدہ لوگ کھڑے ہوں، اس کے بعد بچوں کی صف ہو اور پھر آخر میں عورتیں صف بنائیں۔ حضور علیہ السلام نماز کے لیے خود صفوں کی درستگی فرمایا کرتے تھے۔ صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس طرح سیدھا فرمایا کرتے تھے کَاَنَّمَا یُسَوِّیْ بِھَا الْقِدَاحَ (مسلم) گویا کہ صف سے تیر سیدھا کیا جائے گا۔ اس طرح جب حضور علیہ السلام جہاد کے لیے صف بندی کرتے تو اس میں بھی کوئی رخنہ نہیں چھوڑتے تھے۔

صف کے لفظ سے نظم و ضبط اور باقاعدگی کی تعلیم ملتی ہے ہر کام پورے طریقے کے ساتھ انجام دینا چاہیے۔ بدنظمی اللہ تعالیٰ کو قطعاً پسند نہیں۔ چنانچہ بدنظمی دنیا کے نظام میں بھی خرابی کا باعث بنتی ہے۔ بہر حال صف بندی ہماری امت کی خصوصیت ہے۔ دیگر خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ اللہ نے ساری زمین کو امت محمدیہ کے لیے مسجد قرار دیا ہے اور طہارت کے لیے مٹی کو پاک قرار دیا ہے جس سے تیمم روا ہے۔

زجر کی ضرورت

پہلے فرشتوں یا انسانوں کی صف بندی کی قسم اٹھائی پھر فرمایا۔

سلہ مسلم صٓ (فیاض)

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا قسم ہے زجر کرنے والوں یعنی ڈانٹ پلانے والوں کی جو جھڑک کر ڈانٹ پلاتے ہیں۔ اس زجر کے دو مصداق ہو سکتے ہیں۔ فرشتے یا تو شیاطین کو ڈانٹ پلاتے ہیں اور اُن کو بھگاتے ہیں تاکہ وہ اُوپر جا کر عالمِ بالا کی بات نہ سن سکیں۔ اور یا بادلوں کو زجر کرتے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت[1] میں آتا ہے کہ فرشتے بادلوں کو کوڑے مارتے ہیں۔ اور جدھر بارش برسانا مقصود ہوتی ہے، اُدھر ہانک کر لے جاتے ہیں۔ زجر سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ مجرموں کو گناہ سے باز رکھنے کے لیے ان کو ڈانٹ پلائی جائے۔ مفسرین کرام[2] بیان کرتے ہیں کہ برائی سے منع کرنے کے لیے ڈانٹنا درست ہے۔ نیک انسان ہمیشہ اپنے نفس کو برائی سے ڈانٹ پلاتے ہیں تاکہ وہ کسی معصیت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس طرح میدانِ جہاد میں کافروں کو ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی ہے۔ یہ تمام مواقع زجر میں داخل ہیں اور اس آیت کا مصداق بنتے ہیں۔

ذکرِ الٰہی

آگے فرمایا فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا قسم ہے ذکر کی تلاوت کرنے والوں کی۔ اس سے مراد یا تو اللہ کے فرشتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کی تلاوت کرتے ہیں یعنی اُس طرف ہمہ تن گوش رہتے ہیں، اور یا اس سے انسان بھی مراد ہو سکتے ہیں جو ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں ذکر کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ مثلاً سورۃ الجمعہ میں وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (آیت - ۱۰) اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔ تاکہ تمہیں کامیابی نصیب ہو۔ سورۃ العنکبوت میں ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (آیت ۴۵) یقین جانو کہ اللہ کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر ہے بخاری شریف کی روایت[3] میں حدیث قدسی کے الفاظ ہیں اَنَا مَعَ عَبْدِیْ اِذَا ذَكَرَنِیْ وَتَحَرَّكَتْ بِیْ شَفَتَاهُ جب میرا بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور اس

۱؎ ترمذی شریف ص

۲؎ مظہری ص ۱۰۵ ج ۸ و روح المعانی ص ۶۵ ج ۲۳ ۳؎ بخاری ص (فیاض)

کے لیے اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ صحیحین کی حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ میرا معاملہ بندے کے ساتھ اس کے یقین کے مطابق ہے جب وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر دوسروں کے سامنے کرتا ہے، تو میں ان سے بہتر بندوں کی جماعت یعنی فرشتوں کے سامنے اس کا ذکر کرتا ہوں۔

بہر حال ذکر دو طرح سے ہوتا ہے۔ اگر زبان سے کلام پاک پڑھا جائے، درود شریف پڑھا جائے یا دیگر وظائف کئے جائیں تو یہ انسان کے اپنے فائدے کے لیے ہوتا ہے جس سے اُسے اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ فرشتے بھی اپنے پروردگار کا ذکر اس کی رضا اور خوشنودی کے لیے کرتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دوسروں کو تعلیم دینے کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے تاکہ یہ سلسلہ آگے چلتا رہے۔ اس سے پڑھنے اور پڑھانے والے دونوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

وحدانیت کی گواہی

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ تین قسمیں اٹھا کر یعنی تاکیداً فرمایا اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ بیشک تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ ہر نیک انسان، جن اور فرشتہ صرف خدا کے وحدہٗ لاشریک ہی کی عبادت کرتا ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر انسانوں، جنوں یا فرشتوں کو معبود بنانا تو بڑی بے وقوفی کی بات ہے۔ وہ تو خود اس فکر میں رہتے ہیں کہ کسی طریقے سے اللہ ہم سے راضی ہو جائے اور ہم سے کوئی نافرمانی کی بات سرزد نہ ہو جائے۔ اُن کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اللہ کے ہر حکم کی تعمیل اس کے منشاء کے مطابق ٹھیک طریقے سے ہو۔ فرشتے بھی اللہ کی اطاعت میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ پھر انہی کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے؟

لہٰذا مشرکین کو کسی طرح بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خدا کے علاوہ کسی دوسری ہستی کو معبود مان کر اس کی عبادت کریں یا اس کی دہائی دیں یا اس کے سامنے نذر و نیاز پیش کریں، حالانکہ معبود برحق تو ایک ہی ہے جو سب جہانوں کا خالق، مالک،

متصرف اور مربّی ہے۔ بہر حال فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں یا انسان سب گواہی دیتے ہیں کہ معبودِ حقیقی صرف ایک ہی ہے۔

بالمشارق اور وہ کون ہے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے رب کا معنی پرورش کرنے والا یعنی ہر چیز کی اس طرح نشوونما کرنا کہ وہ بتدریج حدِ کمال تک پہنچ جائے، غرضیکہ اللہ تعالیٰ، انسانوں، جانوروں نباتات اور جمادات سب کا پروردگار ہے اور اس کام میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔ ہر چیز کی پرورش، نگرانی اور حفاظت اُسی کے ذمہ ہے۔

وَرَبُّ الْمَشَارِقِ اور مشرقوں کا رب بھی وہی ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ (آیت -۱۷) بھی آیا ہے یعنی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب بھی وہی ہے۔ اس کے علاوہ رَبُّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ (المعارج -۴۰) بھی آیا ہے کہ تمام مشرقوں اور مغربوں کا وہی پروردگار ہے۔ غرضیکہ مشرق اور مغرب، واحد تثنیہ اور جمع تینوں صیغوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ جہاں واحد کا صیغہ ہے وہاں پہ عام فہم معنی ہے کہ مشرق اور مغرب کا پروردگار اللہ ہے۔ جہاں تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے وہاں مطلب یہ ہے کہ سردی اور گرمی ہر دو موسموں کے مشرق اور مغرب کا رب اللہ ہے۔ ظاہر ہے کہ گرمی کے موسم میں سورج اور جگہ سے طلوع اور دوسری جگہ غروب ہوتا ہے، جب کہ موسم سرما میں اس کا مشرق و مغرب قدرے مختلف ہوتے ہیں اسی طرح جمع کا صیغہ استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت ہر دن سورج کا مشرق و مغرب مختلف ہوتا ہے۔ چونکہ ہر روز کچھ نہ کچھ فرق پڑتا رہتا ہے لہٰذا ان تمام مشارق و مغارب کو جمع کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ البتہ اس مقام میں صرف مشارق کا لفظ آیا ہے اور مغارب نہیں لایا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ مشرق ذکر کرنے سے مغرب خود بخود ذہن میں آجاتا ہے کہ جس سورج نے طلوع ہونا

ہے، وہ غروب بھی ہوگا۔ لہٰذا یہاں پر مغرب کا ذکر نہیں کیا گیا۔ تو فرمایا مشرق و مغرب کا رب بھی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔

آسمان دنیا کی زینت

آگے ارشاد ہوتا ہے اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ نِ الْکَوَاکِبِ بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کے ساتھ زینت بخشی ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول کے حکم کے مطابق آسمان تو سات ہیں مگر ہمیں صرف ایک ہی نظر آتا ہے جسے آسمانِ دنیا کا نام دیا گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اِس آسمان پر ستارے بکھیر کر اِس کو خوشنما بنا دیا ہے، رات کے وقت چاند اور ستارے نظر آتے ہیں۔ اِن کروڑوں ستاروں کے مختلف سائز اور مختلف رنگ ہیں۔ کوئی سفیدی مائل اور کوئی سرخی مائل، کوئی نیلگوں اور کوئی زردی مائل ہیں۔ اللہ نے اِن میں ایسی چمک پیدا کر دی ہے جیسے قندیلیں روشن ہوں۔ فرمایا ستارے ایک تو آسمانِ دنیا کی زینت ہیں اور ان کا دوسرا کام یہ ہے وَحِفْظًا مِّنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ کہ یہ ہر سرکش شیطان سے حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ یہ شیطان اُوپر جا کر فرشتوں کی گفتگو سننے کی کوشش کرتے تھے۔ اِن کے کان میں کوئی اِکّا دُکّا بات پڑ گئی تو وہ آکر اپنے کاہنوں کو بتاتے جو اس میں سو جھوٹ مِلا کر اپنے سائلوں کو بتاتے اور اس طرح اُن کا کام چلتا رہتا۔ جب قرآنِ پاک کا نزول شروع ہوا تو شیاطین کا آسمان پر داخلہ بند ہو گیا۔ چنانچہ اللہ کے فرشتے اِن کو اُوپر جانے سے روکتے ہیں۔ اسی بات کے متعلق فرمایا لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاِ الْاَعْلٰی نہیں سنتے وہ اُوپر والے فرشتوں کی جماعت کی باتیں وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ ٥ دُحُوْرًا مگر یہ کہ پھینکے جاتے ہیں وہ ہر جانب سے، دھکیلے ہوئے۔ جدھر بھی کوئی شیطان جانے کی کوشش کرتا ہے، فرشتے اُسے دھکیل کر پیچھے ہٹا دیتے ہیں۔ اور اُن کا طریقہ یہ ہے جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے کہ اُن پر شہاب پھینکے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے کوئی مر جاتا ہے اور کوئی زخمی ہو جاتا ہے، اور اس طرح وَلَھُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ان کے لیے دائمی عذاب ہوتا ہے۔ شیاطین خود خدا کے نافرمان ہیں اور دوسروں

کو بھی نافرمانی پر آمادہ کرتے ہیں۔ انسانوں کے دلوں میں بُرے وسوسے ڈلتے ہیں۔ لہذا انہیں ہمیشہ مار پڑتی رہتی ہے۔

فرمایا اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ پھر شیاطین میں سے کسی نے اُوپر جا کر مار کھانے کے باوجود فرشتوں سے کوئی بات اچک لی، اُس نے کوئی بات سُن لی فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ تو اس کے پیچھے چمکتا ہوا شہاب لگ جاتا ہے اور وہ پیچھے بھاگتا ہے۔ شیاطین کی یہ کوشش جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گی تاکہ وہ انسانوں کو حتی الامکان گمراہ کر سکیں۔ تاہم شہاب ثاقب بھی ان کا پیچھا کر کے اُن کو بھگاتے رہیں گے۔ ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ لوگ پیاکسی پہاڑ کو سر کرنے کے لیے کتنی محنت اور کوشش کرتے ہیں۔ اکثر ناکام ہوتے ہیں اور کبھی کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی بلند ترین چوٹی مونٹ ایورسٹ کو سر کرنے میں ڈیڑھ سو سال صرف ہوئے تھے اور تب جا کر اس میں کامیابی ہوئی تھی۔ اس طرح شیاطین بھی اُوپر جا کر معلومات حاصل کرتے رہتے تھے اور اس کوشش میں وہ مرتے بھی رہتے ہیں۔ مگر ان کے جانشین یہی جاری رکھتے ہیں اور پٹتے رہتے ہیں۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ط
اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ
وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾
وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ
اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّ
عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾
قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِيَ
زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾
وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا
يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲۱ ۵
اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا
يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى
صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ
مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ
هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ
عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ

تَأْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿٢٨﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا
مُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ
سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَحَقَّ
عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ إِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿٣١﴾ فَأَغْوَيْنٰكُمْ
إِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿٣٢﴾ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي
الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ
بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهُمْ كَانُوْٓا إِذَا قِيْلَ لَهُمْ
لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ:- پس آپ ان سے پوچھیں کہ کیا یہ زیادہ
سخت ہیں بنانے میں یا وہ جن کو ہم نے پیدا کیا ہے
بے شک ہم نے ان کو پیدا کیا ہے چپکنے والی مٹی
سے (١١) بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں اور یہ ٹھٹھا کرتے
ہیں (١٢) اور جب ان کو یاد دلایا جائے تو نصیحت
نہیں پکڑتے (١٣) اور جب یہ دیکھتے ہیں کوئی نشانی
تو ہنسی اڑاتے ہیں (١٤) اور کہتے ہیں، نہیں ہے یہ
مگر کھلا جادو (١٥) کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہو جائیں
گے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے (١٦)
کیا ہمارے آباؤاجداد بھی جو پہلے گزر چکے ہیں (١٧)
آپ کہہ دیجئے ہاں، اور تم ذلیل ہو گے (١٨) اور بیشک
وہ ایک ہی ڈانٹ ہوگی، پس اچانک وہ دیکھ رہے

ہوں گے (۱۹) اور کہیں گے وہ ہائے ہماری خرابی
یہ تو جزا کا دن ہے (۲۰) ہاں یہ فیصلے کا دن ہے
جس کو تم جھٹلاتے تھے (۲۱) (حکم ہو گا) اکٹھا کرو
اُن کو جنہوں نے ظلم کیا، اور ان کے جوڑوں کو، اور
جن کی وہ پوجا کرتے تھے (۲۲) اللہ کے سوا، پس
چلاؤ ان کو جہنم کے راستے کی طرف (۲۳) اور کھڑا
کرو ان کو، بیشک ان سے پوچھا جائے گا (۲۴) کیا ہوا
ہے، تم کو، ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے (۲۵)
بلکہ وہ آج کے دن (ایک دوسرے کو) پکڑانے والے
ہوں گے (۲۶) اور متوجہ ہوں گے بعض ان میں سے
بعض پہ اور پوچھیں گے (۲۷) کہیں گے، تحقیق تم آئے
تھے ہمارے پاس داہنی طرف سے (۲۸) وہ کہیں گے
بلکہ نہیں تھے تم ایمان لانے والے (۲۹) اور نہیں تھا
ہمارے لیے تم پہ کوئی غلبہ، بلکہ تم خود سرکشی کرنے
والے تھے (۳۰) پس ثابت ہو گئی ہے ہم پہ بات
ہمارے پروردگار کی۔ بیشک ہم چکھنے والے ہیں عذاب
کا مزا (۳۱) پھر ہم نے گمراہ کیا تمھیں کیونکہ بیشک
ہم بھی گمراہ تھے (۳۲) پس یہ لوگ اس دن عذاب
میں شریک ہوں گے (۳۳) ہم اسی طرح کرتے ہیں
مجرموں کے ساتھ (۳۴) بیشک یہ لوگ کہ جب ان
کے سامنے کہا جاتا تھا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو تکبر
کرتے تھے (۳۵)

ربطِ آیات

اس سورۃ کی ابتداء میں صف بندی کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا گیا اور

اُن کی قسم اٹھا کر خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کیا گیا۔ ملائکہ کی صف بندی یا انسانوں کی نماز اور جہاد کے لیے صف بندی خود اللہ کی توحید پر دلالت کرتی ہے۔ جب تمام ملائکہ اور انبیاء اور صلحائے امت اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں تو پھر مشرک لوگ غیروں کو معبود مان کر اُن کی نذر و نیاز کیوں پیش کرتے ہیں اور اُن سے حاجت براری کی کیسے توقع رکھتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، مالک، مربی اور متصرف ہے لہٰذا معبودِ حقیقی بھی وہی ہے

تخلیق انسانی بطور دلیل

ارشاد ہوتا ہے، اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فَاسْتَفْتِهِمْ ذرا آپ اِن سے پوچھیں کہ یہ لوگ کس بنا پر اکڑ دکھا رہے ہیں اور قیامت کا انکار کرتے ہیں أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَم مَّنْ خَلَقْنَا کیا یہ پیدائش میں زیادہ دشوار ہیں یا وہ چیزیں جن کو ہم نے پیدا کیا ہے۔ یہ انسان جیسی چھوٹی سی چیز کی دوبارہ تخلیق محال سمجھتے ہیں حالانکہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (آیت ۔ ۵) یعنی آسمانوں اور زمین جیسی بڑی بڑی چیزوں کے خالق و مالک اور مدبر بھی ہم ہیں۔ مشرکین اور منکرین معاد سے استفسار یہ ہے کہ کیا زمین و آسمان اور اُن کے درمیان والے تمام کروں کی تخلیق مشکل ہے یا تمہاری۔ مطلب یہ ہے کہ جو قادرِ مطلق اتنی بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کر سکتا ہے، وہ تمہیں دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتا۔ فرمایا تمہارا تو مادہ تخلیق بھی زیادہ سخت نہیں۔ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ہم نے بنی نوع انسان کے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام کو چپکنے والی مٹی سے پیدا کیا اور پھر آگے نسلِ انسانی کو قطرۂ آب سے چلایا۔ بھلا یہ کون سا کام ہے جس کا تم انکار کر رہے ہو، فرمایا بَلْ عَجِبْتَ بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں ان لوگوں کی حماقت پر کہ انسان کی تخلیق کو محال تصور کرتے ہیں۔ مگر اِن کی حالت یہ ہے وَيَسْخَرُوْنَ کہ یہ آپ کی باتوں کا تمسخر اڑا رہے ہیں کہ یہ شخص کیسی عجیب و غریب باتیں کر رہا ہے۔

منکرین کی حجت بازی

فرمایا حقیقت یہ ہے وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے اور سمجھایا جاتا ہے کہ یہ دنیا عارضی ہے، اس زندگی کا حساب کتاب آگے چل کر دینا پڑے گا۔ تمام مردے دوبارہ زندہ ہوں گے اور جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے تو یہ لوگ قطعاً نصیحت نہیں پکڑتے۔ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً اور جب یہ لوگ کوئی نشانی دیکھتے ہیں پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھ پر معجزہ دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شق القمر اور دوسرے معجزات ظاہر فرمائے۔ تو ایسی چیزیں دیکھ کر يَسْتَسْخِرُونَ ہنسی مذاق کرنے لگتے ہیں ایمان نہیں لاتے۔ وَقَالُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ اور کہتے ہیں نہیں ہے مگر کھلا جادو۔ دوسری جگہ فرمایا کہ معجزہ دیکھ کر یہ لوگ کہتے ہیں إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ مُّبِينٌ (یونس-۲) یہ تو کھلا جادوگر ہے۔ یہ نبوت کا دعویدار شخص کہتا ہے کہ یہ نشانی اللہ نے ظاہر کی ہے حالانکہ اس قسم کی چیزیں عام جادوگر پیش کرتے رہتے ہیں، یہ کونسی انوکھی بات ہے۔

فرمایا یہ اتنے بد مذاق لوگ ہیں جو کہتے ہیں ءَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے، گوشت گل سڑ جائے گا اور مٹی میں رل مل جائے گا اور صرف بوسیدہ ہڈیاں رہ جائیں گی ءَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ تو کیا دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ اور کیا پہلے گزرے ہوئے ہمارے آباؤ اجداد بھی دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے؟ کہتے تھے یہ بات ہماری عقل میں نہیں آتی کہ جب ہمارے ذرات مٹی میں منتشر ہو جائیں گے، تو وہ پھر جمع ہو کر ہماری زندگی کا باعث بن جائیں گے۔

اللہ نے جواباً فرمایا قُلْ اے پیغمبرؑ! آپ ان سے کہہ دیں نَعَمْ ہاں بلاشبہ وَأَنتُمْ دَاخِرُونَ تم بھی اور تمہارے آباؤ اجداد سب اولین اور آخرین دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور تم اس انکار کی وجہ سے ذلیل ہو کر رہو گے فرمایا جب قیامت کا دن آئے گا فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ تو ایک ہی ڈانٹ آئے گی یعنی ایک ہی دفعہ بگل بجے گا فَإِذَا هُمْ يَنظُرُونَ

اور وہ سب دیکھ رہے ہوں گے۔ وقوعِ قیامت کے بگل کے ساتھ ہی سب کے سب اپنی قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے اور ذلیل و خوار ہو کر سزا کی طرف جائیں گے، اُس وقت اُن کا سارا غرور و تکبر ہوا ہو جائے گا۔ بڑے بڑے چوہدری، ارئیس کارخانہ دار، وڈیرے اور جاگیردار ذلت کی حالت میں فرشتوں کے آگے آگے چل رہے ہوں گے۔ اُس وقت اُن کو حقیقت کا پتہ چلے گا۔ اور پھر کفِ افسوس ملتے ہوئے کہیں گے وَقَالُوا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ہائے افسوس ہمارے یہ تو بدلے کا دن آگیا ہے۔ اللہ کے نبی اسی دن سے ہمیں ڈرایا کرتے تھے مگر ہم اس سے انکار کرتے اور نبیوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ یہی وہ فیصلے کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور کہتے تھے، کہ کوئی قیامت نہیں آئے گی، نہ کوئی دوبارہ زندہ ہوگا، نہ حساب کتاب ہوگا اور نہ جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ فرمایا دیکھ لو یہ فیصلے کا دن آچکا ہے، آج تمہیں پوری زندگی کے اعتقاد و اعمال کا بھگتان کرنا ہوگا اور تمہیں اس کا بدلہ مل کر رہے گا۔

دوزخ کی طرف روانگی

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ اِن ظالموں اور ان کے جوڑوں کو اکٹھا کرو۔ جو زندگی بھر کفر، شرک، تجاوز، قتل ناحق زنا، چوری، ڈاکہ، حق تلفی اور دیگر جرائم میں ملوث رہے اُن کو اکٹھا کرلو اور اُن کی بیویاں بھی اگر شریکِ جرم تھیں تو اُن کو بھی ساتھ ملالو۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جوڑوں کا مطلب یہ بھی ہو سکتا کہ ہر مجرم کو اُس کے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ ٹولیوں میں جمع کرلو جیسا فارسی والے کہتے ہیں۔

"کند ہم جنس با ہم جنس پرواز"

سب کی علیحدہ علیحدہ قطاریں بنا دو اور ساتھ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اُن معبودانِ باطلہ کو بھی اکٹھا کرلو جن کی یہ اللہ کے سوا پرستش کیا کرتے تھے۔ یہ مجرمین جن ہستیوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے اور جن

کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے تھے، اُن کو بھی اِن کے ساتھ ہی جمع کر لو۔ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ پھر انہیں ہانک کر جہنم کے کے راستے کی طرف لے چلو۔

پھر فرمایا وَقِفُوْهُمْ ان کو ذرا کھڑا کرو، روکو کیونکہ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ اِن سے پوچھا جائے گا۔ اِن کو ذرا روکو کہ اِن سے اِن کی کارکردگی کے متعلق باز پرس ہوگی۔ سورۃ النّحل میں ہے کہ اس دِن ہر شخص سے اُس کے ہر ہر عمل کے متعلق پوچھا جائے گا اور يَوْمَ تَاْتِىْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا (آیت ۱۱۱) اُس دن ہر شخص کو اپنی جوابدہی خود کرنا ہوگی۔ وہاں کسی کو وکیل مقرر نہیں کیا جا سکے گا اور نہ کسی کو مختار نامہ دینے کی اجازت ہوگی۔ ہر ایک کو بلا ترجمان اللہ کے حضور ہر عمل کا جواب اصالتاً دینا پڑے گا۔ اور جب تک کوئی شخص جواب نہیں دے لے گا۔ اُسے قدم تک نہیں اٹھانے دیا جائے گا۔ پھر اللہ فرمائے گا دنیا میں تو ایک دوسرے کے بڑے حمایتی بنے پھرتے تھے، بڑے نعرے مارا کرتے تھے۔ اور اکٹھے جینے اور مرنے کی قسمیں کھاتے تھے مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ تمہیں کیا ہے کہ آج ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ مگر ان کی حالت یہ ہوگی بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ اُس دِن تو سب ایک دوسرے کو پکڑوانے کی کوشش کریں گے تاکہ وہ خود کسی طرح بچ جائیں اس وقت تو کہتے تھے نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ (القمر۔ ۴۴) کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے، اب کیوں مدد نہیں کرتے بلکہ پھنساتے ہو۔ اُس دن سب بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔

تابع اور متبوع کا مکالمہ

اور تابع اور متبوع ایک دوسرے کو ملامت کریں گے کہ تم نے ہمیں مروا دیا۔ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ اُن میں سے بعض بعض پر متوجہ ہوں گے اور پوچھیں گے قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ کہیں گے کہ تم تو ہماری دائیں طرف سے آتے تھے مطلب یہ کہ تم بڑی قوت کے ساتھ اپنے ایمان کا اظہار ہمیں بتاتے

تھے ؟ ہمیں اپنا ہم خیال بنانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے تھے کبھی لالچ دیتے اور کبھی خوف زدہ کرتے تھے مگر آج کدھر جا رہے ہو اور ہماری مدد کیوں نہیں کرتے ؟ قَالُوْا وہ جواب دیں گے بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ بلکہ تم خود ہی ایمان سے خالی تھے۔ اگر تم ایماندار ہوتے تو ہمارے بہکاوے میں نہ آتے، دیکھو! وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ہمارا تم پر کوئی زور تو نہیں تھا کہ ہم نے تمہیں زبردستی غلط راستے پر ڈال دیا ہو۔ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ بلکہ تم خود ہی حد سے بڑھنے والے سرکش لوگ تھے جبکی وجہ سے آج تمہیں یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔ یہ تو تابع اور متبوع انسانوں کا مکالمہ ہو رہا ہے، قیامت والے دن شیطان بھی اپنی کرتوتوں کا انکار کر دے گا اور اس کے پیچھے چلنے والے نامراد ہو کر رہ جائیں گے یہ لوگ شیطان سے کہیں گے کہ تم دنیا میں ہمیں بڑے سبز باغ دکھلاتے تھے، ہماری نظروں میں دنیا کی زیب و زینت اور رسم و رواج کو ہی مزین کر کے دکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ آگے کچھ نہیں ہے، اب آج ہماری مدد کیوں نہیں کرتے ؟ تو اس وقت شیطان بھی یہی جواب دے گا وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ (ابراھیم-۲۲) مجھے تم پر کوئی غلبہ تو حاصل نہیں تھا کہ میں نے تمہیں زبردستی اپنے پیچھے لگا لیا ہو بلکہ میں نے تمہیں ایک دعوت دی تھی جسے تم نے از خود قبول کر لیا، لہذا آج فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْا اَنْفُسَكُمْ (ابراہیم ۲۲) آج مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو جو غلط راستے پر چل نکلے۔ تمہیں اللہ کے نبیوں اور مبلغین کی بات پر تو یقین نہ آیا مگر میرے جھوٹے وعدے کو سچا مان لیا، لہذا اس ساری خرابی کے ذمہ دار تم خود ہو۔ تو یہ متبوعین بھی اپنے تابعین سے کہیں گے کہ تم نے ناصحین کی نصیحت پر عمل نہ کیا بلکہ اُنکی خیر خواہی کو ہنسی مذاق میں اڑاتے رہے۔ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا آج ہم پر ہمارے رب کی بات سچی ہو گئی۔ اس کا اعلان تھا کہ جو کوئی میرا راستہ چھوڑ کر غلط راستہ اختیار کرے گا، کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کرے گا

تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا لہٰذا اِنَّا کُنَّا لَذَآئِقُوْنَ آج ہم اُس عذاب کا مزا چکھنے والے ہیں، اور تم بھی ہمارے ساتھ شامل ہو۔

پھر متبوعین اپنے تابعین کے سامنے اقرار کریں گے فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ کہ ہم نے ہی تمہیں گمراہ کیا کیونکہ ہم خود گمراہی کے راستے پر چل رہے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی گمراہ آدمی سے گمراہی کی توقع ہی کی جا سکتی ہے وہ ہدایت کا راستہ کیسے دکھا سکتا ہے؟

عذاب میں اشتراک

جب دونوں گروہوں کی گمراہی ثابت ہو جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ کہ تابع اور متبوع، لیڈر اور پیچھے لگنے والے سب مشترکہ طور پر عذاب کا شکار ہوں گے، اور ان میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔ اللہ کا فرمان ہے اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ہم گنہگار لوگوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں۔ جو ہماری آیات پر ایمان نہیں لاتے۔ ہمارے نبیوں کی تکذیب کرتے ہیں اور ہماری کتابوں کو من گھڑت بتلاتے ہیں۔ وہ عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ ان مجرموں کا حال یہ ہے اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اُس کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ مالک، نہ عالم الغیب ہے اور نہ مختار کل، نہ حاجت روا اور نہ مشکل کشا، تو یہ لوگ يَسْتَكْبِرُوْنَ تکبر کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم بڑے لیڈر، جاگیردار اور کارخانہ دار ہیں، سینکڑوں ہزاروں آدمی ہمارے ماتحت ہیں۔ اگر ہم نے ایک معبود کو تسلیم کر لیا۔ تو ہماری چوہدراہٹ کدھر جائے گی، اور لوگ ہماری پوجا کیسے کریں گے لہٰذا وہ کلمہ توحید کا انکار کر دیتے ہیں۔ فرعون، ہامان، نمرود سب اسی غرور و تکبر کا شکار ہو کر ہلاک ہوئے۔ ابوجہل اور ابولہب بھی اسی مہلک مرض میں مبتلا ہو کر جہنم واصل ہوئے۔ ابلیس بھی اپنے تکبر کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہوا۔ ایسے تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے جرموں کی نوعیت کے اعتبار سے درجہ بدرجہ عذاب میں مبتلا کرے گا۔

وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوٓا ءَالِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ﴿٣٦﴾
بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٧﴾ إِنَّكُمْ
لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ﴿٣٨﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا
مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٩﴾ إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾
أُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿٤١﴾ فَوَاكِهُ وَهُم
مُّكْرَمُونَ ﴿٤٢﴾ فِي جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿٤٣﴾ عَلٰى
سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِينَ ﴿٤٤﴾ يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ
مِّن مَّعِينٍ ﴿٤٥﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِينَ ﴿٤٦﴾ لَا
فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ ﴿٤٧﴾
وَعِندَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿٤٨﴾
كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ﴿٤٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ
عَلٰى بَعْضٍ يَتَسَآءَلُونَ ﴿٥٠﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ
إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿٥١﴾ يَّقُولُ أَئِنَّكَ لَمِنَ
الْمُصَدِّقِينَ ﴿٥٢﴾ ءَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّ
عِظَامًا ءَإِنَّا لَمَدِينُونَ ﴿٥٣﴾ قَالَ هَلْ أَنتُم
مُّطَّلِعُونَ ﴿٥٤﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِي سَوَآءِ الْجَحِيمِ ﴿٥٥﴾

قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ
رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ
بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ
بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ
الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ:- اور وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم چھوڑنے والے ہو
جائیں اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے ﴿۳۶﴾
نہیں بلکہ وہ لایا ہے حق کو اور اس نے تصدیق کی ہے
اللہ کے رسولوں کی ﴿۳۷﴾ بیشک تم چکھنے والے ہو دردناک
عذاب ﴿۳۸﴾ اور تم کو نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر وہ جو
تم کیا کرتے تھے ﴿۳۹﴾ لیکن اللہ کے مخلص بندے ﴿۴۰﴾
وہ ہیں جن کے لیے روزی ہے مقرر ﴿۴۱﴾ پھل ہوں گے.
اور ان کی عزت کی جائے گی ﴿۴۲﴾ نعمتوں کے باغوں
میں ﴿۴۳﴾ تختوں میں آمنے سامنے بیٹھنے والے ہونگے ﴿۴۴﴾
پھیرے جائیں گے اُن پر پیالے صاف شراب کے ﴿۴۵﴾
سفید رنگ اور لذت آموز ہوگی پینے والوں کیلئے ﴿۴۶﴾
نہ اُس کے اندر سرگردانی ہوگی اور نہ اُس کی وجہ سے وہ
بدمست ہوں گے ﴿۴۷﴾ اور اُن کے پاس نیچی نگاہوں اور
خوبصورت آنکھوں والی عورتیں ہوں گی ﴿۴۸﴾ جیسا کہ وہ
انڈے ہیں پوشیدہ، محفوظ رکھے ہوئے ﴿۴۹﴾ پس متوجہ

ہوں گے بعض ان میں سے بعض کی طرف اور ایک دوسرے سے پوچھیں گے (۵۰) ایک کہنے والا اُن میں سے کہے گا، بیشک تھا میرے لیے ایک ساتھی (۵۱) جو کہتا تھا، کیا تو تصدیق کرنے والوں میں ہے (۵۲) کہ جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی اور ہڈیاں، تو کیا ہم بدلہ دیئے جائیں گے (۵۳) کہے گا کیا تم جھانک کر دیکھنے والے ہو (۵۴) پس وہ جھانکے گا اور دیکھے گا اُس کو دوزخ کے درمیان (۵۵) اور کہے گا اللہ کی قسم قریب تھا کہ تو مجھ کو بھی ہلاک کر دیتا (۵۶) اور اگر نہ ہوتی میرے پروردگار کی نعمت تو ہوتا میں بھی پکڑ کر حاضر کیے ہوئے مجرموں میں (۵۷) پس کیا ہم نہیں ہیں مرنے والے (۵۸) مگر وہی پہلی موت، اور نہیں ہم کو سزا دی جائیگی (۵۹) بیشک یہ البتہ بڑی کامیابی ہے (۶۰) اس جیسی کامیابی کے لیے پس چاہیئے کہ عمل کریں عمل کرنے والے (۶۱)

ربط آیات

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے گذشتہ آیات میں اللہ نے توحید کے دلائل پیش کیے اور مشرکوں کا رد کیا۔ اُن کے تکبر و غرور اور قیامت کو ہونے والے انجام کو بیان کیا۔ اللہ نے حشر میں پیش آنے والے واقعات کا بھی کچھ نقشہ کھینچا اور آخر میں مجرموں کی سزا کا ذکر کیا کہ تابع اور متبوع سب جہنم واصل ہوں گے۔ فرمایا ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جب ان سے توحید خداوندی کا اقرار کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُلٹا تکبر کرتے ہیں۔

مرکب پر اصرار

تمام تر عقلی اور نقلی دلائل پیش کرنے کے باوجود مشرکین اپنے شرک پر اصرار کرتے تھے ۔ وَيَقُوْلُوْنَ اور کہتے تھے اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا

لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں ؟ (العیاذ باللہ) مشرک لوگ نبی علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے کی بجائے آپ کو شاعر اور مجنون کہہ کر انکار کر دیتے تھے۔ کہتے تھے کہ اس کا دماغ چل گیا ہے۔ (العیاذ باللہ) اور یہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ سورۃ ص میں ہے کہ کفار و مشرکین دعوتِ توحید کے جواب میں کہتے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ (آیت - ۵) کیا ہم سب معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک ہی معبود پر اکتفا کریں ، یہ تو بڑی عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ کائنات کا سارا نظام صرف ایک ہی خدا چلا سکے گا۔ مشرک لوگ یہ بھی کہتے مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ (ص - ۷) ہم نے یہ بات پچھلے لوگوں سے تو نہیں سنی ، یہ تو خود ساختہ بات ہے۔ لہٰذا ہم اس شخص کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں اور اپنے معبودوں کو کسی بھی صورت میں نہیں چھوڑ سکتے۔

اللہ نے فرمایا کہ اس کا نبی نہ تو شاعر ہے ، نہ مجنون اور نہ کاہن بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ بلکہ وہ تو سچی بات لے کر آیا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِیْنَ اور اس نے اللہ کے تمام رسولوں کی تصدیق کی ہے۔ اللہ کے ہر نبی اور رسول نے ہمیشہ یہی تعلیم دی ہے یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ (الاعراف - ۷۰) اے میری قوم کے لوگو ! صرف اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ غرضیکہ اللہ کا رسول نہ تو شاعر ہے اور نہ دیوانہ بلکہ سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہے اور اس سارے سلسلے کی تصدیق کرنے والا ہے۔

شرک کا وبال

فرمایا اگر پھر بھی کفر اور شرک سے باز نہیں آؤ گے اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِیْمِ تو پھر تمہیں لازماً دردناک عذاب کا مزا چکھنا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ قیامت والے دن کسی شخص کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی کہ اسے کسی ناکردہ گناہ کی سزا دے دی جائے بلکہ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

تمھیں صرف اسی بات کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے رہے - یہ دردناک عذاب تمھاری گستاخی، بے ادبی - انکار توحید، تکذیب رسل اور انکار معاد کا نتیجہ ہے۔ انسان کا ہر عمل اس کے نفس سے پھوٹتا ہے۔ خدا نے ہر نفس میں اس کا بیج اور استعداد رکھی ہے۔ یہ عمل انسان کے نفس میں ہی پھلتا پھولتا ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی چمٹ کر محفوظ ہو جاتا ہے۔ جو کہ قیامت کو ظاہر ہو جائے گا اور پھر اسی کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ ہوگا۔

مخلصین کے لیے انعامات

فرمایا اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ البتہ اللہ کے مخلص بندے اس عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ اور یہ وہی خوش قسمت لوگ ہیں جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں، صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ وقوع قیامت اور جزائے عمل پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں اور اس کی تیاری میں مصروف رہتے ہیں فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ایسے لوگوں کے لیے مقررہ روزی ہوگی اور یہ وہی انعامات ہیں جن کا ذکر اللہ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے - لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ (الواقعہ - ۳۳) یہ روزی نہ تو کم ہو گی۔ اور نہ ہی اہل جنت سے روکی جائے گی - بلکہ ان کو ان کی ہر پسندیدہ چیز با افراط میسر ہوگی۔ اور ہر چیز حسب ضرورت بُكْرَةً وَّعَشِيًّا (مریم - ۶۲) صبح شام ملے گی وہاں پر ہر چیز قرینے کے ساتھ رکھی ہوگی اور مقررہ پروگرام کے مطابق ہر چیز باعزت طریقے سے مہیا کی جائے گی۔

اللہ نے فرمایا فَوَاكِهُ وہاں پر طرح طرح کے پھل ہوں۔ جنت میں بھوک پیاس تو نہیں ہوگی، البتہ یہ پھل لطف اندوزی کے لیے مہیا کیے جائیں گے۔ وہاں پہ کھانا پینا بھی بھوک اور پیاس کے لیے نہیں بلکہ محض لطف حاصل کرنے کے لیے ہوگا۔ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ اور وہ باعزت ہوں گے یعنی ہر چیز مکمل باعزت طریقے سے پیش کی جائے گی اور کسی جنتی کے عزت نفس کیخلاف کوئی چیز نہیں ہوگی۔ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ یہ سب چیزیں نعمتوں کے

باغوں میں ملیں گی۔ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ وہ وہاں پر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھنے والے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کی طرف پشت نہیں ہوگی بلکہ آمنا سامنا ہوگا۔ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ان پر صاف ستھری شراب کے پیالے پھیرے جائیں گے۔ معین دراصل ابلنے والے چشمے کو کہتے ہیں۔ جو بالکل صاف شفاف ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق جنت کی پاکیزہ شراب پر کیا جاتا ہے جس کی نہریں چل رہی ہوں گی۔ جو کہ بَیْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ان کی رنگت سفید ہوگی اور یہ پینے والوں کے لیے نہایت لذت آور ہوں گی۔ سورۃ محمد میں بھی جنت کی نہروں کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہاں پر بغیر بُو کے پانی کی نہریں ہوں گی۔ دودھ کی نہریں ہوں گی جن کا مزہ تبدیل نہیں ہوگا شراب کی نہریں ہوں گی جو سراسر لذت کا باعث ہوں گی اور شہد مصفا کی نہریں جاری ہوں گی۔

فرمایا یہ ایسے مشروب ہوں گے لَا فِیْهَا غَوْلٌ کہ اس میں کوئی سرگرانی نہیں ہوگی یعنی پی کر سر بوجھل نہیں ہوگا وَلَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ اور نہ ہی وہ اُن سے بدمست ہوں گے۔ اِس دنیا کی شرابیں تو نشہ آور ہیں جو انسانوں کو بدحواس کر دیتی ہیں اور پھر بعض لوگ گالیاں بکنے لگتے ہیں اور شور شرابہ کرتے ہیں مگر جنت کی شراب کے متعلق فرمایا وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (الدھر ۲۱) اللہ تعالیٰ جنتیوں کو پاکیزہ شراب پلائے گا جس سے لذت و سرور تو حاصل ہوگا مگر پینے والا بدمست نہیں ہوگا۔ یہاں پر یُنْزَفُوْنَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ دراصل نزف کنوئیں سے پانی کھینچنے کو کہتے ہیں۔ جس طرح پانی کنوئیں سے کھینچا جاتا ہے اسی طرح دنیا کی شراب شرابی کی عقل کو کھینچ باہر کرتی ہے اور آدمی بدمست ہو جاتا ہے۔ بہرحال جنت میں ایسی کوئی قباحت نہیں ہوگی۔ بلکہ پاکیزہ شراب کے جام چلیں گے جو کہ نہایت ہی پُرکیف ہوں گے۔

خوب سیرت و خوبصورت حوریں

لطف و سرور کے لیے عورت کا ہونا بھی ضروری ہے اور جنتی اس سے

بھی محروم نہیں رہیں گے۔ فرمایا وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ
اُن کے پاس موٹی موٹی آنکھوں والی اور نگاہیں نیچی رکھنے والی عورتیں ہوں گی۔ وہ صرف
اپنے خاوندوں کو نگاہ اٹھا کر دیکھیں گی اور اُن کی نظروں میں حسین وجمیل دکھائی دیں گے
نگاہیں نیچی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جنت کی حوریں نہایت ہی حیادار ہوں گی اور
حیا عورت کا زیور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے کہ آپ نے مدین کے
کنویں پر دو لڑکیوں کے جانوروں کو پانی پلایا۔ پھر گھر جا کر انہوں نے اس بات کا ذکر
اپنے باپ شعیب علیہ السلام سے کیا۔ پھر جب باپ کی اجازت سے ایک لڑکی
موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لیے آئی تو قرآن کا بیان ہے فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا
تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ (القصص-۲۵) اُن دو میں سے ایک لڑکی
نہایت حیاداری کے ساتھ چلتی ہوئی آئی۔ حیا صرف عورتوں ہی کا حصہ نہیں بلکہ مردوں
کے لیے بھی ضروری ہے۔ سورۃ نور میں اللہ نے مردوں اور عورتوں دونوں صنفوں
کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا ہے قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا
مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ (آیت-۳۰)
وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ
فُرُوجَهُنَّ (آیت-۳۱) مرد بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی
حفاظت کریں اور عورتیں بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت
کریں اور اپنے محرموں کے علاوہ کسی کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں یعنی
غیر محرموں سے پردہ کریں۔ اسلام نے تمدنی زندگی کے سارے اصول بیان کیے
ہیں جنہیں اپنا کر دنیا میں امن قائم کیا جا سکتا ہے۔ مگر آج جدید دور میں پورے
معاشرے کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ انگریزی تہذیب میں عورتوں کی عزت اس
بات میں ہے کہ وہ غیر مردوں کے ساتھ اختلاط رکھیں، بے پردہ نکلیں، مصافحے
کریں اور گپیں ہانکیں، حقیقت میں یہ تو عورت کی تذلیل ہے جسے شمع محفل
بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔

اسی بُری تہذیب کے متعلق پچھلی صدی کا ڈاکٹر اسپنسر لکھتا ہے کہ یورپ کی پینتالیس لاکھ کی آبادی میں سے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ صرف پینتالیس افراد بھی حلال کے ہوں گے۔ بے حیائی اس قدر عام ہے کہ حلال اور حرام کی تمیز ہی اٹھ چکی ہے۔ اب عورت دفتروں، فیکٹریوں، ہسپتالوں اور کالجوں میں مردوں کے شانہ بشانہ چل رہی ہے، فوج، پولیس اور فضائی کمپنیوں میں موجود ہیں۔ جہاں مردوں سے عام خلط ملط ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ فلموں، ڈراموں اور ناچ گانے کے پروگراموں میں عورت کو اولیت حاصل ہے۔ ان حالات میں حیاداری کیسے قائم رہ سکتی ہے؟ عورتوں کی غیر ضروری آزادی ترقی نہیں بلکہ تنزل کی علامت ہے

فرمایا جنت کی حوریں اس قدر خوبصورت ہوں گی كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ گویا کہ پردے میں رکھے ہوئے انڈے ہیں۔ عرب لوگ عام طور پر خوبصورت عورت کو شترمرغ کے انڈے سے تشبیہ دیتے ہیں جو کہ بالکل شفاف اور اوپر سے ڈھانپا ہوا ہو یعنی پروں کے نیچے چھپایا ہوا ہو۔ سورۃ الواقعہ میں حُوْرٌ عِيْنٌ ۝ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ (آیت ۲۳) بھی آتا ہے یعنی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں جیسے حفاظت سے رکھے ہوئے آب دار موتی ہوں۔ مطلب یہ کہ جنت کی حوریں نہایت ہی خوبصورت ہوں گی۔ جن کے ساتھ جنتی لوگ دل بہلائیں گے

جنتی اور دوزخی کی ملاقات

جنتیوں کے بعض انعامات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ پھر ان میں سے بعض ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے۔ جب جنت میں پہنچ گئے، تمام انعامات مل گئے۔ پھر کچھ پرانی یادیں بھی آئیں گی۔ جن کے متعلق جنتی آپس میں گفتگو کریں گے قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ دنیا میں میرا ایک ساتھی، رفیق یا دوست ہوا کرتا تھا۔ جس کے ساتھ اکثر گفت و شنید ہوتی رہتی تھی۔ يَقُولُ أَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ وہ کہتا تھا کہ کیا تو اس بات کی تصدیق کرتا ہے یعنی تیرا

اس بات پر ایمان ہے ءَ اِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ
کہ جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں بدلہ ملے گا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شخص خود تو وقوعِ قیامت ——— اور جزائے عمل پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور تعجب کے ساتھ مجھے پوچھا کرتا تھا کہ کیا تم اس چیز پہ ایمان رکھتے ہو کہ قیامت آئے گی۔ نیکی اور بدی کے فیصلے ہوں گے اور پھر اللہ تعالیٰ کسی کو جنت میں اور کسی کو دوزخ میں جانے کا حکم دیں گے۔

اس آیت کے پس منظر میں بعض مفسرین کرام[1] نے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کا حال ذکر کیا ہے جن میں سے ایک مومن تھا اور دوسرا کافر۔ دونوں نے مشترکہ کاروبار کر رکھا تھا۔ پھر کسی وجہ سے انہوں نے کاروبار تقسیم کر لیا اور ہر ایک کے حصے میں تین تین ہزار اشرفیاں آئیں۔ مومن آدمی نے اس رقم کا زیادہ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ جس کی وجہ سے اس کی مالی حالت خراب ہو گئی۔ پھر اس کی ملاقات اپنے پہلے شریک کار سے ہو گئی تو اس نے اسے خستہ حالت میں پا کر پوچھا کہ تمہارے حصے میں تو معقول رقم آئی تھی، تم نے اس کا کیا کیا جو اس قدر کنگال ہو چکے ہو۔ دوسرا کہنے لگا کہ اس مال کا وافر حصہ تو میں نے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جس کا اجر مجھے آخرت میں حاصل ہو گا۔ وہ شخص کہنے لگا کہ تم بھی عجیب آدمی ہو۔ بھلا جب ہم مر جائیں گے اور ہمارے اجسام ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل جائیں گے۔ تو کیا ہم پھر زندہ ہوں گے جو تم جزا اور سزا کا ذکر کر رہے ہو۔ اس طرح گویا اس نے وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا انکار کیا۔

اِن آیات میں ایسے ہی دو شخصوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ جنتی آدمی کہے گا، کہ ہمارا ایک ساتھی ہوا کرتا تھا جو کہتا تھا کہ کوئی قیامت اور حساب کتاب نہیں اور نہ ہی جنت اور دوزخ کا کوئی وجود ہے، تم خواہ مخواہ وہم میں مبتلا ہو ———

---

[1] ابن کثیر ص ۸ ج ۴ و درمنثور ص ۲۷۵ ج ۵ و روح المعانی ص ۹۱ ج ۲۳ (فیاض)

قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ آواز آئے گی کیا تم اپنے اس ساتھی کا حال معلوم کرنا چاہتے ہو جو جزائے عمل کا انکار کیا کرتا تھا؟ یہ سوال خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا یا اللہ کا کوئی فرشتہ کہیگا کہ تم اپنے ساتھی کے حالات سے مطلع ہونا پسند کرتے ہو؟ پھر وہ اس بات کی خواہش کرے گا۔ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ پس وہ جھانک کر دیکھے گا تو اپنے ساتھی کو دوزخ کے درمیان میں پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسا انتظام کر دے گا کہ جنتی آدمی جنت میں رہتے ہوئے کروڑوں میل دور جہنم میں اپنے ساتھی کو دیکھ سکے گا۔ پھر وہ دونوں آپس میں مکالمہ کریں گے۔ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ مومن آدمی اپنے سابقہ ساتھی سے کہے گا کہ قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتا۔ مطلب یہ کہ تم مجھے بھی کہا کرتے تھے کہ قیامت وغیرہ کچھ نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے۔ اگر میں بھی تمہارے کہنے میں آکر ایمان گنوا بیٹھتا تو آج تمہارے ساتھ میں جہنم میں ہوتا۔ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ اور اگر میرے رب کا فضل مجھ پر نہ ہوتا تو میں بھی گرفتار شدہ مجرموں میں شمار ہوتا۔ مگر اللہ نے مجھ پر کرم فرمائی کی اور مجھے ایمان کی دولت سے مالامال کیا جس کی وجہ سے میں تو جنت کی نعمتوں میں ہوں تم یہاں دوزخ میں جل رہے ہو۔

بہت بڑی کامیابی

پھر وہ مومن آدمی اپنے انجام پر بہت خوش ہوگا اور یوں کہے گا۔ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ کیا ہم نہیں ہیں مرنے والے؟ یعنی اب ہم پر موت نہیں آئے گی، اور اس جنت کے مقام میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰی مگر وہی موت جو ہمیں دنیا میں ایک دفعہ آچکی ہے، اب اس کے بعد کوئی موت نہیں آئے گی، نہ ہماری یہ زندگی ختم ہوگی اور نہ یہ نعمتیں ہم سے چھینی جائیں گی۔ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ اور نہ ہی اب ہمیں کوئی سزا دی جائے گی۔ اللہ نے ہمیں ہر قسم کی تکلیف اور پریشانی سے مبرا کر دیا ہے۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ اور یہ ہماری بہت بڑی کامیابی ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ معاف کر کے

جنت میں پہنچا دے، اس کے لیے اس سے بڑی کامیابی کیا ہو سکتی ہے۔

پھر فرمایا لِمِثْلِ هٰذَا اس جیسی کامیابی حاصل کرنے کے لیے فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ پس چاہیئے کہ عمل کریں عمل کرنے والے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص مذکورہ شخص کی طرح عظیم کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ کے احکام کے مطابق اعمال انجام دے، کفر، شرک اور معصیت سے باز رہے۔ بندوں کے حقوق ادا کرے، اور پھر دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اُسے بھی ایسی ہی کامیابی عطا فرمائے۔

اس مقام پر یہ نقطہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جنت کی ہر نعمت خواہ وہ پانی ہو، پھل ہوں یا عورت ہو قابلِ قدر ہے اور کسی بھی نعمت کو حقیر سمجھ کر ٹھکرانا نہیں چاہیئے بعض لوگ ان مادی نعمتوں کو حقیر سمجھتے ہیں کہ صرف روحانی نعمتوں کی خواہش کرتے ہیں مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں[1] کہ جنت کی ہر نعمت مقصود ہے کیونکہ اللہ نے انہی چیزوں کو فوز العظیم سے تعبیر کیا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ ہمیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ کفرانِ نعمت کے زمرہ میں آتا ہے۔ ہر انسان کو ان چیزوں کی خواہش ہونی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں پہنچائے اور تمام مادی اور روحانی نعمتوں سے سرفراز فرمائے، تو فرمایا ان نعمتوں کے حصول کے لیے لوگوں کو سخت مشقت کرنی چاہیئے اور عبادت اور ریاضت کے ذریعے اپنے مولا کو راضی کرنا چاہیئے تاکہ انہیں یہ بہت بڑی کامیابی حاصل ہو جائے۔

---

[1] بیان القرآن ص (فیاض)

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝۶۲ اِنَّا
جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝۶۳ اِنَّهَا شَجَرَةٌ
تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝۶۴ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ
رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝۶۵ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا
فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝۶۶ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ
عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝۶۷ ثُمَّ اِنَّ
مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ۝۶۸ اِنَّهُمْ
اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝۶۹ فَهُمْ عَلٰٓى
اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ۝۷۰ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ
اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۷۱ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ
مُّنْذِرِيْنَ ۝۷۲ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُنْذَرِيْنَ ۝۷۳ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۷۴ ع ۲ ۵۲ ۶

ترجمہ :- کیا یہ بات بہتر ہے باعتبار مہمانی کے یا تھوہر
کا درخت (۶۲) بے شک ہم نے بنایا ہے اس کو آزمائش
ظلم کرنے والوں کے لیے (۶۳) تحقیق وہ ایک درخت
ہے جو نکلتا ہے جہنم کی جڑ سے (۶۴) اس کے خوشے

شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں (۶۵) پس بیشک یہ لوگ
البتہ کھانے والے ہیں اُس سے۔ پس بھرنے والے ہیں
اُس سے اپنے پیٹ (۶۶) پھر بیشک اِن کے لیے اُس پر
البتہ ملاوٹ ہو گی کھولتے ہوئے پانی سے (۶۷) پھر
بے شک اُن کا لے جانا جہنم کی طرف ہو گا (۶۸) بیشک
انہوں نے پایا اپنے آباؤ اجداد کو گمراہ (۶۹) پس وہ اُن
کے نقش قدم پہ دوڑ رہے ہیں (۷۰) اور البتہ تحقیق گمراہ
ہوئے اِن سے پہلے بہت سے لوگ (۷۱) اور البتہ
تحقیق ہم نے بھیجے اُن میں ڈر سنانے والے (۷۲)
پس دیکھو کیسا ہوا انجام ڈر سنائے ہوئے لوگوں کا (۷۳)
لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے (۷۴)

ربط آیات

توحید کے بیان کے بعد جزائے عمل کے سلسلے میں اللہ نے اپنے مخلص بندوں کا ذکر فرمایا، اور اُن کو جنت میں ملنے والے انعامات کی ایک جھلک پیش کی۔ اللہ نے اُن کے سکون و راحت، اُن کی بیویوں اور اُن کے عزت کے مقام کا ذکر کیا۔ اس عیش و آرام کی زندگی میں انہیں دُنیا کے اپنے بعض ساتھیوں کی یاد بھی آئے گی اور وہ انہیں جہنم میں پاکر اُن سے بات چیت کریں گے۔ انعامات الٰہیہ کا شکر ادا کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو آج ہم بھی تمہارے ساتھ جہنم میں ہوتے۔ اللہ کی رحمت سے ہم نے ایمان قبول کیا اور ہدایت کے راستے پر گامزن ہوئے تو اللہ نے ہمیں راحت کے اِس مقام تک پہنچایا، جہاں ہم ہمیشہ کی زندگی گزاریں گے۔ موت جو آنی تھی وہ دُنیا میں آچکی۔ اب ہم پر کبھی موت طاری نہیں ہو گی۔ اور نہ کوئی تکلیف پہنچے گی۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے جس کے لیے ہر شخص کو کوشش اور محنت کرنی چاہیئے۔

تھوہر کا درخت

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے انعامات اور دوزخیوں کی تعذیبات کا مقابلہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا کیا یہ مہمانی بہتر ہے ؟ مطلب یہ کہ کیا اللہ کی طرف سے ملنے والا آرام و راحت باعتبار مہمانی بہتر ہے اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ یا تھوہر کا درخت بہتر ہے اللہ نے کئی مقامات پر اپنے انعامات کو اہلِ جنت کے حق میں مہمان نوازی قرار دیا ہے مثلاً سورۃ آل عمران کے آخر میں متقین کے لیے باغات اور ان کے سامنے بہنے والی نہروں کا ذکر کر کے فرمایا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (آیت - ۱۹۸) یہ اللہ کے ہاں ان کی مہمانی ہوگی۔ دوسرے مقام پر ایسے ہی تذکرہ کے بعد فرمایا نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ (حٰمٓ سجدۃ - ۳۲) یہ بخشش کرنے والے اور مہربان خدا تعالیٰ کی طرف سے مہمانی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے استفہامیہ انداز میں فرمایا ہے کہ کیا یہ مہمانی بہتر ہے یا تھوہر کا درخت ؟ تم ان میں سے کس چیز کو پسند کرتے ہو۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہمانی سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اُدھر تھوہر کا درخت ہے جو جہنمیوں کی خوراک ہے اور جس کے متعلق سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ (آیت - ۶۰) کہ یہ ملعون درخت ہے۔ تھوہر کے درخت کا ذکر سورۃ واقعہ اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آیا ہے۔ تھوہر اس قدر کڑوا اور بدمزہ ہے کہ جہنمیوں کے گلے میں اٹک کر رہ جائے گا۔

فرمایا اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ہم نے اس درخت کو ظلم کرنے والوں یعنی کفر، شرک اور تعدی کرنے والوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ دنیا میں یہ لوگ اس درخت کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ دوزخ یعنی آگ میں کوئی درخت کیسے ہو سکتا ہے ؟ کچے ذہن کے لوگ شک کرتے تھے کہ ہمیں ڈرانے دھمکانے کے لیے اس خوفناک درخت کا ذکر کیا جاتا ہے اس طرح گویا منکرین کے لیے یہی درخت آزمائش کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اس کے

برخلاف اہلِ ایمان جانتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے تو وہ آگ میں بھی درخت پیدا کر سکتا ہے جیسا کہ معراج کا غیر معمولی واقعہ پیش آیا، حالانکہ کافر لوگ اس واقعہ کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے، مگر یہ حقیقت ہے۔ بہرحال تھوہر کو دو وجہ سے آزمائش کا باعث بنایا گیا ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کو کھانے میں بڑی تکلیف ہوگی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ دنیا میں اس کا انکار کر کے فتنہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔

اس درخت کی مزید تفصیل کے طور پر فرمایا اِنَّھَا شَجَرَۃٌ تَخْرُجُ فِیْٓ اَصْلِ الْجَحِیْمِ یہ ایک درخت ہے جو جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے یعنی جہنم کے اندر ہی پیدا ہوتا ہے طَلْعُھَا کَاَنَّہٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ اس کے خوشے یا کونپلیں ایسے بدنما ہیں۔ جیسا کہ شیطانوں کے سر ہوتے ہیں۔ یہ تشبیہ دو وجوہ کی بنا پر ہو سکتی ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ شیطان کے ساتھ مناسبت اس کی بدشکلی کی وجہ سے ہے۔ اگر کوئی شخص پراگندہ صورت ہو، بال بکھرے ہوئے ہوں تو اُسے جن بھوت کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے موطا امام مالکؒ میں یہ روایت[1] آئی ہے کہ ایک شخص پراگندہ بال اور خستہ حالت میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے اُسے تنبیہ فرمائی کہ شیطان جیسی وحشتناک شکل نہ بنایا کرو بلکہ اپنے بالوں کو درست کرو اور صفائی کا خیال رکھا کرو۔ بہرحال چونکہ شیطان بھی بدشکل ہے اور تھوہر کا درخت بھی، لہٰذا ان کو آپس میں مناسبت ہے۔

بعض فرماتے[2] ہیں کہ اس مقام پر شیاطین سے مراد سانپ ہیں۔ تھوہر اور سانپ کا سر تقریباً یکساں بناوٹ کا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو سانپ

---

[1] موطا امام مالک ص

[2] روح المعانی ص۹۶ ج۲۳ و خازن ص۲۳ ج۶ و مدارک ص۲۳ ج۴ (فیاض)

کے سر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ صحیحین کی روایت[1] میں آتا ہے کہ یہودیوں نے حضور علیہ السلام پر جادو کیا تھا۔ کچھ کھجور کے پتے، ٹوٹی ہوئی کنگھی اور بال لے کر ان پر سحر کیا اور انہیں مدینہ کے اطراف میں واقع ایک کنوئیں میں پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اس کنوئیں کو بئرِ ذی اروان کہا جاتا تھا اور اُس وقت ناقابلِ استعمال ہو چکا تھا۔ اُس کنوئیں کے کنارے پر تھوہر کے درخت تھے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ملنے پر حضور علیہ السلام صحابہؓ کے ہمراہ اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور مذکورہ پتھر کے نیچے سے سحر شدہ چیزیں برآمد کیں تو وہاں بھی رُءُوسُ الشَّیٰطِین کے الفاظ آتے ہیں گویا تھوہر کے پودے شیطانوں کے سروں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں یا سانپوں کے سروں کے ساتھ ان کو مناسبت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت[2] ہے جسے امام ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے اپنی تفسیر میں بھی نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہی آیت تلاوت فرمائی اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ اور اس کے بعد سورۃ آل عمران کی یہ آیت پڑھی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آیت ۱۰۲) اے لوگو! اللہ سے ڈر جاؤ جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ پھر فرمایا وَلَوْ اَنَّ قَطْرَةً قُطِرَتْ مِنَ الزَّقُّوْمِ فِيْ بِحَارِ الدُّنْيَا لَاَفْسَدَتْ عَلَى النَّاسِ مَعَايِشَهُمْ اگر جہنم کے تھوہر کا ایک قطرہ دنیا بھر کے سمندروں میں ڈال دیا جائے تو اس کی بدبو اور ذائقہ کی وجہ سے تمام لوگوں کی معیشت برباد ہو کر رہ جائے مطلب یہ کہ تھوہر اس قدر کڑوا ہے اور بدمزہ ہے کہ سارے سمندروں کو بدمزہ کر دے اور ان سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا جا سکے۔

دوزخیوں کی خوراک

تھوہر کی یہ تعریف بیان کرنے کے بعد فرمایا فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا

---

[1] بخاری ص۸۵۷ ج۲ و مسلم ص۲۲۱ ج۲ و روح المعانی ص۲۸۳ ج۲۳
[2] ابن کثیر ص۱۱ ج۴

فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ دوزخی لوگ اسی تھوہر کے درخت میں سے کھائیں گے اور اسی سے اپنے پیٹ بھریں گے۔ اس قدر بدبودار اور کڑوی چیز اہل دوزخ کی خوراک بنے گی۔ سورۃ الغاشیہ میں ہے لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ⑥ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ⑦ اُن کے لیے کانٹے دار جھاڑ کی خوراک ہوگی جس سے نہ تو وہ موٹے ہوں گے اور نہ ہی بھوک دور ہوگی پھر ان کو پیاس بھی ستائے گی۔ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ تو پھر اوپر سے گرم پانی کی ملاوٹ ہوگی یعنی کھولتا ہوا پانی پینے کو دیا جائے گا۔ اوّل تو یہ کھولتا ہوا پانی منہ اور ہونٹوں کو ہی جلا دے گا، اور اگر اس کا ایک آدھ گھونٹ اندر بھی چلا گیا تو جیسا کہ سورۃ محمد میں بیان ہوا ہے، فَقَطَّعَ اَمْعَاءَ هُمْ (آیت-۱۵) اُن کی آنتوں کو کاٹ کر نیچے پھینک دیگا۔ وہ آنتیں پھر اپنی جگہ پر واپس آئیں گی اور پھر کٹ کر نیچے گر پڑیں گی۔ اِن کو اسی طرح سزا ملتی رہے گی۔ جیسا انسانی کھالوں کے متعلق فرمایا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا (النسآء-۵۶) جب اُن کی کھالیں جل جائیں گی تو ان کی جگہ دوسری کھالیں پہنا دی جائیں گی اور یہ عمل اسی طرح جاری رہے گا۔ فرمایا کھانے کے لیے تھوہر اور پینے کے لیے گرم کھولتا ہُوا پانی دیا جائے گا ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ پھر ان کا لوٹایا جانا جہنم کی طرف ہوگا۔

مذھبی تقلید

فرمایا اُن کی یہ سخت سزا اس وجہ سے ہوگی اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ کہ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کو گمراہ پایا مگر اُس سے بچنے کی بجائے، فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ یہ بھی انہی کے نقش قدم پر دوڑتے رہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل و شعور سے کچھ فائدہ حاصل نہ کیا اور کبھی خیال نہ کیا کہ ہمارے آباؤ اجداد تو غلط راستے پر جا رہے ہیں، ہم ان کے پیچھے کیوں چلیں؟ مگر وہ بلا سوچے سمجھے باپ دادا کے دین پر چلتے رہے، اور

یہی کہتے رہے کہ ہم تو وہی کچھ کریں گے جو کچھ ہمارے باپ دادا کرتے رہے، ہم اُن کا طریقہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں قرآن نے فرمایا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (البقرہ - ۱۷۰) اگرچہ اُن کے آباؤ اجداد نہ عقل رکھتے ہوں اور نہ وہ راہِ ہدایت پر ہوں، یہ پھر بھی انہی کے طریقے پر انہی کی طرح گمراہی کے گڑھے میں جا گریں گے۔ یہی اندھی تقلید ہے جس کی سختی سے تردید کی گئی ہے۔ ہاں اگر آباؤ اجداد صراطِ مستقیم پر ہوں تو پھر تو اُن کے نقشِ قدم پر چلنا عین سعادت اور فخر کی بات ہے۔ اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے قید کے دوران کہا تھا وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ (یوسف - ۳۸) میں تو اپنے آباؤ اجداد ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کی ملّت کا اتباع کرتا ہوں۔ وہ سب اللہ کے برگزیدہ نبی تھے اور راہِ راست پر چلنے والے تھے، لہٰذا میں نے بھی انہی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

فرمایا یہ لوگ بھی اندھی تقلید کر کے گمراہ ہوئے وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ البتہ تحقیق اِن سے پہلے بھی زیادہ تر لوگ گمراہ ہی ہوئے۔ یہ نزولِ قرآن سے پہلے لوگوں کا ذکر ہے کہ وہ بھی اندھی تقلید میں مبتلا ہو کر گمراہی کے راستے پر ہی چلتے رہے۔ انہوں نے بھی اللہ کے نبیوں، مبلغین اور خیر خواہوں کی بات کو نہ سُنا اور نہ ہی اپنی عقل سے کام لیا۔ اس بات کا احساس انہیں قیامت والے دن ہوگا۔ جب اللہ کے حضور پیشی ہوگی تو اس وقت افسوس کا اظہار کریں گے۔ کاش کہ ہم نے اللہ اور رسول کی بات مانی ہوتی تو مبتلائے عذاب نہ ہوتے۔ اُس وقت اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کریں گے وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا (الاحزاب - ۶۷) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دُنیا میں اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی جنہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کر دیا۔ ہم تو اُن کا کہنا مان کر اس مصیبت کو پہنچے، لہٰذا آج ان کو دُگنا عذاب دے کیونکہ ہمارے یہ بڑے خود بھی گمراہ ہوئے اور

ہمیں بھی گمراہ کیا۔ اللہ فرمائے گا کہ صرف اِن کو ہی ڈبل سزا نہیں ملنی چاہیئے بلکہ تمھیں بھی دوہری سزا ملیگی۔ جس طرح تمھارے آباؤ اجداد گمراہ ہوئے اور دوسروں کو کیا، اسی طرح تم بھی گمراہ ہوئے اور تم نے بھی آگے بہت سوں کو گمراہی کے راستے پہ چلایا۔ لہٰذا آج اس دوہری گمراہی کی دوہری سزا بھگتو۔

منذرین کی ... ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ اور البتہ تحقیق ہم نے اِن میں ڈر سنانے والے بھیجے جو اِن کو بُرے انجام سے خبردار کرتے رہے وہ انہیں کفر، شرک اور معاصی سے ہٹانے کی کوشش کرتے رہے مگر انہوں نے اُن کی ایک نہ مانی۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ پھر دیکھو کیسا انجام ہوا ڈرائے ہوئے لوگوں کا۔ اِن نافرمانوں میں سے کوئی گرفت الٰہی سے نہ بچ سکا۔ قرآن پاک میں مختلف اقوام کے جستہ جستہ حالات بیان ہوئے ہیں۔ بعض کو اللہ نے پانی میں غرق کیا، کسی کو تند ہوا کی بھینٹ چڑھایا۔ کسی پر سخت چیخ آئی، کسی پر زلزلہ آیا اور کسی قوم پر پتھروں کی بارش ہوئی، بعض نافرمان ایسے بھی تھے جن کو اہل ایمان کے ہاتھوں سے سزا دی گئی۔ اس طرح کوئی نافرمان بھی بُرے انجام سے نہ بچ سکا۔ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ سوائے اللہ کے منتخب اور برگزیدہ بندوں کے۔ یہ لوگ بچ گئے اور آئندہ بھی بچتے رہیں گے۔ تاریخ انبیاء سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاکر ان کا اتباع کیا، اللہ نے اُن کو ہر آفت سے محفوظ رکھا۔ ایسے لوگ کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں والی زد میں نہیں آئیں گے، باقی سب ہلاک ہوں گے جیسے کہ پہلے بھی ہوتے رہے ہیں۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿٧٥﴾
وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿٧٧﴾
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿٧٨﴾ سَلٰمٌ
عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٩﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨١﴾
ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٨٢﴾ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ
لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾
اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾
اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾ فَمَا
ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً
فِى النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ اِنِّىْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا
عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ
فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿٩٢﴾
فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿٩٣﴾ فَاَقْبَلُوْٓا
اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿٩٤﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا

تَنۡحِتُوۡنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۶﴾
قَالُوا ابۡنُوۡا لَهٗ بُنۡيَانًا فَاَلۡقُوۡهُ فِى الۡجَحِيۡمِ ﴿۹۷﴾
فَاَرَادُوۡا بِهٖ كَيۡدًا فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَسۡفَلِيۡنَ ﴿۹۸﴾

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق پکارا ہم کو نوح علیہ السلام نے
پس ہم بہت اچھی طرح اس کی دعا کو قبول کرنیوالے
ہیں ﴿۷۵﴾ اور ہم نے نجات دی اُس کو اور اُس کے
گھر والوں کو بڑی گھبراہٹ سے ﴿۷۶﴾ اور کر دیا ہم نے
اُس کی اولاد کو وہی باقی رہنے والے ﴿۷۷﴾ اور چھوڑا
ہم نے اُس کے اُوپر پچھلوں میں ﴿۷۸﴾ سلام ہے
نوح علیہ السلام پر جہان والوں میں ﴿۷۹﴾ اسی طرح ہم بدلہ دیتے
ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿۸۰﴾ بیشک وہ ہمارے نیک
بندوں میں سے ہے ﴿۸۱﴾ پھر ہم نے غرق کیا دوسروں
کو ﴿۸۲﴾ اور بیشک اُسی کے گروہ میں سے البتہ
ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں ﴿۸۳﴾ جب کہ وہ آئے اپنے
پروردگار کے پاس سالم دل لے کر ﴿۸۴﴾ جب کہا اس
نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ تم کن چیزوں کی
عبادت کرتے ہو ﴿۸۵﴾ کیا جھوٹے الٰہ بناتے ہوئے اللہ کے
سوا دوسروں کو تم چاہتے ہو ﴿۸۶﴾ پس کیا گمان ہے
تمہارا رب العلمین کے بارے میں ﴿۸۷﴾ پھر نگاہ کی انہوں
نے ایک نگاہ ستاروں میں ﴿۸۸﴾ پس کہا انہوں نے
کہ میں بیمار ہوں ﴿۸۹﴾ پس پھر گئے وہ لوگ اُن
سے پشت پھیر کر ﴿۹۰﴾ پس (موقع پاکر) جا لگے وہ

اُن کے معبودوں کے پاس، پس کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں (۹۱) کیا ہے کہ تم بولتے نہیں (۹۲) پھر گھس گئے اُن پر مارتے ہوئے داہنے ہاتھ کے ساتھ (۹۳) پس متوجہ ہوئے لوگ اس کی طرف دوڑتے (گھبراتے) ہوئے (۹۴) کہا، کیا تم عبادت کرتے ہو اُن کی جن کو تم تراشتے ہو (۹۵) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے اور اُن چیزوں کو بھی جن کو تم بناتے ہو (۹۶) کہا انہوں نے بناؤ اس کے لیے ایک عمارت اور ڈالو اُس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں (۹۷) پس ارادہ کیا انہوں نے اُس کے بارے میں بُری تدبیر کا پس کر دیا ہم نے اُن کو ہی پست (۹۸)

نوح علیہ السلام کی دُعا

سورۃ الصّٰفّٰت میں زیادہ تر بنیادی عقائد ہی کا ذکر ہے۔ اس سے پہلے توحید باری تعالیٰ اور مشرکوں کا رد ہو چکا ہے۔ اب رسالت کے سلسلہ میں نوح علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ آپ نے اپنی قوم کو لمبے عرصہ تک ایمان اور توحید کی دعوت دی مگر وہ کفر و شرک پر اڑے رہے اور آپ کو ایذائیں پہنچاتے رہے۔ بالآخر آپ نے تنگ آکر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی پروردگار! اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (القمر-۱۰) میں تو مغلوب ہو چکا ہوں میری مدد فرما اور اِن لوگوں سے میرا بدلہ لے۔ چنانچہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی دُعا کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ اور البتہ تحقیق نوح علیہ السلام نے ہم کو پکارا، آواز دی فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ پس ہم کیا خوب ہیں اُن کی دُعا کو قبول کرنے والے۔ مطلب یہ کہ جب نوح علیہ السلام نے ہمیں مدد کے لیے پکارا تو ہم نے بھی اُن کی دُعا قبول کرنے میں دیر نہیں کی۔ نوح علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ قوم کی اصلاح کی اب کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ لہٰذا اس قوم سے انتقام لے۔ اس مقام پر نوح علیہ السلام

کی دُعا کی تفصیل نہیں ہے اور نہ ہی اس کی قبولیت کے نتیجے کا ذکر ہے۔ سورۃ نوح میں موجود ہے رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ (آیت - ۲۶) پروردگار! روئے زمین پر کسی ایک کافر کو بھی زندہ نہ چھوڑ۔ اگر تو ان کو چھوڑ دیگا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور آگے اُن کی اولاد بھی بدکار اور ناشکر گزار ہی ہوگی۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ ہم نے نوح علیہ السلام اور اس کے ساتھ کشتی میں سوار لوگوں کو بچا لیا ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ۝ (الشعرآء - ۱۲۰) اور اس کے بعد باقی لوگوں کو پانی میں ڈبو دیا۔ اس مقام پر بھی فرمایا ہے وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ہم نے اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو بہت بڑی گھبراہٹ اور بے چینی سے نجات دی۔ اس کی صورت یہی تھی کہ باقی ساری نافرمان قوم کو طوفان میں غرق کر دیا۔

یہ دراصل حضور نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون بیان کیا جا رہا ہے۔ نوح علیہ السلام کی طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے بھی آپ کو اور اہلِ ایمان کو سخت تکالیف پہنچائیں جس کی وجہ سے آپ سخت پریشان رہتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کی ایذا رسانیوں کا ذکر کر کے آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ دل برداشتہ نہ ہوں، ہر نبی کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا مگر بالآخر اللہ نے اُن کی مدد فرمائی اور نافرمان قوم پر غالب فرمایا۔

نسلِ انسانی کی بقا کا ذریعہ

ساری قوم کی غرقابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کی بقاء کے ضمن میں فرمایا وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ہم نے نوح علیہ السلام کی اولاد کو ہی باقی رہنے والی بنایا۔ پوری روئے زمین کے لوگ طوفانِ نوح میں غرق ہو گئے اور صرف وہی محدود تعداد میں لوگ زندہ بچے تھے جو کشتی پر سوار ہو گئے تھے، چنانچہ نسلِ انسانی کا سلسلہ انہی کشتی والوں میں سے ہی آگے چلا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے کہ کشتی والوں میں سے بھی صرف نوح علیہ السلام

کے تین بیٹوں حام، سام اور یافث کی اولاد ہی آگے چل سکی۔ اس لحاظ سے نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ ترمذی شریف اور مسند احمد کی روایت[1] میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا عرب نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد میں سے ہیں حبشی حام کی اولاد اور رومی یافث کی اولاد ہیں۔ ایک دوسری روایت کے مطابق عرب، فارس اور روم والے، سام کی اولاد ہیں، یاجوج ماجوج ترک اور منگول یافث کی، اور قبطی اور سوڈانی حام کی اولاد ہیں۔ بہرحال موجودہ پوری نسل انسانی نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔

فرمایا وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں نوح علیہ السلام کا ذکر چھوڑ دیا۔ آپ کی نسل کے لوگ آپ کے بعد بھی کہیں گے سَلَامٌ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ سارے جہان والوں میں نوح علیہ السلام پر سلامتی ہو۔ مختلف نسلوں کے لوگ آپ پر سلام بھیجتے ہیں کہ آپ اللہ کے نہایت ہی برگزیدہ بندے تھے جنہوں نے لمبے عرصے تک خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا اور اس سلسلے میں بڑی تکالیف اٹھائیں۔ فرمایا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ نوح علیہ السلام ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں۔ آپ اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ فرمایا ہم نے آپ کو اور آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کو تو بچا لیا ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ پھر دوسروں کو ہم نے پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیا۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی تسلی کے لیے اختصار کے ساتھ یہ مضمون بیان کر دیا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام اور قلب سلیم

نوح علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ

---

[1] ابن کثیر ص ۱۲ ج ۴ ومظہری ص ۱۳۰ ج ۸ وخازن ص ۲۴ ج ۶ وروح المعانی ص ۹۸ ج ۲۳ (فیاض)

بے شک انہی (نوح علیہ السلام) کے گروہ میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں۔ آپ بھی انہی کے خاندان سے اور انہی کی راہ پہ چلنے والے ہیں۔ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ جب آئے آپ اپنے پروردگار کے پاس سلیم دل لے کر۔ سلیم دل سے مراد ایسا سلامتی والا دل ہے جو ہر قسم کی بدعقیدگی، فاسد نیت اور غیر اخلاقی اشیاء سے پاک ہو۔ بعض کہتے ہیں قلب سلیم وہ ہے جو شرک، کفر، نفاق، حسد، کینہ، جھوٹ اور حبِ مال و جاہ سے پاک ہو۔ توحید اور ایمان کے ساتھ لبریز ہو۔ اور تمام اخلاق حسنہ اس میں پائے جائیں بعض فرماتے ہیں کہ قلب سلیم کا شرک سے پاک ہونا ضروری ہے کیونکہ اس میں توحید کے علاوہ شرک کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیئے۔ اسی طرح بدعت سے پاک ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ بدعت سنت کے خلاف چیز ہے۔ شہوت سے لبریز دل بھی قانونِ الٰہی کے خلاف ہوتے ہیں لہٰذا قلب کو شہوت سے بھی منزہ ہونا چاہیئے۔ جو دل قانونِ الٰہی یعنی شریعت کے خلاف ہوگا۔ وہ قلب سلیم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح قلب سلیم کا غفلت سے پاک ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ غفلت یادِ الٰہی کے خلاف عنصر ہے۔ اسی طرح خواہشات کا غلام دل بھی قلب سلیم کہلانے کا حقدار نہیں ہو سکتا کیونکہ خواہشات سے لبریز دل حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ غرضیکہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قلب سلیم لے کر اپنے پروردگار کے پاس آئے۔ قلب سلیم کا ذکر سورۃ الشعراء میں بھی موجود ہے۔ وہاں ابراہیمؑ کی دعا کے الفاظ ہیں کہ مولا کریم! قیامت والے دن مجھے رسوا نہ کرنا، وہ دن کہ جب نہ مال کچھ فائدہ دیگا اور نہ بیٹے اِلَّا

---

[1] روح المعانی ص۱۰۰ ج۲۳ و مدارک ص۲۳ ج۴ و قرطبی ص۹۱ ج۱۵ و طبری ص۶۹ ج۲۳ و کبیر ص۱۴۶ ج۲۶

(فیاض)

مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (آیت - ۸۹) البتہ وہ شخص بچ جائے گا۔ جو اپنے اللہ کے پاس قلبِ سلیم لے کر آیا۔ الغرض! فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام تمام قسم کی آلائشوں سے پاک دِل لے کر رب العزت کے پاس آئے۔

ابراہیم علیہ السلام کا درسِ توحید

آگے اللہ نے قلبِ سلیم رکھنے والے ابراہیم علیہ السلام کے درسِ توحید کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے خدا تعالیٰ کا پیغامِ توحید اپنی قوم تک عقلی دلائل کے ساتھ پہنچایا۔ ارشاد ہوتا ہے اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کن چیزوں کی عبادت کرتے ہو؟ سورۃ الانعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر ذکر کیا گیا ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً (آیت - ۷۵) جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا۔ تاریخ میں آپ کا نام تارخ بھی آیا ہے اس بنا پر بعض کہتے ہیں کہ تارخ باپ اور آزر چچا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دونوں نام ایک ہی شخصیت کے ہیں۔ آزر تو قرآن نے بیان کر دیا، اور تارخ البتہ لقب تھا۔

بہر حال ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم کن چیزوں کی پوجا کرتے ہو؟ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِیْدُوْنَ کیا اللہ کے سوا تم جھوٹ موٹ کے بنائے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو؟ یہ پتھر، دھات اور لکڑی کی مورتیاں جنہیں تم اپنے ہاتھ سے گھڑتے ہو، انہی کی پوجا کرنے لگتے ہو اور تم نے ستاروں، فرشتوں اور جنات کے نام پر بت تراش رکھے ہیں، کیا تم ان کو اپنا معبود سمجھتے ہو۔؟ بھلا یہ تو بتاؤ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تمام جہانوں کے پروردگار کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، تم اُس حقیقی معبود کی تو عبادت کرتے نہیں اور اس کی بجائے اِن خود ساختہ

جھوٹی چیزوں کو معبود بنا رکھا ہے، یہ کون سی عقل مندی کی بات ہے؟

اگلی آیات میں اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا واقعہ نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا۔ اس کی تفصیلات سورۃ الانبیاء میں بھی مذکور ہیں۔ آپ نے اپنے باپ اور قوم سے فرمایا کہ یہ کیسی مورتیاں ہیں جن پر تم جھکے پڑتے ہو یعنی ان کی عبادت کرتے ہو، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ کچھ سوال و جواب کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کی ضرور تدبیر کروں گا جب کہ تم پشت پھیر کر جاؤ گے۔ چنانچہ ایک دن ایسا آیا کہ ساری قوم شہر سے باہر کوئی تہوار منانے کے لیے جا رہی تھی انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی شریک ہونے کی دعوت دی۔ آپ ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتے تھے، چنانچہ اللہ نے اس مقام پر اس حیلہ کا ذکر کیا ہے جو آپ نے اس ضمن میں اختیار کیا۔ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ انہوں نے ستاروں کی طرف نظر ڈالی فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ پس کہا کہ میں بیمار ہوں فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ پھر وہ لوگ آپ سے پشت پھیر کر چلے گئے۔ یعنی آپ کو تہوار میں ساتھ لے جانے پر اصرار نہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا دور صابی دور کہلاتا ہے اس دور میں ستاروں کے ساتھ لوگوں کا خصوصی تعلق ہوتا تھا۔ چنانچہ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس دور میں متعین ہونے والی شرائع میں کسی حد تک ستاروں کا بھی دخل ہوتا تھا۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام کا حنیفی دور آیا تو ستاروں کے ساتھ تعلق کو سختی کے ساتھ منقطع کر دیا گیا۔ قوم ابراہیم بھی ستاروں میں کرشمہ مانتی تھی، لہٰذا انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ستاروں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے یہ مطلب اخذ کیا کہ آپ بھی ستاروں کی کرشمہ سازی کے قائل ہیں، لہٰذا وہ آپ

کو چھوڑ کر تہوار منانے کے لیے چلے گئے اور ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کی مرمت کرنے کا موقع میسر آگیا۔

کذب ثلاثہ

بخاری اور ترمذی شریف کی روایت[۱] میں آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے کذب بیانی نہیں کی مگر تین مواقع پر۔ پہلا موقع تو یہی ہے جب آپ نے کہا کہ میں بیمار ہوں حالانکہ آپ بیمار نہیں تھے۔ دوسرا موقع وہ ہے۔ جب آپ نے بتوں کو پاش پاش کر دیا تو کافروں کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا بَلۡ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيۡرُهُمۡ هٰذَا (الانبیاء - ۶۳) یعنی یہ کام اس بڑے بت نے کیا ہے جس کے کندھے پر کلہاڑا رکھا تھا۔ حالانکہ یہ کام خود ابراہیم علیہ السلام نے انجام دیا تھا۔ اور تیسرا موقع وہ جب آپ بابل سے ہجرت کر کے اپنی بیوی سارہؓ کے ہمراہ مصر پہنچے۔ وہاں پر بادشاہِ مصر کی بدنیتی کا علم ہوا تو آپ نے اپنی بیوی کو اُخۡتِیۡ (میری بہن) کہہ دیا۔

اس قسم کا ذومعنی کلام دراصل جھوٹ نہیں ہوتا بلکہ عربی زبان میں اسے توریہ کہتے ہیں۔ یعنی بوقت ضرورت ایسا کلام کیا جائے جس سے متکلم کی مراد کچھ اور ہو اور مخاطب اس سے کچھ اور معنی لے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا اِنِّیۡ سَقِيۡمٌ یعنی میں بیمار ہوں حالانکہ جسمانی طور پر آپ تندرست تھے۔ دراصل ان الفاظ سے آپ کی مراد یہ تھی کہ تمہارا کفر اور شرک دیکھ کر میں ذہنی طور پر بیمار ہوں کہ مجھے کفر و شرک سے سخت تکلیف پہنچتی ہے، مگر لوگ سمجھے کہ آپ کو کوئی جسمانی عارضہ ہے جس کی وجہ سے آپ ان کے ساتھ جانے سے معذور ہیں۔ جہاں تک بت شکنی کو بڑے بت کی طرف منسوب کرنے کا تعلق ہے تو اس سے ابراہیم علیہ السلام کا مقصد کفار کو غور و فکر کر کے توحید کی دعوت دینا تھا، آپ نے کہا تھا کہ ان کو ان کے بڑے نے توڑا ہے

---

[۱] ابن کثیر صفحہ ۱۳ ج ۴ و مظہری صفحہ ۱۲۳ ج ۸ و قرطبی صفحہ ۹۳ ج ۱۵ (فیاض)

مگر وہ خود جانتے تھے کہ ان بتوں میں تو حس و حرکت ہی نہیں ہے۔ بھلا یہ کام بت کیسے کر سکتا ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کو یہی سمجھانا مقصود تھا کہ جو بت نہ تو خود توڑ پھوڑ کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے دفاع پر قادر ہیں، وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟

رہی تیسری بات کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ کو کہا تو یہ بھی حفظِ ما تقدم کے طور پر آپ نے توریہ کیا تھا۔ آپ نے اپنی بیوی کو سمجھا دیا تھا کہ اگر ہم نے اپنے آپ کو میاں بیوی ظاہر کیا تو یہ ظالم بادشاہ مجھے قتل کرا دے گا۔ اور تم پر تسلط قائم کرے گا۔ لہٰذا خیریت اسی میں ہے کہ اپنے آپ کو بہن بھائی ظاہر کیا جائے۔ ویسے بھی اس سرزمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (الحجرات ۱) مومن آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ الغرض! جان بچانے کے لیے آپ نے یہ حیلہ اختیار کیا۔ اس قسم کے بعض واقعات خود حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آئے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت صدیق اکبرؓ سفر ہجرت پر جا رہے تھے راستے میں ایک شخص[1] نے حضور علیہ السلام سے حضرت ابوبکرؓ کے متعلق دریافت کیا مِمَّنِ الرَّجُلُ یعنی یہ شخص کن لوگوں میں سے ہے تو آپ نے جواب دیا مِنَ الْمَآءِ پانی سے۔ وہ شخص سمجھا کہ پچھلی پانی والی آبادی کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ وہاں سے ہے اسی طرح راستے میں ایک دوسرے شخص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پہچان لیا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے بھی توریہ کے انداز میں جواب دیا ھو رجل یھدینی السبیل وہ ایک شخص ہے جو راستے میں میری راہنمائی کرتا ہے۔ وہ آدمی سمجھا کہ سفر میں راستہ معلوم کرنے کے لیے گائیڈ (واقف کار) کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں، حالانکہ حضرت صدیقؓ کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص مجھے ہدایت کا راستہ بتلانے والا ہے۔

بت شکنی

بہرحال جب سب لوگ تہوار منانے کے لیے شہر سے باہر چلے گئے۔ تو

---

[1] روح المعانی ص۱۰۱ ج ۲۳ (فیاض)

ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کی مرمت کرنے کا وہ موقع میسر آگیا جس کی تلاش میں آپ تھے۔ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ پھر آپ موقع پاکر بتوں کے پاس گئے۔ اُن کے سامنے نذر و نیاز کی مٹھائی، کھانا اور شربت وغیرہ رکھا ہوا تھا۔ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ آپ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا، تم کھاتے کیوں نہیں؟ بھلا پتھر کے وہ بے جان بت کھاتے کیا، اور جواب کیا دیتے۔ آپ نے پھر پوچھا مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ کیا ہے تمھیں کہ تم بولتے نہیں؟ جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ نے اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ آپ دائیں ہاتھ سے مارتے ہوئے اُن پر پل پڑے۔ آپ کے ہاتھ میں ہتھوڑا تھا جسے پوری قوت سے چلا کر بتوں کو توڑ پھوڑ دیا۔ صرف بڑے بت کو چھوڑا اور اس کے گلے میں کلہاڑا لٹکا دیا۔ پھر آپ وہاں سے چلے آئے۔

کفار کا ردِّ عمل

جب وہ لوگ تہوار منا کر واپس آئے تو بتوں کی یہ حالت دیکھ کر سخت پریشان ہوئے۔ اس مقام پر تفصیلات نہیں ہیں صرف اس قدر ہے فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ وہ لوگ آپ کے پاس گھبراہٹ کے عالم میں دوڑتے ہوئے آئے۔ سورۃ الانبیاء میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب کفار نے اپنے بتوں کو شکستہ حالت میں دیکھا تو ایک دوسرے سے پوچھا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟ اُن میں سے بعض نے کہا کہ ابراہیم نامی نوجوان اِن کا ذکر کیا کرتا تھا، ہو سکتا ہے کہ یہ اسی کا کام ہو، پھر ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر پوچھا گیا کہ کیا یہ کارروائی تم نے کی ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ تو اس بڑے بت کا کام معلوم ہوتا ہے جس کے کاندھے پر کلہاڑا ابھی لٹک رہا ہے، تاہم آپ ان شکستہ بتوں سے پوچھ لیں اگر یہ بول کر بتا سکیں۔ پھر انھوں نے آپس میں میٹنگ کی اور کہنے لگے سچی بات تو یہ ہے کہ یہ بت تو بولتے ہی نہیں، یہ ہمیں کیا بتائیں گے؟ اسی موقع پر ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے ضمیر کو جھنجوڑا اور پوچھا، کیا تم اِن کی عبادت کرتے ہو جو تمھارے کسی نفع نقصان کے مالک نہیں

ہیں۔ افسوس ہے تم پر بھی اور تمھارے ان معبودوں پہ بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو۔
جب ان کافروں سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو زندہ
جلا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اس مقام پر صرف اس قدر بیان کیا گیا ہے کہ بتوں کی حالت دیکھ کر وہ لوگ
ابراہیم علیہ السلام کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ آپ کے ساتھ گفت و شنید ہوئی
تو آپ نے فرمایا قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو
جن کو خود تراشتے ہو؟ انسان کی اس قدر گراوٹ انتہائی افسوسناک ہے کہ ایک چیز کو
خود ہی گھڑے اور پھر اسی کے سامنے سر بسجود ہو جائے۔ یہ مورتیاں خواہ جنوں کی ہوں، یا
فرشتوں کی انسانوں کی ہوں یا ستاروں کی، کسی کو اختیار نہیں ہے جو کسی کی مشکل کشائی
اور حاجت روائی کر سکے، معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو علیم کل، قادرِ مطلق، خالق اور
واجب الوجود ہو۔ جب یہ صفات صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں، تو پھر کوئی
دوسری ہستی معبود کیسے ہو سکتی ہے؟ برصغیر میں ہندو بھی بُت پرست ہیں۔ جن کے
لاکھوں اور کروڑوں معبود ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے خود اپنے مذہب کے
متعلق لکھا ہے کہ یہ اشنان، بوریاں، نشانات اور تقریبات بے معنی چیزیں ہیں
کس قدر افسوسناک بات ہے کہ ہمارے معبود جاپان اور انگلستان کی فیکٹریوں میں
تیار ہو جاتے ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں۔

غرضیکہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو یاد کرایا کہ تم بتوں کو خود تراش
کر ان کی عبادت کرتے ہو وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ حالانکہ
اللہ تعالیٰ نے تمھیں بھی پیدا کیا ہے اور اُن چیزوں کو بھی جن کو تم بناتے ہو۔ انسان
کوئی بھی کام کرے ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انسان ______
اللہ کے عطا کردہ اختیار اور صلاحیت کے ساتھ ہی ہر کام کرتا ہے، وگرنہ
تخلیق کی صفت تو کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتی۔

ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کی کوشش

دلائل کے لحاظ سے تو کافر لوگ لاجواب ہو چکے ہیں۔ کہنے لگے یہ ہمارے معبودوں
کی توہین کا مرتکب ہوا ہے جو کہتا ہے کہ ان کو کوئی اختیار نہیں اور یہ ہاتھوں کی

تراشیدہ مورتیاں ہیں۔ لہٰذا ابراہیم علیہ السلام کو سخت سزا ملنی چاہیئے۔ قَالُوا ابْنُوا لَهٗ بُنْيَانًا کہنے لگے اس کے لیے ایک بہت بڑی عمارت تیار کرو، اس میں آگ جلاؤ اور ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا ایک بہت بڑے حصہ زمین پر دنیا کی سب سے بڑی آگ جلائی گئی۔ پھر کہنے لگے فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ اس مقام پر تو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تاہم سورۃ الانبیاء میں ہے قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ (آیت۔ ۶۸) اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلا دو اور اس طرح اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ جن کی یہ مذمت بیان کرتا ہے۔

بالآخر انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے ذریعے بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا مگر اللہ نے فرمایا قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ (الانبیاء۔ ۶۹) اے آگ! ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ سورۃ العنکبوت میں ہے فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ (آیت۔ ۲۴) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آگ سے بچا لیا۔ اور کافر اپنی اس تدبیر میں بھی ناکام و نامراد ہوئے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آگ نے ابراہیم علیہ السلام کا ایک بال تک نہ جلایا۔ البتہ جس رسی سے باندھ کر آپ کو آگ میں پھینکا گیا تھا، وہ رسی جل کر خاک ہو گئی۔ اللہ نے فرمایا فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا انہوں نے ایک تدبیر کا ارادہ کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو ختم کرنا چاہا۔ مگر ہم نے انہیں ہر امتحان میں کامیاب کر کے فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ انہی کو ذلیل و خوار اور پست کر دیا۔ وہ اپنے ارادے میں بری طرح ناکام رہے۔

وَقَالَ اِنِّیۡ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیۡ سَیَهۡدِیۡنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ
هَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ
حَلِیۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡیَ قَالَ یٰبُنَیَّ
اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا
تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیۡۤ
اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا
وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِیۡنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَیۡنٰهُ اَنۡ یّٰۤاِبۡرٰهِیۡمُ ﴿۱۰۴﴾
قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا ۚ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی
الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۰۶﴾
وَفَدَیۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَکۡنَا عَلَیۡهِ
فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ ﴿۱۰۹﴾ کَذٰلِکَ
نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا
الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِیًّا
مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَکۡنَا عَلَیۡهِ وَعَلٰۤی
اِسۡحٰقَ ؕ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحۡسِنٌ وَّظَالِمٌ
لِّنَفۡسِهٖ مُبِیۡنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع ۳ ۳۹ ۷

ترجمہ :- اور کہا (ابراہیمؑ نے) تحقیق میں جاتا ہوں اپنے
پروردگار کی طرف، وہ مجھے راہ دکھائے گا (۹۹) اے پروردگار!
بخش دے مجھے نیکوں میں سے (کوئی بیٹا) (۱۰۰) پس ہم نے
بشارت دی اس کو ایک لڑکے کی جو نہایت بردبار
تھا (۱۰۱) پس جب پہنچا اُس کے ساتھ تگ و دَو کی عمر
کو تو اُس نے کہا، اے بیٹے! بے شک میں دیکھتا ہوں خواب
کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔ دیکھو! تم کیا خیال رکھتے ہو۔
کہا (بیٹے نے) اے باپ! آپ کر ڈالیں جس چیز کا آپکو
حکم دیا جاتا ہے۔ آپ پائیں گے مجھے، اگر اللہ نے چاہا،
صبر کرنے والوں میں سے (۱۰۲) پھر جب وہ دونوں مطیع
ہو گئے (اللہ کے حکم کے) اور گرا دیا اُس کو پیشانی کے
بل (۱۰۳) اور ہم نے اُس کو آواز دی۔ اے ابراہیم! (۱۰۴)
تحقیق تو نے سچ کر دکھایا خواب۔ بیشک ہم اسی طرح
بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو (۱۰۵) بیشک یہ بات
البتہ صریح آزمائش ہے (۱۰۶) اور ہم نے فدیہ دیا اس
کو ذبح کرنے کے ایک عظیم جانور کا (۱۰۷) اور ہم نے
چھوڑا اُس پر پچھلوں میں (۱۰۸) (اس بات کو) کہ سلامتی
ہو ابراہیم پر (۱۰۹) اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے
والوں کو (۱۱۰) بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے
ہے (۱۱۱) اور ہم نے بشارت دی اُس کو اسحاق
(بیٹے) کی جو کہ اللہ کا نبی اور نیکوں میں سے تھا (۱۱۲)
اور برکت نازل کی ہم نے اس پر اور اسحاق پر۔ اور
اُن دونوں کی اولاد میں سے نیکی کرنے والے ہیں اور کچھ

ظلم کرنے والے ہیں اپنے نفس پر صریح طور پر (۱۱۳)

ربطِ آیات

پہلے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا حال ذکر ہوا۔ آپ لمبے عرصے تک قوم کو خدا تعالیٰ کا پیغام سناتے رہے اور ان کو کفر و شرک کی برائیوں سے آگاہ کرتے رہے مگر قوم نہ مانی بلکہ اللہ کے نبی کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں جسے اللہ نے کرب عظیم سے تعبیر کیا ہے آخر تنگ آ کر نوح علیہ السلام نے قوم کے حق میں بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اُسے پانی میں ڈبو کر صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا۔ صرف وہی لوگ بچے جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے تھے اور پھر انہی میں سے اللہ نے نسل انسانی کو آگے چلایا

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی قوم کے حالات بیان ہوئے آپ نے قوم کو خطاب کر کے فرمایا کہ کتنی بیوقوفی اور حماقت کی بات ہے، کہ تم خود ہی اپنے ہاتھوں سے بت تراشتے ہو اور خود ہی اُن کی پوجا کرنے لگتے ہو حالانکہ خالق اللہ رب العالمین ہے جو تمہیں بھی پیدا کرتا ہے اور تمہارے اعمال و اکساب کو بھی وہی تخلیق کرتا ہے۔ اس کے جواب میں قوم نے فیصلہ کیا کہ ابراہیم کے لیے ایک بہت بڑا آگ کا الاؤ تیار کرو، جس میں انہیں زندہ جلا دو کیونکہ یہ ہمیں ہمارے آباؤ اجداد کے مسلک سے ہٹانا چاہتا ہے۔ چنانچہ دنیا کی عظیم ترین آگ جلا کر ابراہیم علیہ السلام کو اس میں پھینک دیا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھ کر اُن کی ساری تدبیر کو ناکام بنا دیا، اور وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔

اس سے قبل ابراہیم علیہ السلام کو بابل میں سات برس تک قید میں رکھا گیا۔ آگ سے بچ نکلنے کے بعد آپ متواتر اللہ کا پیغام سناتے رہے مگر کوئی بھی ایمان نہ لایا، جیسا کہ سورۃ عنکبوت میں گزر چکا ہے۔ صرف آپ کی بیوی سارہؓ اور بھتیجے لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لائے، باقی ساری قوم کفر اور شرک میں پھنسی رہی۔

ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

بالآخر جب قوم کی طرف سے ایذا رسانیاں حد سے بڑھ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے

ابراہیم علیہ السلام کو بابل سے ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔ نبیوں کی زندگی میں ہجرت بھی ایک مشکل موڑ آتا ہے۔ گھر بار، وطن کاروبار سب کچھ اللہ کی رضا کی خاطر چھوڑنا پڑتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے لیے بھی یہ وقت آچکا تھا۔ وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ آپ نے کہا تحقیق میں اپنے پروردگار کی طرف یعنی اس کے حکم کے مطابق یہاں سے جانے والا ہوں سَیَهْدِیْنِ اس راستے میں وہی میری راہنمائی فرمائے گا۔ میں جس مالک الملک کے حکم سے نقل مکانی کر رہا ہوں، وہ ضرور مجھے ٹھکانے پر لگائے گا۔ چنانچہ آپ کے لیے حکم ہوا کہ آپ بابل کی سرزمین کو چھوڑ کر ملک شام اور فلسطین کی طرف چل دیں۔ آپ تعمیل حکم میں بیوی اور بھتیجے کے ہمراہ نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے مصر پہنچے۔ پہلے تو بادشاہ نے آپ کی بیوی حضرت سارہؓ کو ہتھیانا چاہا مگر پھر اسی نے حضرت ہاجرہؓ کو بھی آپ کے ہمراہ کر دیا۔ اور اس طرح آپ ملک فلسطین میں آکر آباد ہو گئے۔

بیٹے کے لیے دعا

شادی کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۳۷ سال تھی۔ مگر طویل عرصہ تک آپ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اب آپ کی عمر مبارک اسی۸۰ سال ہو چکی تھی تو اس وقت آپ نے اپنے پروردگار کے سامنے درخواست کی رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ کہ مولا کریم! مجھے نیکوں میں سے بیٹا عطا کر دے۔ آپ اس وقت تک حضرت ہاجرہؓ سے نکاح کر چکے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور فرمایا فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ہم نے آپ کو ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔ اس بردبار بیٹے سے حضرت اسماعیل علیہ السلام مراد ہیں کہ آپ کی اولاد میں سے سب سے پہلے انہی کی ولادت ہوئی۔ آپ کے دوسرے بیٹے حضرت سارہؓ کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ بہرحال یہاں پر بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی بشارت کا ذکر ہے، جو بڑے حوصلے اور تحمل والے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کا خواب

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ جب یہ بچہ تگ و دو کی عمر کو پہنچ گیا سعی

کا معنی دوڑنا ہوتا ہے۔ جیسے صفا و مروہ کی سعی ہوتی ہے کہ وہاں کچھ فاصلہ دوڑ کر چلنا پڑتا ہے۔ تو مطلب یہ کہ جب حضرت اسماعیلؑ بھاگنے دوڑنے کی عمر کو پہنچ گئے۔ آپ کی عمر بارہ، تیرہ سال کی ہوگئی اور آپ اپنے باپ کے ساتھ فضل و کمال کے کام کرنے کے قابل ہوگئے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا جس کا تذکرہ بیٹے کے سامنے اس طرح کیا قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ بیٹا! بیشک میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ط دیکھو! تمہارا اس معاملہ میں کیا خیال ہے؟ ذرا سوچ کر بتاؤ کہ تم اس خواب کو کیسا پاتے ہو۔ مفسرین کرام ؒ بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو یہ خواب بار بار آرہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اور اس حکم کی تعمیل کا تقاضا کیا جا رہا تھا۔

خواب کی حقیقت

نبی کے خواب اور عام لوگوں کے خواب میں فرق ہوتا ہے۔ عام لوگوں کے خواب تین اقسام کے ہوتے ہیں۔ یعنی رحمانی، شیطانی اور نفسانی رحمانی خواب مومن کے حق میں بشارت ہوتی ہے۔ شیطانی خواب شیطان کے اثر سے ہوتے ہیں اور نفسانی خواب وہ ہوتے ہیں جو انسانی خوراک کے اثرات پر مرتب ہوتے ہیں۔ مگر نبیوں کا خواب وحی ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کوئی حکم خواب کے ذریعے بھی دے دیتا ہے۔ بخاری شریف[1] کی روایت میں ہے کہ نبوت ملنے سے چھ ماہ قبل تک جو خواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آتے تھے، وہ سچے ہوتے تھے اور ان کا نتیجہ روزِ روشن کی طرح سامنے آجاتا تھا۔ پھر اس کے بعد نزولِ وحی شروع ہوگیا۔ قرآن پاک میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کا ذکر بھی آتا ہے۔ اس کی تعبیر اگرچہ طویل عرصہ کے بعد جاکر نکلی مگر وہ حرف بحرف صحیح تھا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے بھی خواب دیکھا تھا کہ آپ طواف کر

ل۔ ۲؎ بخاری ص۔ (فیاض)

رہے ہیں۔ آپ کا خیال تھا کہ شاید اسی سال یہ خواب پورا ہو گا۔ اور آپ عمرہ کی سعادت حاصل کریں گے مگر اُس سال آپ بغیر عمرہ ادا کیے مقام حدیبیہ سے واپس آ گئے اور اگلے سال جا کر عمرہ ادا کیا۔ اس طرح لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ (الفتح-۲۷) اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دیا۔

اسماعیل علیہ السلام کی قربانی

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بار بار یہ خواب آ رہا تھا۔ کہ آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ خواب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بتلا کر اُن کی رائے لی تو سعادت مند بیٹے نے جواب دیا۔ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اے باپ! جس کام کا آپکو حکم دیا جا رہا ہے اُسے کر گذرو یعنی اللہ کے حضور میری قربانی پیش کر دو۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں حکم خداوندی کی تعمیل میں کوئی پس و پیش نہیں کروں گا بلکہ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ میں حکم خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں، آپ میری گردن پہ چھری چلا دیں۔ یہی وہ بردباری ہے جو اللہ تعالےٰ نے اسماعیل علیہ السلام کے مزاج میں رکھ دی تھی۔ اللہ نے آپ کو نبوت و رسالت کے منصب پہ فائز کیا تھا، چنانچہ آپ کی تربیت بچپن سے کمال درجے کی ہو رہی تھی۔ بہر حال آپ نے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر دیا۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا پھر جب دونوں باپ بیٹا مطیع ہو گئے یعنی اُن میں حکم خداوندی کی تعمیل کا جذبہ حد درجہ بیدار ہو گیا۔ وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ اور ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو پیشانی کے بل گرا دیا تا کہ آپ کی گردن پر چھری چلا دیں۔ پیشانی کے بل لٹانے کا یہ مطلب ہے کہ بیٹے کا خوبصورت چہرہ دیکھ کر باپ کے دل میں کہیں جذبہ ترحم نہ پیدا ہو جائے اور حکم الٰہی کی تعمیل میں فرق نہ آ جائے۔ بہر حال جب باپ نے بیٹے کو لٹایا تو پھر گردن پہ تیز چھری بھی چلا دی۔ مگر ابراہیم علیہ السلام یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے کہ چھری اپنا

کام ہی نہیں کررہی تھی۔ اُدھر سے آواز آئی وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ اللہ نے فرمایا ہم نے آواز دی اے ابراہیم! قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا تو نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ آپ اس آزمائش میں پورے اترے۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے تو تعمیل حکم کرتے ہوئے بیٹے کے گلے پر چھری چلا دی مگر اللہ تعالیٰ کو اسماعیل علیہ السلام کی جان بچانا مقصود تھی، لہٰذا اس نے باپ کو اس کا بیٹا صحیح سلامت لوٹا دیا۔

اللہ نے فرمایا اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ یہ ایک صریح آزمائش تھی جو ابراہیم علیہ السلام پر ڈالی گئی جس میں آپ پورا اترے۔ اور پھر اللہ نے یہ احسان بھی فرمایا کہ اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ بھی دیدیا۔ فرمایا وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ اور ہم نے اُسے ایک عظیم جانور کے ذبح کرنے کا فدیہ دیا۔ یہ عظیم جانور ایک مینڈھا تھا، جو اللہ نے جنت سے نازل فرمایا اور ابراہیم علیہ السلام کی چھری اسماعیل علیہ السلام کی بجائے اس مینڈھے کی گردن پر چل گئی، وہ ذبح ہو گیا اور اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ گویا مینڈھا آپ کا فدیہ بن گیا

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ذبح عظیم سے مراد صرف جانور کی قربانی نہیں اگرچہ وہ بہشت سے نازل شدہ عظیم جانور تھا۔ بلکہ اس سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ ہم نے قربانی کا ایک بہت بڑا اصول قائم کر دیا ہے جو تا قیامت جاری رہے گا در اصل جذبۂ ایمان و اطاعت تو وہی تھا جو بیٹے کی قربانی کے لیے موجزن تھا مگر اللہ نے جان کے بدلہ کے طور پر اسے جانور میں منتقل کر دیا۔ لہٰذا انہی جذبات کے تحت آئندہ کے لیے جانور انسانی جان کا فدیہ ہو گا۔ یہ دستور قیامت تک زندہ رہے گا اور اہلِ ایمان ہر سال جانوروں کی قربانی کرتے رہیں گے۔

لہ قرطبی صہ ۱۰۲ ج ۱۵ (فیاض)

اس فدیہ سے بعض ضمنی مسائل بھی متفرع ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانے گا تو وہ حرام ہوگی کیونکہ جہاد کے علاوہ انسانی جان کو قربانی کے لیے پیش کرنا جائز نہیں۔ اللہ نے از خود کسی انسان کو ذبح کرنے کی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور امام ابو حنیفہؒ سے یہی منقول ہے[1] کہ بیٹے کی قربانی کی نذر ماننے والے کو جانور کی قربانی کرنی چاہیئے کہ اس کی نذر یا قسم کا یہی کفارہ ہوگا۔ حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت[2] میں آتا ہے كَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ الْيَمِينِ یعنی نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہوتا ہے۔ بعض لوگ نذر مان کر بچوں کو ذبح کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے جو کہ قطعی حرام ہے۔

فرمایا وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ اور ہم نے اس کا ذکر خیر پچھلوں میں چھوڑا ہے۔ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ سلامتی ہو ابراہیم علیہ السلام پر كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ بے شک وہ ہمارے کامل الایمان بندوں میں سے تھے۔

اسحاق علیہ السلام کی بشارت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور بیٹے کی قربانی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ اور ہم نے بشارت دی (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحاق علیہ السلام کی جو اللہ کا نبی اور نیکوں میں سے تھا۔ اس بشارت کا ذکر سورۃ ہود میں تفصیل کے ساتھ ہوا ہے قوم لوط پر عذاب لیکر آنے والے فرشتے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانی شکلوں میں آئے۔ انہوں نے مہمان سمجھ کر بھنا ہوا بچھڑا اُن کے سامنے رکھا مگر اُن کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تھے جس کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام

---

[1] احکام القرآن للجصاص ص۳۷۷ ج ۳

[2] احکام القرآن للجصاص ص۳۷۷ ج ۳ (فیاض)

کچھ خوفزدہ ہوئے تو فرشتوں نے تسلی دی کہ خوف نہ کھائیں، ہم تو قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہؓ جو پاس کھڑی تھی ہنس پڑی فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (آیت - ۷) پھر ہم نے اُس کو اسحاقؑ اور اُن کے پیچھے (اُن کے بیٹے) یعقوبؑ کی بشارت دی۔ وہ کہنے لگی، ہائے بہرے کیسے بچہ ہوگا کہ میں بڑھیا ہوں اور میرے میاں بھی بوڑھے ہو چکے ہیں، یہ تو عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا، کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو، تم پر خدا تعالیٰ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہیں تمہارے خاندان پر۔ اللہ تعالیٰ علم والا بیٹا عطا کرے گا۔ اور اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام اپنے پوتے یعقوب علیہ السلام کو بھی دیکھیں گے چنانچہ یہ بشارت بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی۔

ربانی
اعیل علیہ السلام
حاق علیہ السلام

یہودیوں نے اس مسئلہ کو الجھا دیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جس بیٹے کی قربانی دی تھی وہ اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام۔ حقیقت یہ ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہوئی تھی جو حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے تھے اور اسحٰق علیہ السلام سے سولہ سال بڑے تھے امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کی دعا کے نتیجہ میں اسی سال کی عمر میں پیدا ہوئے جب کہ اسحاق علیہ السلام بغیر دعا کے پیدا ہوئے جن کی بشارت قوم لوط پر عذاب لانے والے فرشتوں نے حضرت سارہؓ کو دی جس نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کیونکہ اس وقت میاں بیوی دونوں بوڑھے ہو چکے تھے۔ مطلب یہ کہ قربانی کا واقعہ اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ہی پیش آیا تھا۔

البتہ بائیبل کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے لیے حضرت اسحاق علیہ السلام کو پیش کیا گیا تھا۔ دراصل یہ یہودیوں کے جھوٹ اور تورات

میں تحریف کا نتیجہ ہے۔ یہودی بہتان طراز قسم کے لوگ تھے اور جھوٹ بولنے میں ذرا بھی گریز نہیں کرتے تھے، بائیبل میں لکھا ہے کہ اسرائیلیوں کی موآبی کے ساتھ دشمنی تھی۔ یہودیوں نے موآبی قبائل کو حرامی ثابت کرنے کے لیے حضرت لوط علیہ السلام پر اتہام باندھا کہ انہوں نے نعوذ باللہ شراب پی کر خود اپنی بچیوں سے بدکاری کی جن کی اولاد موآبی ہیں۔ بالکل اسی طرح یہودیوں کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ قربانی اسحاق علیہ السلام کی ہوئی تھی حالانکہ قربانی کا واقعہ تو اس وقت پیش آیا جب اسحاق علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور اسماعیل علیہ السلام اپنے باپ کے اکیلے بیٹے تھے۔ اس مقام پر بھی اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اور ذبح عظیم کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت بھی دی۔ واقعاتی لحاظ سے بھی قربانی کا واقعہ منیٰ میں پیش آیا اور یہیں ہر سال حاجی لاکھوں کی تعداد میں قربانیاں کرتے ہیں اس کے برخلاف حضرت اسحاق علیہ السلام تو شام و فلسطین میں رہے۔ اگر قربانی کا واقعہ اُن کے ساتھ پیش آتا تو اس کا مرکز بھی مکہ کی بجائے شام و فلسطین ہوتا۔ بہرحال قرآن پاک کے اسلوب سے واضح ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہوئی تھی اور یہودی اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔

خاندانِ ابراہیمؑ

فرمایا ہم نے بشارت دی اسحاق علیہ السلام کی جو نیکوں میں سے نبی تھے وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ اور ہم نے برکت دی اُس پر یعنی ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام پر۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا اور دونوں کی اولاد میں سے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کی اولاد میں سے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ دونوں بھائیوں کی اولاد میں سے نیکی کرنے والے بھی ہیں اور اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے بھی۔ خاندانِ اسحاقؑ میں سے آگے ہزاروں شاخیں نکلیں جو شام و فلسطین میں پھیلیں۔ اور اسی طرح خاندانِ اسماعیلؑ میں سے

تمام عرب پیدا ہوئے اور پھر انہی میں سے اللہ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ دونوں خاندانوں میں نیکوکار بھی ہیں اور گنہگار بھی ان میں موحّد بھی ہیں اور مشرک بھی جن کا ذکر اللہ نے قرآن پاک میں جابجا کیا ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا
وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ
فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ
الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى
مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾
وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ
اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ
اَحْسَنَ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ
اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ
لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى
اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَاِنَّ لُوْطًا
لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾
وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾
ع ۴۵ ۸ وَبِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ:۔ اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا موسٰی اور
ہٰرون علیہما السلام پر ﴿۱۱۴﴾ اور ہم نے ان دونوں کو نجات
دی اور اُن کی قوم کو بھی بڑی تکلیف سے ﴿۱۱۵﴾ اور ہم
نے اُن کی مدد کی پس تھے وہی غالب ہونے والے ﴿۱۱۶﴾
اور دی ہم نے اُن دونوں کو ایک واضح کتاب ﴿۱۱۷﴾
اور ہم نے راہنمائی کی اُن دونوں کی صراطِ مستقیم کی طرف ﴿۱۱۸﴾
اور چھوڑا ہم نے اُن کے اُوپر پچھلے لوگوں میں ﴿۱۱۹﴾ کہ
سلام ہو موسٰی اور ہٰرون علیہما السلام پر ﴿۱۲۰﴾ بیشک ہم
اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿۱۲۱﴾ بیشک تھے
وہ دونوں ہمارے ایماندار بندوں میں سے ﴿۱۲۲﴾ اور بیشک
الیاس علیہ السلام البتہ اللہ کے رسولوں میں سے تھے ﴿۱۲۳﴾
جب کہا انہوں نے اپنی قوم سے کیا تم ڈرتے نہیں؟ ﴿۱۲۴﴾
کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو سب سے بہتر
خالق کو ﴿۱۲۵﴾ اللہ جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے آباؤ اجداد
کا بھی پروردگار ﴿۱۲۶﴾ پس اُن لوگوں نے جھٹلایا اُس
کو۔ پس بے شک وہ (عذاب میں پکڑے ہوئے) حاضر
کیے جائیں گے ﴿۱۲۷﴾ مگر اللہ کے مخلص بندے ﴿۱۲۸﴾
اور چھوڑی ہم نے اُن کے اُوپر پچھلے لوگوں میں (یہ
بات) ﴿۱۲۹﴾ کہ سلام ہو الیاسین پر ﴿۱۳۰﴾ اسی طرح ہم بدلہ

دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو (۱۳۱) تحقیق وہ تھے ہمارے نیک بندوں میں سے (۱۳۲) اور بیشک لوط علیہ السلام بھی البتہ اللہ کے رسولوں میں سے تھے (۱۳۳) جب کہ بچایا ہم نے اُن کو اور اُن کے گھر والوں سب کو (۱۳۴) مگر ایک بڑھیا جو پیچھے رہنے والوں میں تھی (۱۳۵) پھر ہلاک کیا ہم نے دوسروں کو (۱۳۶) اور بے شک تم (اے اہل مکہ) البتہ گزرتے ہو اُن پر صبح کے وقت (۱۳۷) اور رات کو بھی کیا تم سمجھ نہیں رکھتے ؟ (۱۳۸)

ربطِ آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے دونوں فرزندوں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کا ذکر فرمایا۔ یہ تینوں حضرات اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ یہ سب اصحاب کامل درجے کے ایماندار اور اعلیٰ پیمانے کی نیکی کرنے والے تھے فَلَمَّآ اَسْلَمَا کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ باپ اور بیٹا ہر وقت اطاعتِ خداوندی میں مصروف رہتے تھے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو مسئلہ توحید سمجھایا تو وہ مخالف ہو گئی اور ابراہیم علیہ السلام کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کے منصوبے بننے لگے۔ چنانچہ تاریخ عالم کی عظیم ترین آگ جلائی گئی جس میں ابراہیم علیہ السلام کو پھینک دیا گیا۔ یہ تو اللہ کی قدرت کی نشانی اور عظیم معجزہ تھا۔ کہ ابراہیم علیہ السلام اس آگ سے صحیح سلامت بچ نکلے مگر اس کے باوجود قوم کے لوگ آپ کی دعوت کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ پھر آپ نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی، اور اپنی مقررہ جگہ پر پہنچ کر بارگاہِ رب العزت میں بیٹے کیلئے دُعا کی جو اللہ نے قبول فرمائی۔ پھر جب بچہ بھاگنے دوڑنے کی عمر کو پہنچ گیا تو اللہ نے اُس کی قربانی کا حکم دیا۔ ابراہیم علیہ السلام اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے مینڈھا بھیج کر قربانی کی تکمیل کی اور اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام

کی دوسری بیوی حضرت سارہؓ سے بھی بیٹے کی بشارت ملی اور اللہ نے ان کے ہاں بھی حضرت اسحاق علیہ السلام جیسا عظیم المرتبت بیٹا تولد فرمایا۔ جن کی اولاد کا سلسلہ دور تک گیا اور جس میں اللہ نے ہزاروں نبی مبعوث فرمائے۔ اس واقعہ میں حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہے کہ دیکھو اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں نے کیسی کیسی تکالیف اٹھائیں اور کتنے امتحانات سے گزرے تو پھر اللہ نے ان ان پر انعامات بھی بے شمار کیے۔ اب اگلی آیات چند دیگر انبیاء اور اُن کو پہنچنے والی تکالیف اور پھر اُن کی کامیابی کا ذکر آرہا ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام اور آپ کے تابعین کو سمجھانا مقصود ہے کہ مخالفین کی ایذا رسانیوں سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ بالآخر کامیابی تمہارے ہی مقدر میں ہوگی۔

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر۔ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات تو قرآن پاک میں چھیالیس[۴۶] سے زیادہ مرتبہ مختلف سورتوں میں بیان ہوئے ہیں تاہم یہاں پر اختصار کے ساتھ یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کے ان نبیوں نے اللہ کی وحدانیت کا پیغام پہنچانے کے لیے کن کن مشکلات کا سامنا کیا۔ مگر بالآخر اللہ نے انہی کو کامیاب بنایا۔ ارشاد ہوتا ہے وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ اور ہم نے اُن دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) اور دونوں کی قوم کو بڑی اذیت سے نجات دی۔ وَنَصَرْنٰهُمْ اور ہم نے اُن کی مدد کی فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ اور آخر کار وہی غالب آئے فرعون اور اس کی قوم کو اللہ نے بحر قلزم میں غرق کر دیا اور بنی اسرائیل آزاد ہو گئے۔

پھر فرمایا وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ اور اللہ کے دونوں نبیوں کو ہم نے ایک واضح کتاب بھی دی۔ اس سے مراد تورات ہے۔ جو اصل میں تو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تاہم چونکہ دونوں پیغمبر اُسی کتاب کی تبلیغ کے پابند تھے، لہٰذا اللہ نے اس کتاب کو دونوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس وقت

بائیبل کے پہلے پانچ باب تورات پر مشتمل ہیں۔ قرآن پاک کے بعد یہ دوسرے نمبر پر عظیم الشان آسمانی کتاب ہے۔ اسمیں اللہ تعالیٰ نے عقائد، اخلاق، حدود تعزیرات کے علاوہ معاشرتی احکام بھی بیان کیے ہیں۔ اس کتاب کی عظمت کے پیش نظر اللہ نے سورۃ القصص میں قرآن اور تورات کے متعلق مشترکہ طور پر فرمایا قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا (آیت - ۴۹) اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان دونوں کتابوں سے بہتر ہدایت دہندہ کوئی کتاب ہے تو لے آؤ۔ مطلب یہ کہ یہ دونوں کتابیں یعنی قرآن اور تورات سب سے زیادہ جامعیت کی حامل ہیں۔ ان کے علاوہ باقی دو آسمانی کتابیں انجیل اور زبور ہیں مگر وہ اتنی جامع نہیں ہیں ان میں زیادہ تر اخلاقی تعلیم ہے، مسائل اور تعزیرات کم ہیں۔ البتہ توحید کا اثبات اور شرک کی تردید تمام کتب سماویہ میں پائی جاتی ہے۔

پھر اللہ نے اپنے دونوں انبیاء یعنی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق فرمایا وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اور ہم نے دونوں کی راہِ راست کی طرف راہنمائی کی۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں صراط مستقیم کے راہی تھے۔ اللہ نے ان کے قول و فعل میں استقامت بخشی تھی۔ دیگر انبیاء کی طرح اللہ نے ان کو بھی صغائر و کبائر اور ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھا تھا۔ ان میں کمال درجے کی عبادت و ریاضت تھی اور وہ صبر و تحمل اور بردباری کا پیکر تھے۔ نیز فرمایا وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ اور ہم نے پچھلوں کے لیے بھی ان دونوں کے حق میں یہ بات چھوڑ دی یعنی بعد میں آنے والے لوگ بھی ان کو اچھائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ سلام ہو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر اللہ نے ان کو وہ مرتبہ بخشا کہ قیامت تک آنے والے لوگ ان کے لیے سلامتی اور رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ فرمایا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا

الْمُؤْمِنِيْنَ یہ دونوں ہمارے کامل ایماندار بندوں میں سے تھے۔ پہلے حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے لیے بھی یہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور اب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بھی اللہ نے کامل ایمانداروں میں شمار کیا ہے۔

الیاس علیہ السلام کا تذکرہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک اور نبی حضرت الیاس علیہ السلام کا تذکرہ اس طرح فرمایا وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اور بیشک الیاس علیہ السلام بھی اللہ کے رسولوں میں سے تھے یہ معلوم ہوا کہ اللہ نے نزولِ وحی کے علاوہ آپ کو مستقل شریعت بھی عطا کی تھی۔ قرآن پاک میں الیاس علیہ السلام کا ذکر صرف دو مقام پہ آیا ہے۔ پہلا مقام سورۃ الانعام ہے جہاں اللہ نے اٹھارہ [۱۸] انبیاء کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ اگر وہ بھی شرک کا ارتکاب کرتے تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔ اُن میں حضرت الیاس علیہ السلام کا نام بھی مذکور ہے۔ اور دوسرا مقام اس سورۃ میں ہے جہاں اللہ نے آپ کی دعوتِ توحید کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ آپ کی نیکی اور ایمان کا تذکرہ کیا ہے۔

اکثر مفسرین فرماتے ہیں[۱] کہ الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اور ان کا زمانہ الیسع نبی کا قریبی زمانہ ہے۔ آپ شرقِ اردن کے ایک مقام جلعاد میں پیدا ہوئے اس زمانے میں بَعْلَ بَکْ[۲] بڑا متمدن شہر تھا۔ اللہ نے آپ کو اُس شہر کی طرف مبعوث فرمایا تاکہ وہاں کے لوگوں کو توحید کی دعوت دیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ وہ زندہ ہیں، حالانکہ یہ روایت صحیح نہیں ہے حقیقت یہی ہے کہ آپ اپنا دور گزار کر اپنے رب کے ہاں پہنچ چکے ہیں۔

بعل بت کی پوجا

بائبل میں بعل بک کے بادشاہ[۲] کا نام اخیاب اور اس کی مشرکہ بیوی کا نام ازابل

---

[۱] تفسیر کبیر ص ۱۶۱ ج ۲۶ والسراج المنیر ص ۳۸۹ ج ۳

[۲] طبری ص ۹۳ ج ۲۳ و معالم التنزیل ص ۲۱۴ تا ص ۲۱۸ ج ۳ (فیاض)

ذکر کیا گیا ہے۔ بادشاہ اپنی بیوی کے زیرِ اثر تھا اور یہ سب لوگ بعل بت کی پوجا کرتے تھے۔ بعل کا لغوی معنی تو سردار، آقا یا خاوند ہوتا ہے مگر بعل نامی ایک نیکو کار عورت تھی جس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اُس کا بت بنا کر پوجا شروع کر دی۔ یہ بالکل اسی طرح ہُوا تھا جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر جیسے نیک آدمیوں کے بت بنا کر لوگ اُن کی پوجا کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام کی بعثت کے زمانے میں لات نامی بت کی پرستش ہوتی تھی۔ یہ بھی حقیقت میں ایک نیک آدمی تھا، حاجیوں کو ستو پلایا کرتا تھا جب مر گیا تو لوگوں نے اس کا بت بنا کر اُس کی پرستش شروع کر دی۔ اساف اور نائلہ نامی مرد و زن کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا تھا۔ یہ بدبخت خانہ کعبہ میں بدکاری کے مرتکب ہوئے تو اللہ نے سزا کے طور پر اُن کو پتھروں میں تبدیل کر دیا۔ پھر لوگوں نے اٹھا کر انہیں صفا اور مروہ پہاڑیوں پر رکھ دیا تاکہ لوگ ان سے عبرت پکڑیں، مگر جب کچھ زمانہ گزر گیا تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں ایسی وسوسہ اندازی کی کہ انہیں بزرگ سمجھ کر اُن کی پوجا ہونے لگی۔ چنانچہ مشرک لوگ اِن کے نام کا احرام باندھتے تھے اور لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کی بجائے لَبَّیْکَ اَسَافَ وَنَائِلَۃَ کہنے لگے۔

الیاس علیہ السلام کی دعوتِ توحید

بہرحال الیاس علیہ السلام کی قوم بعل کی پوجا کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا بعل بک جا کر لوگوں کو توحید کی دعوت دو۔ آپ نے وہاں پر قوم کو خطاب فرمایا۔ اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖٓ جب کہ کہا انہوں نے اپنی قوم سے اَلَا تَتَّقُوْنَ لوگو! کیا تم ڈرتے نہیں ؟ دیکھو تم کفر اور شرک میں مبتلا ہو۔ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا کیا تم بعل بت کو پکارتے ہو، اُس سے اپنی حاجات طلب کرتے ہو، اور اس کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے ہو وَتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ اور سب سے بہتر پیدا کرنے والی ذات کو چھوڑ دیتے ہو۔ اس کی عبادت نہیں کرتے اور نہ اُن سے حاجت براری کرتے ہو۔ یہ کتنی بیوقوفی کی بات ہے۔

فرمایا وہ بہترین پیدا کرنے والا اَللّٰہَ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ جو تمھارا بھی رب ہے اور تمھارے پہلے آباؤ اجداد کا بھی، تم اس کی بجائے بعل کی پوجا کرتے ہو جو بے جان مورتی ہے اور تمھارے کسی کام نہیں آسکتی۔ آج بھی مشرک لوگ ویسا ہی کام کر رہے ہیں۔ وہ یہ معاملہ بتوں کے ساتھ کرتے تھے۔ آج کے مسلمانوں نے یہی معاملہ قبروں کے ساتھ شروع کر دیا ہے قبروں کو پختہ کیا جاتا ہے، ان پر گنبد بنائے جاتے ہیں، پھر چادریں چڑھتی ہیں۔ اور گل پاشی ہوتی ہے اور پھر نادان لوگ ان کو سجدے کرتے ہیں۔

—— اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں۔ یہ کفر، شرک اور بدعات کی باتیں ہیں جن میں رسوماتِ باطلہ بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ اور شرک کے یہ اڈے بعض لوگوں کی معیشت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ پھر لوگ انہیں کاروباری لحاظ سے ترقی دیتے ہیں۔ ان کے حق میں الماسیدھا پراپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ عرس اور میلے منعقد ہوتے ہیں اور اس طرح ان کا کاروبار چل نکلتا ہے۔

تو الیاس علیہ السلام نے فرمایا، کیا تم بہترین پیدا کرنے والے کو چھوڑ کر بعل کی پوجا کرتے ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزّمر-۶۲) ہر چیز کا پیدا کرنے والا (خالق) تو اللہ ہے مگر احسن الخالقین کے لفظ سے مترشح ہوتا ہے کہ کوئی اور بھی خالق ہیں جن میں سے بہترین خالق اللہ ہے۔ تو یہ بہترین خالق اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ مجازی طور پر انسان بھی تو بعض چیزیں تیار کرتے ہیں۔ مثلاً کیمسٹری والوں نے بے شمار مرکبات تیار کیے ہیں اور فزکس کے ماہرین نے بہت سی مشینری ایجاد کی ہے جس سے ضروریاتِ زندگی کی لاتعداد چیزیں بنائی جا رہی ہیں۔ بندہ اپنے عطا شدہ اختیارات کو بروئے کار لا کر ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے۔ مگر حقیقی خالق وہی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں گزر چکا ہے کہ انسان کے افعال کا خالق بھی

وہی ہے۔ غرضیکہ تمام انسانی ہاتھوں کی بنائی ہوئی مصنوعات کو سامنے رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ سب سے بہتر خالق اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ کوئی انسان مادے کے بغیر کوئی چیز تخلیق نہیں کر سکتا اور مادہ خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ نیز جب اللہ تعالیٰ کوئی چیز پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ زمین اور آسمان کو بغیر آلے اور مادے کے تخلیق کر سکتا ہے، اور بغیر باپ کے بیٹا عطا کر سکتا ہے، مگر کوئی سائنسدان یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ ہی بہترین خالق ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ذکر بھی کیا گیا ہے کہ بہترین خالق وہ اللہ ہے جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے آباؤ اجداد کا بھی۔ وہی تمہیں بتدریج حد کمال تک پہنچاتا ہے اور تمہیں تمام ضروریات زندگی مہیا کرتا ہے۔

اس دعوت توحید کے جواب میں فَكَذَّبُوهُ قوم کے لوگوں نے الیاس علیہ السلام کو جھٹلا دیا۔ انہوں نے آپ کی کوئی بات نہ مانی بلکہ الٹا آپ کے خلاف ہو گئے اور آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے حتیٰ کہ بادشاہ اپنی بیوی کے کہنے پر آپ کے قتل کے درپے ہوا اور تفسیری روایات[1] کے مطابق آپ کافی عرصہ تک روپوش بھی رہے۔ فرمایا ان کی اس گستاخی، نافرمانی اور تکذیب کا نتیجہ یہ نکلے گا فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ کہ قیامت والے دن وہ گرفتار کر کے اللہ کی عدالت میں پیش کیے جائیں گے۔ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ مگر اس کے مخلص بندے اس گرفت سے بچ جائیں گے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں گے، ظلم و زیادتی سے باز آجائیں گے، عدل و انصاف کا دامن تھام لیں گے، وہی اللہ کے مخلص بندے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ جائیں گے۔

---

[1] طبری ص ۹۴ ج ۲۳ و خازن ص ۳۴ ج ۶ (فیاض)

الیاس علیہ السلام کا مرتبہ

اللہ نے فرمایا وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ہم نے ان کا ذکرِ خیر پچھلوں میں چھوڑا یعنی بعد میں آنے والے لوگ بھی کہیں گے سَلَامٌ عَلَىٰ إِلْ يَاسِينَ سلام ہو الیاسین پر۔ اس سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام ہی ہیں۔ عربی قرات میں بعض دفعہ ایسے بھی پڑھتے ہیں جیسے طور سینا کو طُورِ سِينِينَ (التین۔۳) بھی کہا گیا ہے۔ فرمایا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ، وہ ہمارے کامل ایماندار بندوں میں سے تھے، اسی لیے اللہ نے انہیں رسالت و نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور پھر آپ نے دیکھا کہ انہوں نے کس خلوص و لگن کے ساتھ اپنی قوم تک دعوتِ توحید پہنچائی اور کس طرح مصائب کو برداشت کیا۔ اگرچہ یہاں پر آپ کی ایذا رسانیوں کی تفصیل نہیں دی گئی تاہم یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ توحید کی دعوت دینے والوں کو مشکلات کی گھاٹی عبور کرنا ہی پڑتی ہے اور جیسا کہ میں نے اشارہ کیا کہ آپ کچھ عرصہ تک روپوش رہے کیونکہ قوم آپ کی جان کے درپے تھی۔

لوط علیہ السلام کی دعوت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا تذکرہ فرمایا وَإِنَّ لُوطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِينَ اور بیشک لوط علیہ السلام بھی اللہ کے رسولوں میں سے تھے۔ انہوں نے بھی وحدانیت کی تبلیغ اور برائیوں سے منع کرنے کی پاداش میں سخت تکالیف اٹھائیں۔ آپ کی بعثت شرقِ اردن میں بارہ لاکھ سے زیادہ آبادی والی قوم کی طرف ہوئی جن کے سدوم اور عامورہ وغیرہ جیسے بڑے بڑے شہر تھے اور جن کی آبادی چار لاکھ سے زیادہ تھی اور باقی چھوٹی بستیاں اور دیہات تھے۔ آپ عرصہ تک اُن کو تبلیغ حق کرتے رہے، اُن میں ہم جنسی کی نہایت ہی قبیح بیماری پیدا ہو چکی تھی جس سے آپ منع کرتے رہے مگر قوم نہ مانی بلکہ الٹا آپ کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچائیں۔ آپ کی بیٹیوں کے سوا کوئی شخص بھی ایمان نہ لایا حتیٰ کہ آپ کی بیوی

یہی کافرہ ہی رہی - یہ تجارت پیشہ لوگ تھے - یمن سے شام و فلسطین اور مصر تک جانے والی شاہراہ پر واقع تھے - یہاں سے قافلے ہر وقت گزرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے یہ لوگ خاصے آسودہ حال تھے -

ارشاد ہوا کہ لوط علیہ السلام بھی ہمارے رسولوں میں سے تھے - اللہ نے آپ کو مستقل شریعت عطا فرمائی تھی - آپ نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے اور قوم نے آپ کا ناک میں دم کر رکھا تھا - بالآخر قوم کی تباہی کا وقت آگیا - اللہ نے حکم دیا کہ اپنے گھر والوں کو لے کر راتوں رات بستی سے نکل جائیں کیونکہ ان پر عذاب آنے والا ہے - آپ نے ایسا ہی کیا اور اپنی بچیوں کو لے کر نکل کھڑے ہوئے اس طرح آپ اور آپ کے گھر والے تو بچ گئے اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ہم نے نجات دی آپ کو اور آپ کے گھر والوں سب کو اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ سوائے بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی - یہ آپ کی بیوی تھی جو آپ کے ساتھ رات کو نہیں نکلی تھی - بعض[1] کہتے ہیں کہ نکلی تو تھی مگر راستے سے واپس پلٹ گئی تھی - تورات کی روایت کے مطابق حکم یہ تھا کہ بستی سے نکل جائیں مگر پلٹ کر نہ دیکھیں مگر بیوی تھوڑی دور چلی پھر پلٹ کر بستی کی طرف دیکھا تو اللہ نے اُس کو وہیں مسخ کر دیا اور وہ پتھر بن گئی - بعض[2] کہتے ہیں کہ وہ گھر میں ہی ٹھہری رہی اور باقی قوم کے ساتھ عذاب کا شکار ہو گئی اللہ نے ان کی بستیوں کو اُلٹ دیا اور پھر اُوپر سے پتھروں کی بارش بھی کی جس سے ساری قوم ملیامیٹ ہو گئی - اسی چیز کے متعلق فرمایا کہ لوط علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں یعنی بچیوں کو تو ہم نے بچا لیا ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ پھر دوسروں کو تہس نہس کر دیا - تدمیر کا معنیٰ تہ و بالا کر دینا ہوتا ہے - اللہ نے کسی فردِ واحد کو بھی زندہ نہ چھوڑا -

---

[1] طبری ص۹۷ ج۲۳ [2]

[2] طبری ص۹۷ ج۲۳ (فیاض)

جائے عبرت

آگے اہل مکہ کو تنبیہہ کی جا رہی ہے اور عبرت دلائی جا رہی ہے وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ اور بلاشبہ تم ان پر سے گزرتے ہو صبح کے وقت وَبِاللَّيْلِ اور ان تباہ شدہ بستیوں پر تمہارا گزر رات کے وقت بھی ہوتا ہے۔ تم تجارتی سفر پہ مصر، شام اور فلسطین کی طرف جاتے ہو۔ تو ان بستیوں کے کھنڈرات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہو حضور علیہ السلام کے زمانہ تک ان بستیوں کے کھنڈرات موجود تھے جنہیں مشرکین مکہ دیکھتے تھے مگر ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے تھے۔ بحر میت کو تو خدا تعالیٰ نے اس قدر برباد کر دیا کہ اس میں اب بھی کوئی جاندار چیز زندہ نہیں رہ سکتی۔ اللہ نے عبرت دلاتے ہوئے فرمایا کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ کر بھی تم راہِ راست پر نہیں آتے۔ انہوں نے اپنے نبی لوط علیہ السلام کی تکذیب کی۔ ان کو ایذائیں پہنچائیں، حق کو تسلیم نہ کیا تو ان کا کیا حشر ہوا۔ اگر تم بھی انہی کے راستے پہ چلتے ہوئے نبی آخر الزمان کی مخالفت کرو گے ان کو تکالیف پہنچاؤ گے اور ان پر ایمان نہیں لاؤ گے تو تمہارا انجام بھی قوم لوط سے مختلف نہیں ہوگا أَفَلَا تَعْقِلُونَ کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔ تمہاری عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ کافروں، مشرکوں اور بدکردار لوگوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟ ان کو دیکھ کر ہی نصیحت پکڑ لو تو بچ جاؤ گے وگرنہ خدا کے عذاب میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہو گے۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى
الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ
الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ
مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ
الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ
يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾
وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾
وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾
فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾

ترجمہ :- اور بیشک یونس علیہ السلام اللہ کے رسولوں میں
سے ہیں ﴿۱۳۹﴾ جب وہ بھاگ گئے بھری ہوئی کشتی کی
طرف ﴿۱۴۰﴾ پس قرعہ اندازی میں شریک ہوئے پس
وہی تھے مغلوب ہونے والوں میں ﴿۱۴۱﴾ پس لقمہ
بنا لیا اُن کو ایک مچھلی نے اور وہ ملامت والے
تھے ﴿۱۴۲﴾ پھر اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ تسبیح پڑھنے
والوں میں ہوتے ﴿۱۴۳﴾ تو البتہ ٹھہرتے وہ اُس (مچھلی)
کے پیٹ میں لوگوں کے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن

تک (۱۴۴) پھر ہم نے ڈال دیا اُن کو ایک چٹیل میدان میں
اور وہ بیمار تھے (۱۴۵) اور اگایا ہم نے ان کے اُوپر
ایک بیل دار درخت (۱۴۶) اور بھیجا ہم نے اُن کو ایک
لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف (۱۴۷) پس وہ
ایمان لائے ۔ پھر ہم نے اُن کو فائدہ پہنچایا ایک وقت تک (۱۴۸)

...آیات

پہلے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر ہوا، پھر الیاس علیہ السلام کا اور پھر لوط علیہ السلام کا ۔ یہ سب اللہ کے نبی اور رسول تھے جنہوں نے ایمان اور توحید کی بات لوگوں تک پہنچائی مگر لوگوں نے تسلیم نہ کیا بلکہ شدید مخالفت کی اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں ۔ اس کے نتیجے میں اللہ نے اُن کو سخت عذاب میں مبتلا کیا ۔ نوح علیہ السلام کی دُعا کے نتیجے میں اللہ نے اُن کی قوم کو غرق کیا ، موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے مخالفین بھی بحر قلزم میں ڈوبے ۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے قوم کو بعل کی پوجا سے منع کیا ۔ وہ بھی باز نہ آئے تو اللہ نے اُن پر بھی عذاب بھیجا ۔ اللہ نے حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں کو بستی سے نکال کر باقی لوگوں کو نیست و نابود کر دیا ۔ ان کی بستیاں اُلٹ دی گئیں اور اُوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی ۔ یہ سارے واقعات اللہ تعالیٰ نے مشرکین عرب اور بعد میں آنے والوں کے لیے بطور عبرت ذکر کیے ہیں ، اور یاد دلایا ہے کہ اگر تم بھی نافرمانی سے باز نہ آئے اور دعوتِ حق کو قبول نہ کیا تو تمہارا انجام بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا ۔

...یونس علیہ السلام
...کا تذکرہ

اب اسی سلسلۂ رسالت کی کڑی کے طور پر حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اور یونس علیہ السلام بھی اللہ کے رسولوں میں سے تھے ۔ وہ صاحبِ وحی تھے اور اللہ نے ان پر صحیفہ بھی نازل فرمایا جو کہ بائیبل میں صحیفہ یوناہ یا یوناف کے نام پر شامل ہے موجودہ بائیبل میں پہلے پانچ باب تورات کے ہیں اور کل انتالیس صحائف

دوسرے نبیوں کے ہیں جن میں یونسؑ نبی کا صحیفہ بھی ہے ۔ آگے زبور ہے اور آخر میں چار انجیلیں ہیں ۔ جس طرح عیسائیوں نے انجیل کو بگاڑ دیا ہے اسی طرح مقدس کتاب کہلانے والی تورات بھی انسانی ہاتھوں کی دست برد سے محفوظ نہیں رہی ۔

یونس علیہ السلام کا اصل وطن تو شام و فلسطین تھا مگر اللہ نے اُن کو عراق کے صوبہ موصل میں دریائے فرات کے کنارے واقع مشہور شہر نینوا کی طرف مبعوث فرمایا ۔ آپ کا زمانہ مسیح علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے آٹھ سو سال قبل کا ہے آپ بنی اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جس میں اللہ نے کم و بیش چار ہزار نبی مبعوث فرمائے ۔ نینوا کا شہر ایک متمدن علاقہ تھا جہاں مستقل بادشاہت تھی ۔ آپ وہاں عرصہ دراز تک لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے مگر لوگوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا ۔ آخر آپ نے اللہ کے حکم سے لوگوں کو وعید سنائی ۔ کہ اگر اب بھی ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرو ۔

یونسؑ کی خطائے اجتہادی

یونس علیہ السلام لوگوں کو عذاب کی وعید سنا کر اُس بستی سے از خود نکل گئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار نہ کیا ۔ جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں مذکور ہے ۔ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ (آیت ۔ ۸۷) انہوں نے گمان کیا کہ بلا اجازت بستی چھوڑ دینے سے اُن پر اللہ کی گرفت نہیں آئے گی ۔ یہ آپ کی خطائے اجتہادی تھی ، وگرنہ انہیں خدا تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرنا چاہیئے تھا جب حکم ہوتا اُس وقت بستی سے نکلتے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس جلد بازی کو بے صبری سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ سورۃ القلم میں حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (آیت ۔ ۴۸) آپ اپنے پروردگار کے حکم کے لیے صبر کریں اور مچھلی والے یعنی یونس علیہ السلام کی طرح نہ بن جائیں ۔ بہر حال اس واقعہ میں یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ صرف اجتہادی غلطی تھی جس کی بناء پر آپ پر اللہ کی طرف

سے گرفت آگئی۔ کسی عام مومن پر تو ایسی معمولی خطا پر پکڑ نہیں ہوتی۔ مگر انبیاء علیہم السلام چونکہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں۔ اور ان کی تربیت و تہذیب زیادہ مقصود ہوتی ہے، اس لیے اس قسم کی اجتہادی خطا پر بھی آزمائش میں ڈال دیے جاتے ہیں۔

عصمت انبیاء

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اللہ کے کسی نبی سے معمولی لغزش تو ہو سکتی ہے جیسے یونس علیہ السلام سے ہوئی مگر ان کو یہ گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ ان سے گناہ نہیں سرزد ہوتا۔ اللہ تعالیٰ خود ان کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر کوئی نبی بالقصد والاختیار گناہ کا مرتکب ہو تو دائرۂ نبوت سے ہی خارج ہو جائے گا عصمتِ انبیاء کی شہادت خود قرآن پاک نے دی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے كَذٰلِكَ لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوٓءَ وَالۡفَحۡشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِيۡنَ (یوسف - ۲۴) یوسف علیہ السلام کو زلیخا کے دام فریب سے بچا کر فرمایا کہ ہم اسی طرح اپنے بندوں کو برائی اور بے حیائی سے دور رکھتے ہیں۔ اور یوسف علیہ السلام تو ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔ اللہ نے عام نبیوں کے متعلق بھی فرمایا ہے اِنَّاۤ اَخۡلَصۡنٰهُمۡ بِخَالِصَةٍ ذِكۡرَى الدَّارِ ۝۴۶ وَاِنَّهُمۡ عِنۡدَنَا لَمِنَ الۡمُصۡطَفَيۡنَ الۡاَخۡيَارِ ۝۴۷ (سورۃ صٓ) ہم نے ان کو آخرت کے گھر کی یاد جیسی خصوصیت سے ممتاز کیا ہے، اور وہ ہمارے برگزیدہ اور منتخب بندے ہوتے ہیں وہ گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں[1] کہ انبیاء چونکہ حقیقی گناہ سے پاک ہوتے ہیں، اس لیے معمولی لغزش پر ان کی سزا بھی حقیقی نہیں ہوتی بلکہ ان کو صرف جسمانی تکلیف دی جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام حقیقی گناہ اور حقیقی عقوبت

---

[1] بیان القرآن ص ۱۳۲/۹۷ (فیاض)

سے پاک ہوتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں[1]۔
"انبیاء علیہم السلام در امتثال امر الٰہی ہیچ وجہ تقصیر نہ کردہ اند" یعنی اللہ کے نبی اللہ کے حکم میں کسی طرح بھی کوتاہی نہیں کرتے۔ چنانچہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (المائدۃ - ۶۷) جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے۔ آپ اُسے بلا کم و کاست پہنچا دیں اور اگر آپ نے ذرہ بھر بھی کوتاہی کی تو گویا آپ نے حقِ رسالت ہی ادا نہیں کیا۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ تو یہ ہے کہ انبیاء کی کسی لغزش کا تذکرہ بھی نہیں کرنا چاہتے جس سے اُن کی کمزوری مترشح ہوتی ہو۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں[2]۔ لَا يَجُوْزُ ذِكْرُ زَلَّةِ الْاَنْبِيَاءِ فَاِنَّ زَلَّتَهُمْ تُوْجِبُ كَمَالَ اِنَابَتِهٖ اِلَى اللّٰهِ وَرَفْعَ دَرَجَاتِهِمْ وَمَنِ اعْتَرَضَ عَلٰى اَحَدٍ مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ فَقَدْ كَفَرَ انبیاء علیہم السلام کی لغزش کا ذکر کرنا جائز نہیں کیونکہ اُن کی لغزشیں کمال انابت الی اللہ اور ان کے رفع درجات کو واجب کرتی ہیں۔ اور جس شخص نے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک پر بھی اعتراض کیا تو اُس نے گویا کفر کیا۔ کیونکہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ - ۲۸۵) ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے۔ صحیحین کی روایت میں یہ بھی آتا ہے مَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يَّقُوْلَ اِنِّيْ خَيْرٌ مِّنْ يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى کہ کسی شخص کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کہے میں یونس ابن متی سے افضل ہوں۔

مولانا مودودی کی غلطی

مسئلہ عصمتِ انبیاء کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ بعض لوگوں کو اس معاملہ میں غلطی ہوئی ہے۔ یہود و نصاریٰ نے تو کبائر تک کی نسبت

۱؎ مکتوبات شاہ ولی اللہ کلمات طیبات ص ۱۴۳ ۲؎ مظہری ص ۱۴۵ ج ۸ (فیاض)

انبیاء کی طرف کی ہے، تاہم ہمارے زمانے کے مفسر قرآن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی اس مسئلہ میں سخت غلطی کی ہے جس کی وجہ سے علماء نے اُن کا تعاقب کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا مرحوم بڑے ذہین آدمی تھے انھوں نے اپنی زندگی صحافت سے شروع کی اور وہ بہترین صحافی ثابت ہوئے۔ آپ نے انگریزی عربی اور فارسی سے شناسائی پیدا کی اور بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں، مگر اُن کی کمزوری یہ تھی کہ اُن کا سارا علم مطالعہ کے زور پر تھا۔ باقاعدہ استادوں کے سامنے زانوئے ادب طے نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ جو شخص کتابیں، رسالے اور اخبارات پڑھ کر عالم بنا ہو وہ غلطیاں بھی کرے گا۔ تو مودودی صاحب کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ انھوں نے بہت بڑی تفسیر لکھی ہے مگر اُس میں غلطیاں بھی کی ہیں۔ اس معاملہ میں علامہ اقبال کی حیثیت مختلف ہے۔ وہ عالم دین تو نہیں تھے بلکہ فلسفہ میں ڈاکٹریٹ (P.H.D) کیا تھا، لہذا جہاں دینی مسائل درپیش ہوئے تو وہ علماء کی طرف رجوع کرتے تھے۔ علامہ اقبال نے راہنمائی کے لیے سید سلیمان ندوی رح اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی طرف خطوط لکھے، مولانا معین الدین اجمیریؒ کو مشکوک مسائل کے متعلق خطوط لکھے، کہا کرتے تھے کہ میں دینی مسائل میں علماء کا محتاج ہوں اور اُن کی تحقیق کو سند کا درجہ دیتا ہوں۔ آپ جمعیۃ علمائے ہند کی بات کو بھی سند مانتے تھے، باقی سیاسی اور دیگر معاملات میں اپنی صوابدید پر عمل کرتے تھے۔

بہرحال مولانا مودودی کی یونس علیہ السلام کے متعلق غلطی یہ ہے کہ آپ نے لکھا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں جس کی وجہ سے اُن پر ابتلا آئی۔ یہ بات بنیادی طور پر غلط ہے کیونکہ اگر نبی فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے تو وہ تو منصبِ نبوت کا اہل ہی نہیں رہتا۔ بلا اجازت بستی سے نکل جانا حضرت یونس علیہ السلام کی اجتہادی غلطی تھی نہ کہ فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی۔

بعض لوگوں کو بعض انبیاء کی دعاؤں کے الفاظ سے بھی غلط فہمی ہوئی ہے

خود یونس علیہ السلام نے مذکورہ لغزش سرزد ہو جانے پہ دعا کی تھی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (الانبیاء - ۸۷) اے مولا کریم! تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے، بے شک میں ہی ظالموں میں سے تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبطی کا قتل ہو گیا۔ تو انہوں نے بھی بارگاہ رب العزت میں یوں دعا کی تھی۔ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ (القصص - ۱۶) پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، پس مجھے معاف کر دے تو اللہ نے آپ کو معاف کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا میں بھی یہ لفظ آیا ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف - ۲۳) اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا۔ اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے۔

یہ کوئی بالقصد و ارادہ گناہ نہیں تھے بلکہ معمولی لغزشیں تھیں انبیاء نے اپنے منصب کے پیش نظر ان کو بھی ظلم و زیادتی سے تعبیر کیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی۔ انبیاء علیہم السلام کا اپنی طرف ظلم کی نسبت کرنا مجازی معنیٰ میں ہے۔ نبیوں کی شان چونکہ بلند اور رفیع ہوتی ہے۔ اس لیے معمولی سی غلطی بھی بڑی نظر آتی ہے۔

کشتی میں سواری

بہر حال یونس علیہ السلام قوم کو وعید سنا کر بستی سے نکل کھڑے ہوئے اور اللہ کے حکم کا انتظار نہ کیا اور پھر بزعم خود اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدم گرفت پر محمول کیا۔ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ جب کہ وہ بھاگ گئے بھری ہوئی کشتی کی طرف۔ اباق کا معنیٰ ہے غلام کا اپنے آقا سے بھاگ جانا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو غلام اپنے آقا سے بھاگ جائے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ واپس نہ آ جائے۔ بستی سے نکل کر دریا کے کنارے پہنچے اس وقت ایک کشتی مسافروں سے بھری کھڑی تھی۔ جو یافہ سے ترسیس کی طرف

جا رہی تھی ۔ آپ بھی اس میں سوار ہو گئے ۔ قدرت خدا کی ایسی ہوئی کہ دریا کے درمیان میں پہنچ کر یہ کشتی رک گئی حالانکہ دوسری کشتیاں بخوبی آ جا رہی تھیں ۔ ملاحوں نے خطرے کا اعلان کیا کہ کشتی پہ بوجھ زیادہ ہے اور یہ اس حالت میں دریا کو عبور نہیں کر سکتی ، لہٰذا اس کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ایک آدمی کو دریا میں پھینک دیا جائے ۔ اگرچہ بعض مفسرین نے ایسا ہی لکھا ہے مگر یہ بات قرین قیاس نہیں کیونکہ اگر بوجھ ہلکا کرنا مقصود تھا تو پہلے آدمی کی بجائے سامان کو پھینکا جاتا مگر انہوں نے اپنے دستور کے مطابق یہی گمان کیا کہ اس کشتی میں اپنے آقا سے بھاگا ہوا کوئی غلام سوار ہو گیا ہے جس کی نحوست کی وجہ سے کشتی کے ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے ۔ وہ چاہتے تھے کہ ایسے شخص کو دریا میں پھینک دیا جائے تاکہ باقی مسافروں کی جان بچ جائے ۔ مگر یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ وہ کون سا کشتی سوار ہے جو اپنے آقا سے بھاگ کر آیا ہے ۔

قرعہ اندازی

آخر کار اہلِ کشتی نے باہم مشاورت سے طے کیا کہ تمام مسافروں میں قرعہ اندازی کی جائے اور جس شخص کے نام پر قرعہ نکلے اُسے دریا برد کر دیا جائے فَسَاهَمَ پس یونس علیہ السلام بھی قرعہ اندازی میں شریک ہوئے ۔ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ پس وہی تھے مغلوب ہونے والوں میں یعنی قرعہ انہی کے نام نکلا تاکہ انہیں دریا میں پھینک دیا جائے ۔ قرعہ اندازی میں یُونس علیہ السلام کی شرکت کے متعلق بعض مفسرینؒ کہتے ہیں[2] کہ آپ کی اچھی شکل وصورت دیکھ کر اہلِ کشتی نے آپ کو کہا کہ آپ قرعہ ڈالیں ۔ بہر حال آپ نے بذاتِ خود قرعہ اندازی کی یا دوسروں نے کی بار بار ایسا کرتے یہ نام آپ ہی کا نکلا مگر لوگوں کو اعتبار نہیں آ رہا تھا کہ اس شکل وصورت کا نیک آدمی بھاگا ہوا غلام ہو سکتا ہے ۔

---

[1] ابن کثیر صفحہ ۲۰ جلد ۴ (فیاض)

[2]

البتہ یونس علیہ السلام خود سمجھ گئے کہ اپنے آقا سے بھاگے ہوئے وہی ہیں لہٰذا وہی مجرم ہیں اور انہیں باقی لوگوں کی جان بچانے کی خاطر اپنی جان کی قربانی دے دینی چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے خود پانی میں چھلانگ لگادی یا لوگوں نے کشتی سے نیچے پھینک دیا۔ آپ دریا میں پہنچ گئے۔

مچھلی کے پیٹ میں

خدا کی قدرت کہ جہاں آپ پانی میں کودے آگے مچھلی منہ کھولے کھڑی تھی فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ پس اس مچھلی نے آپ کو لقمہ بنا لیا یعنی سالم نگل گئی وَهُوَ مُلِيمٌ اور آپ اُس وقت ملامت والے تھے۔ ملیم کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی کارگزاری کی بناء پر ملامت زدہ ٹھہرے یا یہ کہ وہ اپنی لغزش پر خود اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ آپ مچھلی کے پیٹ میں کتنا عرصہ رہے۔ اس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ بائیبل کی روایت میں سات[1] دن کا ذکر ہے اور بعض تفاسیر[2] میں ایک دن، تین دن اور چالیس دن کا ذکر بھی آتا ہے اللہ نے فرمایا فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ پس اگر آپ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ تو دوبارہ اٹھائے جانے تک یعنی قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔ بعض کہتے[1] ہیں کہ اس سے مجازی معنی مراد ہے کہ اگر آپ تسبیح نہ پڑھتے تو قیامت سے پہلے دوبارہ اس جہان میں نہ آتے اور بعض[2] کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس مچھلی کو قیامت تک زندہ رکھتا اور آپ اس کے پیٹ میں ہی محبوس رہتے۔ تسبیح جو آپ نے پڑھی تھی وہ سورۃ الانبیاء میں مذکور ہے لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

---

[1] مدارک صـ۲۹ ج ۴

[2] ابن کثیر صـ۲۱ ج ۴ و قرطبی صـ۱۲۳ ج ۱۵ [3] معالم التنزیل صـ۲۱۸ ج ۳
[4] (فیاض)

الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، بلاشک میں ہی زیادتی کرنے والوں میں ہوں یعنی میں ہی قصوروار ہوں۔ جب آپ نے مچھلی کے پیٹ میں یہ تسبیح بیان کی تو اسے عرش کے اردگرد والے فرشتوں نے سُنا اور عرض کیا مولا کریم یہ کمزور اور نحیف سی آواز کس کی آ رہی ہے؟ اللہ نے فرمایا یہ میرے بندے یُونس علیہ السلام کی تسبیح ہے جو اس وقت سمندر کی تہوں میں مچھلی کے پیٹ میں ہے۔ فرشتوں نے کہا، کیا وہی یونس علیہ السلام جس کے نیک اعمال ہر روز تیری بارگاہ میں پیش ہوتے تھے؟ فرمایا، ہاں۔ پھر فرشتوں نے بارگاہ رب العزت میں سفارش کی کہ مولا کریم اپنے بندے کو اس مصیبت سے نجات دے۔

ترمذی شریف کی روایت[1] میں حضور علیہ السلام کا ارشاد موجود ہے دَعْوَةُ الْمَكْرُوْبِ دَعْوَةُ ذِی النُّوْنِ یعنی مصیبت زدہ آدمی کی دُعا بھی یونس علیہ السلام والی دُعا ہے۔ جو شخص مصیبت کے وقت یہ دُعا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ضرور اُس کو قبول کرے گا اور مصیبت سے رہائی عطا کرے گا۔ مطلب یہ کہ یہ دُعا صرف یونس علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہر دُعا گو کی مصیبت اس دعا کی برکت سے دُور کرے گا۔

پیٹ سے برآمدگی

یُونس علیہ السلام کی دُعا کی قبولیت کے نتیجے میں اللہ نے فرمایا فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ ہم نے اُن کو ایک چٹیل میدان میں پھینک دیا وَهُوَ سَقِيْمٌ اور آپ بیمار تھے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی منشا تھی کہ مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ السلام کی ہڈیاں اور گوشت صحیح سلامت رہے البتہ اُوپر کی کھال متاثر ہو کر نہایت نرم ہو گئی۔ بالکل اسی طرح جس طرح نومولود بچے کی کھال بالکل نرم و نازک ہوتی ہے۔ آپ کی اسی حالت کو بیماری سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں بھی یُونس علیہ السلام کی خاص مدد کی اور اپنی قدرت تامہ اور

---

[1] ترمذی ص ۵۰۴ (فیاض)

اور حکمتِ بالغہ سے وَاَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ، اُن پر ایک بیل دار درخت اگایا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کدو کی بیل تھی، جو آپ پر سایہ فگن ہو گئی۔ عام طور پر یہ بیل زمین پر پڑی پڑی پھیلتی رہتی ہے۔ یا اگر قریب کوئی درخت وغیرہ ہو تو اس پر بھی چڑھ جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جہاں مچھلی نے آپ کو اگل دیا تھا وہاں کوئی خشک درخت یا جھاڑی وغیرہ ہو جس پر بیل چڑھ گئی ہو اور آپ کے نرم و نازک جسم پر سایہ کر دیا ہو۔

ماہرینِ طب کہتے ہیں کہ تمام مرطوب سبزیاں انسانی حافظے کو کمزور کرتی ہیں مگر کدو میں اللہ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ مرطوب ہونے کے باوجود ذہن عقل اور دماغ کو تازگی بخشتی ہے۔ حضور علیہ السلام کدو کا سالن بڑے شوق سے تناول فرماتے تھے اس بیل کے پتے بڑے بڑے اور نازک ہوتے ہیں۔ مگر ان کی خصوصیت یہ ہے کہ اِن پر مکھی نہیں بیٹھتی۔ چنانچہ کدو کی یہ بیل یونس علیہ السلام کی نازک کھال کے لیے مزید آرام و آسائش کا ذریعہ بنی۔ پھر آپ کی خوراک کے لیے اللہ نے ایک ہرنی کو بھیج دیا جس کا دودھ آپ پی لیتے تھے۔ پھر جب آپ تندرست ہو گئے تو اللہ نے واپس اپنی بستی کی طرف جانے کا حکم دیا اور آپ نے تعمیل حکم کی۔

بستی میں واپسی

جب یونس علیہ السلام اہلِ بستی کو عذاب کی وعید سنا کر چلے گئے تو پیچھے عذاب کے آثار نظر آنے لگے جس سے اہلِ بستی سخت خوفزدہ ہوئے، وہ سب کے سب گھروں سے باہر میدان میں آ کر توبہ استغفار اور چیخ و پکار کرنے لگے۔ انہوں نے یونس علیہ السلام کی تلاش بھی شروع کر دی تاکہ اُن کو ساتھ لے کر اللہ سے معافی مانگیں بہر حال جب قوم تائب ہو گئی تو اللہ نے اُن کی توبہ قبول کر لی اور ان سے آنے والا عذاب ٹال دیا۔ پھر جب یونس علیہ السلام تندرست ہو کر اللہ کے حکم سے قوم میں واپس آئے تو لوگوں نے ——— خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ سورۃ یونس میں موجود ہے۔ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ (آیت۔ ۹۸) یہ انسانی تاریخ کا منفرد واقعہ

ہے کہ کسی قوم پر عذاب نمودار ہونے کے بعد اس کو نجات مل گئی ہو یہ صرف قوم یونس علیہ السلام ہے۔

یونس علیہ السلام کی واپسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ہم نے اُن کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف بھیجا۔ اس سے وہی آپ کی بستی مراد ہے جس کی آبادی اتنی تھی۔ ترمذی شریف میں[1] ایک لاکھ بتیس ہزار[۱۲۰] کا ذکر آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں[2] کہ بالغ مرد و زن تو ایک لاکھ تھے اور باقی بیس ہزار بچے بھی تھے۔ فرمایا فَاٰمَنُوْا وہ لوگ ایمان لے آئے، کفر و شرک اور برائی سے باز آ گئے فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ تو ہم نے اُن کو ایک مقررہ وقت تک فائدہ پہنچایا۔ جب تک وہ لوگ ایماندار رہے اللہ کی طرف سے انہیں آرام و راحت بھی ملتا رہا۔ پھر جب زمانہ بدل گیا اور وہ پھر اپنی پرانی روش پر آ گئے تو اللہ نے اُن پر انعام و اکرام کا دروازہ پھر بند کر دیا

---

[1] ترمذی ص [2] مظہری ص ۱۹۶ ج ۸ (فیاض)

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾
اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾
اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ
وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى
الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا
بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا
بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ
الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا
يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾
فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ
بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾
وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا
لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

ترجمہ:۔ پس آپ ان سے پوچھیں کیا تیرے پروردگار
کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے ﴿۱۴۹﴾ یا پیدا۔

کیا ہے ہم نے فرشتوں کو عورتیں ، اور یہ دیکھتے تھے (۱۵۰)
آگاہ رہو ، بیشک یہ لوگ جھوٹ بنانے کی وجہ سے (یہ
بات) کہتے ہیں (۱۵۱) کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے ۔ اور
بے شک یہ لوگ البتہ جھوٹے ہیں (۱۵۲) کیا چُن لیا
ہے اُس نے بیٹیوں کو بیٹوں کے مقابلے میں ؟ (۱۵۳) کیا
ہو گیا ہے تمھیں ، تم کیسا فیصلہ کرتے ہو (۱۵۴) کیا تم
غور نہیں کرتے ؟ (۱۵۵) یا تمھارے لیے کوئی کھلی سند
ہے (۱۵۶) پس لاؤ اپنی کتاب اگر تم سچے ہو (۱۵۷) اور ٹھہرایا
(مشرکوں نے) اللہ اور جنوں کے درمیان رشتہ ، اور البتہ
تحقیق جانتے ہیں جن کہ وہ (پکڑے ہوئے) حاضر
کیے جائیں گے (۱۵۸) پس پاک ہے اللہ کی ذات اُن
باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (۱۵۹) لیکن اللہ کے
مخلص بندے (وہ خدا کی گرفت سے بچ جائیں گے) (۱۶۰)
پس تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو (۱۶۱) نہیں ہو
تم اللہ کے سامنے کسی کو بہکانے والے (۱۶۲) مگر وہ
جو کہ داخل ہونے والا ہے جہنم میں (۱۶۳) اور (فرشتے
کہتے ہیں) نہیں ہے ہم میں سے کوئی بھی ایسا مگر اُس
کے لیے ایک ٹھکانا ہے مقرر (۱۶۴) اور بیشک ہم البتہ
صف باندھنے والے ہیں (۱۶۵) اور بیشک ہم البتہ تسبیح
پڑھنے والے ہیں (پروردگار کی) (۱۶۶)

ربط آیات

اس رکوع کے ابتدائی حصے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا۔ آپ نے طویل عرصہ تک قوم کو توحید کی دعوت دی۔ مگر قوم نہ مانی۔ بالآخر یونس علیہ السلام قوم کو

عذاب کی وعید سُنا کر بستی سے نکل گئے عذاب کے آثار نظر آنے لگے تو قوم تائب ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے اُن سے عذاب کو ٹال دیا۔ اِس سے پہلے تاریخ انبیاء کے سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، اور حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ سب نے اپنی اپنی قوموں کو کفر اور شرک سے منع کیا، اور توحید کی دعوت دی تھی اس سلسلہ میں انہیں بڑی مشکلات کا سامنا اور بڑی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔

خدا کی اولاد کا عقیدہ

عرب کے بعض کافر اور مشرک قبائل بنو خزاعہ اور بنو اسلم وغیرہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے۔ وہ فرشتوں کو معبود سمجھ کر اُن کی عبادت بھی کرتے اور اُن سے حاجات بھی طلب کرتے تھے۔ اس باطل عقیدے کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاسْتَفْتِهِمْ اے پیغمبر! آپ ان سے پوچھیں أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ کیا تیرے پروردگار کیلئے بیٹیاں ہیں، اور ان کے لیے بیٹے ہیں؟ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا وَهُمْ شَاهِدُونَ اور یہ اس چیز کے چشم دید گواہ ہیں کہ ہم نے واقعی فرشتوں کو عورتوں کی صنف میں پیدا کیا ہے۔ کفار و مشرکین تو بھلا اس سوال کا کیا جواب دیتے اور فرشتوں کے صنف نازک ہونے کا کونسا ثبوت پیش کرتے، اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس مسئلہ کی وضاحت فرما دی۔ أَلَا سنو! اور آگاہ رہو إِنَّهُمْ مِنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ کہ یہ لوگ جھوٹی بنائی ہوئی باتیں کہتے ہیں وَلَدَ اللَّهُ کہ اللہ کے ہاں اولاد ہے۔ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ بے شک یہ البتہ جھوٹے ہیں۔ اِن کے اس عقیدے میں کوئی صداقت نہیں بلکہ یہ صریح جھوٹ ہے۔

آگے فرمایا، دیکھو! یہ کس قدر نامعقول لوگ ہیں کہ أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى

اَلْبَنِيْنَ انہوں نے خدا کے لیے بیٹوں کی بجائے بیٹیوں کا انتخاب کیا ہے۔ حالانکہ ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ یہ خود بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح دیتے ہیں فرمایا مَا لَكُمْ تمھیں کیا ہو گیا ہے جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ تم کیسا فضول اور نامعقول فیصلہ کرتے ہو کہ اللہ کی اولاد ہے اور فرشتے اُس کی بیٹیاں ہیں اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا تم ذرا بھی غور و فکر نہیں کرتے کہ کیا کہہ رہے ہو اور کس قسم کا عقیدہ بنا رکھا ہے؟ سُوْرَةُ النَّجْم میں اللہ نے مشرکوں کو خطاب کر کے فرمایا ہے اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ کیا تمھارے لیے تو بیٹے ہیں یعنی تم تو اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہو اور بیٹیوں کو خدا کے کھاتے میں ڈال دیتے ہو۔ یہ تو بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے جو تم کرتے ہو۔ تمھاری یہ تقسیم تو عقل و نقل اور فہم و فراست کے ہی خلاف ہے اور بالکل بعید از انصاف ہے۔

اللہ نے سمجھایا کہ خدا تعالیٰ تمھاری اِن بیہودہ باتوں سے پاک ہے۔ وہ تو بڑی قدرت اور عظمتوں کا مالک ہے۔ فرشتے خدا کی مقرب اور پاکیزہ مخلوق ہیں۔ اللہ نے اُن کو تذکیر و تانیث سے پاک رکھا ہے، وہ مجرد ہیں، اور ان کی تخلیق بھی لطیف مادے سے ہوئی ہے۔ اگر تم نے خدا کے لیے اولاد ہی تجویز کرنا تھی تو پھر اس قدر گستاخی اور بے ادبی کا ارتکاب تو نہ کرتے کہ اپنی دانست میں کمزور مخلوق کو اس کی طرف منسوب کر دیا۔ فرمایا، کسی پر عیب لگانے کے لیے بھی کچھ تو عقل و شعور سے کام لیتے۔ خدا تعالیٰ تو بیوی اور اولاد سے پاک ہے۔ سورۃ جن میں اُس کا واضح ارشاد موجود ہے وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا (آیت۔ ۳) اور بیشک ہمارے پروردگار کی شان تو بہت رفیع اور بلند ہے، وہ نہ بیوی رکھتا ہے اور نہ اولاد

دراصل انسان کے دل میں اولاد کی خواہش دو وجوہ سے ہوتی ہے ایک یہ کہ اُس کی بدولت اس کا سلسلہ نسب قائم رہے گا۔ اور دوسری یہ کہ بڑھاپے میں اولاد اس کی

خدمت کر سکے گی۔ مگر حقیقت یہ ہے اَللّٰهُ الصَّمَدُ (الاخلاص۔۲) اللہ تعالیٰ تو ان چیزوں سے غنی اور بے نیاز ہے۔ اس کو نہ تو بقائے نسل کی ضرورت ہے اور نہ اس پر کبھی بڑھاپا طاری ہوگا کہ دوسرے کی مدد کی ضرورت پڑے۔ پھر بھلا خدا تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنا کس قدر حماقت کی بات ہے۔ خاص طور پر اللہ کی طرف صنفِ نازک کی نسبت کرنا تو مزید بیوقوفی کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں اس بات کا ذکر کیا ہے وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ (آیت۔۵۸) عرب کا کوئی مشرک کسی مجلس میں بیٹھا ہوتا اور وہاں آکر اُسے کوئی خبر دیتا کہ تمھارے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے تو غم کے مارے اُس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور وہ اندوہناک ہو جاتا۔ اُسے لڑکی کی پیدائش سے اس قدر نفرت ہوتی۔ یہ خبر سن کر وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا اور پھر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ آیا ذلت برداشت کرنے کے لیے اس لڑکی کو زندہ رہنے دے اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ (آیت۔۵۹) یا اُسے زندہ زمین میں گاڑ دے۔ خدا تعالیٰ کے لیے اولاد کا نظریہ یہود و نصاریٰ میں بھی پایا جاتا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبہ۔۳۰) یہودی کہتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ فرمایا یہ محض اُن کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ بھی پہلے کافروں کی طرح اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ ہندوؤں میں بھی دیوی دیوتا کا عقیدہ اسی نوع کا ہے اُن کی دیویاں بھی خدا کی یہ مقدس مخلوق فرشتے ہیں جنہیں وہ خدا کا شریک مانتے ہیں بلکہ عیسائی تو ان سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔ وہ اقانیم ثلاثہ کے قائل ہو گئے یعنی ایک کی بجائے تین خدا ماننے لگے ہیں، باپ، بیٹا اور روح القدس۔ مسیح علیہ السلام کے متعلق کہا کہ آپ خدا کے بیٹے ہیں یا تین خداؤں میں سے ایک ہیں۔ اس سارے باطل عقیدہ کے متعلق اللہ نے فرمایا اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ

مُّبِيْنٌ کیا اس باطل عقیدے کی تمہارے پاس کوئی کھلی سند ہے؟ فَأْتُوا بِكِتٰبِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اپنی کتاب لے آؤ اور دکھاؤ کہ اس میں کیا لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے اور فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں العیاذ باللہ۔ ظاہر ہے کہ کافر و مشرکوں کے پاس کون سی دلیل ہے جو وہ پیش کرتے۔ لہٰذا آج تک اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکے اور نہ آئندہ کبھی دے سکیں گے

...ات سے
...داری کا
...عقیدہ

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور باطل عقیدے کا ذکر فرمایا ہے۔ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا اور ٹھہرایا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان رشتہ۔ جب مشرکین نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تسلیم کر لیا تو پھر سوال پیدا ہوا کہ فرشتوں کی مائیں کون ہیں جن کے بطن سے یہ بیٹیاں پیدا ہوئی ہیں؟ پھر "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" کے مصداق کفار و مشرکین نے اللہ تعالیٰ کا رشتہ جنات کے ساتھ جوڑا اور کہنے لگے کہ یہ بڑی بڑی جنیاں فرشتوں کی مائیں ہیں، گویا جنات کو خدا تعالیٰ کا سسرال بنا دیا۔ العیاذ باللہ۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ کتنی غلط بات ہے جو جنوں کی طرف منسوب کی جا رہی ہے۔ جنات تو اللہ کی عاجز مخلوق ہے اور وہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ فرمایا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ اور البتہ جنات جانتے ہیں کہ وہ تو گرفتار شدہ اللہ کی عدالت میں پیش کیے جائیں گے۔ اگر ذرا بھی کوتاہی کریں گے تو اللہ کی گرفت میں آئیں گے۔ ان کی حالت تو یہ ہے کہ وہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں مگر ان ظالموں نے ان کی خدا تعالیٰ کے ساتھ رشتہ داری قائم کر دی۔

امام رازیؒ[1] اور بعض دیگر مفسرین کرامؒ[2] فرماتے ہیں کہ بعض زندیق قسم کے

۱؎ تفسیر کبیر ص ۱۶۸ ج ۲۶ ۲؎ ابن کثیر ص ۲۳ ج ۴ و طبری ص ۱۰۷ ج ۲۳ (فیاض)

لوگ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور ابلیس آپس میں بھائی بھائی ہیں (نعوذباللہ) اس پر مزید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر کا خالق ہے اور ابلیس شر کا خالق۔ مجوسیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ وہ بھی خیر و شر، نور و ظلمت اور نیکی اور بدی کے دو مختلف خدا مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نیکی کا خدا یزدان ہے۔ اور برائی کا اہرمن ہے۔ یہ عقیدہ پرانے ایران کے ایک شخص مانی کا وضع کردہ ہے۔ بعض بادشاہوں نے اس مذہب کے پیروکاروں کو سزا بھی دی مگر پھر بھی یہ مذہب پھیل گیا۔ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں شراکت پیدا کرتا ہے، اور یہ اسی طرح باطل ہے۔ جس طرح اللہ کی ذات میں شریک ٹھہرانا۔

ثنوی عقیدہ کی تردید

چوتھی صدی میں متنبی ایک مشہور عربی شاعر گزرا ہے اس نے اس دو خداؤں والے عقیدے کی اپنے انداز میں نفی کی ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

وکم لظلام اللیل عندک من ید
تحدث ان المانویۃ تکذب

مجھے ظلمات کے اندھیرے میں بھی بہت سی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں مگر مانوی کہتا ہے کہ ظلمت کا خدا ہی اور ہے حقیقت یہ کہ اس معاملہ میں مانوی جھوٹا ہے اُسکا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ظلمت محض، شر پر مشتمل ہے اور اس میں خیر کا کوئی پہلو نہیں مجھے تو شب و روز بے شمار نعمتیں حاصل ہو رہی ہیں، دو خداؤں کا عقیدہ خدا کی ذات میں شرک کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ تمام نیک و بد مخلوق خواہ انسان ہوں، جنات یا فرشتے سب کا خالق ایک ہی وحدہٗ لاشریک ہے، کوئی دوسرا خالق نہیں سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اُن غلط باتوں سے جو یہ کافر اور مشرک لوگ بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے، نہ بھائی اور نہ ہی کوئی اولاد ہے۔ یہ سب نقص اور عیب پر دلالت کرنے والی چیزیں ہیں۔ جب کہ اللہ کی ذات ہر

نقص اور عیب سے مبرا اور منزہ ہے اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے لوگ لازماً مجرم بنیں گے اور خدا کی عدالت میں پکڑ کر حاضر کیے جائیں گے۔

مخلصین کی جماعت

فرمایا، البتہ ایک جماعت اس گرفت خداوندی سے بچ جائے گی اور وہ ہے اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ اللہ کے مخلص منتخب اور برگزیدہ بندے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جائیں گے، وہ باعزت اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے اور پھر انہیں نہایت تکریم کے ساتھ اللہ کے عزت کے مقام جنت تک رسائی ہوگی۔ پھر اللہ نے مشرکوں سے فرمایا فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ پھر بے شک تم اور جن کی تم پوجا کرتے ہو خدا کے سوا مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ تم خدا تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کو بہکا نہیں سکتے مطلب یہ ہے کہ تم لاکھ اپنے عقیدے کا پراپیگنڈا اور میرے بندوں کو پھسلانے کی کوشش کرو مگر میرے مخلص بندے تمہارے دامِ فریب میں نہیں آئیں گے۔ تمہارے بہکاوے میں وہی آئے گا اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ جو جہنم میں داخل ہونے والا ہے۔ تمہارا داؤ جہنمی لوگوں پر ہی چلتا ہے۔ جو عقل و شعور کو بروئے کار نہیں لاتے اور ضد و عناد پر اڑے رہتے ہیں۔ تم انہی کو گمراہ کر کے جہنم تک لے جا سکتے ہو۔ میرے مخلص بندے تو ہر وقت مناجات اور دعائیں کرتے رہتے ہیں اور ہمیشہ میرے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہیں۔ مجھی سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں، لہٰذا وہ شیطانی داؤ پیچ سے محفوظ رہتے ہیں۔

فرشتوں کی صف بندی

مشرکین کی بات ختم کر کے آگے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبان سے بات کروائی ہے۔ فرشتے نہ تو خدا کی بیٹیاں ہیں اور نہ ہی وہ معبود ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق، اس کے مطیع اور عابد بندے ہیں۔ وہ کسی کی جبری سفارش بھی اللہ کے پاس نہیں کر سکتے۔ وہ تو خود اللہ کی عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے ہیں، اور اس کی رضا کے طالب ہوتے ہیں۔ اسی بات کو فرشتوں نے اپنی زبان سے کہا وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ اللہ نے ہم میں ہر ایک کے لیے

ایک مقام اور مرتبہ مقرر کیا اور ہم اس مقام سے آگے نہیں جا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری جو ڈیوٹی لگا دی ہے۔ ہم اسی کو ادا کرنے رہتے ہیں اور حکم خداوندی سے سرمو انحراف کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور ہم تو اس کے حکم کی تعمیل میں وَ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ہمیشہ صف بستہ رہتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرشتوں کی صف بندی کو معیاری قرار دیا اور لوگوں سے فرمایا[1] کہ تم نماز اور جہاد کے لیے فرشتوں کی طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے تو عرض کیا حضور فرشتے کس طرح صفیں بناتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ مل کر کھڑے ہوتے ہیں اور درمیان میں کوئی رخنہ نہیں چھوڑتے پہلے اگلی صفوں کو مکمل کرتے تھے پھر پچھلی صفیں بناتے ہیں صف بندی سے جماعتی تنظیم کا اشارہ بھی ملتا ہے۔ بدنظمی ہرگز پسندیدہ چیز نہیں۔ اگر صف خراب ہو گی اغیر منتظم اور ٹیڑھی ہو گی تو دل اور عقیدے بھی خراب ہو جائیں گے۔ لہٰذا حضور علیہ السلام نے درست صف بندی کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت[2] میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، لوگو! جو باتیں میں سنتا ہوں، وہ اگر تم بھی سنتے اور جو باتیں میں جانتا ہوں، وہ اگر تم بھی جانتے تو یقیناً تم ہنستے تھوڑا اور روتے زیادہ فرمایا ایسی صورت میں تم دہشت میں مبتلا ہو جاتے اور بستروں پر عورتوں کے پاس لیٹنا چھوڑ کر جنگلوں اور بیابانوں کی طرف بھاگ جاتے اور چیختے چلاتے پھرتے۔ فرمایا[3] آسمان پر ایک بالشت بھر بھی کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اللہ کا کوئی فرشتہ اس کی عبادت و ریاضت رکوع، سجود اور تسبیح میں مصروف نہ ہو۔ ایک دوسری روایت[4] میں آتا ہے کہ فرشتوں کی عبادت و ریاضت کی وجہ سے آسمان اس طرح چرچراتا ہے۔ جس طرح نیا کجاوہ یا چمڑے کا نیا جوتا چرچراتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان[5] ہے

---

[1] ابن کثیر ص۲ ج۴ و خازن ص۱۷ ج۶ و مظہری ص۱۰۵ ج۸

[2] قرطبی ص۱۳۷ ج۵ [3] خازن ص۳۹ ج۶ [4] خازن ص۳۹ ج۶

[5] ابن کثیر ص۲۴ ج۴ (فیاض)

کہ ہماری صفیں بھی اللہ نے فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی ہیں۔ یہ آپ کی امت کی خصوصیت ہے کہ اگر ان کی صفیں درست ہوں گی تو یہ بھی فرشتوں کی صفوں کی طرح شمار ہوں گی۔ اس آخری امت کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے اس کے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا ہے اور ہم لوگ زمین کے ہر ایک خطے پر عبادت کر سکتے ہیں، ہماری عبادت محض عبادت خانوں تک محدود نہیں ہے۔ اور تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے ہمارے لیے مٹی کو پاک صاف قرار دیدیا ہے۔ اگر پانی میسر نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر کے طہارت حاصل کی جا سکتی ہے۔

خدا تعالیٰ کی تسبیح

بہرحال فرشتوں نے کہا کہ ایک تو ہم صف بستہ رہتے ہیں۔ اور دوسرا وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ اور بے شک ہم ہر وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر نقص، عیب، کمزوری اور شرک سے پاک ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے، اس کا لوگوں کی طرف سے منسوب کی گئی کمزوری سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ہر لحاظ سے پاک اور منزہ ہے۔ جو شخص اس کی ذات یا صفات میں شریک بنائے گا وہ خود بحیثیت مجرم خدا کی بارگاہ میں گرفتار شدہ پیش کیا جائیگا۔

وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ
الْأَوَّلِينَ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوا
بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿١٧٠﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ
كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧١﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ
الْمَنْصُورُونَ ﴿١٧٢﴾ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿١٧٣﴾
فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٤﴾ وَأَبْصِرْهُمْ
فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿١٧٥﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٧٦﴾
فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٧٧﴾
وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٨﴾ وَأَبْصِرْ فَسَوْفَ
يُبْصِرُونَ ﴿١٧٩﴾ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا
يَصِفُونَ ﴿١٨٠﴾ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ﴿١٨١﴾
ع ۵ ۹ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٨٢﴾

ترجمہ:- اور بے شک یہ لوگ البتہ کہتے تھے (۱۶۷) اگر
ہوتی ہمارے پاس نصیحت پہلے لوگوں کی (۱۶۸) البتہ ہوتے
ہم اللہ کے مخلص بندوں میں سے (۱۶۹) پس کفر کیا
انہوں نے اس کے ساتھ ، پس عنقریب جان لیں گے (۱۷۰)

اور البتہ تحقیق پہلے ہو چکی ہے ہماری بات ہمارے بھیجے
ہوئے رسولوں کے لیے (۱۷۱) کہ بیشک البتہ وہی مدد
دیے جائیں گے (۱۷۲) اور بے شک ہمارا لشکر البتہ
وہی غالب ہو گا (۱۷۳) پس آپ رخ پھیر دیں انکی
طرف سے ایک وقت تک (۱۷۴) اور آپ دیکھتے
رہیں ان کو ، پس عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے (۱۷۵) کیا یہ ہمارے
عذاب کے ساتھ جلدی کرتے ہیں (۱۷۶) پس جب وہ اترا
ان کے صحن میں ، پس بُری ہے صبح ڈرائے ہوئے لوگوں
کی (۱۷۷) اور آپ رُخ پھیر لیں ان کی طرف سے ایک
وقت تک (۱۷۸) اور آپ دیکھتے رہیں ، عنقریب
یہ بھی دیکھ لیں گے (۱۷۹) پاک ہے تیرا پروردگار جو عزت
کا مالک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ بیان کرتے
ہیں (۱۸۰) اور سلامتی ہے اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں
پر (۱۸۱) اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے
جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (۱۸۲)

ربط آیات

گذشتہ درس کی آخری تین آیات میں فرشتوں کا کلام ذکر کیا گیا تھا کہ کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک ٹھکانا اور حد مقرر ہے جس سے ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ہم صف بستہ رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ یہی وہ فرشتے ہیں جن کو مشرک لوگ خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں، اُن کو معبود مان کر اُن سے حاجت براری کرتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ جو مخلوق اپنے پروردگار کے سامنے عجز و انکساری کے ساتھ صف بستہ کھڑی ہے، اس کی تسبیح و تنزیہہ بیان کرتی اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے ہر وقت تیار ہے، اور اُن میں سے ہر ایک کا ایک ٹھکانا اور حد

مقرر ہے، وہ دوسروں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کیسے کریگی۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور اُس کی ذات و صفات میں کوئی بھی شریک نہیں، مشرک لوگ غلط عقیدہ رکھتے ہیں اور لایعنی باتیں کرتے ہیں۔

ہدایت پانے کے لیے مشرکین کا عذرِ لنگ

اب اللہ نے مشرکین کے ایک جھوٹے بہانے کا ذکر کر کے اُن کی غلط بیانی کا پردہ چاک کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ اور بیشک مشرکین یہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے پاس تو آسمانی کتابیں موجود ہیں مگر اس کے باوجود یہ لوگ اس ہدایت سے مستفید نہیں ہوتے بلکہ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ اگر ہمارے پاس بھی پہلے لوگوں کی کوئی نصیحت ہوتی لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ تو ہم اللہ کے مخلص بندوں میں ہوتے اور اہلِ کتاب کی طرح نافرمانی نہ کرتے پہلی آیت میں مذکور الفاظ وَاِنْ كَانُوْا میں اِنْ شرط کے لیے نہیں بلکہ یہ دراصل اِنَّهٗ ہے اور مطلب یہ بنتا ہے کہ بیشک شان یہ ہے کہ مشرک لوگ کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس بھی کوئی نصیحت یعنی کتاب، صحیفہ، نوشتہ یا ہدایت ہوتی تو اس پر عمل کر کے اللہ کے منتخب بندوں میں شمار ہوتے۔ اور اس طرح ہم عبادت و ریاضت، معرفت عمل اور اخلاق میں ترقی کرتے۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے بعد عربوں میں کوئی نبی نہیں آیا اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ نازل ہوا۔ برخلاف اس کے اہلِ کتاب کے پاس کتابیں موجود تھیں۔ مگر ان کتابوں سے انحراف کو دیکھ کر مشرکین کہتے تھے کہ یہ بدقسمت لوگ ہیں کہ اِن کے پاس کتاب، ہدایت اور احکام موجود ہیں مگر ان کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے۔ اگر ہمارے پاس ایسی کوئی چیز ہوتی تو ہم ضرور اس سے مستفید ہوتے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ جب اللہ کا آخری رسول اور اُس کی آخری کتاب قرآن حکیم اِن لوگوں کے پاس آگئے تو انہوں نے تسلیم کرنے کی بجائے فَكَفَرُوْا بِهٖ اس کا سرے سے انکار ہی کر دیا۔ اور

نصیحت کے آنے اور اس پر عمل درآمد کے جو وعدے کرتے تھے ان سے مکر گئے جب قرآن پیش کیا جاتا تو کہتے اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (الانعام-۲۵) یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ اس میں پرانی اقوام عاد و ثمود وغیرہ کے واقعات بیان کیے گئے ہیں ہمارے لیے یہ کیسے مفید ہو سکتے ہیں سورۃ الانعام میں اللہ نے مشرکین کی اس حیلہ سازی کو اس انداز سے بیان کیا ہے ہم نے یہ مبارک کتاب اتار دی ہے، اتباع کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے، اور تاکہ تم یوں نہ کہو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر کتابیں اتری ہیں مگر ہم اُن کی درس و تدریس سے بے خبر تھے۔ یا پھر تم اس طرح نہ کہہ دو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم اُس پر عمل کر کے لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ (آیت-۱۵۷) ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ آگے اللہ نے فرمایا کہ قرآن پاک کی صورت میں تمہارے پاس دلیل، ہدایت اور رحمت آچکی ہے فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (آیت-۱۵۷) اب اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرے۔ یہاں بھی فرمایا کہ جب اُن کے پاس مطلوبہ ہدایت آگئی تو ان ظالموں نے اُس کا انکار کر دیا۔ فرمایا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ عنقریب یہ لوگ جان لیں گے کہ ان کی حیلہ سازی اور تکذیب کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

انبیاء کی مدد کا وعدہ

دنیا میں جب بھی انبیاء علیہم السلام نے توحید کی دعوت دی لوگ خلاف ہو گئے اور توحید کے پروگرام کو ہر طرح سے ناکام بنانے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے نہ صرف انبیاء کی تکذیب اور توہین کی بلکہ عام لوگوں کو دین کے قریب آنے سے روکنے کے لیے مال و دولت صرف کیا اور لوگوں کو نہ صرف دھمکیاں دیں بلکہ عملی طور پر اُن کو طرح طرح کی سزائیں بھی دیں۔ اِن تمام مشکلات کے باوجود خدا تعالیٰ کی منشا ہمیشہ یہ رہی کہ وہ اپنے دین کو غالب بنائے گا اور اس مقصد کے لیے اس نے اپنے انبیاء کی مدد بھی کی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اور البتہ تحقیق ہمارے رسولوں

کے حق میں ہماری یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی ہے اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ کہ بیشک وہی مدد دیے جائیں گے، گویا اللہ نے کفر و شرک کے خلاف اپنے منتخب بندوں کی مدد کا وعدہ کر رکھا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں[1] کہ بعض اوقات دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کو ظاہری طور پر کامیابی نہیں ہوتی مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا بلکہ ایسی صورت میں اللہ کا یہ وعدہ آخرت میں جا کر پورا ہوگا۔ اہلِ ایمان وہاں پر منصور ہوں گے اور ان کے مخالفین مقہور ہو کر خدا تعالیٰ کے عذاب میں پکڑے جائیں گے۔

سورۃ المؤمن میں اللہ کا فرمان ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (آیت -۵۱) بے شک ہم اپنے رسولوں اور اہلِ ایمان کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں، اور اس دن بھی مدد کریں گے جس دن گواہ کھڑے ہوں گے قیامت کے دن۔

بعض فرماتے ہیں[2] کہ دنیا میں کفر و شرک کا طوفان سیلاب کی مانند ہوتا ہے جو وقتی طور پر خوب ابھرتا ہے مگر آخر کار ختم ہو جاتا ہے۔ سورۃ الرّعد میں اللہ نے حق و باطل کی کشمکش کو سیلاب کے جھاگ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس طرح سیلاب کے جھاگ میں وقتی طور پر جوش و خروش پایا جاتا ہے، اسی طرح باطل کو بھی ابال آتا ہے جو جلدی ہی ختم ہو جاتا ہے جس طرح سیلاب کا جھاگ ختم ہو جاتا ہے اور مفید پانی زمین کی سیرابی کے لیے باقی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح کفر و شرک کا طوفان تو چھٹ جاتا ہے اور پائیدار حق باقی رہ جاتا ہے۔ اگر دنیا میں اللہ کے نبی یا اس کے نیک بندے مغلوب بھی ہو جائیں۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ حق کو ہی غالب کرتا ہے جیسے فرمایا وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل - ۸۱) اے پیغمبر!

---

[1] روح المعانی ص ۱۵۶ ج ۲۳، و مدارک ص ۳۱ ج ۴

[2] (فیاض)

آپ کہہ دیں کہ حق آگیا اور باطل چلا گیا۔ بیشک باطل مٹنے ہی والی چیز ہے۔ باطل کو کبھی ثبات حاصل نہیں ہوتا اور پھر یہ ہے کہ اکثر و بیشتر اللہ نے ظاہری طور پر بھی اپنے نبیوں کی مدد کی اور باطل مغلوب ہوا۔ اس ضمن میں قوم عاد و ثمود، قوم نوح، قوم ابراہیم، قوم صالح علیہم السلام اور قوم موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ اس طرح حضور خاتم النبیین کی پوری زندگی بھی ہماری نگاہ میں ہے۔ آپ نے کن نامساعد حالات میں اپنے مشن کا آغاز کیا اور کیا کیا تکالیف برداشت کیں مگر بالآخر اللہ نے اپنے انبیاء کی مدد فرمائی اور اُن کو غالب بنایا۔

جند اللہ کا غلبہ

فرمایا ہمارے منتخب بندوں کے متعلق پہلے ہی یہ بات طے ہو چکی ہے کہ انہی کی مدد کی جائے گی وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ اور بالآخر ہمارا لشکر ہی غالب آئے گا۔ اس لشکر سے اللہ کے نبی اور اُن کے پیروکار مراد ہیں۔ سچے مومن ہی حقیقت میں جند اللہ یعنی اللہ کا لشکر ہیں جو اللہ کے دین کی خاطر جان و مال کی قربانی پیش کرتے ہیں اور انہی کی مدد کی جاتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ابتلاء بھی آتی ہے۔ جس کا ذکر اللہ نے مختلف سورتوں میں بالتفصیل کیا ہے۔ جب اللہ کے رسول اور اس کے نیک بندے آزمائش پر پورا اترتے ہیں تو پھر غلبہ بھی انہی کو حاصل ہوتا ہے۔

اس اصول کے پیش نظر اللہ نے فرمایا فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ پس آپ ایک مقررہ وقت تک اِن سے رُخ پھیر لیں یعنی اُن کو نظر انداز کر دیں۔ وَأَبْصِرْهُمْ اور اُن کی طرف دیکھتے رہیں یعنی انتظار کریں فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ پس عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے۔ کہ ان کے انکار، مخالفت اور ایذا رسانی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ سورۃ السجدۃ میں بھی فرمایا ہے فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانتَظِرْ إِنَّهُم مُّنتَظِرُونَ (آیت ۔ ۳۰) آپ اِن ناہنجاروں سے روگردانی کر لیں اور ہمارے فیصلے کا انتظار کریں۔ یہ لوگ بھی انتظار میں ہیں۔ اور جلدی ہی اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ اِن کو پتہ

چل جائے گا۔ کہ کون غالب آتا ہے اور کون دنیا میں شکست اور آخرت میں دائمی عذاب کا مستوجب بنتا ہے۔

عذاب کا مطالبہ

فرمایا یہ لوگ اس قدر بے انصاف ہیں اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ کیا یہ ہمارے عذاب کے ساتھ جلدی کرتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی توحید اور اُس کے رسول کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ جو عذاب ہم پر لانا چاہتے ہو جلدی لے آؤ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا (آیت - ۹۲) یا جیسا کہ تم خیال کرتے ہو، ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دو، کبھی کہتے، قیامت برپا کر دو، وہ آتی کیوں نہیں۔ تو فرمایا یہ بڑے بے انصاف لوگ ہیں، جو اپنے منہ سے عذاب طلب کرتے ہیں، مگر یاد رکھو فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ جب عذاب اِن کے صحن میں اُترے گا فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بہت ہی بُری ہوگی، جب ہمارا عذاب آجائے گا تو پھر یہ بچ نہیں سکیں گے اور اِن کا انجام بہت بُرا ہوگا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اہلِ ایمان نے صبح کے وقت خیبر پر حملہ کیا جب کہ اُس وقت وہ لوگ کاشتکاری کے لیے اپنے کھیتوں کی طرف جا رہے تھے۔ جب انہوں نے اسلامی لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے بخدا یہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نظر آتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا خَرِبَتْ خَيْبَرُ یعنی خیبر اجڑ گیا اِنَّآ اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ہ تو یہاں پر بھی آپ نے وہی الفاظ استعمال کیے کہ جب ہم کسی قوم کے صحن میں اُتریں گے تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بہت بُری ہوگی۔ چنانچہ خیبر پر حملہ کے نتیجہ میں جنگ ہوئی، خیبر فتح ہوا اور وہ سارا علاقہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں

لہ ابن کثیر ص ۲۵ ج ۴ و قرطبی ص ۱۴۰ ج ۱۵ و روح المعانی ص ۱۵۷ ج ۲۳ (فیاض)

آگیا۔ ویسے بھی اکثر نافرمان قوموں پر صبح کے وقت ہی عذاب آیا ہے۔ قوم لوط کا حال دیکھ لیں۔ فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو تسلی دی اور کہا کہ آپ اپنے اہل کو لے کر راتوں رات نکل جائیں کیونکہ اس نافرمان قوم کی درگت بننے والی ہے اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ (ھود - ۸۱) ان کے لیے عذاب کے وعدے کا وقت صبح ہے، اور کیا صبح اب قریب نہیں ہے

بہرحال اللہ نے فرمایا وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ایک وقت تک آپ ان سے رُخ پھیر لیں وَاَبْصِرْ آپ دیکھتے رہیں کہ کیا ہوتا ہے فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ پس عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے اور کون مبتلائے عذاب ہوتا ہے۔ فرمایا آپ کچھ دیر انتظار کریں اور حالات کا مشاہدہ کرتے رہیں۔

خلاصہ مضامین

اب آخر میں اللہ نے سارے مضامین کا خلاصہ دے دیا ہے۔ یہ گویا ساری سورۃ کا نچوڑ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ تیرا پروردگار جو تمام عزتوں کا رب ہے وہ پاک ہے اُن چیزوں سے جو یہ لوگ اپنی زبانوں سے بیان کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کی کفر و شرک کی باتیں، خدا کی اولاد تجویز کرنے کی بات فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دینا اور اللہ کا رشتہ جنوں کے ساتھ قائم کرنا، ابلیس کو خدا تعالٰے کا بھائی سمجھنا، دو خداؤں پر اعتقاد رکھنا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اس کے علم یا قدرت میں کسی کو شریک بنانا یہ سب بیہودہ باتیں ہیں جن سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لغویات سے منزہ ہے۔

رسولوں پر سلام

اللہ کے نبی اور رسول ہمیشہ ایمان اور توحید کی دعوت دیتے رہے انہوں نے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے کی جدوجہد کی، کفر و شرک کو چھڑا کر ایمان و توحید کا درس دیا۔ ہدایت کا راستہ واضح کیا۔ اللہ کے پیغمبر اللہ کے نزدیک نہایت ہی برگزیدہ اور پاک ہستیاں ہوتے ہیں۔ وہ اپنی زندگیاں دین کے مشن

کو پورا کرنے کے لیے لگا دیتے ہیں حتیٰ کہ اپنی جان کی پرواہ بھی نہیں کرتے لہٰذا ان پر سلام بھیجنا چاہیئے۔ اسی لیے فرمایا وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ، اور سلامتی ہو اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں پر۔ حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان[1] ہے کہ جب تم مجھ پر سلام بھیجتے ہو تو اللہ کے سارے رسولوں پر سلام بھیجا کرو اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ رسولوں پر سلام بھیجنے کے لیے اس آیت کی تلاوت بھی کافی ہے۔ سورۃ کی یہ آخری تین آیات فرد بھی ہے، رسولوں پر سلامتی کے ذکر کے ساتھ نبوت و رسالت کا مضمون بھی بیان ہو گیا۔

حمد باری تعالیٰ

رسولوں پر سلام کے بعد حمد باری تعالیٰ کے طور پر فرمایا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس سے مراد تمام جہان ہیں خواہ وہ ارضی ہوں یا سماوی، عالمِ بالا کے ہوں یا عالمِ زیریں کے، علوی ہوں یا سفلی، تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اسی طرح مختلف انواع و اقسام کے جہان بھی الگ الگ ہیں جیسے چیونٹیوں کا جہان، مچھلیوں کا جہان، پرندوں اور درندوں کا جہان، شجر و حجر کا جہان، برزخ کا جہان، حشر کا جہان اور آخرت کا جہان۔ ان تمام جہانوں کا پرورش کنندہ بھی اللہ رب العزت ہی ہے، لہٰذا ساری حمد و ثنا اسی کے لیے ہے

طبرانی شریف کی روایت[2] میں آتا ہے کہ جس شخص نے یہ آخری تین آیات نماز کے بعد تین دفعہ تلاوت کیں، اس نے گویا اپنے لیے پورے پیمانے پر اجر ماپ لیا۔ کم از کم ایک مرتبہ تو ضرور پڑھ لینی چاہئیں۔ کسی مجلس میں بیٹھ کر طرح طرح کی باتیں ہوتی ہیں، اس لیے حضور علیہ السلام نے تعلیم دی ہے کہ ہر مجلس کے اختتام

---

[1] قرطبی ص ۱۴۲ ج ۱۵ و ابن کثیر ص ۲۵ ج ۴ و طبری ص ۱۱۶ ج ۲۳

[2] ابن کثیر ص ۲۵ ج ۴ و روح المعانی ص ۱۵۹ ج ۲۳ (فیاض)

پر بھی یہ آیات تلاوت کرلینی چاہئیں۔ اگر ان آیات کے آخر میں یہ بھی کہہ دیا جائے
سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ
اِلَيْكَ تو اللہ تعالیٰ اس مجلس کی ساری غلطیاں معاف فرما دیگا۔ ان آیات میں
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر ہے جس سے عقیدہ درست ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ
کی حمد و ثنا بھی ہے اور رسولوں پر سلامتی کا ذکر بھی ہے اور یہ آیات ورد بھی ہیں۔ یہ
ساری سورۃ کا لب لباب ہے جو آخر میں بیان کر دیا گیا ہے۔

حیّ علی الفلاح

از

حضرت مولانا حاجی محمدؐ فیاض خان سواتی

مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

نماز مسنون کلاں مصنّفہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خانصاحب سواتی مدظلہ قرآنِ کریم، احادیثِ مبارکہ، تعاملِ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، سلف صالحینؒ اور اہل السنّت والجماعت احناف کے مسلک کے مطابق ایک اہم ترین جامع اور مثبت دلائل سے مزّین کتاب ہے۔ اہلِ حدیث (غیر مقلدین) نے اسکی شہرت اور مقبولیت سے خائف ہوکر اسکی اہمیّت کو کم کرنے کے لیے نماز مسنون کے بعض مسائل پر بے جا اعتراضات کر دیئے جوکہ "حی علی الصلوٰۃ" نامی کتاب کی صورت میں شائع ہوئے تھے ان اعتراضات کے مدلّل جوابات آپکو اس کتاب "حیّ علی الفلاح" میں ملیں گے۔ اور غیر مقلّدین کی کذب بیانیاں اور خیانتیں واضح ہوں گی۔

ضخامت : ۹۶ صفحات

قیمت : -/۱۸ روپے

نمازِ مسنون کلاں

تالیف

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید صاحب سواتی

دامت برکاتہم

نمازِ مسنون خورد کے بعد نمازِ مسنون کلاں ایک ایسی مفید اور نماز کے موضوع پر جامع کتاب ہے جو نماز کے تمام ضروری مسائل مع قوی دلائل از کتاب و سنت، احادیثِ صحیحہ، تعامل صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ تعالےٰ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالےٰ کے مضبوط اقوال سے مزین ہے۔ جس میں طہارت، اذان، اوقاتِ نماز، فرائض، سنن و مستحبات، مکروہات و مفسدات کا پورا بیان ہے۔ ارکان، واجبات و سنن کی پوری حکمت اور ضروری مباحث درج ہیں۔ جمعہ و عیدین، نماز جنازہ اور نوافل وغیرہ کے جملہ اہم مباحث اور اس کے ساتھ اذکار و دعوات اور خطبات کا ایک بہترین نصاب درج ہے۔

عام قارئین کے علاوہ علماء کرام، اساتذہ عظام اور خصوصاً طلبار علم دین کے لیے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے جس کا اندازِ بیان اور زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔

عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت، معیاری جلد بندی، قیمت -/۷۵ روپے

قرآن مجید مترجم

ترجمہ

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

بانی مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

قرآن مجید کے صحیح ترجموں میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیو بندیؒ۔ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ ۔ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تراجم مشہور اور مقبول ہیں۔ حضرت صوفی صاحب مدظلہ نے بھی موجودہ دور کے مطابق جدید اردو زبان میں یہ ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلے حضرت صوفی صاحب مدظلہ کی تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کی بیس جلدوں میں بھی شائع ہوچکا ہے اور حال ہی میں عمدہ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ۷۰۴ صفحات پر مشتمل شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔ قیمت ۲۵۰

ناشر مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

اجوبہ اربعین (رد روافض)

(از حجۃ الاسلام مجدد دین وعلوم بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نام نامی ہی اس بات کی ضمانت کے لئے کافی ہے کہ کتاب علوم و معارف، حقائق و دقائق کا مجموعہ ہے۔

اجوبہ اربعین میں حضرت نانوتویؒ کے علوم وفیوض، مناظرانہ وتنقیدانہ مضامین کا وقیع سرمایہ ہے۔ یہ کتاب اہل رفض وتشیع کے رد میں ہے، اس کتاب میں اہل رفض وتشیع کیطرف سے اہل السنت والجماعت پر کئے گئے چالیس اعتراضات کے عقلی ونقلی طور پر دندان شکن اور مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں۔

حصہ اول میں اٹھائیس اعتراضات کے جوابات ہیں جو حضرت نانوتویؒ نے ایک دن رات میں مکمل کئے، اس حصہ میں حضرت کے ساتھ حضرت کے داماد مولانا عبداللہ انصاریؒ سابق ناظم شعبہ دینیات علی گڑھ یونیورسٹی بھی شریک تھے۔ ہر سوال کا ایک ایک جواب ان کا بھی ساتھ شامل ہے۔

حصہ دوم بارہ اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے اور یہ صرف حضرت نانوتویؒ کے قلم حق رقم کا مرہون منت ہے، اس میں دقت نظر، زیرکی، عمیق حقائق، ومعارف لطائف و ظرائف کا گنج گراں مایہ موجود ہے۔ حضرت نے اس حصہ میں متعہ کا مسئلہ، فدک وراثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اہم مسائل کے علاوہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ حصہ زیادہ دقیق اور مشکل اور بہت سے اہم علمی نکات پر مشتمل ہے۔

الحمدللہ ادارہ نشرواشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نے اس کتاب کو نہایت محنت کے ساتھ کتاب میں سرخیاں، حوالہ جات کے مآخذ، پیرے اور متعدد جگہ حواشی، عمدہ کتابت اعلیٰ طباعت ومعیاری جلد بندی کیساتھ طبع کرایا ہے۔ کتاب کے شروع میں فہرست مضامین اور حضرت مولانا صوفی عبدالحمید فاضل دارالعلوم دیوبند وبانی مدرسہ نصرۃ العلوم کا ۲۶ صفحات پر مشتمل مفید مقدمہ لگا دیا گیا ہے۔

طبع دوم — قیمت ۹۰/- روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

معالم العرفان فی دروس القرآن

افادات

حضرت مولانا مفسر قرآن صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔اے علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن محبان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

جنرل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

خزانچی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ

محمد منیر صاحب Ph:221943

مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ